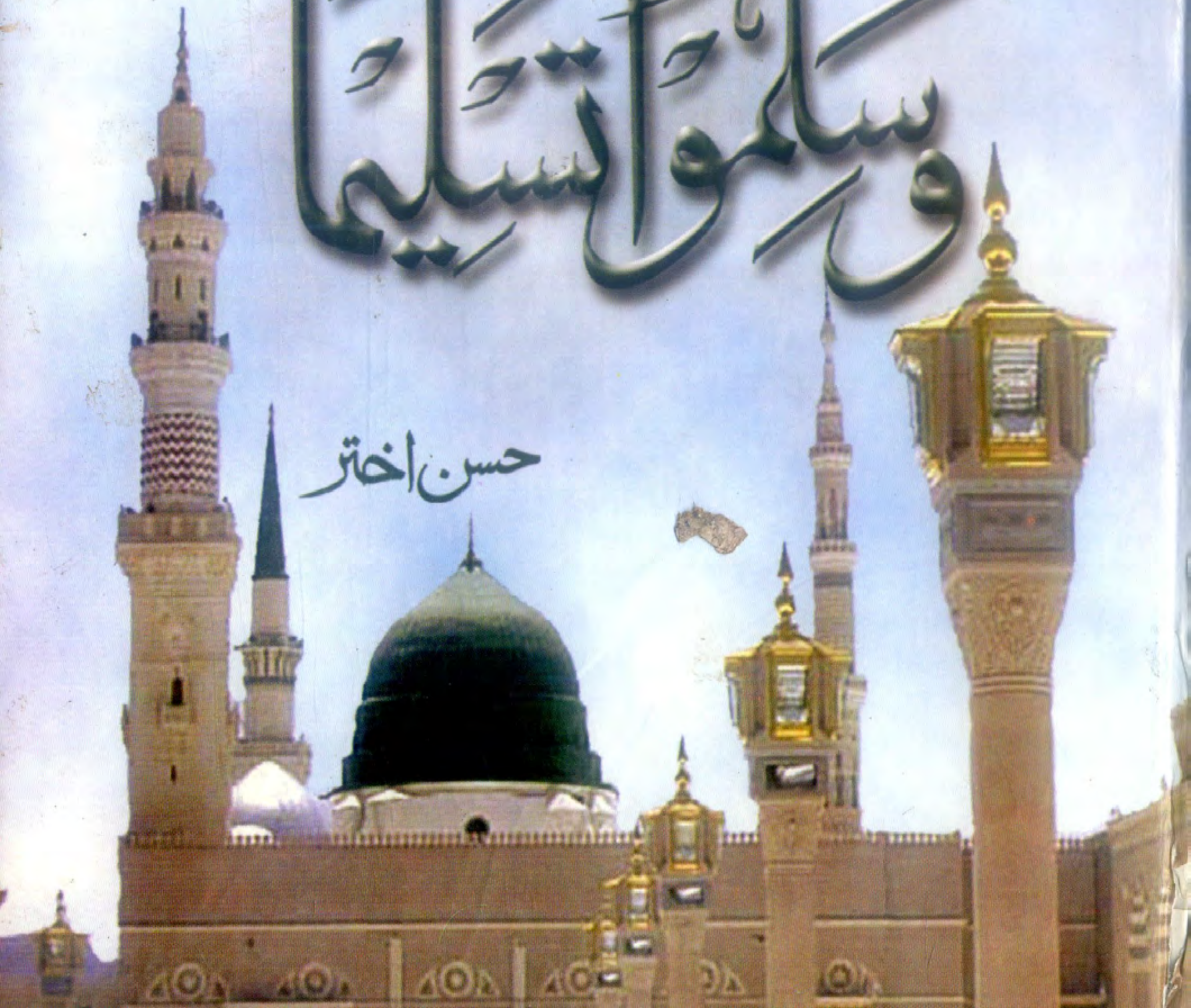
بسم اللہ الرحمن الرحیم

صل اللہ علیک یا رسول اللہ

وسلموا تسلیما

حسن اختر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے

وہ دانائے سبل مولائے کل ختم الرسل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

صلّی اللہ علیہ وسلم

مفاخرہ

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نثر میں (اور نعت اس کے علاوہ) اتنی لکھی گئی ہے کہ شمار میں نہیں آ سکتی۔ ہر زمانے میں اور ہر ملک اور ہر زبان میں ایک غیر ملکی غیر مسلم عالم نے اعتراف کیا ہے۔ ''محمد کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے''۔

سرکار کی سیرت پر لکھنا بھی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس اعزاز کو اس تمغے کو سجا کر کچھ لوگ میدانِ حشر میں بھی پرامید جائیں گے۔ کیوں نہ کریں ایسی امید؟

امیدِ مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

سیرت نگاری نعت نویسی پھولوں کی سوداگری ہے۔ نفع کا حساب تو اس دن ہوگا جب ''فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرًا یرہ'' کے معنی کھلیں گے مگر آج کے دن بھی پھولوں کی سوداگری میں ہاتھ تو خوشبو سے بھر جاتے ہیں۔

سیرت نگاری ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتی۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ کم تعداد کو اس کا خیال آتا ہے۔ کم لوگوں کو اس کی اجازت ملتی ہے۔

اجازت نہ ملے تو قلم لکھ نہیں سکتا۔ ذہن سوچ نہیں سکتا۔ لفظ بول نہیں سکتے۔ حرف وجود نہیں پاتا۔ جذبہ بے نمو رہتا ہے۔ یہاں آرزو کو بھی وضو کر کے درود پڑھتے ہوئے داخل ہونا پڑتا ہے۔ آنکھوں کا وضو بار بار ہوتا ہے تب تحریر میں تاثیر کی خوشبو بکھرتی ہے۔ جو دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی

جاتی ہے اور یقینی دل سے بڑی کوئی جاگیر نہیں ہے۔ اور حضور کی رحمت میں کوئی گواہی قبول نہیں سوائے دل کی گواہی کے۔

عشق سچا ہو تو پیشانیاں فجر کے سہانے وقت کی طرح روشن شادمانیوں سے جگمگا اٹھتی ہیں۔

میں کیوں مفاخرہ کرتا ہوں؟ میں کیوں انکسار نہیں دکھاتا؟

اس لئے کہ میں پچھلا انسان ہوں۔ اتنا بڑا اعزاز میری برداشت سے باہر ہے۔ میرے ظرف سے فزوں تر ہے۔ اتنا بڑا اعزاز مجھے ملے اور میں خاموشی سے اسے پی جاؤں؟ میں منافق نہیں ہوں مجھے تو سرِ بازار ناچنا چاہئے۔

سیرت نگاروں نعت نگاروں کے قافلہ کے سردارِ اعظم حسان بن ثابت اور عبداللہ رواحہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے قصیدوں میں مفاخرہ کرتے تھے اور حضور صحن مسجد میں بیٹھ کر ''سبحان اللہ'' سے نوازتے تھے۔ وہ بڑے لوگ تھے ستاروں سے بھی بلند۔ مگر میں اپنی نظریں ستاروں پر کیوں نہ جماؤں؟ اپنے قدموں میں کیوں دیکھوں؟

بس اب تاب گفتار کہتی ہے بس۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
قلندر جز دو حرف یا محمد کچھ نہیں رکھتا

- مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی
- دل وجاں باد فدایت کہ عجب خوش لقبی
- منِ بے دل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
- اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

- بلند ہے بلند ہے میرے آقا کا نام بلند ہے۔ بلند ہے محمد کا نام بلند ہے۔

اسم محمد سننے کے بعد کروڑوں اربوں مؤمن اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں اذان کی روح اسمِ محمد ہے۔

- بلال! آپ نے اس نام کو پہلے بلند کیا تھا۔

اذان ازل سے آپکے عشق کا ترانہ بنی۔

- ہم آج تک اس ترانے کو نہیں بھولے سیّدی بلال!
- ہم اگر یہ ہی بھول گئے تو ہم کہاں جائینگے۔
- یہ تو ہماری پہلی محبت ہے اور آخری پناہ گاہ۔
- یہ تو ہمارے کان میں کسی بزرگ نے اس دن پھونکا جب ہم پیدا ہوئے۔

''اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا''

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

محمد ایک نام ہے جسکو حرفِ شِفا کہیئے

محمد ایک نام ہے جسکو رشتۂ وفا کہیئے

دنیا کے کسی حصّے میں چلے جائیں سفید فام مسلمان سرخ رنگ مسلمان سانولے رنگ کے مسلمان۔ مشرق ایشیائی انڈونیشین مسلمان زرد رنگ چینی مسلمان ایک رشتۂ وفا میں منسلک ہیں اس رشتہ کا نام ہے **اسمِ محمد** اگر اس نام کا رشتہ نہیں ہے تو پھر وہ سب امت نہیں ہیں بلکہ ایک گروہ ہیں۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

محمد نام ہے ایک ارادہ ایک عزم کا۔

محمد کا نام دل کا میٹھا میٹھا درد بھی ہے۔

اور

محمد کا نام ہر وسوسہ اور گمانِ شیطانی کی دوا بھی ہے۔

محمد کا نام ہماری قوت کا نشانِ اوّل بھی ہے اور فتح مبین کا واضح اعلان بھی۔

محمد ہمارے لئے صدائے امیّد بھی ہے اور نویدِ عرفان بھی۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ　　　اللھم صل علیٰ محمدٍ

محمد کا نام اس امّت کا نشانِ خیر (کنتم خیر امت) ہے۔ محمد کا نام حوصلہ ہے۔

محمد کا نام امیّد ہے۔ خیر کی ہر پہچان محمد کے نام میں ہے۔

یہ امّت ایک انگڑائی لیکر اللہ اکبر کہہ کر اٹھنے ہی والی ہے اور پھر ایک دوسرے کے ہاتھوں میں

ہاتھ ڈال کر آسمان کی طرف نظر اُٹھا کے نعرہ لگائے گی **یا محمد!**

عطا مؤمن کو پھر دربارِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہِ ترکمانی　ذہنِ ہندی　نُطقِ اعرابی

اللھم صل علیٰ محمدٍ　　　اللھم صل علیٰ محمدٍ

محمد نام ہے ایک قوتِ نمو کا

محمد نام ہے ایک قوتِ ثبات کا

ایک قوت جو ہمیشہ باطل کا راستہ روک کے کھڑی رہی۔ اِسی قوت سے توقع ہے کہ ایک امتیازی شان

کا معاشرہ وجود میں لائے گی۔ جس کا نمونہ ایک مختصر مدّت کے لئے مدینہ میں دکھایا گیا۔ جس کی امیّد میں انسانیت اب تک سِسک رہی ہے۔ یہ ایک سیلِ بے پایاں ہے خیر کا جو روک لیتا ہے سیلِ شر کو

''عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام''

یہ دنیا کی مسلسل توقع ہے۔ انسانیت کی آخری امید ہے۔ اور مؤمن کا یقینِ کامل بھی یہ ہی ہے۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

محمد دلِ عاشق کی پکار ہے۔ مسلسل پکار اس نام کا آہنگ اس لفظ کا نغمہ سبحان اللہ۔ یہ مؤمن کے قلب کی دھڑکن ہے اور یہ نام مؤمن کے وجود میں خوشبو بن کر تیر رہا ہے۔

محمد کے نام کو خوشبو ہی کیوں نہ کہیں۔

یہ نام رگِ مسلم میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔

محمد ہی لکھا ہوگا اگر مسلم کا دل چیریں

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

دردلِ مسلم مقامِ مصطفٰی ست
آبروے ما ز نام مصطفٰی ست

محمد کا نام ایک شعاعِ نور ہے۔

وہ نور ہیں اور ان سے ہی پر نور ہے دنیا
وہ حُسن ہیں اور اُن سے ہی کونین حسیں ہے

محمد کا نام لے جاتا ہے انسان کو تاریکی سے نور کی طرف

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْر

کبھی محبت سے کبھی زور سے کھینچ کر۔

گاہ بہ حیلہ می برد گاہ بہ زور می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

اللہ کا پیغام لائحۂ عمل۔ قرآن کریم تو سونے کے جزدان میں لپٹا ہوا فاران پہاڑ پر اتارا جا سکتا تھا مگر ضرورت سمجھی گئی ایک قلبِ مطہر کی جس پر قرآن نازل کیا جائے۔

وہ قلبِ مطّہر خدائی پیغام کی عظیم ضرورت تھی

صاحبِ قرآن کے بغیر جن لوگوں کے لئے قرآن مکمل ہے ان کو واپس آنا پڑے گا۔

صاحبِ قرآن۔ قرآن اور لائحۂ عمل کے لئے اور تکمیلِ انسانیت کے لئے ایک لازمہ

محمد خود ہی دین ہیں۔ محمد خود ہی قرآن ہیں۔ صراطِ مستقیم محمد کا نام ہے۔

گواہی لے لیں ام المؤمنین عائشہ سے

صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ

وسلم علیک یا حبیب اللہ

محمد کے مدّاحوں کا ایک قافلہ ہے۔ بے کنار ۔ لاانتہا .. یہ جاری رہے گا ۔

کوئی شک نہیں اس میں اور نہ جانے کتنے اس قافلہ میں درود پڑھ کر شریک ہو جائینگے۔

آیئے ہم فرد بن کر شریک ہو جائیں تا کہ ہم ایک قافلہ بن جائیں۔

''ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارہ''

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود وسلام سے بے نیاز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا درود ان کو پہنچتا ہے اور فرشتے جن کی گنتی کسی کو معلوم نہیں ہزاروں لاکھوں سال سے ہمہ وقت سلام پیش کرتے ہیں۔ ان کے درود وسلام میں ہمارا درود وسلام کس گنتی میں ہے؟ مگر ہم تو اپنی عقیدت کی چھوٹی سی متاع پھر بھی روانہ کرتے رہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ ہمارے آقا ہر تحفہ قبول فرماتے ہیں چاہے وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ شرط شاید خلوص کی ہے۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

ویسے ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمارا درود وسلام بطورِ خاص پیش کیا جاتا ہے۔ فرشتے اس خدمت پر مامور ہیں۔ درودخواں اپنے درود کی ترسیل کے لئے ان فرشتوں سے مدد لے رہے ہیں۔ اللہ!...... اللہ! کیا مرتبہ ہے درودخواں کا اور کیا مرحمت ہے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کی کہ وہ ہمارے درود پاکر خوش ہوتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

جو شخص بھی حضور کے ذکر اور مدح میں کچھ لکھتا ہے پڑھتا ہے وقت صرف کرتا ہے وہ اپنے اس کام پر یقینی فخر کر سکتا ہے۔ اچھا لکھتا ہے۔ بُرا لکھتا ہے۔ کم لکھتا ہے۔ زیادہ لکھتا ہے۔ یہ سب پیمانے فضول ہیں۔ عقیدت پیمانوں سے نہیں ناپی جاتی۔ محبت اگر ایک آنسو کے قطرے کے برابر ہو تو اسکو ناپنے کی کوشش نہ کرو۔ اسکے ناپنے کے لئے ایک سمندر چاہیئے۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ اللھم صل علیٰ محمدٍ

جب ایک بے نوا ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے بیٹھا تو بے ساختہ (حریص) دل عاشق نے پکارا:۔

نثر میں لکھوں نعت ایسی یہ خواہش ناممکن بھی نہیں

کچھ حسنِ زبانِ قدسی ہو کچھ سوزِ دعائے حالی ہو

گدائے کوچہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ.

غلام پھر حاضر ہو گیا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ اجازت سے آیا ہوں۔

آپ کی اجازت کے بغیر کون خدمت میں آ سکتا ہے۔

دل ابھی بھرا نہیں ہے۔

کچھ اور لکھنا چاہتا ہوں۔

گمان ہے کہ منزل قریب آ گئی ہے۔

مگر کچھ زادِ راہ یا نذرانۂ دل اور جمع کر سکتا تو۔۔۔۔۔

کچھ دعائیں حضرت جامی نے کی تھیں۔ الفاظ اشعار تو حضرت جامی کے ہیں مگر اختر بے نوا۔ گدائے کوچہ۔ کو اگر اسمیں شامل کر لیں۔۔۔۔۔

چو بازوئے شفاعت را کشائی برگنہ گاراں
مکن محروم اختر را دراں دم یارسول اللہ
دمِ آخر نمائی جلوۂ دیدار اختر را
زلطفِ تو ہمی امیدوارم یارسول اللہ

حضرۃ آمنہ بنت وہب

زوجہ

حضرت عبداللہ بن عبدالمطّلب

والدین گرامی

حضورنبی پاک ابن عبداللہ ﷺ

بن عبداللہ بن عبدالمطّلب

☆ صلوٰۃ وسلام یاجدّہ محترمہ۔

☆ کون ہو؟ بیٹاتم لوگ کون ہو؟۔ یہاں ابوا میں مجھ سے ملنے کون آ گیا ہے؟۔

☆ جدّہ محترمہ۔ہم حضرت ابن عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں آپ کوسلام کرنے اور دعا لینے آئے ہیں۔

☆ سلام تو میں نے قبول کیا۔ جواب دے دیا۔ دعائیں میری حاضر ہیں۔ دعا تم کو نہیں دونگی تو کس کو دونگی تم میرے بیٹے ابن عبداللہ کا نام لیتے آئے ہوتو ''اھلاً و سھلاً''۔تم پندرہ سو سال کا سفر کر کے آئے ہو۔ میرا دل تم کو دعا دیتا ہے۔

☆ جدّہ محترمہ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم آپ سے کچھ سننے کے لئے آئے ہیں۔اپنے آقا ابن عبداللہ کے متعلّق۔

☆ تم سب کچھ سن چکے ہو۔ ہندوستان پاکستان کے ہر شہر میں ہزاروں محافل میلاد ہوتی ہیں۔ اگر میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دیتیں تو وہ لمبا والا لڑکا جو پیچھے چھپ کے کھڑا ہے وہ تو **''زاویہ بوسینیا''** میں عاصم خان سے میلوت نامہ سن کر آیا ہے۔ اور کیا نام ہے اس مبارک خاتون کا؟۔ہاں اینا ماری شمل۔ وہ تو اس کا جرمن ترجمہ کر چکی ہے اور پھر انگریزی ترجمہ تو تم سب پڑھ چکے ہو۔ ساری خلافت عثمانیہ میں رائج تھا۔ وسطی ایشیا میں رائج تھا یہ ولادت نامہ۔

☆ جدّہ محترمہ! آپ بجا فرماتی ہیں مگر ہم کو آپ کی ذاتی باتیں آپ کی زبان سے سن کر خوشی ہوگی۔اگر آپ چاہیں تو ہم کو یہ خوشی عطا کر سکتی ہیں۔ ہم بخوشی واپس چلے جائیں گے اگر آپ اسکو مناسب نہ سمجھیں۔

☆ بچّو! کیا میں اپنے نکاح کا عرب کے اس خوبصورت ترین انسان عبداللہ سے اور پھر اپنے اکلوتے بیٹے کی ولادت اور پھر اپنے غم اور ہجر کے چند سالوں کا ذکر تم جیسے نوجوانوں اور بوڑھوں سے جو مجھ سے پندرہ سو سال کے قریب دور ہیں کر کے اچھی لگوں گی؟۔ اور اسوقت جب وہ ہجر اور حرماں کے چندروز جو تھے وہ ختم ہو چکے اور اب ہم جہاں ہیں وہاں نہ خوف ہے نہ غم ہے عنایاتِ بے پایاں ہیں۔ انکے بیان کی بھی اجازت نہیں ہے۔

کچھ سوچ کر۔

تم ایسا کرو کہ حفیظ کے پاس چلے جاؤ۔ جالندھری حفیظ کے پاس۔اس نے کچھ لکھ رکھا ہے نظم میں اور نثر میں **ابن سعد** نے **طبقات** میں اور **ابن ہشام** نے **سیرت النبی** میں اور شبلی اور ندوی اور قاضی سلیمان اور نصیر ناصر اور صفی الرحمٰن نے اور وہ تو تمھارے ہی زمانے کا ہے مصباح الدّین شکیل۔خوبصورت نثر لکھتا ہے اس کے پاس بھی جاؤ۔ سب ایک ہی در کے غلام ہیں وہ تم کو سب کچھ بتا دیں گے جو وہ جانتے ہیں۔کوئی کسی سے کچھ نہیں چھپائے گا کیونکہ ان سب نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے بیٹے کی اجازت سے ہی لکھا ہے اور یہ سب کچھ **مشترک** ہے اور ہاں **حلیمہ سعدیہ میری بہن سے بھی مل لینا**۔اس نے میرے بیٹے کو مجھ سے زیادہ دن دیکھا ہے۔اور وہ شیما لڑکی بھی اچھی لڑکی ہے۔اس سے مل لینا۔

☆ جدّہ محترمہ۔سلام قبول کیجئے۔اور دعا دیجئے۔

☆ جاؤ بچو۔ اللہ تم کو تمھارے ارادے میں برکت دے۔ ویسے یہ سمجھ لو کہ تم جو سیرت کی کتاب لکھ رہے ہو اس پر اعتراض بہت آئیں گے۔

ملاقات حفیظ جالندھری سے

☆ حفیظ بھائی! السلام وعلیکم۔ ہم آپ سے اس وقت آپ کا میلادنامہ سننے آئے ہیں۔

☆ میاں ہوش کی دوا کرو۔ گھڑی دیکھی ہے اس وقت رات کے تین بجے ہیں اور ہاں تم وہی تو نہیں ہو جس کو میں نے 1943 میں عثمانیہ ہوسٹل علی گڑھ میں ایک شعر لکھ کر دیا تھا۔

ملیں گے تمھیں راہ میں بت کدے بھی
ذرا اپنے اللہ کو یاد رکھنا

☆ ہاں حفیظ بھائی میں وہی ہوں۔ مجھے اعتراف ہے حفیظ بھائی کہ میں وہی ہوں دبلا لمبا تیرہ سال کا اور یہ بھی اعتراف ہے کہ میں نے اپنے اللہ کو یاد نہیں رکھا۔ **مگر حفیظ بھائی میرے اللہ نے مجھ کو ہمیشہ یاد رکھا۔**

☆ چلو مجھے یقین بھی ہے اور خوشی بھی کہ تمھارے اللہ نے تم کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اسمیں تمھارا کوئی کرشمہ نہیں۔ شکر شکر یہ صلوٰۃ وسلام بھیجوا پنے آقا کی طرف۔ اور سنو میرا وہ ترنّم جس پر تم سب عاشق تھے وہ اب میرے پاس نہیں ہے۔ چھن گیا ہے۔ اس لئے جاؤ آرام کرو۔

☆ حفیظ بھائی پہلی بات تو یہ ہے کہ آپکا ترنم چھینا نہیں گیا ہے۔ اب وہ اس محفل میں پہنچ گیا ہے جہاں ہمارا گزر نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آپکا یہ چھوٹا بھائی تین بجے رات کو بھی سو نہیں سکتا اور آخری بات یہ ہے کہ ہم جدّہ محترمہ آمنہ والدہ ماجدۂ حضور نبیٔ کریم کا حکم نامہ لائیں ہیں۔ دکھائیں آپ کو حکم نامہ؟۔

☆ ارے نہیں نہیں نہیں۔ بیٹھو بیٹھو۔ بیٹھو۔ سنو سناتا ہوں۔ ذرا انتظار کرلو۔ تھوڑی دیر انتظار کرلو اتنا بڑا حکم نامہ کیوں لائے؟

حفیظ کا ولادت نامۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم

اندھیرا چھا چکا جب ظُلم کا دُنیائے ہستی پر
ہوُا شیطاں مُسلّط ہر بلندی اور پستی پر
پہاڑوں پر چڑھا شیطاں زمیں پر اک نظر ڈالی
نظر آئی اُسے ہر مملکت ایمان سے خالی
بہت ہی خُوش ہوُا ناز و تکبّر عود کر آیا
ہنسا اور کفر کے کلمے زبانِ نجس پر لایا
کہ مَیں ہوں مَیں ہی مَیں ہوں بادشہ اقصائے عالم کا
مرے قدموں کے نیچے تخت ہے اولادِ آدم کا
زمیں کو چار جانب سے مری ظلمت نے گھیرا ہے
مرے دامن کے نیچے اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے
یہی انسان ہے کیا وہ اسی انسان کا ڈر تھا
ازل میں سامنے جس کے مرا جُھکنا مقدّر تھا

مرے قدموں پہ ہے اب جو مرے سجدے کا طالب تھا
ابد تک میں ہی غالب ہوں ازل کے دن یہ غالب تھا
اگر میں راندۂ درگاہِ باری ہوں تو یہ بھی ہے
اگر مَیں قابلِ دوزخ ہُوں ناری ہُوں تو یہ بھی ہے
یہ کہہ کر تن گیا منحوس پر پھیلادیئے اپنے
مُرید اور چیلے چانٹے نام شیطاں کا لگے جپنے
زمیں سے آسماں تک واقعی گہری سیاہی تھی
کہ جرم ماہ سے شاہی اسی کی تابماہی تھی
یکایک جا پڑیں اس کی نگاہیں سنگِ اسود پر
ہوُا لرزہ سا طاری شیطنت پر فطرتِ بد پر
یہ پتّھر مرکزِ عالم کا اک ثابت ستارا تھا
اسے جنّت سے حق نے ساتھ آدمؑ کے اتارا تھا
قریبِ سنگِ اسود اک جوانِ ہاشمی دیکھا
گروہ ابنِ آدم میں نرالا آدمی دیکھا
نظر آیا کہ اس کے گرد ہے اک نُور کا ہالا

زمیں پر جس کے باعث ہے فروغِ عالمِ بالا
وہی نُورِ ازل معصُوم چہرے سے ہویدا ہے
ازل سے جاودانی کامرانی جس پہ شیدا ہے
نرالے نوجواں کو دیکھ کر شیطان تھرّایا
جھلک ایمان کی دیکھی تو بے ایمان تھرّایا
زمیں ہلنے لگی کمبخت ایسے زور سے کانپا
خُدا کی قدرتیں غافل نہیں، شیطان نے بھانپا
یہ عبدالمُطّلب کا نوجواں فرزند عبداللہ
نہیں ہے مُلتفت کیوں جانبِ اصنامِ بیت اللہ
اُٹھا رکھی ہے کیوں سُوئے فلک پُر نُور پیشانی
نظر آتا ہے کیوں ایوانِ فرش و عرش نُورانی
ڈرا شیطاں سمجھ میں آ گیا مقصد مشیّت کا
نظر آیا کہ یہ لڑکا ہے جو ہر آدمیّت کا
دلِ ناپاک سے بُغض و حسد کا اِک دُھوَاں اُٹّھا
جگہ سے اپنی مثلِ شعلۂ آتش فشاں اُٹّھا

اُٹھا غصّے میں اور اس نَوجواں سے جنگ کی ٹھانی
مشیّت کے مقابل اپنی حیثیت نہ پہچانی
لگا اِک وسوسہ بن کر جواں کے گرد منڈلانے
نگاہ و دل کی عفّت کو لگا رستے سے بھٹکانے
رہا کُچھ دیر تک شیطاں اپنی سعیِ باطل میں
نہ داخل ہوسکا لیکن یہ عبداللہ کے دل میں
خُدا کا فضل تھا ہر دم شریکِ حالِ عبداللہ
نبی کا سایۂ اقبال تھا اقبالِ عبداللہ

جواں نے کعبہ سے جب گھر کی جانب قصد فرمایا
تو شیطاں اس سے پہلے جانبِ مکّہ چلا آیا
یہاں پر بنتِ مُرّا لخثعمیّہ اک حسینہ تھی
حسینہ تھی مگر اطوار و عادت میں کمینہ تھی
وہ پہلے سے جمال و حسنِ عبداللہ پہ مرتی تھی
مگر عرضِ تمنا کر نہیں سکتی تھی ڈرتی تھی

اچانک ہوگیا اس پر مُسلّط رنگِ شیطانی
رگوں میں بے حیائی بن کے دوڑا خُونِ حیوانی

اُدھر سے آرہا تھا یہ جوانِ پاک سیرت بھی
جسے آنکھیں جُھکا کر شہر میں چلنے کی عادت تھی

ہُوئی آکر اچانک اب وہ عورت راہ میں حائل
نکالیں منہ سے بے شرمی کی باتیں سخت لاطائل

کہا سَو اُونٹ لے لے اور مری جانب توجہ کر
شرابِ وصل کی خاطر گری ہُوں تیرے قدموں پر

مرے گھر میں شرابِ ناب بھی موجُود ہے پیارے
دراندازوں کا رستہ ہر طرف مسدُور ہے پیارے

کہاں جاتا ہے آمل کر جوانی کے مزے لوٹیں
اندھیری رات میں جوشِ نہانی کے مزے لوٹیں

حیا و شرم کے باعث اِدھر گردن خمیدہ تھی
اُدھر عورت و فُورِ جوشِ خُوں سے آبدیدہ تھی

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

اب اُس نے اس طرح دستِ جواں کو زور سے کھینچا
زبردستی اُٹھا کر لے ہی جائے گی اسے گویا
بدی کے جوش کو پایا جو یُوں ایمان کا طالب
جوانِ ہاشمی کی شرم پر غُصّہ ہُوا غالب
کراہت اور نفرت سے جھٹک کر ہاتھ عورت کا
زباں سے اس طرح گویا ہُوا پُتلا شرافت کا
مُجھے معلوم ہے کرتے نہیں اشراف کام ایسا
سمجھتا ہوں میں بد تر موت سے فعلِ حرام ایسا
اگر تو عقد کو کہتی تو شاید مان جاتا مَیں
مطابق رسم قومی کے تُجھے بیوی بناتا مَیں
مگر تو نے تو بے شرمی دکھائی اور بہکایا!
فریب و مکر سے مُجھ کو گنہ کرنے پہ اُکسایا!
تری صورت سے بھی ہے اب مجھے احساس نفرت کا
شریف انساں پہ لازم ہے بچانا دین و عزّت کا

متانت سے کہا جو کچھ کہا جھڑکا نہ دی گالی
فقط جاتے ہُوئے مردانہ غُصّے کی نظر ڈالی
دکھائی مردِ عالی ظرف نے جب شوکتِ ایماں
ہُوئی شرمندہ عورت پست ہو کر رہ گیا شیطاں
غرض اس حادثے کے بعد عبداللہ گھر پہنچا
سلامت لے کے ایماں کو پسر پیشِ پدر پہنچا
جلالِ ہاشمی سے مُشتعل تھا چہرۂ انور
کہ تھا عورت کی گُستاخی کا صدمہ زخم تھا دل پر
پدر نے برہمی کا حال اس سے پوچھنا چاہا
پسر چُپ تھا کہ چُپ رہنا ہی غیرت کا تقاضا تھا
کہا بابا طبیعت آج گھبرائی ہُوئی سی ہے
اُداسی کی گھٹا دل پر مرے چھائی ہُوئی سی ہے
اجازت ہو تو مَیں بہرِ شکار اِک دن چلا جاؤں
دل آبادی سے گھبرایا ہُوا ہے اِس کو بہلاؤں

پدر بولا کہ اے جان پدر اچّھا چلے جانا
مگر دو اِک مسلّح خادموں کو ساتھ لے جانا
مُجھے اکثر تمہاری جان کا رہتا ہے ڈر بیٹا
نہ جانے بات کیا ہے ، کیوں ہے یہ بیم و خطر بیٹا
وہاں دن بھر ٹھہرنا شام ہوتے گھر چلے آنا
جونہی سُورج چھپے تم شہر کے اندر چلے آنا
اِدھر اِن باپ بیٹوں میں تو یہ تقریر ہوتی تھی
شکارِ آہوانِ دشت کی تدبیر ہوتی تھی
اُدھر شیطان ناکامی پہ سرُدھنتا ہُوا نکلا
خُود اپنے دل سے لعنت کی صدا سُنتا ہُوا نکلا
نظر دوڑائی ہر جانب بلندی پر کھڑے ہو کر
بھیانک تھا ڈرانا تھا پہاڑوں کا سیہ منظر
تھا آدھی رات کا عالم خموشی ہی خموشی تھی
اندھیرے کے سبب سے ہر گنہ کی عَیب پوشی تھی

حرم سے فاصلے پر دامنِ کہسار کے اندر
نظر آئی اسے اِک روشنی سی غار کے اندر
مسافر کُچھ وہاں بیٹھے ہوئے اِس کو نظر آئے
خیال آیا کہ شاید میرا مطلب اِن سے بر آئے
اُڑا شیطان فوراً اس پہاڑی سے دُھوَاں بن کر
پہنچ کر اس جگہ کُچھ دیر ٹھہرا غار کے در پر
مسافر تھے یہُودی قوم کے یہ پانچ سوداگر
کہ پلٹے جارہے تھے شہر مکّہ سے سُوئے خیبر
یہاں ٹھہرے تھے شب کو، صُبحدم پھر اُٹھ کے چلنا تھا
حجازی بدُوؤں سے راہ کتراکر نکلنا تھا
پڑھے لکّھے تھے باتیں کر رہے تھے قوم ومذہب کی
انہیں تورات میں بھی سُوجھتی تھی اپنے مطلب کی
کیا ذِکر ایک نے توراتؔ کی پیشن گوئی کا
کہ صحرائے عرب میں ظاہر اک سچّا نبی ہوگا

سُنی یہ بات تو اک دُوسرا دعوے سے بول اُٹّھا
نبی ہوگا تو وہ بیشک ہماری قوم سے ہوگا
پیمبر جز بنی یعقوبؑ پیدا ہو نہیں سکتا
کسی سے بھی زمانے میں یہ دعویٰ ہو نہیں سکتا
کہا پھر تیسرے نے ہم پہ راضی حق تعالیٰ ہے
ہماری برگزیدہ قوم سب قوموں سے بالا ہے
کہا چوتھے نے وہ سچّا نبی یثرب سے اُٹّھے گا
جو سچ پوچھو تو وہ ہوگا ہمارے ہی قبیلے کا
تڑپ کر پانچواں بولا نہیں ہم میں سے ہوگا وہ!
اگر ہوگا تو بیشک بالُیقیں ہم میں سے ہوگا وہ!!
غرض پانچوں ہی اپنی بات پر اصرار کرتے تھے
دلیلیں دیتے تھے غُصّے میں بھرتے تھے بپھرتے تھے
اُدھر شیطاں کہ عیّاری و مکّاری میں ہے ماہر
بظاہر اک مقدّس شکل میں ان پر ہُوا ظاہر

سفید اس کی بھویں بُرّاق سی داڑھی تھی نُورانی
چمکتی تھیں مثالِ شعلہ آنکھیں اور پیشانی
عصا ہاتھوں میں اور لانبی سی اک تسبیح گردن میں
بہت ڈھیلی عبا چُھپ جائے انساں جس کے دامن میں
اندھیرے سے نکل کر روشنی میں اِس طرح آیا
یہودی ڈر گئے اور دفعتاً ہر ایک چِلّایا
کہ اے ربی ہمارے حال پر لُطف و کرم فرما
ترے بندے ہُوئے جاتے ہیں کرتے ہیں تجُھے سجدہ
مگر شیطاں نے دی ان کو تسلّی اور یُوں بولا
نہایت عارفانہ شان سے اُس نے دہن کھولا
کہ اے بچّو مَیں اُترا ہوں تمہیں تلقین کرنے کو
تمہارے مذہبی مَیلان پر تحسین کرنے کو
نبی کے مسئلے پر تم جھگڑتے تھے جو آپس میں
مَیں سُنتا تھا وہاں بیٹھا ہوا بَیت المقدّس میں

خیال آیا کہ چل کر تم کو سیدھی راہ بتلاؤں
یہودی قوم کے اِک فائدہ کی بات سمجھاؤں
سنو اک بات کہتا ہوں بہت ہی راز داری کی
مخالف ہیں تمہارے طاقتیں پروردگاری کی
وہ عبدُالمُطّلب جو آج کل سردارِ مکّہ ہے
قریشی ہاشمی ہے مالک و مختار مکّہ ہے
پسر ہے اُس کا عبداللہ تم اُس کو جانتے ہوگے
اسے مکّہ میں دیکھا ہوگا اور پہچانتے ہوگے
وہی لڑکا ہے جس کے صُلب سے ہوگا نبی پیدا
مشیّت آج کل ہے آلِ اسمٰعیلؑ پر شیدا
مرے بچّو نبی پیدا ہُوا گر اس گھرانے میں
نہیں ہے پھر کوئی اپنا ٹھکانا اِس زمانے میں
وہ اسمٰعیلؑ کی اولاد کو شاہی دلائے گا
یہُودی قوم کے حصّے میں پھر کُچھ بھی نہ آئے گا

صلّی اللہ علیہ وسلم

یہودی قوم پر گویا خُدا نے قہر ڈھایا ہے
مُجھے یہ اَمر پوشیدہ فرشتوں نے بتایا ہے
یہ قصہ سنتے ہی جوش آ گیا پانچوں لعینوں کو
حَسَد سے بھر دیا شیطان نے تاریک سینوں کو
وہ بولے واقعی ہم پر ہمیشہ ظلم ہوتا ہے
نوازشِ دُوسروں پر ہے خُدا ہم کو ڈبوتا ہے
کہا شیطاں نے ایسی بات مُنہ سے مت نکالو تُم
بھلا چاہو تو اس لڑکے کو جاکر مار ڈالو تُم
سحر کے وقت وہ ان وادیو ں میں آنے والا ہے
شکارِ آہُواں سے اپنا دل بہلانے والا ہے
اُٹھو تم بھی یہاں سے اور کر و جاکر شکار اُس کو
نہ جانے دو یہاں سے آج زندہ زینہار اُس کو
کہاں تک رنج اُٹھاؤ گے یہ جھگڑا ہی چکا ڈالو
کوئی خطرہ نہیں ہے دل سے اندیشے مٹا ڈالو

تم اس کارِ عظیمہ میں مری امداد پاؤ گے
بڑی شوکت ملے گی مال لاتعداد پاؤ گے
مری امداد سے تم کو حکومت ہاتھ آئے گی
یقیں رکّھو تمہاری بادشاہی پھر نہ جائے گی
نہ مانو گے تو پھر اس کا ملے گا تم کو خمیازہ
جو چاہو تو ابھی کرلو مری طاقت کا اندازہ
یہ کہہ کر ایک پتّھر پر نِگہ شیطان نے ڈالی
اُڑا پتّھر جگہ سے باوجُودِ بے پر و بالی
بلندی پر تڑاقے سے پھٹا شعلہ ہُوا پیدا
پھر اس سے اِک ہیولیٰ پانچ گھوڑوں کا ہوُا پیدا
مرصّع تھے یہ گھوڑے جنگ کے ہر ساز و ساماں سے
یہ ساماں بھی مرصّع تھا عقیق و لعل و مرجاں سے
کہا شیطاں نے، یہ لو میں تمہیں رہوار دیتا ہُوں
ہر اک کو ایک اک شمشیرِ جوہر دار دیتا ہُوں

سحر کے وقت نکلو غار سے میدان میں جاؤ
وہیں اُس نوجواں کو قتل کر ڈالو جہاں پاؤ
یہ کہہ کر دیکھتے ہی دیکھتے شیطان غائب تھا
اسے مدِّ نظر اس وقت اظہارِ عجائب تھا
یہُودی رہ گئے حیران اِس زورِ کرامت پر
بھروسا ہوگیا اب اُن کو اس کاہن کی قوّت پر
لگے کہنے کہ یہ طاقت نہ دیدہ نے شُنیدہ ہے
یہ بڈّھا واقعی کوئی بڑا ہی برگزیدہ ہے
ہم اس کی بات پر پُورا عمل کر کے دکھادیں گے
حصُولِ بادشاہی کے لئے جانیں لڑادیں گے

سردار عبداللہ پر یہودیوں کا حملہ

اُٹھیں مشرقِ سے نُورانی شعاعیں برچھیاں تانے
بچھا رکھے تھے لیکن دام دشت و کوہ و صحرا نے
مگر سُورج نے ان کو مکر کی پاداش دی آخر
اندھیرے کو اُجالے نے شکستِ فاش دی آخر

شبِ دیجور کے پردے سے مہرِ ضَوفشاں نکلا
جوانِ ہاشمی بہرِ شکار آہُواں نکلا
ادھر پانچوں یہُودی بھی اندھیرے غار سے نکلے
یہ بُزدل گھڑ چڑھے اس دامنِ کُہسار سے نکلے
جوانِ ہاشمی کی جستجو تھی اِن کمینوں کو
کہ شیطاں نے حسد سے بھر دیا تھا اِن کے سینوں کو
بہر سُوجھانکتے پھرنے لگے حیران و سرگرداں
لئے دل میں امید و بیم کا دریائے بے پایاں
یکایک فاصلے پر ٹاپ گھوڑے کی سُنائی دی
بالآخرنوجواں کی چاند سی صُورت دکھائی دی
یہ عبداللہ تھا ، اور اس گھڑی بالکل اکیلا تھا
مسلّح خادموں کو دُور پیچھے چھوڑ آیا تھا!
تعاقب میں ہرن کے آرہا تھا برق دم گھوڑا
سوارِ ہاشمی نے تاک کر تیرِ قضا چھوڑا

نشانے پر پڑا ناوک نشانہ ہوگیا آہُو

گِرا، گِر کر اُٹھا آہُو، پھر اُٹھا پھر گِرا آہُو

وہیں ناوک فگن بھی دُوسری ساعت میں آپہنچا

اُتر کر زین سے نخچیر آہُو کے قریب آیا

ارادہ تھا کہ باندھے ذبح کر کے پشتِ توسن سے

سراسر بے خبر تھا کیدِ صیّادانِ پُرفن سے

یہُودی گُھڑ چڑھوں نے دفعۃً پیدل کو آ گھیرا

نظر تلوار آئی دیدۂ حیراں جدھر پھیرا

مگر یہ شیر تلواروں کے سائے سے نہ گھبرایا

مثالِ برق کوندا پشتِ توسن پر چلا آیا

پکارا یہ تو بتلاؤ کہ حملے کا سبب کیا ہے

وہ بولے ایک ہی مقصد ہے تجھ کو قتل کرنا ہے!

جُونہی پانچوں نے تلواروں سے حملہ کردیا یکدم

اکیلا بھڑ گیا ناچار ان سے ہاشمی ضیغم

لئے پہلے تو جُھک کر وار اپنی ڈھال پر اس نے
چُرا کر جسم سارا کرلیا زیرِ سپر اس نے
بڑی پُھرتی سے پھر مشاّق گھوڑے کو دیا کاوا
ذرا ہٹ کر سنبھل کر ان پہ نیزے سے کیا دھاوا
یہ نیزہ ایک کے سینے سے پہلو توڑ کر نکلا
بقیہ عمر کا رشتہ قضا سے جوڑ کر نکلا
یہُودی چیخ اُٹھے یہ سانحہ یک دم گذر نے سے
ہُوئے اب اور بھی سفّاک اک ساتھی کے مرنے سے
ہُوئے محتاط گھیرا نوجواں کو اِس طریقے سے
کہ لڑنا ہوگیا اس کے لئے مشکل سلیقے سے
مگرپھر بھی وہ نعرے مار کر اُن پر جھپٹتا تھا
برابر زخم کھاتا تھا مگر پیچھے نہ ہٹتا تھا
اگرچہ یہ بہادر ہمّت و جرأت میں یکتا تھا
مگر وہ چار تھے، کم عُمر تھا یہ اور تنہا تھا

صلّی اللہ علیہ وسلم

دکھائی اِس جری کے بازوؤں نے دیر تک چُستی
بالآخر خُون بہ جانے سے آئی جسم میں سُستی

بنو زہرہ میں اِک مردِ معمّر وہبؔ نامی تھا
قریشی نسل میں یہ شخص بھی ماہ تمامی تھا
تھی اس کے گھر میں اِک دختر جو ایسی پاک سیرت تھی
کہ اس کی ذات سے لفظِ حیا داری کی عزت تھی
عرب میں آمِنہؓ مشہُور تھا نام اس عفیفہ کا
(اسی کی گود گہوارہ بنی دینِ حنیفہ کا)
بہت ہی فکر رہتی تھی پدر کو عقدِ دختر کی
بنی ہاشم میں تھی اس کو تلاش و جستجو بَر کی
روایت ہے، کہ اُس دن ہوگیا تھا اونٹ گُم اس کا
وہ اس کو ڈھونڈتا پھرتا تھا اس جانب بھی آنکلا

بلندی سے اسے اس جنگ کا نقشہ نظر آیا
یہودی قاتلوں کے بس میں اک لڑکا نظر آیا
نظر آیا وہ لڑکا برسرِ پیکار چاروں سے
بہت ہی تن دہی سے لڑ رہا تھا پختہ کاروں سے
خیال آیا کہ ملنی چاہئے امداد لڑکے کو
مبادا قتل کردیں مِل کے یہ جلاّد لڑکے کو
مگر اُٹھّا جُونہی اِمداد کرنے کے ارادے سے
نہ جانے کیوں اُلجھ کر رہ گیا اپنے لبادے سے
پھر اُٹّھا جب دوبارہ پاؤں پھسلا ایک پتّھر سے
چٹان اُبھری ہُوئی تھی ایک وہ ٹکرا گئی سر سے
اٹھا پھر تیسری بار اور چاہا جلد اُتر جاؤں
جوانِ ہاشمی کو قتل ہونے سے بچا لاؤں
مگر اب کے ہُوا اک اژدہا اس راہ میں حائل
کہ جس کے خوف سے ساری عزیمت ہوگئی زائل

یہ مرد اب دُور ہی بیٹھا ہوُا حسرت سے تکتا تھا
جوانِ ہاشمی کے واسطے کُچھ کر نہ سکتا تھا

نظر آیا کہ لڑکا سُست ہے زخموں کی شدّت سے
یہُودی پے بہ پے حملے کئے جاتے ہیں قوّت سے

خیال آیا مری آواز سے شائد وہ ڈر جائیں
یہاں اک شخص کو موجُود سمجھیں اور باز آئیں
مگر جونہی یہ سوچا اور نعرہ مارنا چاہا
وہیں گھونٹا کسی نے حَلق اور بٹھلادیا چُپکا
حقیقت میں یہ سب شیطان کی فتنہ طرازی تھی
مدد کے راستے میں ہر رکاوٹ حیلہ سازی تھی
رہی جب اس طرح ہر مرتبہ تدبیر ناکارہ
نظر آیا نہیں تقدیر سے انسان کو چارہ

صلّی اللہ علیہ وسلم

مگر اس بے گنہ کا قتل ہونا مَیں نہ دیکھوں گا
نہیں کُچھ اور کرسکتا تو آنکھیں بند کرلوں گا
مگر اتنے میں اس کو اور ہی نقشا نظر آیا
زمیں سے تافلک اِک نُور کا جلوا نظر آیا

نظر آیا اُترنا چار نُورانی فرشتوں کا
اور ان کو دیکھتے ہی بھاگنا ان بد سرشتوں کا
گراکر قاتلوں کو بھاگ اُٹھے رہوار شیطانی
زمیں پر سر پٹکتے رہ گئے غولِ بیابانی
جواں نے اب تعاقب کر کے مارا ان لعینوں کو
نہ شیطاں دے سکا کوئی سہارا ان لعینوں کو
یہ صُورت دیکھ کر مردِ معمّر ہوگیا حیراں
یقیں آیا، کہ ہے یہ ہاشمی لڑکا بہت ذیشاں
اُٹھا تو راستے میں اب نہ کوئی اژدہا دیکھا
وہاں پہنچا تو پانچوں قاتلوں کا سرکٹا دیکھا

پڑے تھے پانچ لاشے ایک اِک سے دُور سب تنہا
کھڑا تھا اک جگہ فرزندِ عبدالمُطّلب تنہا
غرض زخمی جواں کو ساتھ لے کر وہبؓ گھر آیا
یہ سارا ماجرا اس کے پدر کو جاکے بتلایا

پھر اپنی نیک دُختر بیاہ دی اس شیر صَولت سے
خُوشی اس بیاہ کی سب نے منائی شان و شوکت سے
بہم دُولھا دُلھن تھے صورت و سیرت میں لاثانی
قسم کھاتی تھی ان کا نام لے کر پاک دامانی
وہ نُورِ لم یزل جس کی ضیا تھی رُوئے اَنور میں
نظر آنے لگی اس کی جھلک تقدیرِ مادرؓ میں

گئے پھر کُچھ دنوں کے بعد سُوئے شام عبداللہ
وہاں سے پلٹے آتے تھے کہ آئی مَوت بھی ناگاہ

جوانی میں ہُوا یثرب کے اندر انتقال اُن کا
رہا اب آمنہ کے واسطے رنج و ملال اُن کا
لئے بیٹھی تھیں اب گھر میں امانت اپنے شوہر کی
کہ تھی بطنِ صدف میں روشنی اِک پاک گوہر کی

جدّہ ماجدہ آمنہ بنت وہب والدہ ماجدہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے جسقدر بیان ولادت رسول کا خود دیا ہے وہ سندات کے ساتھ حاضر ہے۔

حضرت آمنہ بڑی حوصلہ مند صابر مستقل مزاج ہستی نظر آتی ہیں۔ انکے شوہر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب چند مہینوں کی رفاقت کے بعد رخصت ہوگئے تو انھوں نے ایک دردناک قصیدہ نما مرثیہ لکھا۔ ایک زبان کی شاعری کی تاثیر کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتی مگر پھر بھی اس قصیدہ کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بطحا کی گود فرزند ہاشم سے خالی ہوگئی

وہ آہ وبکا کے درمیان ایک لحد میں آسودہ خواب ہوگیا۔

موت کی پکار پر اسنے لبّیک کہا۔

موت نے کسی ایک کو فرزند ہاشم جیسا نہ چھوڑا

جب اسکا تابوت اٹھا تو لوگوں نے دست بدست لیا۔

وہ اٹھ گیا۔ مگر اسکے آثار خیر زندہ ہیں۔

کیونکہ وہ حد درجہ فیّاض اور رحم دل انسان تھا۔

(تحقیقی مضمون نبی اکرم کا گھرانہ شاہ بلیغ الدین۔ حوالہ الاحکام سلطانیہ طبقات ابن سعد جلد اوّل)

نعت گوئی۔ نعت خوانی۔ میلاد خوانی کبھی نوائے عشق کبھی ترانہ محبت اور کبھی ہماری آخری پناہ گاہ بنی۔

چالاک دشمن اور اس چالاک دشمن کے سکھائے پڑھائے ہوئے ہمارے نادان دوست ہم سے آخری پناہ گاہ چھین لینا چاہتے ہیں۔ دل قصّہ گوئی کی طرف مائل نہیں ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے بیان کو ایک قصہ کے ذریعہ آپ تک پہنچادوں۔

آج سے اندازاً پچپن سال پہلے ایک نو جوان انجینئر کو بیرون ملک ٹریننگ کا موقع ملا۔ یہ انجینئر اپنے چنیدہ مضمون میں یعنی انجینئرنگ الیکٹریکل میں کافی نیاز مند فدوی قسم کی حیثیت کا حامل تھا۔ استعداد اور شوق دونوں اوسط سے بھی بدر جہا کم۔

جرمنی دوسری جنگ عظیم (1945) کے بعد انگڑائی لے کر دوبارہ اٹھ رہا تھا۔ اور تیسری دنیا کے کچھ طالب علم مطلوب تھے کہ ان کو ٹریننگ دے کر اپنے کام کا بنا سکے۔ بہتر طالب علم تو انگریزی بولنے والے ملک میں جانا پسند کرتے تھے کیونکہ جرمنی میں زبان کی وجہ سے دہری مشکل تھی۔ جرمنی میں اِس کم استعداد اور کم تر اثر رسوخ والے طالب علم کو موقع مل گیا اس طالب علم کو ایک برتری حاصل تھی۔ زبان سیکھنے کی برتری۔ جرمن زبان میں کافی اچھی مہارت ہوگئی تو چند ہفتہ برلن میں رہنے

کا موقع ملا قبضہ روس اور برطانیہ فرانس اور امریکہ کا مشترکہ تھا اور غیر ملکی آسانی سے روس کے مشرقی یورپ میں گھس سکتے تھے۔ وہاں ایک بوڑھے مسلمان سے ملاقات ہوئی اور وہ باتوں میں کھل گیا کہ ''ہم تم کو اپنی پناہ گاہ دکھائیں گے اور دوسرے مسلمانوں سے ملائیں گے''۔ ''ہاں ہاں یہاں بھی مسلمان ہیں''۔ ''تم مل کے تو دیکھنا''۔ ''ہم چلیں گے UNSERE WINKEL میں''۔ مطلب ''اپنے زاویہ'' میں۔ جن کو ہماری زبان میں خانقاہیں کہتے ہیں ان کو چھوٹے پیمانے پر پہاڑوں اور غاروں میں پھیلا دیں تو یہ مشرقی یورپ (بوسینیا۔ البانیہ۔ یوگوسلاویہ وغیرہ) میں WINKLE کہلائیں گے اور جن کو وسطی ایشیائی مملکتوں میں۔ (قازقستان۔ ترکمانستان۔ چیچنیا وغیرہ میں۔ زاویے کہتے ہیں۔ زبان کی زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔ اور محبت کی زبان ویسے بھی ہر ایک کی سمجھ میں آ جاتی ہے بشرطیکہ قلب کھلا ہوا ہو۔ اور نکتہ چینی بند ہو۔

برادر ایزمو (ESMO) (انہیں عاصم خان کیوں نہ کہوں؟) نے کیباب بیکرا (ترکی کباب اور بیکرا کے معنی بقرہ یعنی گائے) کھلائے (مطلب یہ واضح کرنا تھا کہ سوّر کے گوشت کے نہیں) اور شروبینزا (شراب نہیں شوربہ) پلایا۔ اور بتایا کہ ایسے زاویہ ہر جگہ قائم ہیں۔ اور ایک نوعمر لڑکے سے نعت سنوائی۔ پچھلے پچیس سال میں جناب مجاہد ''عزت بیگووچ'' کی قیادت کے باوجود شاید خلافت عثمانیہ کی آخری حدود پر اسلامیوں کا یہ مورچہ تباہ ہو گیا ہو یا شاید برادر ایزمو (عاصم خان) سلامت ہو۔ بہرحال مسجدوں مدرسوں کتب خانوں کا سراغ نہیں ملا۔ شاید وسطی ایشیائی ریاستوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔ وہاں کی فارسی زبان جو پہلے وہاں کی علمی زبان تھی اور مدرسہ اور کتب خانے ختم ہو گئے برادر ایزمو نے اس وقت بتایا تھا کہ روس میں کئی ملین مسلمان ہیں اس وقت روس میں وسطی ایشیائی ریاستیں شامل تھیں مگر اس وقت کے برادر عاصم خان کے بیان کے مطابق اس وقت کے ماسکو میں بھی سات لاکھ مسلمان رہتے تھے۔ شاید اب ایک کروڑ ہوں کون جانتا ہے۔

اس وقت ایک جرمن خاتون تھیں جنہوں نے 19 سال کی عمر میں برلن سے عربی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی تھی اور بعد میں ترکی زبان مولانا روم۔ علامہ اقبال، خواجہ میر درد (دہلی) اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری اور پیغام پر کام کرتی رہیں اور امریکہ (شاید ہارورڈ) میں پروفیسر رہیں۔ ان مرحومہ کا نام تھا این میری شیمل (پروفیسر) ان خاتون نے اس زمانے کی

صلّی اللہ علیہ وسلم

مشرقی یورپ کے ایک میلاد کی (جس کو وہ میولت نامہ Mevlat-Namea کہتے ہیں) ایک نظم کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا۔ وہ حاضر خدمت ہے۔

Amina Khatun, Muhammad's mother dear:

From this oyster came that lustrous pearl.

After she conceived form 'Abdallah'

Came the time of birth with days and weeks.

As Muhammad's birth was drawing near

Many signs appeared before he came!

In the month Rabi 'al-awwal' then

On the twelfth, the night of Monday, look,

When the best of humankind was born-

O what marvels did his mother see!

Spoke the mother of that friend: "I saw

A strange light; the sun was like its moth.

Suddenly it flashed up from my house,

صلّى الله عليه وسلم

Filled the world with light up to the sky.

Heavens opened, vanquished was the dark,

And I saw three angels with three flags.

One was in the East, one in the West,

One stood upright on the Ka'ba's roof.

Rows of angels came from heaven, and

Circumambulated all my house;

Came the houris group on group; the light

From their faces made my house so bright!

And a cover was spread in mid-air,

Called 'brocade' -an angel laid it out

When I saw so clearly these events

I became bewildered and confused.

Suddenly the walls were split apart

And three houris entered in my room.

صلّى الله عليه وسلم

Some have said that of these charmig three

One was Asiya of moonlike face,

One was Lady Mary without doubt,

And the third a houri beautiful.

Then these moonfaced thrce drew gently near

And they greeted me with kindness here;

The good tidings of Muhammad's birth;

Said to me: "A son like this your son

Has not come since God has made this world,

And the Mighty one did never grant

Such a lovely son as will be yours.

You have found great happiness, O dear,

For from you that virtous one is born!

He that comes is King of Knowledge high,

Is the mine of gnosis and tauhid (monotheism).

صلّى الله عليه وسلم

For the love of him the sky revolves,

Men and djinn are longing for his face.

This night is the night that he, so pure

Will suffuse the worlds with radiant light!

This night, earth becomes a Paradise.

This night God shows Mercy to the world.

This night those with heart are filled with joy.

This night gives the lovers a new life.

Mercy for the worlds is Mustafa,

Sinners' intercessor: Mustafa!'

They described him in this style to me,

Stirred my longing for that blessed light."

Amina said: "When the time was ripe

That the Best of Mankind should appear,

I become so thirsty from that heat

That they gave me sherbet in a glass.

Drinking it, I was immersed in light

And could not discern myself from light.

Then a white swan came with soft great wings

And he touched my back with gentle strength.

As this verse is recited, every participant ever so gently touches his or her neighbour's back.

And the king of Faith was born that night:

Earth and heaven were submerged in light!:

Then begins the great Welcome, which all nature extended to the newbron Prophet, whose coming they had expected with such longing, a welcome to the Friend of God in whose intercession at Doomsday all can trust:

Welcome, O high Prince, we welcome you!

Welcome, O mine of wisdom, we welcome you!

Welcome, O secret of the Book, we welcome you!

صلّى اللّه عليه وسلم

Welcome, O medicine for pain, we welcome you!

Welcome, O sunlight and moonlight of God!

Welcome, O you not separated from God!

Welcome, O nightingale of the Garden of Beauty!

Welcome, O friend of the Lord of Power!

Welcome, O refuge of your community!

Welcome, O helper of the poor and destitute!

Welcome, O eternal soul, we welcome you!

Welcome, O cupbearer of the lover, we welcome you!

Welcome, O darling of the Beloved!

Welcome, O much beloved of the Lord!

Welcome, O Mercy for the worlds!

Welcome, O intercessor for the sinners!

Welcome, O Only for you were Time and Space created . . .

There follows an extended description of the Prophet's miracles, among which

صلّی اللہ علیہ وسلم

the heavenly journey occupies a central place, Importantly, every section ends with the verse.

If you want to be rescued from Hellfire,

Utter the blessings over him with love and (longing) pain!

In Turkey, This *mevlut* (which, incidentrally, has even been translated into Serbo-Croatian) is concluded with a special prayer in which God is entreated to send the recompense for the recitation to Muhammad's Rauda in Medina; then follow prayers for the Prophet's family, for saints and scholars, and requests for the participants' happiness and long life, "so that they may enjoy participation in many, many more meetings of this kind"; then prayers for the caliph, for soldiers, traders, and pilgrims, and for a peaceful death, and future life in Paradise.

اور پھر اس انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ اس گناہ گار بچاری سے سن لیجئے اور ملاحظہ فرمایئے کہ یہ ہمارے میلاد اور سلام سے کس قدر ملتا ہے۔اور پھر اس گناہ گار کی یہ بات مان جایئے کہ صوفیا کا یہ مولود نامہ عامۃ المسلمین کے لئے اندلس سے چین تک تھوڑی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ رائج ہے۔اور اس کے سلام پر غور کیجئے۔

آمنہ خاتون امی پیاری۔

جس صدف سے نکلا روشن موتی۔

جب وقت آیا ظہور کا۔

عبداللہ۔ کے نور کا۔

روشن ہوئیں آیات بہت سی۔

مہینہ تھا ربیع الاوّل کا اور تاریخ تھی بارہ

شب دوشنبہ میں نازل ہوا دنیائے انسانیت کا بہترین نمونہ۔

اور دیکھے والدہ نے کیا کیا معجزے۔

ایک سہیلی نے فرمایا۔

دیکھی میں نے عجیب روشنی ایسی تابناک۔

جس کے آگے سورج اندھا پروانہ

یہ روشنی نکلی میرے گھر سے اور کر دیا روشن عالم سارا

در کھل گئے جنت کے اور دور ہوا اندھیارا۔

اور تین فرشتے جھنڈا لے کر آئے۔

مشرق مغرب اور کعبہ پر۔

صف در صف آئے فرشتے۔

کیا انہوں نے طواف مرے گھر کا۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

حوریں بھی آئیں گروہ در گروہ۔

ان کے روشن چہروں سے روشن ہوا گھر سارا۔

ایک سائباں قائم کیا میرے گھر پر مخمل کا۔

دیوار میں ایک در بنا اور تین حوریں اندر آئیں۔

ایک تھیں آسیہ جن کا چہرہ روشن چاند۔

اور دوسری تھیں بے شک مریم عفیفہ

اور تیسری ایک جنّتی خوب صورت حور۔

وہ آئیں میرے پاس اور مل کے بیٹھیں محبت کے ساتھ۔

خوش خبری۔ خوش خبری۔

تمہارے بیٹے جیسا بیٹا اللہ نے کسی کو نہیں دیا جب سے یہ دنیا بنی۔

کسی کو نہیں دیا اللہ نے ایسا حسین بیٹا جیسا حسین تمہارا بیٹا ہے۔ نیکی کا ظہور تمہارے بطن سے ہوا

وہ جو شہنشاہ ہے علم کا اور مخزن ہے توحید اور معرفت کا۔

آسماں اس کی محبت میں طواف کر رہا ہے۔

انسان اور جن اس کے چہرہ کی دید کے آرزومند ہیں۔

یہ وہ رات ہے جس رات کو اللہ تعالیٰ روشنی سے معمور کر دیتا ہے۔

جس رات میں رحمت کی بارش ہوتی ہے۔

اس رات میں دل والوں کے دلوں کو نئی فرحت اور نئی زندگی ملتی ہے۔

رحمت اللعالمین ہے مصطفیٰ۔

شفیع المذنبین ہے مصطفیٰ۔

ان روشن چہرہ خواتین نے ایسے تذکرہ کیا۔

کہ دل میرا تڑپ اٹھا اس نئی روشنی کے دیکھنے کو۔

اب خیر البشر کو جلوہ دکھانا ہی چاہئے۔

میں پیاسی تھی گرمی سے اور روشن خواتین

نے شربت پلایا۔ شربت کیا تھا ایک

روشنی کا محلول۔ میں خود روشن ہوگئی۔

اور پھر ایک راج ہنس مکمل سفید آیا۔

اور اس نے میری پشت کو اپنے نرم پروں سے سہلایا۔

(جب یہ شعر پڑھا جاتا ہے تو خواتین اپنی قریبی خاتون کی پشت کو بڑی آہستگی سے سہلاتی ہیں)

اور پھر شہنشاہ عالم پیدا ہوا۔ اور کائنات ساری روشن ہوگئی۔ (اور پھر مرحبا شروع ہوتا ہے۔ استقبال۔ خوش آمدید)

مرحبا مرحبا

مرحبا اے شہنشاہ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے علم کے مخزن۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے راز دان کتاب۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے ہر درد کی دوا۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے صبح منوّر اے روشن ماہتاب۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے واصل بالحق۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے بلبل باغِ خوبیِ وحُسن۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے مالکِ قوّت۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے امت کے نگہبان۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے مصیبتوں کے ماروں کے دستگیر۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے روح لازوال۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے ساقیِ دلبراں۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے محبوبِ ربّ العالمین۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے حبیبِ ربّ العالمین۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

مرحبا اے رحمتُ اللعالمین ۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں ۔

مرحبا اے شفیع المذنبین ۔ ہم آپ کو مرحبا کہتے ہیں ۔

آپ ہی کے لئے یہ کون ومکاں پیدا ہوئے ۔

اس کے بعد معجزات کا ذکر ہوتا ہے

اس کے بعد درود پڑھنے کی تلقین ہوتی ہے ۔

اگر آتش جہنم سے بچنا ہے تو دل وجان

سے آرزو اور دردمندی سے درود پڑھو

اس میلاد کے بعد دعا ہوتی ہے ۔ تمام حاضرین کے لئے اعزّ اُمسافروں مجاہدوں کے لئے ۔ آسان موت اور آخرت میں جنّت کے لئے ۔

تقریباً اس قسم کا میلاد اندلس سے جکارتہ تک معہ افریقن مسلم آبادیوں کے رائج ہے ۔ کوئی شخص کبھی نہ کبھی ایسا ضرور پیدا ہوگا جو ان تمام میلاد ناموں کو ترتیب دے کر یہ بتائے گا کہ یہ کیسے ساری دنیا میں پھیل گئے ۔ کیا صوفیا نے امّت کو ایک جگہ جمع کرنے میں علماء سے زیادہ بڑا کام نہیں کیا ۔ بہر حال طئے بات یہ ہے **کہ صوفیا نے کوئی کفر یا بدعت کا فتویٰ جاری نہیں کیا ۔**

دعائے خلیل ونوید مسیحا

☆ داداعبدالمطلب !! آپکے گھر میں یعنی آپ کے چہیتے مرحوم بیٹے کے گھر میں بطنِ آمنہ سے ولادت ہوئی ہے۔ آپ کچھ فرمائیں گے۔

☆ بیٹا کیا فرمانا ہے۔ میں نے تو سنا اور دیکھا جو کچھ ہے وہ بیان کرسکتا ہوں۔ ہمارے مورث اعلیٰ ابراہیم جو ایک عظیم الشان پیغمبر تھے۔ جن کو لوگ ابوالانبیاء کہتے ہیں انھوں نے مکّہ کی اس اجاڑ اور سنگلاخ وادی میں اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو بسایا۔ معلوم نہیں کیوں۔ یہ راز تو اللہ اور اسکا خلیل ابراہیم ہی جانتے ہیں۔ اور پھر انھوں نے دعا کی کہ اس سنگلاخ زمین میں اللہ اپنا پیغمبر نازل فرمائے۔ رحمتیں نازل فرمائے اور برکتیں نازل فرمائے۔ اور پھر ہمارے مورث اعلیٰ ابراہیم اور انکے بیٹے اسماعیل نے یہاں ایک گھر بنایا۔ اسکو اپنا گھر قرار دیا۔ اسے بیت اللہ کہا تھا۔ اسی گھر کے متعلق تمھارے ملک کے ایک بندے نے چار ہزار سال کے بعد کہا تھا۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

بہ ہر حال بیٹے ہم اس گھر کی پاسبانی تین ہزار سال تک کرتے رہے۔

شاید ہم اس گھر کی حفاظت نہ کرپاتے۔ مگر اس کی حفاظت کا ایک غیبی انتظام بھی تھا۔ اُدھر یمن میں ایک بادشاہ طاقت پکڑ گیا تھا۔ ابرہہ نام تھا اسکا۔ جب بادشاہت طاقت دولت ملتی ہے تو انسان کا دماغی توازن بگڑ جاتا ہے۔ نمرود۔ شدّاد۔ فرعون سب اسی قبیل کے لوگ تھے۔ بیٹا تم ہم قریشیوں کو ایک تعریفی کلمہ سے ضرور نوازو گے۔ ہم کو مکّہ پر قیادت و

سیادت حاصل تھی اور مکّہ کو سارا عرب پاک زمین حرم مانتا تھا۔ ہم کعبہ کے متولّی تھے اور کعبہ میں اپنی پیشانی جھکانے کے لیئے سارے عرب سے قبایل آتے تھے مگر یہاں پہنچ کر وہ اپنی قساوت شقاوت ۔ خوں ریزی۔ نسلی اور قبایلی دشمنیوں اور خوں ریزی کو حدود حرم سے باہر چھوڑ کر آتے تھے۔ ہم قریشیوں میں حرم کے اندر جو عہدے بٹے ہوئے تھے وہ ایسے تھے کہ کعبہ کی چابی کس کے پاس ہوگی۔ مہمانوں کو پانی پلانے کا انتظام کون کرے گا۔ شہر کی صفائی اور امن وامان کا ذمّہ دار کون ہوگا۔ ہم ایک دوسرے پر ان خدمتی عہدوں میں مسابقت کرتے تھے۔ خوں ریزی ۔ فحاشی ۔ گندہ ذہنی کو حرم اور حدود حرم سے باہر رکھتے تھے ۔ ایک کلمۂ تعریف کے تو ہم قریشی بھی مستحق ہیں ۔

مگر بیٹا میں اپنی گفتگو میں بھٹک گیا۔ وہ قصہ ابر ہہ کا تھا جو میں تم کو سنا رہا تھا۔ اس ابر ہہ نے اپنے کو خدا کا نائب بلکہ خدا سمجھ لیا۔ اپنی پوجا کیلیئے اسنے اپنی سلطنت کے اندر ایک مندر بنالیا۔ اسکا نام فلیس رکھا اور حکم دیا کہ لوگ کعبہ کے بجائے فلیس کا حج کریں۔ کیوں بیٹا یہ پاگل پن تھا کہ نہیں ؟ کہیں حج بھی بادشاہ کے حکم سے قائم ہوتا ہے۔ عرب میں سے تو کوئی فلیس گیا نہیں مگر شیطان نے ابر ہہ کو ایک نئی بات سمجھائی۔ ''جب تک کعبہ ہے کوئی فلیس نہیں آئے گا۔ کعبہ کو گرادو تو سب فلیس آئینگے۔ بس چڑھ دوڑا ابر ہہ۔ انسان نما شیطانوں کو اصلی شیطان کی بات جلدی سمجھ میں آتی ہے۔ ابر ہہ نے کہیں سے ہاتھی حاصل کر لیئے تھے۔ یا تو ہندوستان سے منگائے ہونگے یا افریقہ سے۔ عرب نے تو کبھی ہاتھی دیکھا بھی نہ تھا۔ بس ہاتھیوں کی فوج لیکر آ گیا وہ مکّہ کے قریب کے پہاڑوں تک ۔ اسکے سپاہی میرے دوسو اونٹ بھی پکڑ لے گئے ۔ وہ بھوکے سپاہی کھانا تو مانگتے تھے نا۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میں قریش کا سردار تھا جو کچھ کرنا تھا مجھے ہی کرنا تھا۔ پہنچ گیا میں ابر ہہ کے پاس اپنے اونٹ طلب کرنے ۔ ابر ہہ بھی حیران تھا کہ یہ شخص اونٹ کا مطالبہ کر رہا ہے مگر کعبہ کو بچانے کی التجا نہیں کرتا ہے۔ وہ حیران ہوا۔ اسے حیران تو ہونا ہی تھا۔ اس بے وقوف کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ عبد المطّلب کو معلوم تھا کہ کسی زاری اور التجا سے وہ اپنا کعبہ کو ڈھا دینے کا ارادہ ترک نہیں کرے گا ہاں شاید اونٹ واپس کر دے ۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ اونٹ آنے والے محاصرہ کے درمیان میرے خاندان اور قبیلہ کی کئی مہینوں بلکہ پورے سال کی خوراک تھے۔ ابر ہہ نے تعجب کا اظہار کیا بھی مگر اونٹوں کی واپسی کے بعد میں نے اس سے کہہ دیا کہ اونٹ میرے تھے۔ مجھے مل گئے ۔ کعبہ اللہ کا گھر ہے وہ

اسکی حفاظت کے لیئے کافی ہے۔

واپس آتے ہی میں نے قبیلہ سے کہہ دیا کہ کل ''ہاتھی حملہ'' ہوگا میں نے گن لیئے ہیں تیرہ ہاتھی ہیں جن کو دیکھ کر ہی ہمارے اونٹ اور گھوڑے بھاگ جائیں گے۔ اپنی خوراک کے اونٹ لواور پہاڑوں کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ سارا قبیلہ دور پہاڑوں میں اپنی خوراک لیکر جا چھپا۔ شاید پسپائی اپنی گردن جھکا کر ہتھیار ڈالنے اور غلامی قبول کرنے سے زیادہ اچھی بات ہے۔

سنا ہے کہ ابرہہ کے ہاتھی ابرہہ اور اسکے سپاہیوں سے زیادہ ایماندار تھے۔ بہادر اور باوفا تھے۔ ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مہاوت آنکس مارتے رہے مگر ہاتھیوں نے فیصلہ جان دینے کا کر لیا تھا۔ (کیا جانور بھی شہید ہوتے ہیں؟ اللہ ہی جانے) آگے کا بیان اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِO اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍO وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَOتَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍOفَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍO

(پ۳۰ الفیل)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔

کیا ہم نے ان کو نیست و نابود نہیں کر دیا۔

اور ان پر پرندوں کے غول بھیجے۔

جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔

اور اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔''

بھئی ہم تو دور پہاڑوں میں چھپے بیٹھے تھے کہ ہم نے بہت سی چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے غول یلغار کرتے

دیکھے۔ ہم حیران تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ان چھوٹی چڑیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان ہاتھیوں کو اچک لیں اور پہاڑوں پر پٹخ دیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا؟۔ یہ ممکن ناممکن تو ہماری جان کے ساتھ چمٹ گیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ فضول ہیں ان کے معنی کیا ہیں۔ ''ممکن''! کس کے لیئے ممکن؟۔ ''ناممکن'' کس کے لیئے ناممکن؟۔

یہ سب کیسے ہوا وہ ذرا تم حفیظ سے سن لو۔ میں ذرا اپنی سانس برابر کرلوں۔ ہاں حفیظ سناؤ ان بچّوں کو قصہ ابرہہ کا

نہ کی جب ابرہہ نے اِک ذرا بھی حُرمتِ کعبہ
ابابیلوں نے کی آ کر یکایک نصرتِ کعبہ
بلندی سے ابابیلوں نے پھینکے اِس طرح کنکر
کہ چھلنی کی طرح سے چھد گئی یہ فَوج بد اختر
وہ ظالم ابرہہ اور اُس کے ساتھی ایک ساعت میں
پڑے تھے سب کے سب دُھنکی ہوئی روئی کی صُورت میں
وہ فوجیں اور وہ ہاتھی اور اُن کے ہانکنے والے
خُدا کے قہر نے اِک آن میں پامال کر ڈالے
یہ زندہ مُعجزہ دکھلا دیا اس مہرِ انور نے
چُھپا رکھا تھا جس کو عصمتِ دامانِ مادر نے
یہ پوتا واسطے سے جس کے دادا نے دُعا مانگی
وہ جس کے نام سے نادیدہ تائیدِ خُدا مانگی

وہ بچّہ آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا تھا
وہ نُور اب چند ہی دن میں ہویدا ہونے والا تھا
جہاں کے واسطے امن و اماں کے دَور باقی تھے
وہ دن آنے کو تھا بس دو مہینے اَور باقی تھے

ہاں مجھ بوڑھے عبدالمطلب سے ایک دو باتیں اور سن لو۔ ہم تو پہاڑوں میں چھپے بیٹھے تھے مگر میرے چھوٹے بیٹے عبداللہ کو چین سے بیٹھنا کب آتا تھا۔ وہ ادھر ادھر گھات میں پھر رہا تھا کہ کچھ خبر تو ملے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ عبداللہ مسکراتا ہوا چلا آرہا ہے۔ فرماتا ہے۔ ''باباجان اونٹوں کے ناشتہ کا بھوسہ تیار ہے۔ تشریف لایئے۔ قبیلہ لایئے۔ اونٹ بھی لایئے''۔

(تاریخ یعقوبی۔ احمد بن یعقوب صفحہ 19 جلد دوئم۔ ابرہہ کی تباہی کی خبر سب سے پہلے عبداللہ نے دی)

مجھ بوڑھے عبدالمطّلب کو یقین تو تھا ہی کہ میرا ہونے والا پوتا ابن عبداللہ بڑی عظیم شخصیت ہے۔ زمانہ بھر کا سردار اعظم ہوگا۔ مگر اس وقت پہلا پیغام مسرّت عبداللہ کی زبان سے سن کر یقین ہوگیا کہ وہ پوتا جو عبداللہ کی اولاد ہونے والا ہے بہت بڑا سردار ہے۔ اس کی برکت سے اللہ نے کعبہ کو بچایا ہے اور ابرہہ کو تباہ کیا ہے۔

وہ وقت قریب آرہا تھا جب انسانیت کو ایک سراج منیر روشن چراغ عطا ہونے والا تھا۔ ولادت کے وقت جدّہ محترمہ آمنہ کے بیان کے مطابق۔ آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم والدۂ حضرت عیسیٰ موجود تھیں اور قریش کی خواتین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ حضرت شفاء اور والدہ عثمان بن ابی العاص موجود تھیں۔

قریش کی خواتین کے بیان کی مشترک بات یہ تھی کہ روشنی اسقدر تھی کہ شام کے محلات نظر آرہے تھے۔ کسی نے ملکوتی نغمہ کا ذکر کیا ہے۔ فاطمہ بنت عبداللہ نے کہا کہ خانۂ کعبہ نور سے معمور ہوگیا اور ستارے زمین سے اسقدر قریب آگئے کہ میں سمجھی کہ مجھ پر گر پڑیں گے (نشر الطیب۔ اشرف علی تھانوی)۔ (کیا ستاروں کو اجازتِ سجدہ مل گئی تھی؟)۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

محقق مورّخ ڈاکٹر حمید اللہ نے پیرس سے تحقیقی سند روانہ کی کہ اس رات کسریٰ (شاہ ایراں) کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ (سائنس والے کہتے ہیں کہ زلزلہ آیا تھا) آتش کدہ فارس بجھ گیا۔ دریائے سادہ خشک ہو گیا۔

مورّخ سیرت نگار۔ شاعر۔ شگفتہ نثر نگار شبلی نے فوراً ترمیم کی۔

''سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم۔ شوکت روم۔ اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر گئے۔ آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شرآتش کدۂ کفر آذر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے اور تاریخ اسکی شاہد ہے''۔

ظہورِ رحمت

- ظہور ہوا حسن مکمّل ۔ سیرت اکمل ۔ پیغام آخریں ۔ نعمت تمام اور رحمت و اکرام کا ۔

- ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ دوشنبہ کا دن ۔ وقت صبح صادق کا وہ تشریف لائے ۔

- وہ جن کے آنے سے گلزارِ ہستی میں رونق آ گئی ۔

- وہ جن کی آمد پامال انسانیت کے لیئے آب نیساں اور بادِ نو بہار بن کے آئی ۔

- وہ جو ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کا ثمرہ تھے ۔

- اور وہ جو بشارت تھے عیسیٰ روح اللہ کی ۔

- نہ ان سے پہلے کسی بچّے کی ولادت ایسی مبارک باسعادت تھی اور نہ اس ولادت کے بعد کوئی سعادت ازلی اور ابد کا دروازہ کھلا رہا سوائے اسکے کہ وہ پیغمبرِ آخر و اکرم طاہر و مطّہر سے سند غلامی لیکر آئے اور اپنی اس سند غلامی پر افتخار بھی کرے اور اسکا اعلان بھی کرے ۔

☆ **عمّات محترم ۔ والدہ عبدالرحمٰن بن عوف اور والدہ عثمان بن العاص اگر آپ اس موقعہ ولادت کا کچھ بیان ہم کو عطا کریں تو نوازش ہوگی ۔**

☆ بیٹا یہ باتیں بیان سے باہر ہیں اور بار بار بیان بھی کی جاتی رہیں گی ۔ ہم خوش قسمت تھے کہ وہاں موجود تھے ۔ ہم صرف

یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ایک نمونہ دیکھا ان تین خصوصیات کا جو اس بچہ ابن عبداللہ سے ساری زندگی مخصوص رہیں۔

روشنی وہ جو آنکھ کی ہی نہیں بصیرت کی روشنی بھی بنی۔ ایمان کی روشنی۔ یقین کی روشنی۔ روشن راہ طلب روشن راہ جہد۔ زمانے کی روشنی تو وہ بعد میں بنی۔ ہم نے اپنے اردگرد کی روشنی کو دیکھا۔

خوشبو اس وجود سعید سے جو خوشبو پھوٹ رہی تھی وہ اس رات صرف ہمارے لیئے ہی مخصوص تھی۔ شاید۔ شاید۔ مگر اس روشنی کو تو ساری دنیا میں پھیلنا تھا۔ اور وہ پھیلی۔

نغمہ ایک ملکوتی نغمہ۔ جس کو ساری دنیا سلام اور درود کی شکل میں دہراتی رہی۔ مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ اور حسّان بن ثابت نے اسکی آواز سے آواز ملائی اور پھر درود و سلام و نعت کی محفلیں قائم ہوگئیں۔ اس وجود سعید نے ثابت کیا۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جسکو
روح سنے اور روح سنائے

ہم حفیظ کو بھیجتے ہیں اس سے نغمۂ محمدی سلام خادمانہ سن لو۔

ہُوَا عرشِ معلّٰی سے نزولِ رحمتِ باری
تو استقبال کو اُٹھی حرم کی چار دیواری

صلّی اللہ علیہ وسلم

صدا ہاتف نے دی اے ساکنانِ خطّۂ ہستی
ہُوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اُجڑی ہوئی بستی
مُبارکباد ہے اُن کے لئے جو ظلم سہتے ہیں
کہیں جن کو اماں ملتی نہیں برباد رہتے ہیں
مُبارکباد بیواؤں کی حسرت زا نگاہوں کو
اثر بخشا گیا نالوں کو فریادوں کو آہوں کو
ضعیفوں بیکسوں آفت نصیبوں کو مُبارک ہو
یتیموں کو غُلاموں کو غریبوں کو مُبارک ہو
مُبارک ٹھوکریں کھا کھا کے پَیہم گرنے والوں کو
مُبارک دشتِ غُربت میں بھٹکتے پھرنے والوں کو
خبر جاکر سُنادو شَشِ جَہت کے زیر دستوں کو
زبردستی کی جرأت اب نہ ہوگی خُود پرستوں کو
معیّن وقت آیا زور باطل گھٹ گیا آخر
اندھیرا مِٹ گیا ظُلمت کا بادل چَھٹ گیا آخر

مُبارک ہو کہ دَورِ راحت و آرام آپہنچا
نجات دائمی کی شکل میں اِسلام آپہنچا
مُبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جنابِ رحمۃ للعلمین تشریف لے آئے
بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی
اَمیں بن کر اَمانت آمنہؓ کی گود میں آئی
ندا ہاتف کی گُونج اُٹھی زمینوں آسمانوں میں
خموشی دب گئی اللّٰہ اَکبرَ کی اذانوں میں
حریمِ قدس سے میٹھے ترانوں کی صدا گُونجی
مُبارکباد بن کر شادیانوں کی صدا گُونجی
بہر سُو نغمۂ صلِّ علیٰ گُونجا فضاؤں میں
خُوشی نے زندگی کی رُوح دوڑا دی ہواؤں میں
فرشتوں کی سلامی دینے والی فوج گاتی تھی
جنابِ آمنہؓ سُنتی تھیں یہ آواز آتی تھی

سَلام

سلام اے آمنہؓ کے لال اے محبُوبِ سُبحانی
سلام اے فخرِ موجُودات فخرِ نَوعِ انسانی
سلام اے ظلِّ رحمانی، سلام اے نُورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زِندگی کی لَوحِ پیشانی!
سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزّت افزائی، زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آگئی گُلزار ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربّانی
سلام اے صاحبِ خُلقِ عظیم اِنساں کو سِکھلا دے
یہی اَعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ رُوحانی
تری صورت، تری سیرت، ترا نقشا، ترا جَلوہ
تبسّم، گُفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی!

اگرچہ فقرِ فخری رُتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نُور سے معمُور ہوجائے
ترے پرتَو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظؔ بے نوا کیا ہے گدائے کُوچۂ اُلفت!
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نُورانی

ترا دَر ہو مِرا سر ہو، مِرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنّا مختصر سی ہے مگر تمہید طُولانی!

سلام، اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام، اے خاک کے ٹُوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

....

تابعدار بہو آمنہ نے اپنی نویافتہ دولت ۔نوزائیدہ ابن عبداللہ کو دادا عبدالمطّلب کے پاس بھیجا تو دادا اسے کعبہ میں لے گئے اور فوراً نام تجویز کر دیا۔ محمد ۔ وہ نام جو بقولِ آدم پایۂ عرش پر لکھا تھا۔ بہر حال یہ طئے ہے کہ عرب میں یہ نام عام نہیں تھا۔شاید ہی کسی اور کا ہو (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مشرق سے مغرب تک زیادہ تر مسلمان باپ برکت کے لیئے اپنے بیٹوں کے نام میں اس نام کو شامل کرتے ہیں)۔

جدّہ محترمہ نے اپنے بیٹے کا نام احمد رکھنا چاہا تھا۔مگر عرب کے قبائلی دستور کی وجہ سے دادا کا رکھا ہوا نام زیادہ عام ہوا۔ مگر احمد نام بھی تقریباً اتنا ہی عام ہوا۔لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ کی بشارت میں نام احمد ہے۔اسمہ' احمد۔ہم تو دونوں میں سے کوئی نام بھی سن پاتے ہیں تو درود پڑھتے ہیں۔اور ہماری کیا حیثیت ہے۔درود وسلام تو اوپر سے آتا ہے۔ ہم تو صرف حکم کا اتّباع کرتے ہیں۔

حلیمہ سعدیہ

دولتے ہست کہ یابی سرراہے گاہے

شرفائے عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچّوں کی اولین دور کی پرورش صحرا میں کرواتے تھے۔ دستور تو اچّھا تھا کہ بچّے وہاں سے سخت کرخت گٹھیلے نکلتے تھے۔ صحرا کی بے تکلف زبان سیکھتے تھے اور فطرت سے اتنے قریب رہنے کی وجہ سے جو نیک خصلتیں ان میں پیدا ہوتی تھیں وہ تا دم حیات انکا ساتھ دیتی تھیں۔ اب ہم اس بستی بنو سعد قبیلہ ہوازن میں داخل ہوتے ہیں جدّہ محترمہ حلیمہ کی زیارت کے لیئے۔ اس صحرا میں داخل ہوتے ہی ہماری جماعت کا مجنوں سجدے میں گر جاتا ہے۔
''آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بہ خونِ دل'' ''اسی صحرا میں شاید کھو گیا دل'' ''انھیں کانٹوں میں ہے شاید مرادل'' ارے آگے چلو مجنوں۔ وہ وادی کی آخری جھونپڑی شاید جدّہ حلیمہ کی ہے۔

''کہے دیتا ہے ان ذرّوں کا نور
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے''

☆ کون ہو تم لوگ کیوں آئے ہو۔ سونا چاندی تو یہاں ہوتا نہیں مگر تم شاید اونٹ چُرانے آئے ہو۔

☆ سلام جدّہ محترمہ۔ ہم پندرہ سو سال بعد یہاں پہنچے ہیں۔ ہم اونٹ چُرانے نہیں آئے۔ ہم آپ سے اپنے آقا جی کے بچپن کا حال سننے آئے ہیں۔ جو آپ سنانا پسند فرمائیں ہم آپ کے غلام ہیں آپ اگر حکم دیں تو فوراً واپس چلے جائیں گے آپ کو کوئی زحمت نہیں دیں گے۔

☆ ہنسی آرہی ہے مجھے تم لوگوں کی ناسمجھی پر۔ صحرائی عرب کی ضیافت سخاوت مہمان نوازی کی تم کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ اب

جب تم مہمان کی حیثیت سے لمبا پندرہ سو سال کا سفر کر کے حارث بنو سعد کے جھونپڑے کے سامنے کھڑے ہوئے ہو اور حلیمہ سعدیہ سے بات کر رہے ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ تم کو ہم بغیر ضیافت کے واپس جانے دیں گے۔ ارے ہم تو مہمان کا تعاقب کر کے گرفتار کر کے لاتے ہیں اسکی ضیافت کرتے ہیں اسکو اپنے اونٹ بکری کا دودھ پیش کرتے ہیں اسکی چھاگل کو پانی سے بھر کر پھر اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنا سفر آگے جاری رکھے۔

مسافر گانے لگا............ ''بنتی ہے بیاباں میں صدیقی وفاروقی''

☆ ارے یہ کون ہے جو ہر وقت گانے لگتا ہے۔

☆ جدّہ محترمہ معاف کر دیجئے اسے۔ آقا جی کے غلاموں میں سے ایک ہے۔ آج کچھ جنون زیادہ ہے۔ آپ جب اپنا بیان آقا جی کا تذکرہ شروع کریں گی تو یہ خاموش مودّب ہو جائیگا۔ آنکھیں بھی خشک رکھے گا۔

☆ اچھا بچو سنو۔ میں حلیمہ سعدیہ ہوں۔ تمھارے آقا جی کی دوسری ماں۔ میری محترمہ بہن آمنہ نے مجھے اپنے بچّے کی ماں بنا کر مکّہ سے روانہ کیا تھا۔ کہانی لمبی ہے۔ ہم کو تو تم لوگوں کی اس ایجاد کلنڈر کا پتہ نہیں ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ میرے قریشی بیٹے ابن عبداللہ جن کو تم اسوقت ''آقا جی'' کہہ رہے ہو وہ ابھی ایک سال بعد پیدا ہونے والے تھے کہ ابرہہ ہاتھی لیکر چڑھ دوڑا تھا اور اسکو چڑیوں نے بھوسا بنا دیا تھا۔ ہم اس وقت سمجھ گئے تھے کہ اب کوئی بڑی ہستی پیدا ہونے والی ہے۔ اس سال کو ہم عرب میں ہاتھی کا سال ''عامۃ الفیل'' کہتے ہیں۔ اگلے سال کا پھر اہم ترین واقعہ میرے قریشی بیٹے ابن عبداللہ کی پیدائش ہے۔ اسوقت تو اسکو کسی نے نہیں مانا تھا سوائے عبدالمطلب کے اور آج سب ہی مانتے ہیں۔ ماننا ہی پڑا ہے۔ ''حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی''۔

بنو سعد کی زبان کی فصاحت کی ایسی قدر تھی کہ مکّہ کے شرفاء بچّوں کو بنو سعد کی عورتوں کو دودھ پلانے کے لیئے دیتے تھے۔ بنو سعد کی عورتیں سال میں دو دفعہ مکّہ آتی تھیں۔ اس دفعہ جب میں آئی تو قسمت ایسی تھی کہ میرا خاندان غربت کا شکار تھا۔ اونٹنی ہماری بیمار تھی ایک گدھی سواری کے لائق تھی وہ بھی اتنی لاغر تھی کہ وفاداری کے زور پر چل رہی تھی۔ ساتھ والیاں پہلے

پہنچ گئیں اورانھوں نے امراء کے بچوں کو لے لیا۔ایک قریشی بچہ ابن عبداللہ باقی تھا۔ تھا تو سرداروں کے خاندان کا مگر یتیم تھا۔ باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ دادا کے نو بیٹے زندہ تھے اور متعدّد بیٹیاں۔اس خاندان سے معاوضہ ہی مل جانا مشکل تھا اور انعام واکرام تو دور کی چیز تھی۔ بہ ہر حال اس بچہ کی ماں کے پاس پہنچی۔صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ محبّت اور خلوص مجسّم۔ بچہ دیکھا سفید دودھیا کپڑے میں لپٹا ہوا اور ایک ہری حریر کی چادر عورت کا پیار بچہ کے لیئے جسکا کوئی نام نہیں ایجاد ہوا امنڈ کر آیا۔ بچہ نے آنکھ کھول دی اور مسکرایا۔اب تو کچھ سوچنے کے لیئے باقی نہیں تھا۔بس اٹھالیا گود میں۔ کیا خوشبو تھی اس بچے میں......!!۔ارے بھئی یہ اسپرے پرفیوم والی خوشبو نہیں تھی یہ جنت سے آنے والی ہوا کی خوشبو تھی۔ یہ صرف اسکو ملتی ہے جو اسکا اہل ہو یہ خوشبو نہ بکتی ہے نہ خریدی جاسکتی ہے۔بس جسکو عطا ہوگئی وہ خوش قسمت ہے وہ بس درود پڑھے۔ وہ تمہارے لاہوری اقبالؔ نے کہا ہے۔

''دولتے ہست کہ یابی سر راہے گاہے''

''کبھی کبھی ایک خاص دولت راہ چلتے مل جاتی ہے''

بس مل گئی مجھے دولت عظیم۔ بچہ کو دودھ پیش کیا اسنے مسکرا کر قبول کیا۔ دوسری طرف سے پیش کیا تو چھوڑ دیا مجھے خیال آیا کہ اس بچے نے اپنے دودھ شریک بھائی کے لیئے چھوڑا ہے۔ کچھ باتیں بغیر الفاظ کے دل میں اتر آتی ہیں اور یقین آجاتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات تھی۔ بچہ مجھے مل گیا اب واپسی میں تو میری گدھی سب سے تیز چل رہی تھی۔ایک زبان کی تیز سعدیہ عورت نے کہا کہ ''حلیمہ تمھاری گدھی چل رہی ہے کہ دوڑ رہی ہے یا ناچ رہی ہے''۔اسکا جواب تو خاموشی ہی تھی۔مگر گھر پہنچ کے معلوم ہوا کہ ہمارے گھر پر برکتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ پہلے میں اپنے ایک بچے کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتی تھی مگر اب دونوں بچّے مطمئن مسرور سوتے تھے۔اونٹ اون اور گوشت سے بھر گئے۔اونٹنی دودھ سے بھر گئی۔ بکریاں چراگاہ سے دودھ سے چھلکتی آتی تھیں۔ جب یہ بچہ میرے سینہ سے لگتا تھا تو مجھے ایسا سکون ملتا تھا کہ ایسا سکون مجھے کبھی نہیں ملا۔ یہ بات میں نے دوسرے لوگوں سے اسی زمانے میں کہی تھی اور شاید چند مورخین نے اسکو تاریخ میں جگہ بھی دی ہے تم خود ڈھونڈھ لو۔ (قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ابن ہشام سیرت النبی۔طبقات ابن سعد۔ابن کثیر البدایہ والنہایہ)

اماں حلیمہ سعدیہ کا بیان

میرا قریشی شہزادہ بیٹا تقریباً چھ سال میرے پاس رہا۔ ہوسکتا ہے کہ چند مہینے کم یا زیادہ ہوں، اس کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ نے طلب فرمایا تو میں اپنے قریشی بیٹے کو لیکر مکہ آئی اور اس ہونے والے شہنشاہِ عالم کو ان کی ماں کے حوالے کیا۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ آمنہ کی سخاوت نے میرا دل خوش کردیا۔ مگر دل اندر سے رو رہا تھا۔ یہ بی بی آمنہ کو بھی معلوم تھا۔ سردارنی آمنہ بنتِ وہب سردارِ قریشی عبدالمطلب کی بہو نے میری آنکھوں سے وہ آنسو پونچھے جن کو میں گرانا نہیں چاہتی تھی۔ اور پھر شاید ہم دونوں ایک دوسرے کے کندھے پر سر رکھ کر روئے۔ یہ محبت کرنے والی دو ماؤں کی باتیں تھیں۔ اور یہ شاید تم مردوں کو سمجھ ہی نہ آئیں۔

پھر معلوم ہوا کہ میرے قریشی شہزادے کو لیکر ان کی والدہ مدینہ بنونجار میں تشریف لے گئیں کہ بچے کو اسکے والدِ محترم عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر دکھائیں۔ مگر خود واپسی کے وقت بیمار ہوگئیں اور چند دنوں کی بیماری کے بعد اللہ نے انکو اپنے پاس بلالیا۔ (قسطلانی کی روایت ہے کہ آخری وقت میں بی بی آمنہ نے بچے کو اپنے پاس بٹھائے رکھا اور شعر سنائے۔ کیا سنایا، کیا بتایا، کیا سمجھا یہ اللہ ہی جانے)۔

عرب اہم باتیں یاد رکھنے والی باتیں ایک دوسرے کو اشعار ہی میں سناتے تھے۔

امّ ایمن خادمہ حضرت آمنہ حضرت ابن عبداللہ کو لیکر مکہ آئیں اور حضرت عبدالمطلب کے حوالے کیا۔

اسکے کئی سال بعد میرا (حلیمہ سعدیہ کا) اپنے بیٹے سے بڑے خوش گوار ماحول میں سامنا ہوا۔ میرے بیٹے نے مکہ کی ایک تاجر خاتون سے نکاح کا فیصلہ کیا۔ وہ بڑی زبردست تاجر خاتون تھیں۔ مکہ کی سب سے بڑی تاجر خاتون۔ بڑا حُسن تھا ان خاتون میں۔

☆ دادی حلیمہ کیا اماں خدیجہ بڑی خوبصورت خاتون تھیں؟

☆ کافی نا سمجھ ہو تم ''شہری بابو'' تم حسین ڈھونڈ تے ہو حسین پہچانتے ہو مگر حُسن کو نہیں جانتے حسن کا پتہ ٹی وی سینما دیکھنے سے نہیں چلتا حُسن کو تو صرف ہم صحرا والے جانتے ہیں شاید کچھ لوگ اسکو غلط یا صحیح حسن مجرد کہتے ہیں۔ جب صحرا میں صبح کو سورج طلوع ہونے کی تیاری کرر ہا ہوتا ہے اسوقت فضا میں حُسن ہوتا ہے۔ پرامید۔ نشاط وانبساط سے بھرا ہوا ہنستا مسکراتا چہچہاتا ہوا۔

جب شام کو سورج غروب ہوتا ہے تو اس سے پہلے حسن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ حسنِ محزوں، غم انگیز، دلگیر، دلنواز۔ جب رات پھیل جاتی ہے تو آسمان ستاروں سے بھر جاتا ہے۔ پوری کائنات میں ایک انوکھا حسن ہوتا ہے۔ ہر رات نئے حسن کے ساتھ آسمان سے دنیا کی طرف آہستہ آہستہ ایک ملکہ حسن کی طرح اُترتی ہے اور ہر صبح نئے سرے سے خالق کائنات کے حسنِ بے پناہ کا ایک پرتو زمین پر نازل کرتی ہے ایک عطیہ کے طور پر ایک مطمئن قلب والے زاہد کی پیشانی میں سجدے کے بعد حسن ہوتا ہے۔

اگر بناسپتی حسیں دیکھنے ہوں تو ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر مقابلہ حسن دیکھو۔ اگر حسن دیکھنا ہو تو میرے پاس آ جاؤ صحرا میں حسن دکھادونگی۔

☆ معاف کردیں دادی حلیمہ غلطی ہوگئی۔ آپ فرما رہی تھیں کہ اماں خدیجہ میں بڑا حسن تھا۔

☆ ہاں! خدیجہ کی سیرت میں بڑا حسن تھا۔ میرے بیٹے کی شادی کے وقت خدیجہ کے گماشتوں نے میرا پتہ نکال لیا اور مجھے خدیجہ کے پاس لے گئے۔ بہن آمنہ بنتِ وہب نے سفرِ آسمان اختیار کرلیا تھا مگر خدیجہ نے بھی ایک ساس ڈھونڈلی۔ مجھے صدرِ محفل میں بٹھایا ساس بنا کر۔ جب ابن عبداللہ میرے قریشی شہزادے نے مجھ کو دیکھا تو میری اماں، میری اماں کہتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے۔ اپنی چادر بچھا کر مجھے اس پر بٹھایا۔ یہ میرے قریشی بیٹے کا ''حسن'' تھا۔ تمہارے لاہوری محمد اقبال نے بھی تو کہا ہے۔

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم

صحبت مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

تقریب ختم ہوئی تو بہو خدیجہ نے مجھے تحفے تحائف سے لاد کر ادب احترام اور محبت سے رخصت کیا۔

☆ امّاں اب تم چپ ہو جاؤ تمہاری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔ اب میں کچھ کہوں گی۔ میرا نام شیما ہے۔ میں اخی قریشی کی بہن ہوں۔ میں اپنے بھائی سے دس سال بڑی تھی یا شاید بارہ سال۔ میرے بھائی ابن عبداللہ کو گدگدی سے تکلیف ہوتی تھی اور میں اسے ہنسانے کے لئے اکثر گدگداتی تھی۔ ایک دفعہ اخی قریشی نے مجھے دانت کاٹ لیا۔ دو سال کے یا تین سال کے بچے کے دانت کاٹنے کا کوئی نشان ہونا نہیں چاہئے تھا مگر صرف اللہ جانتا ہے کہ وہ نشان میرے کندھے پر تمغہ بن کر کیوں لگا رہا۔ یہ علامت میں نے اپنے بھائی کو اس دن دکھائی جب میں قیدی بن کر اس کے سامنے آئی۔ یہ جو لمبا سفید پوش شخص قلم ہاتھ میں لئے کھڑا ہوا ہے اس نے یہ سارا واقعہ پہلے مجھ سے سُنا ہے اور اپنی کتاب میں لکھ لیا تھا۔ کیا نام تھا اس کتاب کا؟ شاید حدیثِ دل نام تھا۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ دوبارہ سناؤں اپنے بھیا کا قصہ؟۔ اخی تی کا قصہ۔ اخی قریشی کا قصہ۔

☆ بڑی ہی عنایت ہوگی۔ عمہ محترمہ شیما۔ ''آقا جی''، صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ ہم سو دفعہ بھی سنیں تو ہم کو خوشی ہوگی۔

☆ تو سنو قصہ۔ اماں حلیمہ جب قریشی بھائی کو لے کر مکہ سے خوش خوش واپس ہوئیں تو سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی۔ کیوں ہوئی یہ میں بتا نہیں سکتی۔ بس اچھا لگا مجھے میرا بھائی، یہ مجھے ٹک ٹک تکے جا رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ یہ خوشبودار بھائی، گویا مجھ سے فرمائش کر رہا تھا کہ مجھے گود میں لے لو۔ میں نے اسے گود میں لے لیا۔ اور ایسا گود میں لیا کہ ماں کو فارغ کر دیا۔ ماں کے پاس تو ویسے بھی بڑے کام تھے۔ دوسرے بھائی بہن اور باپ کی طرف توجہ۔ اونٹ، بھیڑ، بکری سب توجہ مانگتے تھے غلّہ، چکّی، چمڑے کا سامان، خیمہ، مشک، جوتے سب کی مرمّت ماں کا کام زیادہ بلکہ سب سے زیادہ تھا۔ ماں نے اخی قریشی کو تقریباً مجھے بخش دیا۔ بھائی قریشی کا پیٹ بھرنے کے بعد اسے وہ میرے حوالے کر دیتی تھی۔ میں نے اسے بنو سعد کی خیمہ بستی کا ہر خیمہ دکھایا۔ خیمہ والوں کو اپنا بھائی دکھایا۔ اپنی ہمجولی لڑکیوں پر رُعب جمایا۔

''ہے کسی لڑکی کے پاس ایسا بھائی؟''لڑکیاں گری پڑتی تھیں۔

''ذرا تھوڑی دیر ہم اسے گود میں لے لیں۔''

''ذرا تھوڑی دیر کو ہم کو بھی دو''۔

''بھئی اب میری باری ہے میں بھی گود میں لونگی''۔

اور بھائی قریشی! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اس چھینا چھپٹی پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ خوش مسکرا رہے ہیں۔غضب کی مسکراہٹ تھی ان کی۔سب فدا تھے اس مسکراہٹ پر۔پھر میری ماں کی زوردار آواز آتی تھی چیخ کر بولتی تھیں۔

''ارے لڑکی اس بچے کو اسطرح سے صحرا کی دھوپ میں مت گھما۔بیمار پڑ جائیگا۔ تُو خیمہ میں چپ چاپ کیوں نہیں بیٹھتی۔''

میری ماں کی تشویش غلط تھی۔اور میرا جواب صحیح تھا۔سو فیصد صحیح۔

''میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی۔ہر وقت بادل کا ایک ٹکڑا اس پر سایہ رکھتا ہے''۔یہ بات بہانہ نہیں تھی۔سچ تھی۔

اور پھر میں نے اپنے بھائی کو بستی کے تمام جانور دکھائے انکے نام بتائے۔میرا بھائی ایسے مسکراتا تھا جیسے وہ ہر اونٹ بھیڑ۔بکری۔بلّی سے مل کر خوش ہوتا ہے بلکہ ہر ببول کے درخت اور ہر جھاڑی کو وہ دلچسپ سمجھتا تھا۔اور طلوع ہوتے ہوئے سورج سے اور روشن چاند سے تو معلوم ہوتا کہ وہ گفتگو کر رہا ہے۔کوئی اہم گفتگو مگر پیار بھری گفتگو۔صرف میں نہیں سن سکتی تھی مگر مجھے یقین ہے کہ وہ چاند کی بات سن کر سمجھتا تھا اور چاند اس کی بات سنتا تھا۔

اور پھر اندازاً پچاس سال گزر گئے یا شاید ستاون اٹھاون سال میرے اخی قریشی ابن عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اس کائنات

کے سب سے بڑے انسان مان لئے گئے۔ میرے قبیلہ ہوازن اور اسلامی لشکر میں حنین میں جنگ ہوئی۔ اسلامی فتح کے بعد ہمارے قبیلہ والے قید ہو کر حضرت ابن عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے۔ چند انصاری نوجوان اٹھارہ بیس سال کے میرے پوتوں کے برابر مجھے قید کر کے لے آئے اپنے قائد۔ اپنے سردار۔ اپنے پیغمبر کے سامنے۔

میں چیختی رہی۔ ''دیکھو لشکریو! مجھے اسطرح نہ گھسیٹو۔ میں تمہارے ''صاحب'' کی بہن ہوں۔'' (نوجوان انصاری مجاہد صرف ہنس دیتے تھے کہ یہ ستر بہتر سالہ بدوی قیدی عورت کیا کہہ رہی ہے)۔

آخر انہوں نے مجھے میرے بھائی کے سامنے پیش کیا۔

☆اخی الّی آپ نے مجھے پہچانا۔ میں شیما ہوں۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے نظر اُٹھا کر مجھے دیکھا اور اپنی چادر بچھا دی کہ بہن تشریف رکھے۔

☆اخی آپ کو یاد ہے ایک دفعہ میں نے آپ کو بہت تنگ کیا تھا۔ آپ نے مجھے دانت کاٹ لیا تھا۔ یہاں۔ یہ دیکھئے نشان۔ ایک کندھے سے کپڑا سرکا کر نشان دکھایا۔

☆اخی الّی آپ وہ لوری سنیں گے۔

یہ میرا بھائی ہے۔

یہ میرے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔

یہ میری ماں کا بیٹا نہیں ہے۔

پھر بھی یہ میرا بھائی ہے۔

کتنا پیارا بھائی ہے۔

یہ بڑا ہوجائے۔

یہ عظیم ہوجائے۔

هـذا اخٌ لـی لـم تـلـده امـی.	یہ میرا بھائی جو نہ میری ماں کے بطن سے ہے
ولیـس مـن الـنسـل ابی وعمی.	نہ میرے باپ چچا کی نسل سے
فـاتـم الـلّهـم فیـمـا تـنـمـی.	اے اللہ اسے بڑھا کر بڑا کردے

ماخوذ حسن اختر کی سیرتِ الحبیب جلد اوّل

آخری تین مصرعہ ماخوذ شاہ نامۂ اسلام حفیظ جالندھری

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے موتی گر رہے تھے۔ صحابہ بھی چپ تھے۔ وہ انصاری لڑکے جو مجھے گرفتار کر کے لائے تھے ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں ان کی شکایت نہ کردوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے بہن شیما کو یعنی مجھے پیش کش کی کہ میں اگر چاہوں تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کرسکتی ہوں مگر میں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں میں جانا چاہا۔ جہاں میرے عزیز بیٹے، پوتے، نواسے، نواسیاں تھے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایسے رخصت کیا جیسے ایک بہن کو رخصت کرتے ہیں۔ تحائف کے ساتھ۔ تحائف کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اونٹ، بکریاں، بھیڑیں، کھجور، غلّہ، پانی کی مشک، خیمے۔

صحابہ مجاہدین اپنے خیموں اور حلقوں کی طرف رخصت ہوئے۔ شاید کسی نے کہا ہو۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

وہ داستان سنائی کہ دامن بھگو دیئے

نبوت کی گواہی بچپن میں

شبانی سے کلیمی تک

تجارت میں صادق الوعد الامین۔

☆ چچا ابو طالب! السلام علیکم۔

☆ وعلیکم السلام۔ تم لوگ شاید وہی گروہ ہو جو پندرہ سو سال کے بعد ابن عبداللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے نکلے ہو۔

☆ جی چچا۔ ہمارے آقا جی شاید آپکی نگرانی میں آئے تو انکی عمر آٹھ سال تھی اور پھر اندازاً بیالیس سال وہ آپکے قریب رہے۔ آپ ہم کو انکے متعلق بتائیں۔ ہم مشکور ہونگے۔

☆ مختصر یہی بتا سکتا ہوں۔ جب ابن عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہوا اسوقت انکی عمر اندازاً چھ سال تھی اور پھر دو سال تک وہ والد محترم حضرت عبدالمطلب کی نگرانی میں رہے اور انکے انتقال کے بعد میں انکو اپنے پاس لے آیا۔ ویسے ہمارے حالات بڑے خراب تھے کھانا بھی پورا نہیں ملتا تھا مگر ابن عبداللہ مجھ پر بار نہیں ہوئے۔

میں کچھ چھوٹی موٹی تجارت کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ کچھ سامان لیکر ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ دیکھا تو صاحبزادے دوڑے ہوئے آئے اور اس فصیح زبان میں جو وہ بنو سعد سے سیکھ کر آئے تھے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

يَا عَمِّ ،اِلَى مَنْ تَكِلُنِي ؟ لا أَبَ وَلا أُمَّ لِي ؟

''اے چچا مجھ کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو میرا باپ بھی نہیں اور ماں بھی نہیں۔''

میرا دل پسیج گیا جواب دیا

وَ اللهِ لَأُخْرُجَنَّ بِهِ مَعِي، وَلَا يُفَارِقُنِي وَلَا أُفَارِقُهُ أَبَدًا

''اللہ کی قسم میں اپنے بھتیجے کو ساتھ لے جاؤں گا۔ یہ مجھ سے اور میں اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔''

ابن عبداللہ میرے ساتھ گئے۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہوا مگر ایک عجیب بات ہوئی کہ راستے میں اس جگہ جہاں ہمارے قافلے ہمیشہ ٹھہرتے تھے ہم نے قیام کیا تو ایک عیسائی راہب جو وہاں عرصہ سے رہتا تھا اس نے قافلے کی دعوت کی۔ قافلے والوں میں سے ایک شخص نے کہا بھی

وَ اللهِ يَا بَحِيْرَةُ! إِنَّ لَکَ لَشَأْنًا الْيَوْمَ، فَمَا كُنْتَ تَصْنَعُ هٰذَا بِنَا، وَقَدْ كُنَّا نَمُرُّ بِکَ كَثِيْرًا، فَمَا شَأْنُکَ الْيَوْمَ ؟

''اللہ کی قسم اے بحیرہ آج تو نے خلافِ معمول کام کیا ہے تو نے اس سے پہلے تو کبھی دعوت نہیں کی اگرچہ ہم اکثر یہاں سے گزرے آخر آج کیا بات ہے؟''

بحیرہ نے جواب دیا

صَدَقْتَ ، قَدْ كَانَ مَا تَقُوْلُ، وَ لٰكِنَّكُمْ ضَيْفٌ وَقَدْ أَحْبَبْتُ أَنْ أُكْرِمَكُمْ وَ أَصْنَعَ لَكُمْ طَعَامًا فَتَأْكُلُوا مِنْهُ كُلُّكُمْ

''تم سچ کہتے ہو لیکن آج تم میرے مہمان ہو۔ میری تمنا ہے کہ تمہاری مہمان نوازی کروں۔ تم سب میری دعوت میں شریک ہو کر کھانا تناول کرو۔''

چنانچہ قافلہ کے تمام افراد پادری کی دعوت میں شریک ہوئے لیکن بحیرہ کی آنکھیں کسی کو ڈھونڈتی رہیں۔ پھر بولا۔

يَا مَعْشَرَ الْقُرَيْشِ ، لَا يَتَخَلَّفَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ عَنْ طَعَامِي

''اے قافلۂ قریش تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہرگز میری دعوت سے پیچھے نہ رہنے پائے۔''

اہلِ قافلہ نے بتایا کہ سب آ گئے ہیں سوائے ایک بچہ کے بحیرہ نے کہا کہ نہیں نہیں ایسا نہ کرو۔ اسکو بھی بلاؤ۔

وہ ابنِ عبداللہ کو خود بلا کر لایا اور ان کو بٹھا کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا اور ان نشانیوں کو ڈھونڈتا رہا جو اس نے اپنی کتابوں میں دیکھی تھیں۔ پھر بولا۔

يَا غُلَامُ، أَسْأَلُکَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَ الْعُزَّى، اِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّاأَسْأَلُکَ عَنْهُ

''اے بچے میں تجھے لات وعزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو کچھ میں تجھ سے پوچھوں گا صحیح صحیح جواب دینا۔''

ابنِ اسحاق کا قول یہ ہے کہ بحیرہ نے لات وعزیٰ کو بیچ میں لا کر ابنِ عبداللہ سے جواب مانگا۔

ابنِ عبداللہ نے کہا۔

لَا تَسْأَلُنِي بِاللَّاتِ وَ الْعُزَّى، فَوَاللهِ ! مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًاقَطُّ بُغْضَهُمَا

''مجھے لات وعزیٰ کا واسطہ دیکر کچھ نہ پوچھو۔ میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔''

پھر بحیرہ نے اللہ کی قسم دی تو ابن عبداللہ نے فرمایا کہ پوچھو جو پوچھنا ہے۔ بحیرہ نے سوالات پوچھے نشانیوں کا معائنہ کیا پیٹھ پر دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی اور پھر مجھ سے پوچھا کہ یہ بچہ آپ کے خاندان کا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے۔ پادری بحیرہ نے کہا کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں ہوسکتا اور نہ اسکا باپ زندہ ہے میں نے اسے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرہ نے کہا کہ اسکے والد کے متعلق بتائیں۔ میں نے بتایا کہ اسکے والد کا اسکی پیدائش سے پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ بحیرہ نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ اس بچے کو لیکر پہلی فرصت میں اپنے وطن لوٹ جائیں۔ اور یہودیوں سے ہوشیار رہیں۔

فَوَاللهِ! لَئِنْ رَأَوْهُ وَعَرَفُوا مِنْهُ مَا عَرَفْتُ لَيَبْغُنَّهُ شَرًّا، فَإِنَّهُ كَائِنٌ لِابْنِ أَخِيكَ هَذَا شَأْنٌ عَظِيمٌ ، فَأَسْرِعْ بِهِ إِلَى بِلَادِهِ

''اللہ کی قسم اگر یہود اس لڑکے کو دیکھیں گے اور نشانیاں دیکھ لیں گے تو اسکے ساتھ بُرا سلوک کریں گے۔ کیوں کہ مستقبل میں اس بچے کی عجیب عظیم شان ہونے والی ہے۔ آپ جلدی سے اس کو لیکر وطن جائیں۔''

میں نے جب یہ بات سنی تو فوراً اپنے کاموں سے فراغت پا کر مکہ کا رُخ کیا۔ اسوقت میرے بھتیجے ابن عبداللہ کی عمر بارہ سال تھی۔ بحیرہ نے اپنے حجرہ سے دیکھا تھا کہ راستے میں درخت جھک جھک کر ابن عبداللہ پر سایہ کرتے تھے۔

(سیرت ابن اسحاق، سیرتِ النبی، ابن ہشام جلد اول، ابنِ جوزی، الوفا، کامل ابن اثیر، سیرتِ رسولِ اکرم، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی جلد اوّل)

اس واقعہ کے بعد میں اپنے بھتیجے ابنِ عبداللہ کو مکہ سے باہر نہیں لے گیا۔ ہمارے گھر کے اخراجات کچھ زیادہ ہو گئے تھے تو میرے بھتیجے ابنِ عبداللہ نے اجرت پر بکریاں چرانے کا کام شروع کر دیا اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی وہ یہ نیک بخت اور نیک دل لڑکا مجھ کو لا کر دیتا تھا۔ اسطرح مجھ پر اخراجات کا بوجھ کچھ کم ہوا۔

پھر میں نے ابنِ عبداللہ کو وہ رقم دے دی جو اسکے باپ نے چھوڑی تھی۔ وہ اگرچہ چھوٹی سی رقم تھی مگر میرے بھتیجے نے اس رقم سے تجارت شروع کی۔ جو میرے زیادہ کام آئی بہ نسبت اسکے۔ اس نے میرے حقیقی چھوٹے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو آمادہ کیا کہ وہ میرے ایک بیٹے جعفر بن ابوطالب کا بوجھ اٹھالیں اور خود انھوں نے آٹھ سالہ علی بن ابی طالب کی ذمّہ داری لے لی۔ اس طرح علی نے ابنِ عبداللہ کی زیرِ نگرانی پرورش پائی۔

ابنِ عبداللہ ہمیشہ سے انصاف پسند رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مکہ کی (تجارتی) معیشت انصاف پر قائم ہو۔ اسوقت ابنِ عبداللہ کی عمر بیس سال تھی اور وہ ایک نو آموز چھوٹے تاجر کی طرح جانے جاتے تھے۔ انہوں نے ایک مہم چلائی جسکے نتیجے میں چند تاجروں نے حلف اُٹھایا اور اسکا نام حلف الفضول۔ اسی عربی لفظ فضول کا رشتہ فضیلت سے ملتا ہے۔ یہ حلف عبداللہ بن جدعان کے مکان پر اُٹھایا گیا۔ جو ابوبکر کے قریبی عزیز تھے۔ اسی حلف کے لئے عاتکہ بنتِ عبدالمطلب میری

(ابوطالب کی) بہن نے خوشبو تیار کی یہ خاتون عاتکہ ابنِ عبداللہ کے والد توام (Twin) بہن ہیں اور تمام حلف اُٹھانے والوں نے اسمیں ہاتھ ڈالے اسلئے یہ حلف والے مطیبین کہلائے یعنی ''خوشبو والے''۔ یہ حلف تھا۔

''خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائینگے اور وہ ہاتھ مظلوم کے ساتھ رہ کر ظالم کے خلاف اُٹھا رہے گا جب تک کہ ظالم مظلوم کا حق ادا نہ کردے اور یہ حلف اسوقت تک قائم رہے گا جب تک کہ سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور حرا اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اور ہماری معیشت میں عداوت رہے گی۔''

ابھی حرا کی پکار اور نبوت کا اعلان بیس سال دور تھا۔ مگر مکہ کے لوگ ابن عبداللہ کو اسکے لقب سے پکارتے تھے۔

صادق الوعد۔ اور اَمین

میرے بھتیجے ابن عبداللہ آسانی سے ''صادق الوعد'' اور ''الامین'' نہیں بن گئے تھے۔ عرب عام طور پر اور مکہ کے قریش خاص طور پر کوئی بات آسانی سے نہیں مانتے تھے۔ ان کی خودسری اور خود پسندی اور ضد بڑی مشہور تھی۔ مگر حقیقت خود کو منوا لیتی ہے۔ بھتیجے ابن عبداللہ نے کسی قدر اپنے لئے اور زیادہ تر اپنے بوڑھے چچا یعنی مجھ ابوطالب کی مفلوک الحالی کو دور کرنے کے لئے تجارت میں کچھ دل لگا لیا تھا۔ انکی کھری بے لچک سچائی اور ایمانداری نے تجارت میں انکا مقام پیدا کردیا تھا۔ انھوں نے کچھ تجارتی میلوں میں بھی شرکت کی نجد۔ یمن، بحرین اور شام کے سفر کئے اور ہر دفعہ اپنی نیک نامی معاملہ فہمی، دیانت اور سچائی کے توشہ میں اضافہ در اضافہ کیا۔ مجھ سے عبداللہ ابن ابی الحسان نے بیان کیا کہ ابن عبداللہ نے ان سے ایک دفعہ کوئی تجارتی معاہدہ کیا۔ بات طے نہ ہونے پائی تھی کہ عبداللہ ابن ابی الحسان کو کسی کام سے گھر جانا پڑا۔ وہ یہ کہہ کر گئے کہ ''ابھی آتا ہوں'' اور پھر گھر جا کر بھول گئے تین دن کے بعد خیال آیا تو واپس پہنچے تو دیکھا کہ ابن عبداللہ وہیں انتظار کر رہے تھے۔ پریشان پریشان بوجھل بوجھل نظریں جھکا کر وہ جب ابن عبداللہ کے سامنے آئے تو ابن عبداللہ نے صرف اتنا کہا کہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی۔ (سیرت الرسول بحوالہ سنن ابی داؤد)

قیس بن السائب مخزومی نے کہا کہ میں نے ابنِ عبداللہ سے بہتر ساجھی (پارٹنر) نہیں پایا اگر ہم ان کا سامان لیکر جاتے تو وہ واپسی پر ہمارا استقبال کرتے اور خیر وعافیت پوچھ کر چلے جاتے۔ بعد میں جب ہم حساب دیتے تو اس پر تکرار نہ کرتے جبکہ دوسرے شرکائے تجارت پہلے نفع ونقصان کی بات کرتے اور بٹوارہ کی بات کرتے۔ (ڈاکٹر حمید اللہ۔ رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی)

اس کے برخلاف جب ابن عبداللہ خود سفر پر جاتے تو جب تک شرکاء کی پائی پائی ادا نہ کرلیتے گھر تشریف نہ لے جاتے۔ ہمارے اہل وعیال کی خیر وعافیت دریافت کرتے اس سے پہلے کہ ہم انکے سفر کی خیریت دریافت کریں ایک شریکِ تجارت سعد نامی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عبداللہ کو ہمیشہ کھرا ایمان دار پایا۔ انھوں نے نہ کبھی کوئی جھگڑا کیا نہ کوئی غلط بیان دیا۔ (ماجد علی خان دہلی، سیرت خاتم النبیین بحوالہ الاصابہ فی تمیز صحابہ)

کئی سال کے بعد فتح مکہ کے موقع پر سائب بن ابی سائب جو شریکِ تجارت رہ چکے تھے ایمان لانے کے لئے حاضر ہوئے تو صحابہ نے حضور کی جو تعریف کی تو سائب نے کہا کہ میں انکو زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے انکے ساتھ تجارت کی ہے۔

(ابی الحسن علی جزری۔ ابن اثیر، اسد الغابہ)

ظاہر ہے کہ مہینوں کے لمبے تجارتی سفر کے ساتھی اور نفع نقصان کے ساجھی پارٹنر جب کسی شخص کو صادق اور امین کہیں گے تو سارا زمانہ اس شخص کو ہمیشہ صادق اور امین مانے گا۔

ابوطالب سے بلال

☆ پندرہ سوسال دور سے آئے ہوئے مہمانو! یہ بوڑھا ابو طالب تم سے رخصت ہونا چاہتا ہے۔ ضرورت ہوتو پھر آجاؤنگا۔ اسوقت تمہیں اپنے دوست بلال کے حوالے کرتا ہوں وہ مکّہ مدینہ کے تمام گلی کوچوں سے اور تمہارے آقا جی ابن عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام روز وشب سے واقف ہیں اور وہ تم کو وہ کچھ بتادیں گے جسکی اُن کو اجازت ہے۔

☆ السلام علیکم دادابلال! پہلے تو اپنے متعلق کچھ بتایئے۔

☆ وعلیکم السلام۔ **اهلاً و سهلاً مرحبا**۔ مہمانو! پہلے تو میرے متعلق یہ کہ میں بلال بن رباح دو پشت سے غلام تھا۔ پھر زندگی میں کچھ موڑ آئے جن کا ذکر بعد میں کرونگا۔ پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہاری آمد کا اصل مقصد کیا ہے؟

☆ دادابلال! مقصد تو خود مجھ پر واضح نہیں ہے۔ بس بات یہ ہے کہ

نثر میں لکھوں نعت ایسی   خواہش ہے جو ناممکن بھی نہیں
اقبالؔ کا جوشِ عشق بھی ہو   اور سوزِ دعائے حالؔی بھی

☆ دیکھومیاں! بلال کی بات سن لو۔ یہ کام مشکل ہے۔ سیرت لکھنا اور پھر حقیقت کے ساتھ چلنا اور پھر اسمیں محبت کا رنگ بھرنا اور ساتھ ہی جوش وجذبہ ہو اور یہ تمنا کرنا کہ سننے والے کی آنکھ عقیدت سے بھر آئے پھر چھلک بھی جائے۔ اور پھر سب کچھ شریعت کی پابندی کے ساتھ ہو اور ترتیب بھی ہو۔ یہ ناممکن.......... ناممکن.......... ناممکن۔ آخر یہ تلوار کی دھار پر چلنے کا

شوق کیوں ہو گیا تم کو۔

اچھا خیر۔ میرا (بلال کا) بیان تو سن ہی لو۔ میرا باپ **''حبشی غلام رباح''** اور ماں **''حبشن کنیز حمامہ''** قریش کے غلام تھے۔ غلاموں میں میرے باپ کو ایک چھوٹا سا افتخار تھا کہ وہ کاریگر تھا۔ وہ چمڑا پکانے بنانے کا کام جانتا تھا اور اسی لئے تھوڑے سے بہتر سلوک کا مستحق اس دن گردانا جاتا تھا جب قریش اپنے بتوں کو حلوہ کھلاتے تھے۔ میرا باپ اپنے حصّہ کا حلوا مجھے کھلاتا تھا مگر سال میں ایک دن تھوڑا سا حلوہ کھا کے میں پانچ سے دس سال کا بچہ اگلے سال کے حلوے کا انتظار کرتا تھا۔ ایک دن جب میں دس سال کا تھا تو میری ماں نے ایک چھوٹا برتن مجھے دیا کہ میں اسمیں سے کھا بھی لوں اور اسکو چاٹ بھی لوں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ اس مہربان تاجرہ نے بھیجا تھا جسکا نام عام طور سے لوگ **''طاہرہ''** لیتے تھے۔ مجھے کچھ دنوں بعد یہ پتہ چلا کہ اس خاتون کا نام خدیجہ بنتِ خویلد تھا۔ مگر میں اکثر خود کلامی میں اس خاتون کو **''میٹھی مہربانی''** یا **''شہد خاتون''** ہی کہتا رہا۔ اب میں بڑا ہو رہا تھا۔ تم کو میں بتادوں کہ میں تمہارے آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دس سال چھوٹا تھا۔ آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم جب بیس سال کے ہوئے تو انہوں نے تجارت شروع کر دی۔ میں ان کو مکہ کی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا۔ انکی نظریں عام طور پر جھکی ہوتی تھیں۔ مگر جب کسی سے نگاہ مل جائے تو ایسی خوبصورت مسکراہٹ چہرے پر پھیل جاتی تھی کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس سے ملنے ہی آ رہے ہیں۔ اور اسوقت کی سب سے اہم بات یہ ملاقات ہی تھی اور یہ انکے لئے بڑی خوشی کی بات تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ جن سے اتفاقیہ ملاقات بھی ہوتی تھی وہ لوگ بھی رک کر ہاتھ ملا کر ان سے کچھ دیر بات کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ شاید اس ملاقات کے خوشگوار لمحے کو ذرا طول دینا چاہتے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم قبائلی معاشرہ میں مرتبہ رکھتے تھے کہ اگر وہ سخت مغرور اور درشت خو۔ کم گو یا بدگو ہوتے تو یہ بات معاشرہ کے قانون کے عین مطابق سمجھی جاتی۔ مگر آقا جی (صلوٰۃ والسلام ان کے نام پر) محبت اس فیاضی سے بانٹتے تھے جیسے ان کو معلوم ہو کہ ان کے پاس محبت کا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ شاید بات صحیح ہو یا شاید ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت ان پر محبت کا نزول ہو رہا ہو۔ ایک چمڑا رنگنے والے کاریگر کی ناک میں جو چمڑے کی بدبو بس جاتی ہے اسکا بیان ناممکن ہے۔ جس وقت مجھے چمڑا رنگنے کے کام میں میرے مالک امیہ بن خلف نے لگا دیا تھا اسی زمانہ میں نوجوان تاجر

ابنِ عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پھیرے مکہ کی گلیوں میں زیادہ ہو گئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ خوشبو کی اصل کیا ہے مگر اپنی مثال سے میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی سے محبت کرنے لگتا ہے تو اسکی ''خوشبو'' اسکے دماغ میں بس جاتی ہے۔ میں کتے کی سونگھنے کی طاقت کی مثال نہیں دونگا کیونکہ مجھے مثال کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابنِ عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو دور سے پہچانتا تھا۔ اگر چہ میں پوری توجہ سے چمڑے کی بھٹی میں سر جھکائے ہوتا تھا کیونکہ اگر میں توجہ سے کام نہ کرتا تو امیہ کے کارندے کا کوڑا میری پیٹھ پر ایک خون کا نشان ضرور ڈال دیتا۔ مگر اس ساری توجہ کے باوجود جو مجھے بدبودار چمڑے پر ہوتی تھی۔ میں آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو انکی خوشبو سے پہچان لیتا تھا کہ وہ دائیں طرف سے آرہے ہیں یا بائیں طرف سے یا دوسری گلی میں ہیں میں انکو اپنے دل میں **''خوشبودار مسکراہٹ''** ہی سمجھتا تھا۔ اسی زمانے میں مجھے ایک دوسرے غلام نے جو مجھ سے زیادہ خوش قسمت غلام تھا ایک بات بتائی۔ اس غلام کا نام تھا میسرہ۔ وہ ''میٹھی مہربانی خاتون'' خدیجہ کا ذاتی غلام تھا۔ ظاہر ہے کہ اسکو کام کم کرنا پڑتا تھا اور اس پر مہربانی زیادہ تھی۔ بہرحال غلاموں کی بھی ایک دوسرے سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی۔ میسرہ نے مجھے بتایا کہ تاجرہ خدیجہ بنتِ خویلد جن کا لقب طاہرہ ہے اس نے حضرت آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کو بلایا ہے اور تجارتی شراکت کی پیش کش کی ہے۔ میں تجارت اور پیش کش کو کیا سمجھتا مگر مجھے اسکی خوشی بہت ہوئی۔ مکہ کی وہ دو ہستیاں جن کو میں سب سے زیادہ پسند کرتا تھا ایک دوسرے کی شریک ہو رہی تھیں۔

حالاتِ زمانہ نے ایک پارسا پاکباز خاتون کو مکّہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون بنا دیا تھا۔ اور ان حالاتِ زمانہ کو ربِّ اعلیٰ نے اپنی مشیّت سے یہ رُخ کیوں دیا تھا یہ شاید اس وقت کسی کو نہیں معلوم تھا اور آج ساری امّتِ مسلمہ کو یقین کے ساتھ معلوم ہے۔ امّاں خدیجہ دو دفعہ بیوہ ہوئیں ممکن ہے اسطرح امّاں خدیجہ کو خود مختار اور محنتی خاتون بنانے کا انتظام ہو رہا ہو۔ والد خویلد کا انتقال ہوا یہ شاید اس سلسلہ کی کڑی تھی کہ راس المال میں اضافہ ہوا اور امّاں خدیجہ کو تجارت کا کام پسند آیا۔ مکّہ میں جہاں کچھ نہ اُگتا تھا نہ پیدا ہوتا تھا وہاں مکّہ کے باسی صرف تجارتی قافلوں سے معاش پیدا کر سکتے تھے اور پھر مرکزی حیثیت کی وجہ سے کعبہ کے زائرین بھی فراغت فراہم کرتے تھے جسکو آج کی زبان میں سیاحت کی آمدنی کہتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہر ایک کو معلوم ہے کہ قافلۂ تجارت کی آمد کے بعد جو نئی دولت آتی تھی وہ تاجروں کو ہضم نہیں ہوتی تھی بازارِ عکاظ میں جو میلہ لگتا تھا

وہاں یہ دولت آب کی طرح شراب میں بہادی جاتی تھی اور مستی جسکو خرمستی کہہ سکتے ہیں اسوقت ختم ہوتی تھی جب مستی کے ذرائع اور طاقت ختم ہوجاتے تھے۔ اور پھر اگلے قافلۂ تجارت کا انتظار۔

اماں خدیجہ کا حصّہ بقول مورخین مکّہ کی کُل تجارت میں عام طور سے آدھے سے زیادہ ہوتا تھا جبکہ بقیہ آدھے میں کم سے کم ایک درجن دوسرے شرکاء ہوتے تھے۔اور پھر اماں خدیجہ کی دولت قافلہ کی واپسی پر عکاظ میں ضائع نہیں ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ انکو ملکۃ التجّار تو دنیاوی قاعدے سے ہوہی جانا تھا۔مگر دولت مندترین خاتون خدیجہ اداس تھی۔

خدیجہ اداس تھی اکیلی تھی چالیس سال کی عمر تھی۔ مکّہ میں لوگوں کے نام کے ساتھ عرفیت کا رواج تھا خدیجہ کی عرفیت تھی طاہرہ۔ طاہرہ کو مکّہ کے سرداروں کے کئی پیغام ملے۔مگر نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کے اندرونی کردار کا مکمّل پتہ تاجر خاتون طاہرہ کو تھا۔

مکّہ میں ایک نوجوان نوآموز تاجر طلوع ہوئے جن کا اپنا سرمایہ صفر تھا۔ بچپن کے یتیم۔ ہر وراثت سے محروم نوعمری میں بکریاں چرائیں مزدوری پر۔اب تجارتی قافلوں میں مددگار شریک کی حیثیت سے قبول کئے جاتے تھے۔اور یہ بھی شاید اپنی اندرونی خوبیوں کی وجہ سے پاکبازی.امانت.دیانت.شائستہ گفتاری.وعدے کے پکّے اور قول کے سچّے۔ لوگوں نے عرفیت بھی دی تھی۔ **''صادق الوعدالامین''** ان باطنی خوبیوں پر مستزاد یہ کہ ''صاحب الجمال'' ایسے کہ حسّان بن ثابت سے لیکر آج تک شعراُاس جمالِ مردانہ کی تعریف میں مصروف ہیں۔ امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک بات یاد آتی ہے کہ یوسف کو دیکھ کر زنانِ مصر نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ خوش قسمت تھیں۔ اگر ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹ لیتیں۔

صادق الوعدالامین شاید ایک دو قافلوں کے ساتھ تجارت پر گئے ہوں مگر جب ملکۃ التجّار کی پیش کش آگئی تو سب دوسرے درجے کے تاجر بیٹھ گئے۔

پیغام تھا۔ ''آپ میرا مال لیکر ملک شام جائیں اور میرے معتبر غلام میسرہ کو ساتھ لے جائیں۔ آپ کیلئے وہ حصّہ مقرّر کیا ہے جو دوسرے تمام لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے''۔

صادق الوعدالامین سفرِ تجارت پر گئے بھی اور آ بھی گئے۔ اپنی رپورٹ پیش کی تو منافع توقع سے کہیں زیادہ تھا مگر ملکۂ تجارت طاہرہ کو شاید ایک شکایت رہی ہو کہ امین تجارت نے انھیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

طاہرہ تاجرہ کی ایک رازدار سہیلی تھیں۔ نام تھا نفیسہ بنتِ منبہ۔ طاہرہ اس سفرتجارت کے بعد خاموش اداس پریشان نظر آتی تھیں۔ آخر ایک دن نفیسہ نے بات چھیڑی۔

''طاہرہ چپ کیوں ہو؟''

''مجھے نہیں معلوم'' طاہرہ نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے'' نفیسہ نے کہا۔ ''تمھارے خیال میں صادق الوعد صاحب بیٹھ گئے ہیں۔ ہروقت انہی کا تصور رہے''۔

''ہوسکتا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہونفیسہ''۔

''تو پھران سے ملو۔ ان کو پیغام دو'' نفیسہ نے کہا۔

''وہ مجھے قبول نہیں کریں گے۔ میں اِنکے لائق نہیں ہوں'' طاہرہ نے کہا۔

''تو پھر یہ کام مجھے خود کرنا پڑے گا۔ تم سے نہیں ہوگا۔''

''تم جو چاہو کرسکتی ہو''۔ طاہرہ نے اجازت دے دی۔

ادھر جناب میسرہ صاحب نے بھی مکّہ میں صادق الوعد صاحب کی اتنی تعریفیں کیں کہ وہ سب کو اَزبر ہوگئیں اور شاید انکی ملکہ خدیجہ طاہرہ کو بھی۔

''میں جب شام میں داخل ہوا تو وہاں ایک راہب کو دیکھا کہ ایک صومعہ میں بیٹھا ہے۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ یہ صاحب جو اس درخت کے نیچے بیٹھے ہیں کون ہیں''؟

''میں نے کہا کہ یہ قریش کے ایک سردار ہیں''۔

راہب نے کہا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ اس درخت کہ نیچے ایک پیغمبر کو آرام کرنا ہے'' ''شاید یہ آنے والے پیغمبر ہیں''۔ میسرہ اپنا قصہ سنا گئے اور مکّہ کے باسیوں نے بات ہنسی میں اڑا دی۔ دوسری مجلس میں میسرہ فرماتے ہیں کہ جب سخت گرمی اور تپش ہوتی تھی تو میں بالکل محسوس کرتا تھا کہ صادق الامین صاحب کے سر پر فرشتوں نے اپنے پروں سے سایہ کیا ہوا ہے۔

یا کوئی بادل کا ٹکڑا سایہ کر رہا ہے۔

یہ سب باتیں سب کو پہونچیں اور طاہرہ خدیجہ کو بھی۔

طاہرہ خدیجہ خود تو کم باتیں کرتی تھیں مگر انکے رازدار ایک انکے چچازاد بھائی تھے جو بہت ہی بوڑھے تھے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اپنے حُجرے میں عبادت کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے بت پرستی سے تائب ہوکر عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ واضح رہے کہ اسوقت عیسائیت ہی اصل اسلام تھی بشرطیکہ تحریفات نکال دی جائیں۔ انکا نام ورقہ بن نوفل تھا وہ عبرانی زبان کے عالم تھے۔ اور پرانے صحائف پڑھتے رہتے تھے۔ خدیجہ طاہرہ انکو اپنے دل کی باتیں بتاتی رہتی تھیں۔ ورقہ بن نوفل نہ صرف بی بی خدیجہ سے حضور سے نکاح کے سلسلے میں متفق تھے بلکہ انکو اپنی عبرانی کتابوں اور توریت اور انجیل کے مطالعہ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ حضور نبی ہونے والے ہیں۔ ان کے کچھ اشعار مورخین کے ذریعہ عام ہوئے ہیں۔ جو سب کچھ بتا دیتے ہیں۔

اس شوق کی حالت میں ورقہ نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کے چند شعر یہ ہیں۔

وَوَصْفٍ مِنْ خُدَیْجَۃَ بَعْدَ وَصْفٍ فَقَدْ طَالَ اِنْتَظَارِی یَا خُدَیْجَا

''اے خدیجہ تم سے بار بار نبی کے اوصاف سن کر مجھ کو اُن کے ظہور کا سخت انتظار ہے''

بِبُطْنِ الملتین علیٰ رَجَائِي حَدِیْثُکِ اَنْ اَرَیٰ مِنْہ خُرُوْ جَا

''مجھ کو امید ہے کہ مکہ یا طائف سے تیرے قول کے موافق میں ضرور انکا خروج دیکھونگا''

بِمَا خَبَّرْتِنَا مِنْ قَوْلِ قِسٍّ مَنَ الرُّھْبَانِ اکراہ اَنْ یَّعُوْجَا

''گوشہ نشین عالم کے قول کی جو تو نے ہم کو خبر دی ہے۔ میں برا سمجھتا ہوں کہ اس میں دیر یا غلطی ہو''

بِاَنَ مُحَمَّدٌ اسَسُوْ دُفِیْنَا وَیَخْصَمُ مَنْ یَکُوْنَ لہ، حَجِیُجَا

''وہ خبر یہ ہے کہ محمد عنقریب ہم میں سردار ہونگے۔ اور جو اُن سے مقابلہ کرے گا اسکو مغلوب کریں گے''

وَ یَظْھَرُ فِی الْبِلَا دِ ضِیَا ءُ نُوْرٍ یُقِیْمُ بِہٖ الْبَرِیَّۃَ اَن تَمُوْ جاً

''اور تمام شہروں میں نور کی روشنی ظاہر ہوگی اور خلقت اُس نور کے ساتھ حق اور راستی کرے گی''

فَیَلْقیٰ مَنْ یُحَارِبُہ، خَسَارًا   وَیَلْقیٰ مَنْ یُسَالمہ فُلُوْ جا

''جوشخص ان سے بمقابلہ پیش آئیگا وہ نقصان پائے گا اور جوان سے بدرستی وصلح پیش آئے گا وہ آسائش حاصل کرے گا''

فَیَا لَیْتَی اَذَا مَا کَانَ ذَاکُمْ   شَھِدتُ وَکُنْتُ اکثر ھم و لُوْ جا

''پس کاش اس واقعہ کے وقت میں موجود ہوں اور میں سب سے زیادہ اُن کی پیروی میں داخل ہوں''

وَلُوْ جا فِی الَّذِیْ کَرِھت قُرَیْش   وَلَوْ عَجَّتْ بِمَکّتِھَا عَجِیْجَا

میں اس دین میں داخل ہوں جس کو قریش بُرا سمجھیں گے۔ اگر چہ قریش کے مکّہ میں اس سے شوروغل برپا ہو''

فَاِنْ یَبْقُوْا وَاَبْقَ یَکُنْ اُمُوْرٌ   یُضَجّح الْکَافِرُوْنَ لَھَا ضَجِیْجَا

''پس اگر یہ قریش باقی رہے اور میں بھی باقی رہا تو ایسی باتیں پیدا ہونگی جن سے کافر بہت غل مچادیں گے''

وَاِنْ اَھْلِک فَکُلّ فَتی سَلُقیٰ   مِنَ اْلاَ قُدَارِ مَتْلَفَۃ خُرُوْجَا

اور اگر میں مرگیا تو جوشخص جوان ہے عنقریب وہ تھوڑا زمانہ گزرنے کے بعد اُن کا خروج دیکھے گا''

نفیسہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ یہ پیغام طاہرہ خدیجہ کی طرف سے ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ لینے میں کامیاب ہوئیں کہ انھیں قبول ہے بشرطیکہ یہ پیغام چچا حضرت ابوطالب کے پاس جائے۔ یہ بڑا مسئلہ نہ تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے شام سے واپس آنے کے بعد اماں خدیجہ طاہرہ نے دو مہینے سے زیادہ اور تین مہینے سے کم کی مدّت ہجر کی گزاری اور پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم چچا ابوطالب اور حمزہ کے ساتھ ان کے مکان پر پہنچے اور خدیجہ طاہرہ کے چچا عمر بن اسد نے خطبہ نکاح پڑھا۔

نکاح کے بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں منتقل ہوگئے سوچنے کی بات ہے کہ اس کے بعد خدیجہ طاہرہ نے مکمل گم نامی اختیار کرلی تجارتی سرمایہ بھی ایک سخی داتا کے قدموں میں نچھاور کردیا۔ جو جلد ہی ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کے کام آگیا۔ غلاموں کو اس سرمایہ کی وجہ سے آزادی ملی۔

۔ امّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی دولت میں جو آخری تصرّف کیا تھا اُس کا انسانی جذباتی حسن صرف محسوس کیا

صلّی اللہ علیہ وسلم

جا سکتا ہے۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح سے پہلے اپنے خادموں گماشتوں کے ذریعہ اماں حلیمہ رضی اللہ عنہا کو بدوی قبائل میں تلاش کر کے بلا لیا۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم انکو دیکھ کر

''میری ماں میری ماں'' کہتے ہوئے لپٹ گئے۔

ام المومنین خدیجہ نے اماں حلیمہ کو چالیس اونٹ. اونٹ کا کجاوہ اور چند بھیڑوں کا تحفہ دیکر رخصت کیا کہ یہ ایک بہو کا (رضاعی) ساس کے لئے تحفہ تھا (رضاعی) بیٹے کے نکاح کے موقع پر۔

(طبقاب ابن سعد بر ترجمہ مارٹن لنکس ابوبکر سراج الدین)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین خدیجہ کا نکاح پچیس سال کی مثالی رفاقت بنا۔ چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ خدیجہ نے شعب ابی طالب میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سال بے آرامی اور فاقے کے دن بھی گذارے اس جلاوطنی میں انتقال ہوا اور کہتے ہیں کہ کفن کی چادر منہ تو ڈھکتی تھی مگر پیر کو نہیں۔ اس سال میں ابوطالب کا انتقال ہوا اور یہ عام الحزن کہلایا یعنی غم کا سال۔

دو قالب ایک جان

بلال نے مزید فرمایا جن دو شخصیتوں کو میں مکہ میں شدت سے پسند کرتا تھا۔ان میں سے ایک صاحب ''خوشبودار مسکراہٹ'' جو چلتے پھرتے جب بھی مل جاتے تھے تو مسکراہٹ کا تحفہ دے کر آگے جاتے تھے اور خوشبو کا جھونکا انکے آگے آگے چلتا تھا اور کبھی پیچھے سے ان کا تعاقب کرتا تھا اور دوسری وہ میٹھی خاتون تھیں جنھوں نے ایک دفعہ دس سال کے ایک بچہ کو ایک شہد کا پیالہ عطا کیا تھا کہ ''کھا ڈالو اور پیالہ کو چاٹ بھی لینا'' یہ خاتون اس وقت مکہ کی سب سے مالدار تاجر خاتون تھیں جو بیوہ ہوگئی تھیں۔انکونہیں معلوم تھا کہ بلال کو آخر ان کا عمر بھر کا خادم ہونا تھا۔''خوشبودار مسکراہٹ'' صاحب کی خوشبو بڑھتی چلی جارہی تھی۔یا یہ شاید میری ناک اور قوتِ شامہ کا کرشمہ تھا کہ جب میں چمڑا رنگنے کے کام پر (اپنے مالک امیہ بن خلف کے لئے) لگا دیا گیا تو کام میں بدبو کے اضافہ کے ساتھ خوشبو سونگھنے کی طاقت بڑھتی گئی۔

آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی نمونہ تھی ایک پاکیزہ اور مطمئن زندگی کی۔جس دن سے امّ المؤمنین خدیجہ کا نکاح حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے ہوا خدیجہ نے تجارت سے اور باہر کی دنیا سے ہاتھ کھینچ لیا۔حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے وقار اور اعتبار میں مکہ کے معاشرہ میں ایسا اضافہ ہوا کہ حیران کن تھا۔

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

وہ تمہارے لاہوری اقبال نے معلوم نہیں کس حال میں یہ بات کہی تھی۔ مجھے تو عالمِ بالا کی ایک محفل میں کسی نے اس مصرعہ کے معنیٰ سمجھائے تھے کہ اے حرم کی تعمیر کرنے والے (ابراہیم یا ابراہیم کی اولاد) اب نئی دنیا کی تعمیر کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

ویسے میں نے کعبہ کی تعمیرِ نو کا کام دیکھا ہے۔

آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اسوقت 35 سال کی تھی۔یعنی حرا کا وہ تاریخی دن .اقـــــرا بســـــم ربّک والا دن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس دن نبوّت تفویض ہوئی وہ ابھی پانچ سال دور تھا۔ میری عمر اسوقت 25 سال تھی۔ میں چوبیس گھنٹے کا غلام تھا۔ غلاموں کو آقاؤں کی مجالس میں بولنے کی اجازت نہیں تھی۔مگر حکم وصول کرنے والے سامنے کھڑے ہوئے غلام سنتے سب کچھ تھے۔ اور وہ لوگ جنکو سننا زیادہ پڑے اور بولنے کی اجازت نہ ہو وہ سمجھنے زیادہ لگتے ہیں۔کم بولنے والا سمجھتا ہمیشہ زیادہ ہے۔

مکہ سے اندازاً 60 میل دور شعیبہ کی بندرگاہ کے آس پاس ایک پانی کا جہاز ٹوٹ گیا۔ (جدہ کا پرانا نام شعیبہ تھا) قریش کو اطلاع ملی تو فطری عرب مہمان نوازی آفت زدوں کو دکھائی اور تباہ شدہ جہاز کے تختے کعبہ کی تعمیر کی نیت سے خرید لئے۔

(جدّہ ومکّہ کے آس پاس بڑے درخت جن سے لکڑی کے تختے بنائے جائیں نہ جب دستیاب تھے اور نہ اب ہیں)۔

(تختے خریدنے والے کا نام ابن سعد نے ولید بن مغیرہ لکھا ہے جو شاید خالد بن ولید کے باپ اور بڑے رئیس تھے)۔

جہاز ڈوبنے سے بچنے والے مسافروں میں ایک شخص رومی نجّار (بڑھئی یا ترکھان) بھی تھا۔اس نجار کا نام باقوم تھا۔اُس نے کچھ احسان مندی کے جذبہ سے اور کچھ زادِ راہ کمانے کے لئے کعبہ کی عمارت کو دوبارہ بنانے کی پیش کش کی۔مکّہ میں بھی ایک مصری (قبطی) بڑھئی تھا اس نے بھی ہاتھ بٹایا۔آقا جی نے شرط لگائی کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال کمائی لگائی جائے یعنی لوٹ مار یا سود کا پیسہ نہ لگے۔ یہ تجویز مان لی گئی اور کعبہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔سرمایہ بھی جمع ہوگیا اور سب خاندانوں نے اسکی

تعمیر کا کام تقسیم کرلیا۔ دروازے کی دیوار عبدمناف اور بنی زہرہ کے ذمہ میں آئی۔ پچھلی دیوار بنی سہم اور بنی جمع کو ملی۔ حطیم حجر والا رخ بنی عبدالدار بنی اسد اور بنی عدی نے مل کر بنانا طے کیا۔ (یہ تفاصیل سیرت ابن ہشام میں موجود ہیں)۔

پرانی عمارت کو گرانے کا مسئلہ بڑا نازک تھا۔ ڈرتے ڈرتے اور دعا مانگ کر آخر ولید بن مغیرہ نے پہلی کدال لگائی اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے اللہ ہم خیر کے سوا کچھ نہیں چاہتے ضرب لگانے کے بعد سب منتظر تھے کہ دیکھیں کوئی عتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ جب ایسا نہیں ہوا تو کعبہ کی تعمیر آگے بڑھی۔ مگر جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو سرداروں کے جھگڑے کھل کر سامنے آگئے۔ یہ سعادت کہ حجر اسود کون اپنی جگہ پر نصب کرے گا۔ اس پر ایسا جھگڑا ہوا کہ الامان۔ عرب تو کسی دوسرے قبیلہ والے کو اپنے گھوڑے سے آگے گھوڑا بڑھانے پر قتل کر دیتے تھے جس پر ایک جنگ ان قبیلوں میں اور ان کے حلیف قبیلوں کی شمولیت کے ساتھ ایسی چلتی تھی کہ پچاس سال جاری رہے۔

اس وقت آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کے سردار نہیں تھے۔ بنو ہاشم کے سردار ابو طالب تھے۔ ویسے بھی آج کل آقا جی کا وہ دور شروع ہو چکا تھا جب وہ اکیلے غاروں میں عبادت کرتے تھے۔ بہ ہر حال جب تمام قبائل میں جنگ چھڑ جانے کے امکان کھل کر سامنے آگئے اور جب ایک خون کے پیالہ میں سرداروں نے انگلیاں ڈبو کر قسمیں کھانا شروع کر دیں تو ایک صورت صلح کی نکل آئی۔ (خون کے پیالہ میں انگلی ڈال کر انگلیاں چاٹ لینا ایک اعلان ہوتا تھا کہ جنگ ''خونی'' ہوگی)۔

کسی نے کہا کہ انتظار کرلو۔ جو شخص کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو اسکو حکم مان لیں۔ وہ جو فیصلہ کرے مان لیں۔ جسکے حق میں فیصلہ کرے وہ حجرِ اسود کو جگہ پر لگائے۔ اس فیصلہ کے بعد آنکھیں منتظر تھیں۔ دوسروں کی آنکھوں کو پیغام بعد میں ملا۔ میں جو ایک دیوار سے لگا کھڑا تھا (غلام کھڑے ہی رہتے تھے۔ انہیں مالکوں کے سامنے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی) مجھے فوراً پیغام مل گیا۔ خوشبو کا ایک جھونکا بتا گیا کہ کون آرہا ہے۔ لوگوں نے چند لمحوں کے بعد دیکھا کہ حضرت ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکائے کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک ایک آواز ہر طرف سے اُٹھی۔ ''یہ صادق ہے''۔ ''یہ امین ہے''۔ ''کوئی شک نہیں''۔ ''اسکا فیصلہ ہمیں منظور ہے''۔

آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لمحوں میں فیصلہ کر دیا۔ اپنی چادر بچھادی اور اسمیں حجرِ اسود کو رکھا گیا۔ سارے سرداروں نے

کونے کنارے پکڑ لئے اور مل کر وہ چادر مطلوبہ اونچائی تک اٹھائی اور آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو اسکی جگہ پر لگا دیا۔

مبارک سلامت !　　　　مبارک سلامت !

ہر شخص خوش تھا کہ اس نے...... ہاں !...... ہاں !اس نے حجرِ اسود کو صحیح جگہ پر لگا دیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول)

ہاں ہاں بلال جانتا ہے کہ یہ سفید کپڑوں والا لمبا آدمی کیا کہنا چاہتا ہے۔ یہ بتانا چاہتا ہے کہ اسکے استاد عاشقِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم لاہوری اقبال نے کہا تھا کہ آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم نے **تعمیرِ حرم** کے کام کا تکملہ کیا تھا اب اللہ تعالیٰ کو چاہیئے کہ اس امت سے **تعمیرِ جہاں** کا کام لے۔ صرف خواہش اور دعا سے تو شاید کام نہ چلے۔ مگر یہ امّت اگر دو چار قدم بھی آگے چلے تو آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کی دعا شاید شاملِ حال ہو اور یہ خواہش پوری بھی ہو جائے۔ ویسے میں اس سے زیادہ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔

رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

کانفرنس غلاموں کی

میں بلال بن رباح عرض کرتا ہوں کہ سیرت نگاروں نے اسلام لانے والوں میں تقدیم وتاخیر کا کافی ذکر کیا ہے۔ یہ تو طے ہے کہ اسلام لانے والوں میں پہلا نمبر ام المؤمنین خدیجہ کا ہے'' ظاہر ہے کہ حضور حرا سے گھر آئے۔ پہلی گفتگو خدیجہ سے ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ گھر میں دو افراد اور تھے۔ زید جو غلام تھے مگر بہ منزلہ بیٹے اور علی جو بالکل نوعمر تھے۔ اِن دونوں نے فوراً سب گھر والوں کے ساتھ جماعت بنالی اور جب حضور گھر سے باہر نکلے تو سب سے پہلے دوست ابوبکر ملے جن سے کم وبیش چالیس سال تک روز ملتے رہے تھے۔ وہ اگر حضور کو نہ پہچانتے تو کون پہچانتا؟ وہ فوراً اسلام لائے اور ان کو چوتھا نمبر دیا گیا اور مجھ غریب بلال کو شاید پانچواں یا چھٹا نمبر۔ میں بلال بن رباح کیا تھوڑا سا اس ''سچ'' میں اضافہ کرسکتا ہوں۔ یقیناً اسلام لانے والوں کی یہ ترتیب ٹھیک ہے۔ **مسلمانوں کی ترتیب تو یہ ہی ہے مگر ایک اور گروہ تھا جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے غارِ حرا کی وحی اوّل ''اقرأ'' سے پہلے اگر مسلمان نہیں تھا تو ''محمدی'' تو یقیناً تھا۔** میں یہ بات یقین سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں بلال خود پہلے محمدی تھا کم ازکم دس پندرہ سال تک پھر بعد میں مسلمان بنا اور سابقون الاوّلون میں نام لکھوایا۔

مکہ میں آج تیل کی کوئی قیمت نہیں ہے اور ہر رات دن کی طرح روشن ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ پندرہ سو سال پہلے مکہ کی راتیں اندھیری ہوتی تھیں۔ روغنِ زیتون کھایا بھی جاسکتا ہے اور جلایا بھی جاسکتا ہے مگر یہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ روغن زیتون کا بہتر استعمال کھانا ہے۔ اس زمانے میں شام کا اندھیرا چھانے کے بعد سرداروں کی محفل مستی اور خرمستی جمائی جاتی تھی کچھ تھوڑی سی روشنی کے ساتھ مگر غلام اپنی کانفرنس بھی جماتے تھے۔ دن بھر کے مصائب توہین، ایذا اور محنت سے چند لمحے نجات پانے کے لئے۔ دن کے وقت غلام کام کرتے تھے بات بالکل نہیں یا بالکل کم۔ جب کام بند ہوتا تھا تو یہ غلام اپنے اپنے دکھ درد ایک دوسرے کو سنانے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جو بھی غلام جمع ہوتے تھے اگر فوری نہیں تو چند ہی دن میں حضرت ابنِ عبداللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی مٹھاس، نرمی، سخاوت سے انکے غلام ہوجاتے تھے۔ خدیجہ کے غلام میسرہ تو معلوم ہوتا تھا

کہ سردار ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی کی ہر خوبی کو بار بار بیان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ زید کی غلامی سخت نہیں تھی نہ میسرہ کی کیونکہ یہ دونوں ''شہدخاتون طاہرہ'' کے غلام تھے (نام کے غلام) مگر وہ بھی ان کانفرسوں میں آتے تھے۔

عمار یمن سے آئے تھے اسلئے مکہ میں ان کا کوئی قبیلہ یا مددگار نہیں تھا۔ ان پر ظلم کی انتہا ہوگئی تھی۔ جلتی زمین پر پتھر سے دبانا تو عام بات تھی۔ آگ انگارے پر اس وقت تک لٹانا جب تک کہ انگارے نہ بجھ جائیں۔ ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کہ یقین نہیں کیا جا سکتا۔

ابوفکیہہ تو میرے ساتھ کے غلام تھے ابوجہل کے مکہ کے اوباش چھوکرے ان کو ٹانگ میں رسی باندھ کر مکہ کی گرم ریت اور پتھر پر گھسیٹتے تھے۔ سکینہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عمیس کنیزیں تھیں۔ ان کے اوپر جو مظالم ہوئے وہ بیان سے باہر ہیں۔

شہید اول سمیہ زوجہ یاسر والدہ عمار تھی۔

ابوجہل گرجا کہا کہ بولو اعلیٰ ھبل

سمیہ نے کہا ''اللہ اکبر''

ابوجہل نے دوبارہ کہا کہ کہو اعلیٰ ھبل

سمیہ نے دوبارہ کہا ''اللہ اکبر''

ابوجہل نے پھر کہا کہ کہو اعلیٰ ھبل ......ورنہ......ورنہ!

سمیہ نے پھر کہا کہ ورنہ تو ورنہ ہی سہی ''اللہ اکبر''

ابوجہل نے برچھی کھینچ کر ماری

سمیہ گر گئی۔

نہیں سمیہ نہیں گری وہ بلند ہوگئی بہت بلند۔

ابوجہل گر گیا قعر دوزخ میں۔

میں بلال یہ کہتا ہوں کہ ابھی آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانِ نبوت کرنے میں پانچ سال باقی تھے (حجر اسود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں نصب کیا تھا) اور مسلمان کوئی نہیں ہوا تھا مگر یہ سب "محمدی" ہو چکے تھے۔ انہیں محمدیوں میں شامل کر لو ابوبکر کو، خدیجہ کو، علی کو، زید کو اور چاہو تو بلال کو بھی۔ کچھ محمدی فوری اذیت کے خطرے سے آزاد تھے کیونکہ یہ آزاد تھے اور ان کے قبائل ان کی پشت پر تھے۔ وہ محمدی جو غلام تھے اور بے کس تھے مجبور تھے ان سب غلاموں نے اپنے ایمان میں لوہے کی بے لچک سلاخ والی پختگی اسوقت پیدا کر لی تھی جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر محمدی ہو چکے تھے۔ کیا محمدی ہو جانا اسلام لانے کی پہلی شرط نہیں ہے؟۔

ہم مسلمانوں کو اور محمدیوں کو کسی سے اپنے ایمان کی سند نہیں لینی ہے۔ صرف ایک اقتباس پیش خدمت ہے ایک ماڈرن تاریخ نگار سیرت نگار کا۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت نے وہ درجہ نشۂ دینی کا اپنے پیرووں میں پیدا کر دیا تھا جس کی مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے سود ہے...... جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدیٰ کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چل دیئے............ اسکے برعکس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرووں نے اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد گھیرا ڈال دیا اور ان کے بچاؤ میں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر انکو غالب کیا۔

(اپالوجی۔ گاڈفری ہیگنس۔ ترجمہ اردو صفحہ 66 اور 67 مطبوعہ بریلی 1873ء)

کبھی تنہائی کوہ ودمن عشق

مکّہ ایک شہر تھا اور ہے۔ عالم میں اشرف البلاد (تمام شہروں میں اشرف) وہاں ایک گھر تھا اور ہے۔ بیت اللہ۔ اللہ کا گھر۔ وہاں سجدے کرتے تھے اشرف الخلائق اشرف المخلوقات انسان۔ کس کے سامنے سجدے کرتے تھے۔ پتھر کے بتوں کے سامنے۔

پستی سی کوئی پستی ؎ ذلّت سی کوئی ذلّت

آنکھوں پر جہالت کے ایسے دبیز پردے تھے کہ چشمِ عالم نے اس سے زیادہ اندھے پردے نہیں دیکھے۔ ہر شئے کی پرستش ہوتی تھی شہوت پرستی کی پرستش بھی۔ بنو جرہم کی شہوت پرستی کو وہ بزرگی عطا کی گئی کہ خانۂ کعبہ کے مجرم بھی دیوتا بنادیئے گئے۔ نائیلہ بنتِ دیک ایک حسین عورت نیم عریاں لباس میں نمائشِ حسن کے ساتھ طواف کرتی تھی ایک مستانہ ہجوم اسکے پیچھے پیچھے رہتا تھا۔ ایک نوجوان سردار اساف بن بغی بھی نائیلہ کے شیدائیوں میں تھا۔ ایک دن جب وہ طواف کررہی تھی اساف بن بغی دراز دستی سے بھی آگے بڑھ گیا۔ شاید اسکو دست درازی کہہ کر پردہ رکھا جاسکتا ہے جبکہ پردہ دریدگی ہوگئی۔ شراب میں بدمست ہجوم حرمِ کعبہ کی بے حرمتی کو نظرانداز کرکے اس ''زوردار'' تماشہ پر تالیاں بجاتا رہا اور نائیلہ کو دیوی بنا کر اسکا ایک بت کعبہ میں بٹھادیا گیا۔ اور چاہِ زم زم کے کنارے نصب کیا گیا۔

(سید محمد اسماعیل۔ رسولِ عربی۔ عصرِ جدید صفحہ 56)

صادق الوعد الامین (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسی فہم وفراست اور طہارت نظر اور عفّت قلب کے حامل آقا جی نے مکّہ کے شہریوں کی اس غلاظت فکر سے متنفر ہوکر مکہ سے باہر اپنی فکر ونظر کے لیئے زاویئے ڈھونڈھ لیے۔ آقا جی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ بت پرستوں کی حرکتوں سے دور بھاگ جانے والے افراد میں سے چند کے نام یہ ہیں، عثمان بن عفّان ، زبیر بن عوام ، عبدالرحمٰن بن عوف ، سعد بن ابی وقاص ، حکیم بن حزام ، جعفر بن

ابوطالب، عبداللہ بن جحش، ابوسلمہ، مکہ کے باہر کے دوافراد بھی اس کثافت سے نفرت کرنے والوں کے نام دیئے گئے ہیں ابوذرغفاری اور سلمان فارسی۔(یہ حالات تاریخِ طبری سے لئے گئے)۔

حضور (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تنہائی میں غور وفکر، عبادت وارتکازِ یقین کا ٹھکانہ جبلِ نور کو بنایا۔جبل نور کے معنٰی ہیں ''روشنی کا پہاڑ''۔ یہ پہاڑ جو دوسرے پہاڑوں سے کوئی خاص ممتاز نہیں ہے جبلِ نور کیوں کہلایا؟ یہ اللہ جانے۔ یہ انتظامات اوپر سے نافذ کیئے گئے تھے۔اسی پہاڑ میں ایک غار ہے اُسکا نام ہے غارِحرا۔ حرا کے لفظی معنٰی ہیں تلاش و جستجو کے۔(یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ حضور کو کسی کی تلاش تھی یا کسی کو حضور کی تلاش تھی)

حرا کی خوبیاں یہ بتائی گئیں ہیں کہ غارِحرا قدرتاً کعبہ کے رُخ پر ہے اگر اسمیں اسطرح بیٹھیں جسطرح التحیات میں بیٹھتے ہیں تو کعبہ سامنے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ بتائی جاتی ہے کہ نماز کھڑے ہوکر پڑھی جاسکتی ہے اور لیٹا بھی جاسکتا ہے۔ بس دشواری ایک ہے کہ پہاڑ دوہزار فٹ اونچا ہے اور دھوپ میں اکیلا کھڑا ہے کوئی درخت یا سایہ قریب نہیں ہے۔حضور نے یہاں کئی راتوں کو''تحنث'' کیا ہے۔اور تحنث کے معنٰی امام بخاری نے حدیث 974 میں کئی راتوں کی مقیم عبادت (شاید اعتکاف کی طرح) بتائی ہے۔صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے بھی مجھے سلام کرتا تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ''نبوت سے چندروز پہلے ہی جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتا تھا وہ کہتا تھا۔ اَلسَلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ

ہم اگراب کہیں کہ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ تو کسی کو اعتراض کیوں ہو۔

اِقرأ

حضور کے اکتالیسویں سال میں رمضان کے مہینے میں دوشنبہ کی شام کو حرا کی تنہائی چمک گئی۔ روشنی ایسی ہوئی کہ پہلے نہ دیکھی گئی۔ روح الامین جبرئیل (علیہ السلام) سامنے آئے اور کہا کہ اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم !بشارت قبول ہو۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔

مکّہ کی پتھریلی گلیوں نے صادق الوعدالامین (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو چالیس سال تک دیکھا۔ اِردگرِد کی چٹانوں نے انکے قدموں کی خاک کو حِفاظت سے تہ در تہ جمع کیا۔ یہاں کے مقہور اور فلاکت زدہ غلاموں نے دیکھا تھا کہ اِن صادق الوعدالامین صاحب کے پاس ہمیشہ دوستی اور محبت کی نرم مسکراہٹوں کا خزانہ ہوتا تھا۔ جو وہ فراخ دستی سے اِردگرِد بغیر کسی تخصیص کے نچھاور کرتے تھے۔

سربرآوردہ قبیلہ قریش کے سب سے باوقار خاندان بنو ہاشِم کے اعلیٰ سردار عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ سردار ابوطالِب کے چہیتے بھتیجے مگر غلاموں اور مسکینوں میں خاص طور پر مقبول اور محبوب۔ یہ اونچائی سے ''عطیہ اور خیرات'' کے طور پر شناسائی کی ''آقایانہ'' مسکراہٹ یا ''شاہانہ پسندیدگی'' ''عطا'' نہیں کرتے تھے بلکہ زمین کی سطح پر اُتر کر گلے ملکر دوستی اور محبت اور ہمدردی ''پیش'' کرتے تھے۔

ابھی وہ منزل کچھ دور تھی جب انکے قدموں کو عرش تک پہنچنا مقدّر تھا۔ ''قاب قوسین اوادنیٰ'' دو کمانوں کا فاصلہ یا اِس سے کم۔ مگر آج بھی وہ کسی دن بھی عرشِ اعظم پر نہیں فرشِ خاکی پر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری میں نہیں بلکہ اللہ کے کسی مسکین بندے کے ساتھ دوستانہ گھلے ملے نظر آتے ہیں۔ (میں آدم کا بیٹا ہوں اور آدم مٹّی سے بنے تھے۔ مفہوم حدیث حجۃ الوداع)

ابھی چند دنوں پہلے تک یہ بکریوں کی گلّہ بانی کرتے تھے۔ اب شاید ان کو عرب کے باشندوں کی گلّہ بانی کرنے کا کام سپرُد ہونا تھا اور پھر سارے بنی نوعِ انسان کے گلہ بان رہ نما، ہادی، نجات دہندہ کے فرائض انجام دینے تھے اور پھر انکو شافع محشر اور شفیع الاعظم بھی بننا تھا۔ اور مقام محمود بھی منتظر ہے۔ مگر یہ سب کچھ دور مستقبل میں تھا۔ ابھی تو وہ......

غریبوں کا ملجا ضعیفوں کا ماوٰی
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔مسکراتا ہمدرد چہرہ دیکھ کرغم کے مارے انسان اپنا غم بھول جاتے تھے کسی سے پہچان پوچھو تو جواب ملتا تھا۔

''تبسّم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی''

بنو ہاشم کو شکایت تھی کہ اپنی اِس خاندانی نجابت کا جوعرب میں اعلیٰ ترین سمجھی جاتی تھی یہ صادق الوعد الامین ذرالحاظ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنا توشہ کھول کرکسی مسکین کے کھانے میں ملاتے''تنہاخوری'' کو'دعوتِ طعامِ ماحضر'' میں تبدیل کردیتے تھے۔

ابوجہل کو یہی تو شکایت تھی کہ''باغلام خویش بریک خواں نشست'' کتنا بڑا معاشرتی جرم تھا اس نسلی اعزاز اور قبائلی تعصّب میں تقسیم شدہ بوسیدہ معاشرے میں ناقابلِ معافی جرم۔

دیکھئے اِس گلی کے آخری سرے پر ایک بوڑھی عورت ایک بھاری گٹھڑی زمین پر رکھے ہوئے امید بھرا انتظار کررہی ہے۔کہ صادق الوعد گلی کے دوسرے سرے سے''طلوع'' ہورہے ہیں۔صادق الوعد آتے ہیں تو اپنی اِس قیمتی مسکراہٹ کو جو بڑی ارزانی اور فیاضی سے سب کو عطا ہوتی ہے اِس بڑھیا کو بھی نوازتے ہیں۔ بڑھیا کے کھڑے ہونے اور گٹھڑی کے پڑے ہونے کے درمیان جو کڑی تھی وہ نظر آجاتی ہے۔

''ارے میں تو اِدھر ہی جارہا تھا۔امِّ زرقہ چلو اِس گٹھڑی کو میں پہنچادیتا ہوں''۔صادق الوعد اور امِّ زرقہ دوستی ہمدردی کی گفتگو کرتے چلے جاتے ہیں اور قریش کا وہ تفاخرزدہ شخص ابوجہل اپنے غصّہ کو چھپا کر دوسری طرف چلا جاتا ہے۔

مکّہ کے ان پاکباز صادق الوعد الامین صاحب میں کچھ دنوں سے ایک تبدیلی آگئی ہے۔ذرا کم مسکراتے ہیں۔ذرا کم ملتے ہیں۔صدیق صادق ابوبکر کے پاس بھی کم جاتے ہیں۔ہروقت ایک سوچ میں گُم ایک فکر میں غلطاں۔جیسے راستہ گُم ہوگیا ہے۔جیسے کچھ کھوگیا ہے۔جیسے کچھ ڈھونڈرہے ہیں یا کوئی انکو ڈھونڈرہا ہے۔اِس بات پر زیادہ گفتگو نہیں ہوسکتی

کہ یہاں ''پر'' جل جاتے ہیں۔ کیا انکو کوئی غم ہے؟ کیا کوئی پریشانی ہے؟ کوئی تشویش ہے؟ کوئی تلاش ہے؟ کوئی فکر ہے؟ غریب، مسکین، فقیر، غلام سب محسوس کر رہے ہیں پوچھ کوئی نہیں سکتا۔ اکثر اپنا تھوڑا سا ستو اور تھوڑا سا پانی لیکر وہ چند میل دُور غارِ حرا کئی کئی دنوں کے لئے چلے جاتے ہیں۔ کئی کئی راتیں وہاں گزار دیتے ہیں۔ وہاں انکو کس کا انتظار ہے یا پھر وہاں کون اِنکا اِنتظار کر رہا ہے۔ کون بلاتا ہے؟ یہ کیوں جاتے ہیں؟ ابھی یہ راز نہیں کھلے گا وفادار خدیجہ پریشان تو ہے مگر راستہ نہیں روکتی سوال نہیں پوچھتی۔ یہاں خاموشی ہی سب سے بڑی مدد ہے۔ سب سے بڑی وفاداری ہے۔ ابھی وقت گزرا ہے ''الم یجدک یتیماً فاویٰ'' کا۔

اوراس وقت مرحلہ ہے ''ووجدک ضالاً'' کا۔

اور پھر تیسرا دور آنے والا ہے۔ ''فھدیٰ'' کا۔ مگر

''اک مرحلہء فراق تو باقی ابھی بھی ہے''۔

فھدیٰ

غارِ حرا کی فضا تاریک ہے سنسان ہے۔ آج دوشنبہ کا دن ہے صادق الوعد الامین صاحب کی عمر کے اِکتالیسویں سال کا آغاز ہے۔ وہ غارِ حرا میں سربہ سجود ہیں۔ کسی پیغام کا انتظار ہے۔ کہ دفعتاً فضا میں لرزہ طاری ہوتا ہے پہاڑ ہِل جاتا ہے۔ کس قدر ہیبت ناک سناٹا ہے۔ ''خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہ'' والی بات تو نہیں ہے مگر ہے یہ ایک عظیم الشان پہاڑ ہلا دینے والا دل دہلا دینے والا مہیب لمحہ۔

جبریل علیہ اسلام تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں۔

''اقراءْ''۔ پڑھیئے۔

جواب ملتا ہے۔

''ماانابقاری''۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جبریل علیہ السلام سینہ سے لگا کر دباتے ہیں۔

اقراء۔ پڑھیے۔

جواب وہی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

تیسری دفعہ تفصیلی فرمائش ہوتی ہے۔

اِقْرَأ بِسْمِ ربک الّذی خلق. خلق الانسانَ مِن علق . اقراء وربکَ الاکرم الّذی علّم بالقلم. علّم الانسان مالم یعلم.

پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھیۓ اور آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم عطا کیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس دفعہ واضح کردیا کہ (باسمِ ربک الّذی خلق) یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے۔

صادق الواعد الامین نے پڑھ دیا۔

"اِقْرَأ بِسْمِ ربک الّذی خلق. خلق الانسانَ من علق . اقراء وربکَ الاکرم الّذی علّم بالقلم. علّم الانسان مالم یعلم."

مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔

فھدیٰ. فھدیٰ. فھدیٰ.

اس لمحہ سے صادق الامین صاحب حضورِ نبیِ کریم صل اللہ علیہ والہ وسلّم بن گئے۔ آقائے دوجہاں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت تفویض ہوئی۔ خاتم النبیّن صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور کا آغاز ہوا۔ روشنی آ گئی اندھیرا چلا گیا۔ انسانیت کا رُخ ہے مِن الظُّلمات اِلی النور اندھیرے کو جانا ہی ہے۔ جانا ہی ہوگا۔

جاء الحق وزھق الباطل. انّ الباطل کان زھوقا.

حق آ گیا باطل غارت ہوا۔ باطل کو غارت ہونا ہی ہے۔ باطل غارت ہوگا۔ ضرور ہوگا۔

آئیں نبی صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کے پہلے دن کے اعزاز میں درود پڑھ لیں۔

اللّھم صلی علی محمدِالنبی الامّی وعلیٰ الہٖ وبارک وسلّم

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم گھر کی طرف روانہ ہیں۔ ہیبت زدہ یا حیرت زدہ یا جلال بے پایاں کے جلوے سے چکا چوند۔ اس قلب کے لیئے ایسا بوجھ اٹھانے کا پہلا موقعہ تھا. لو انزلنا ھذا القران علی جبل الرایتہ خاشعاً مُتصّدعاً من خشیۃ اللہ. ہم رسول اللہ صل اللہ علیہ والہ وسلّم کے اس دن کی اسوقت کی حالت کے لئے جو لفظ بھی استعمال کریں وہ خطرہ ہے گستاخی کی حد میں داخل ہوسکتا ہے۔ اتنا کافی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ والہ وسلم جیسے غارِ حرا میں داخل ہوئے تھے ویسے باہر نہیں نکلے۔ وہ اپنی پناہ گاہ میں پہنچ گئے۔ (یا کسی نے سہارا دیکر پہنچا دیا؟)

خدیجہ! خدیجہ!۔ ''زملونی'' ''زملونی''

خدیجہ خدیجہ مجھے اُڑھا دو مجھے ڈھانپ دو۔

خدیجہ نے افصح الاعظم کا غیر مربوط بیان سنا۔

''لِر بّک'' کا ٹکڑا بول رہا تھا کہ یہ پیغام لا الہٰ الا اللہ ہے۔

تسکین کی پھوار نازل ہوئی اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہونٹوں سے

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جایئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھائی فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہٗ رحمی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیال کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں۔ مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ بیکسوں مجبوروں کی دستگیری کرتے ہیں۔ محتاجوں غریبوں کی بھلائی کرتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ حُسن اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ لوگوں کی سچائی میں انکی مدد کرتے ہیں اور برائی میں اِن سے حذر فرماتے ہیں۔ یتیموں کو پناہ دیتے ہیں اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔'' (لفظ بہ لفظ ترجمہ از مدارجِ نبوّت)

اماں خدیجہ اس گناہ گار کی بھی سن لیجیئے۔ جبرئیل تو لِرَ بک میں لا الہ کہہ کر چلے گئے۔ آپ نے اس تسکینی تقریر میں دوسرا ٹکڑا محمد الرسول اللہ کہہ دیا۔ کلمہ مکمل ہوگیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ پہلی کلمہ گو موحّد ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صل اللہ علیہ والہ وسلّم.

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

سیّدی ومولائی بلال ابنِ رباح رضی اللہ تعالی عنہ ہم سب کے آقا صل اللہ علیہ والہٰ وسلم کے مقرب غلام۔ موذن بلال۔ مملکتِ اِسلامیہ کے خلیفہءدوئم جنکا حکم مراکش سے مکران تک چلتا تھا بلال کو ''یا سیّدی'' اے میرے آقا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دیکھ کر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مہاجرین وانصار کے سر جھک جاتے تھے۔ نظریں، آنکھیں، دِل فرشِ راہ ہوجاتے تھے کہ کسی انسان کے لیئے سجدہ تعظیمی بس یہاں تک روا رکھا گیا تھا۔

یہ بلال غلام ابنِ غلام حبشی تھے انکے والد رباح بھی غلام تھے اور انکی والدہ حمامہ بھی۔ جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پیدا ہوے تو انکے والدین نے ایک بار سوچا کہ پیدا ہوتے ہی ختم کردیا جائے کہ آنے والی غلامی کی زندگی کی صعوبتوں سے آزادی مِل جائے مگر اِن کی زندگی کا فیصلہ وہاں سے آگیا جہاں سے موت اور زندگی کے فیصلے آتے ہیں۔ جب حضرتِ صادق الوعد الامین، رسول اللہ صل اللہ علیہ والہ وسلم بنے اسوقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی عمر اٹھائیس سال تھی یعنی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بعثتِ نبوی سے اٹھائیس سال پہلے پیدا ہوئے اور اس طرح بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ یا تیرہ سال چھوٹے تھے۔

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اعلان بارگاہِ خداوندی سے بعد میں ہوا۔ اِس سے پہلے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں۔ بے کسوں۔ مسکینوں۔ دردمندوں۔ مفلسوں۔ یتیموں۔ بیواؤں۔ بوڑھوں۔ نا توانوں۔ مظلوموں میں امّید کی ایک کرن۔ شفیق۔ غم گسار محترم ہستی کے طور پر جانے جاتے تھے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبیٔ محترم رسولِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اعلان بعد میں کیا۔ اِس سے پہلے ہی عرب کے قبائلی نظام کے ظالمانہ استبداد سے دبے کچلے روندے ہوئے مظلوم انسانوں نے اپنے نجات دہندہ کو پہچاننا شروع کردیا تھا۔

وہ اسوقت بھی غریبوں غلاموں کی امّید تھے جب کہ انکی نبوّت کا اعلان ابھی مستقبل اور غیب کے پردے میں تھا۔

فقیروں کا ملجا ۔ ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی ۔ غلاموں کا مولیٰ

بعثت نبوی سے پہلے ہی بلال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے چند دوسرے غلاموں اور ناتوانوں کی طرح اور جب دعوت توحید و رسالت کان میں پڑی تو فوراً مسلمان ہوگئے۔ قلب و زبان کی حد تک کیونکہ غلامی کی زنجیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی میں مزاحم تھیں۔ مورخین کہتے ہیں کہ بلال چھٹے یا ساتویں مسلمان تھے۔ اہلِ دل کا تقاضہ ہے کہ بلال اسوقت مسلمان ہو چکے تھے جب انکی پہلی نظر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی جب اعلان نبوّت بھی نہیں ہوا تھا۔

''آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند''

مورخین جو کہتے ہیں ان کو کہنے دیجئے۔ تاریخ کو بھی مرتب ہونا چاہیئے۔ مگر اہلِ دل کے نزدیک خدیجہ. ابوبکر. علی. زید. بلال. عمار. سمیّہ. یاسر اور شاید ایک دو اور بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے اپنی اور انسانیت کی آخری امّید مان لیا تھا۔ اقرار بالّسان میں دیر ادھر سے نہیں ہوئی تھی۔ جب عرش سے اعلان ہوا تو اِن فرشیوں نے جوابی پیغام ارسال کیا کہ ہم تو پہلے ہی سے تیار بیٹھے ہیں۔ لکھ لیجئے ہمارا نام سابقین الاولّین میں۔ رضی اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔

کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنی داستان تھوڑی دور تک خود بیان کرنے دیں۔

بلال رضی اللہ عنہ کا بیان

میرا مالک۔ معاف کیجئے۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو میرے دورِ غلامی میں میرا مالک سمجھتا تھا، ''امیہ'' کعبہ میں دوسرے تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہنسی مذاق کی باتیں کررہا تھا۔ یہ ان سب کا دستور تھا۔ کعبہ انکی بیٹھک تھی جہاں وہ اپنے تجارتی معاشرتی معاملات سے لیکر گزری رات کی خرمستیوں اور آئیندہ کے سوقیانہ مذموم عزائم ایک دوسرے کے گوش گزار کرتے اور داد یا مشورہ چاہتے تھے۔ یہ صبح کا وقت ہم غلاموں کے لیئے نسبتاً خوش گوار ہوتا تھا۔ چند لمحوں کا سایہ اور آرام۔ مکہ میں سایہ بڑی نعمت تھی جو غلاموں کو کم ہی نصیب ہوتی تھی۔ پتھریلی سخت سنگلاخ چٹانیں ہر طرف اور سایہ دار درخت کہیں نہیں۔ اس دھوپ میں ہم غلاموں کو دن بھر کام کرنا ہوتا تھا کہ مالک اس کام کے عوض درہم و دینار تجارت میں وصول کرسکے۔

میرا کام چمڑا بنانے اور رنگنے کا تھا۔ میرے باپ کا بھی یہ ہی کام تھا۔ میرے باپ نے مجھے یہ کام سکھایا تھا۔ مکّہ کی غلاموں کی دنیا میں جو غلام جتنا زیادہ کام جانتا ہو اور جتنا زیادہ اپنے مالک کو کما کر دے سکتا ہو وہ اتنا ہی قیمتی غلام تھا۔ غلام اور مالک میں بٹے ہوئے اِس شہر میں غلام اور مالک کے درمیان صرف ایک واسطہ تھا شام کو اس کمائی کا حساب جو غلام پیش کرسکے اور مالک کا کوڑا جو اِس حساب کی رسید دے۔

میں بحیثیت غلام دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ کھڑا اسلیئے تھا کہ مالک نظر میں ہو تو بیٹھنا خواہ مخواہ کوڑے کو زحمت دینے کے برابر تھا اور دیوار سے ۔ے کر اسلیئے کہ ہر دن میں جتنا سایہ قسمت میں ہو اسے وصول کرنا چاہیے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں مکّہ کی زمین گرم تانبے کی طرح تپنے لگے گی اور بے رحم سورج اپنا سایہ بھی واپس کھینچ لے گا۔ کم از کم غلام کے سر سے۔

میں دیوار سے لگا کھڑا تھا کہ ایسا معلوم ہوا کہ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا گزر گیا۔ خوشبو اور شفیق خنکی سے بھرا ہوا جھونکا۔ بد بودار چمڑا دن بھر دھوپ میں رنگنے والا کالا غلام خوشبو خنکی اور شفقت کو دور سے سونگھ لیتا ہے مجھے کبھی دھوکا نہیں ہوا۔ یہ صاحب۔ صادق الواعد الامین صاحب پاس سے گزرے اور ہم غلاموں کو ایک مسکراہٹ بخشی۔ ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کیا کہ یہ مسکراہٹ اسکے لیئے مخصوص تھی۔ کم از کم میں نے یہ ہی محسوس کیا۔ غلاموں کو کوئی شخص خبریں سنانے نہیں آتا مگر میں نے چند

دن پہلے سنا تھا کہ صادق الواعد نے کہا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اگر کہتے ہیں تو سچ ہی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے احد ہے۔ میں اپنے دل میں دہرا رہا ہوں احد'' ۔احد'' ۔احد'' ۔ یہ لفظ میرے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہے میں ابھی اس کو بلند آواز سے نہیں کہہ سکتا مگر دل میں تکرار ہے احد'' ۔احد'' ۔احد'' ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ چند لمحوں بعد یہ لفظ میرے لیئے شدید جسمانی اذیّت اور لاانتہا روحانی فرحت کا باعث بن جائیگا۔

وہ خوشبو کا خنک جھونکا گزر گیا۔

رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرف چلے گئے اور مکّہ کے مالکین نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

''وہ دیکھو وہ شخص جا رہا ہے جو اپنے خدا سے باتیں کرتا ہے۔'' یہ ابو جہل کی آواز تھی۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

''اے رسول اللہ تم پانی پر کیوں نہیں چلتے ؟''

یہ آواز میرے مالک امیہ کی تھی (اس شخص کی آواز جو خود کو میرا مالک سمجھتا تھا) سب ہنس دیئے۔

ابو سفیان نہیں ہنس رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا مدبّر سمجھتا تھا۔ شاید یہ سچ بھی تھا۔ وہ اس تجارتی برادری میں سردار بنا بیٹھا تھا۔ وہ بولا

''ایک خدا کا ماننے والا کسی دوسرے خدا کو کبھی نہیں مانے گا''

''ہمارے سارے خدا ہم کو تنہا چھوڑ دیں گے۔''

''ہمارے خدا ہم سے تمام نعمتیں چھین لیں گے۔''

''اگر عرب کے لوگ ہمارے خداؤں سے اور ہمارے شہر سے باغی ہو جائیں گے تو وہ مکّہ کا سفر۔ سالانہ سفر۔ ختم کر دیں گے۔''

''ہمارے شہر کی اپنی کوئی پیداوار نہیں ہے ہم اکیلے ہو جائینگے تو بھوکے مر جائینگے۔''

ابو سفیان ایک کے بعد ایک بات ایسے یقین سے کہہ رہا تھا کہ وہ محفل کے کم عقل ہم نشینوں کے بھی سمجھ میں آ رہی تھیں۔

ابو سفیان مزید بولتا رہا جیسے خود کلامی ہو۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک آدمی جو خوبصورت ہو توانا ہو عقل مند سمجھ دار ہو۔ مکّہ کی سب سے مالدار خاتون کا شوہر ہو۔ وہ

خاتون اِس شخص کی پرستش کرتی ہو۔ جو مکّہ کے سربراہ خاندان کا فرد ہو۔ وہ ایسی ''غلط'' باتیں کیسے کر سکتا ہے۔ (ابوسفیان نے ''غلط'' کے بجائے ایک بڑا بھاری لفظ استعمال کیا تھا جو میں بلال استعمال نہیں کر سکتا۔''

ابوسفیان پھر بولا۔

''کسقدر ''غلط'' بات۔ سنا ہے کل اسنے اپنے غلام کو بیٹا بنالیا۔ وہ ایرے غیرے مفلوک الحال مسکینوں غلاموں کو کھانا کھلاتا ہے۔ ان سے ہنس کے بات کرتا ہے''۔

''ہر روز دس سے زیادہ آدمی اسکے دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں مدد مانگتے ہیں۔''

ابوسفیان پھر بولا۔

''شرم کی بات تو عبدالعزٰی (ابولہب) کے لئے ہے کہ وہ بنو ہاشم میں بزرگ ہے اپنے بھتیجے کو قابو نہیں کر سکتا۔ انجام اچھا نہیں ہوگا مجھے خطرہ نظر آتا ہے۔''

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ کچھ لوگ ایک شخص کو پکڑ کر ان مالکین کے سامنے لائے۔

عمار کو۔

عمار کو امیہ نے حکم دیا کہ وہ گھٹنوں کے بل جھک جائیں مگر عمار ویسے ہی کھڑے رہے۔ سیدھے۔ خرابی یہ تھی کہ عمار غلام پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ مکّہ کے سب سے غریب مسکین فرد ضرور تھے مگر آزاد عرب جو سو پشت میں غلام نہیں ہوئے تھے۔ اگر عمار غلام ہوتے۔ میری طرح۔ تو ان کو معلوم ہوتا کہ جھک جانے میں کسقدر تحفظ ہے۔ غلاموں کا واحد تحفظ جُھک جانے میں ہے۔ عمار کے والد یاسر اور والدہ سمیّہ یمن سے آکر مکّہ میں بسے تھے۔ عمار کا کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ اور اس شہر میں جہاں نسل خاندان قبیلہ کی طرف سے محروم انسان کی حیثیت جانور سے کم تر تھی۔ یہاں پر ہر قبیلہ کا ایک اپنا بت - اپنا خدا تھا۔ عمار کا کوئی خدا بھی نہیں تھا۔ عمار کو پھر حکم ملا کہ جھک جاؤ۔ عمار ویسے ہی کھڑے رہے۔ میرا دل عمار کے لیئے رونے لگا۔ عمار کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے اپنا ایک خدا ڈھونڈ لیا تھا۔ امیہّ اپنا ریشمی لباس لہراتا ہوا عمار کے قریب آیا اور اپنی دانست میں بڑا زبردست سوال کیا۔

اصل میں بالکل بے وقوفی کا۔

''تم کہتے ہو کہ غلام آقا کے برابر ہے؟''

''کیا سیاہ فام حبشی بلال جسکے ماں باپ کی بھی قیمت میں نے ادا کی ہے میرے برابر ہے؟''

اس سوال کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے اسوقت یہ معلوم ہوا کہ عمار نے بے وقوفی کی۔

عمار بولے۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے ہیں کہ تمام انسان تمام نسلیں تمام رنگ برابر ہیں''

خاموشی چھا گئی۔ پھر ایک آواز گونجی۔

''بلال''

میں آگے آیا۔ ایک کوڑا ہاتھ میں دیا گیا۔

بلال اسکو بتاؤ کہ تم میں اور امیہ میں کیا فرق ہے۔ کوڑا اسکے منہ پر مارو۔ عمار نے ملتفت نرم نظروں سے میری طرف دیکھا اور اپنا چہرا سامنے کر دیا گویا کہا کہ ''بلال بے وقوفی نہ کرنا''

اب عمار جو ایک لمحہ پہلے میرے خیال میں بے وقوفی کر چکے تھے مجھ سے چاہتے تھے کہ میں ''بے وقوفی'' نہ کروں۔

''میں عمار کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک پاکیزہ پرسکون چہرہ۔ اس کی آنکھوں میں توانائی تھی جو میری غلامی سے زیادہ مضبوط تھی اور سارے امیہ - ابوسفیان - ابولہب اسکے سامنے کمزور تھے۔ میں نے کوڑا ہاتھ سے گرادیا۔''

میں نے بلال بن رباح نے اس لمحہ

میں اپنی ملکیت تبدیل کر لی تھی۔

میں امیہ کا غلام نہیں تھا۔

میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا۔

اَللّٰھم صلّ علی محمدٍ وعلی آل محمدٍ وبارک وسلّم

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

عمار نے پہلی دفعہ جھک کر درّے کو زمین پر ٹٹولا انھوں نے کوشش کی کہ کوڑا میرے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ ''ان کا کہنا مانو بلال!۔ یہ لو درّہ۔ مارو ورنہ یہ تمھیں جان سے مار ڈالیں گے۔''

درّہ میرے ہاتھ سے پھر گر گیا۔

امیّہ کی آواز آئی۔ ''ہم دھوپ کے تیز ہونے کا انتظار کریں گے''۔ بہت دھیمے لہجہ میں کہی ہوئی اس بات میں شدید۔ اشد بے رحمی چھپی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے گلے میں اور ہاتھ میں رسیاں باندھ دی گئیں ہیں۔ مجھے انتظار کے لیئے غلام خانے میں ڈال دیا گیا''۔

اِس لمحے میں مجھ پر کچھ انکشاف ہوا۔ میں نے سوچا کہ آدمی اللہ کونہیں چنتا۔ اللہ آدمی کو چنتا ہے۔ ہوسکتا ہے میری سوچ غلط ہو۔ تو معاف کر دیں۔ میں نے سوچا کہ آدمی کو ایمان نہیں ملتا۔ اللہ ایمان عطا کرتا ہے۔ یہ سوچ بھی کچھ غلط لگتی ہے مگر اس سوچ نے میری بڑی مدد کی۔ بڑی توانائی دی۔ اللہ نے مجھے چنا ہے۔ اللہ نے مجھے ایمان دیا ہے۔ اللہ اسکی نگہ بانی کریگا۔ اور اب اس لمحے کے بعد امیّہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسکو میرے روح قلب اور ایمان تک دسترس نہیں ہے۔ اور پھر دھوپ گرم ہوگئی۔ اور اس لمحے کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ کچھ میرے خیال میں ضرورت سے زیادہ تذکرہ ہوا۔ مجھے تو شہید کے درجہ تک پہنچا دیا۔ میں نے اسوقت اپنے ایمان کی تجدید اپنی طرف سے کی۔ اس ایمان کی تجدید جو مجھے اللہ نے پہلے ہی عطا کر دیا تھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرّسول اللہ.

تشدد ہوتا رہا اور وقفے بھی آتے رہے۔ وقفے ان کی مصلحت تھے۔ وہ بھی تھک جاتے تھے۔ سینہ کے اوپر سے پتھر کی وزنی سِل کھسک کر گر بھی جاتی تھی۔ رسّی ٹوٹ بھی جاتی تھی۔ کوڑے مارنے والے تھک بھی جاتے تھے۔ کوڑے مارنے والے دھوپ اور گرمی کی برداشت ختم ہونے پر تھوڑی دیر کے لیئے سایہ بھی ڈھونڈ ھتے تھے۔

مجھے ایک ہی لفظ آتا تھا۔ **احد۔ احد۔ احد۔**

ان وقفوں کے درمیان ہندہ کا بھی گزر ہوا۔ یا وہ خود یہ تماشا دیکھنے آئی۔ عطر میں بسی ہوئی۔ سر پر سایہ۔ کنیزوں نے چادر تان دی تھی۔ لہراتی ہوئی آئی۔ اسنے جھک کر میری آواز سنی۔ احد۔ احد۔ احد۔

''یہ غلام ابھی تک تبلیغ کر رہا ہے''۔ یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ اپنی بات کی خوب صورتی پر۔ یا ارد گرد کے اوباشوں کو اپنے وجود کا مزید احساس دلانے کے لیئے۔ ان کا دل لبھانے کے لیئے۔

یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میرا مستقل احد احد کہنا امیہ کے لیئے بھی باعث تقویت تھا۔

''یہ غلام ابھی مزید میرے جذبہء ایذا رسانی کو تسکین فراہم کر سکتا ہے اور یہ غلام ابھی مرا نہیں ہے ابھی اسکی قیمت ڈوبی نہیں۔''

اسکے بعد کی میرے پاس کوئی یادداشت نہیں ہے۔ جسم نے مدافعت ختم کر دی تھی۔ صرف جسم نے مدافعت ختم کر دی تھی۔ صرف جسم نے۔ روح نے نہیں۔ وہ کبھی کبھی کافی دیر کے بعد احد کا لفظ سن لیتے تھے انکی نظر میں میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ میری نظر میں اصلی ہوش تو مجھے اب آیا تھا۔ ان کی نظر میں میں موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ میری نظر میں میں اب اصلی زندگی کو پا گیا تھا۔ پھر میں نے سرسبز وادیاں دیکھیں۔ نہریں بہتی ہوئی دیکھیں۔ ملکوتی نغمے سنے۔ مجھے کچھ پلایا گیا جو دنیا کے ہر مشروب سے مختلف تھا۔

میں بلال خود سے سوال کرتا ہوں کہ اس بے ہوشی میں میں نے کیا ان لوگوں کے باغ دیکھے جو بخش دیئے گئے ہیں مغفور ہیں اور ان کے محل جن پر رحم کیا گیا جو مرحوم ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر مجھے تھوڑا تھوڑا ہوش آیا اور یہ وادیاں اور نہریں دور چلی گئیں۔ ایک نیا نام میرے بے ہوش کان سن رہے تھے۔ ''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ''

یہ ابوبکر کون ہیں؟ پھر میں نے ابوسفیان کی آواز سنی۔

''یہ معاشرتی رواج کے خلاف ہے۔ ایک زیر اصلاح غلام فروخت نہیں ہو سکتا۔''

امیہ کی آواز آئی۔ ''یہ غلام زیر اصلاح نہیں مردہ ہے۔ اگر ابوبکر سو درہم کے عوض ایک لاش خرید رہے ہیں تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

تب وہ آواز جو میں نہیں پہچانتا تھا میرے پاس آئی۔ ابوبکر کی آواز۔ میرا نام محبت سے پکارا کان کے قریب۔ امیہ میرے دوسرے کان میں پھنکارا ''سانس لے اے حبشی سانس لے'' وہ شخص جو ابھی تک میری جان لے رہا تھا اب مجھ سے آخری سانس کا مظاہرہ کرنے کو کہہ رہا تھا۔ سو درہم میری سانس کی قیمت تھی۔ دونوں نے میری سانس سن لی۔ امیہؔ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسنے میری قیمت بڑھادی۔ ''غلام زندہ ہے اسکی قیمت دوسو درہم ہے''۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے رقم گن کر حوالے کی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے ایک رفیق نے مجھے تقریباً اٹھالیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انکا نام زید رضی اللہ تعالیٰ عنہُ ہے۔ جب ہم چلے تو امیہ نے آواز لگائی۔

''ابوبکر میں تم کو زبردست تاجر سمجھتا تھا مگر تم چوک گئے میں اس غلام کو سو درہم میں بھی بیچ دیتا''۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ ابوبکر جواب کم دیتے ہیں مگر اسوقت انھوں نے رک کر امیہ کو جواب دیا۔

''امیہ اگر تو اسے ایک ہزار درہم میں بیچتا تو بھی میں اسے لے جاتا''

بلال دوسری دفعہ غلام

میں بلال آپکو اپنی داستان سنا رہا تھا۔ میں بک گیا تھا اب میں ایک دوسرے شخص کا غلام تھا۔ امیہ کے بجائے ابوبکر کا غلام۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ مجھے اٹھا کر گھر نہیں لے جا سکتے تھے۔ میں بے ہوش تھا بلکہ بے ہوشی سے بھی زیادہ کوئی اور حالت۔ تشدّد سے دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ مگر جب تشدّد یک لخت ختم ہو جائے تو بے ہوشی کتنی شدید ہوتی ہے اسکا علم مجھے ہو گیا۔ ابوبکر کے بجائے ایک اور توانا شخص نے مجھے اٹھالیا۔ یہ نوجوان تھا۔ نام زید تھا۔ غلام تھا۔ غلام تھا مگر اپنی غلامی کو کسی قیمت پر کسی اور کو دینے کو تیار نہیں تھا۔ زید مجھے کچھ اٹھا کر اور کچھ گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ میں انکی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پیر میرے قابو میں نہیں تھے۔

پانچ دن میں ابوبکر کے گھر ایک اندھیرے کمرے میں تقریباً بے ہوش پڑا رہا۔ میں روشنی کو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا سورج کی روشنی کو دیکھتے ہی میرا درد بڑھ جاتا تھا اور میرا جسم زیادہ گہری بے ہوشی میں پناہ ڈھونڈھتا تھا۔ مجھ پر تشدّد روشنی اور گرمی میں ہوا تھا۔ شاید یہ ہی وجہ ہو۔ اس درمیان میں دن میں کئی بار میں نے نرم گرم مہربان ہاتھوں کا لمس اپنے زخموں پر محسوس کیا۔ کچھ تیل گرم کرنے اور ہلدی لگانے وغیرہ کی باتیں ہوئیں۔ مجھے گرم دودھ پلانے کی کوشش بھی کی گئی کبھی وہ دودھ پلا سکے اور کبھی وہ ناکام بھی رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری تیمارداری کرنے والے کئی لوگ تھے۔ مختلف ہاتھوں کا لمس محسوس کرتا تھا۔ مگر روشنی میری دشمن تھی۔ میں آنکھ نہیں کھول سکا۔ کبھی میں نے کمرے میں نرم خوشگوار خنکی اور ہلکی خوشبو بھی محسوس کی۔ شاید حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کونے میں عبادت کر رہے تھے۔ کبھی ایک چھوٹے لڑکے نے مجھے جگانے کی کوشش کی۔ ''بلال آنکھ کھولو''۔ ''دیکھو میں علی ہوں''۔ مجھے بہت سے ورزشی کرتب آتے ہیں'' ''میں تم کو اپنے ہاتھوں پر کھڑا ہو کر بلکہ چل کر بھی دکھا سکتا ہوں'' میں کوشش کے باوجود علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی خواہش پوری نہیں کر سکا۔ ایک دن۔ شاید چھٹے دن میں نے محسوس کیا کہ میرے سامنے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر بیٹھے ہیں۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ بھی ساتھ ہی ہیں وہ تو ہر وقت کے ساتھی تھے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور شاید ان کی آنکھ میں 'نمی'' آ گئی۔ علی نے پوچھا'' آپ رو کیوں رہے ہیں۔ کیا یہ برا آدمی ہے''۔ ''نہیں نہیں یہ تو بڑا اچھا آدمی ہے''۔ ''اِس نے اللہ کو خوش کیا ہے''۔ پھر

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم یک لخت اٹھے اور انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھالیا۔ **میں اٹھ بھی گیا۔ مجھے سہارا مل گیا تھا اب مجھے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر مجھے واقعی کسی اور سہارے کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔** مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے گہرے گڑھے سے یا قبر کے گڑھے سے اوپر اٹھالیا ہے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے دوڑ کر میرے پیروں کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ ''نہیں نہیں چھوڑ دو اسے۔ اسکی ٹانگوں میں خون کی روانی ہونے دو'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کمرے میں چند قدم بغیر سہارے کے گھما کر مجھے حکم دیا کہ میں چٹائی پر انکے ساتھ بیٹھ جاؤں۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ بلال غلام ابنِ غلام کبھی کسی قریشی سردار کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا۔ میری حیثیت کھڑے رہنے والے کی تھی۔ میں ہچکچا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر کہا ''اگر ہم کھڑے رہے تو پھر علی خفا ہو جائینگے اور کرتب نہیں دکھائینگے''۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح تھا۔ اور پھر علی نے کئی کرتب دکھائے۔ اچھلے کودے اور دہری قلابازی کھا کے حضور کی گود میں آگرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بچوں کو کوئی خاص گرمی محبت خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ بہت سے بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہوتے تھے۔

پھر مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ میری غلامی کا کیا ہوا۔ ابو بکر نے تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا اور وہ دوسو درہم بھول گئے جو انھوں نے میری قیمت امیّہ کو دی تھی۔ پھر میں تقریباً بائیس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس ہی رہا۔ صبح کو دروازے پر اذان سے پہلے دستک دینے کا اعزاز صرف میرے پاس رہا''۔ ''وقت نماز یا رسول اللہ'' کہنا یہ صرف میرا فخر تھا۔ اب میں صحابہ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم میں گنا جاتا ہوں۔

مورّخ کا بیان

مورّخ گواہی دیتا ہے کہ اگر چہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بیان معناً سو فیصد صحیح محسوس ہوتا ہے مگر لفظاً اسکی صداقت کی کوئی گواہی نہیں ہے کہ عذاب امیّہ کے وقت کی تفصیل تو بہت سی اسناد کے ساتھ ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو تپتی ریت پر لٹا کر عذاب دیا گیا اور بلال صرف احد احد احد کہتے رہے اور یہ بھی سند ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کو امیّہ سے منہ مانگی قیمت پر خریدا۔ مگر پانچ چھ دن کی تیمارداری کیسے ہوئی اسکا بیان صرف بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہی دے سکتے ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو انکے پیروں پر رمعنوی اعتبار سے ر باطنی اعتبار سے ر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا۔ ہم کو یہ مان لینے میں بھی کیا عذر مانع ہے کہ ظاہری طور پر حجرہ ابوبکر میں بھی ان کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے پیروں پر کھڑا کیا۔

یہ مان لینے میں بھی کیا اعتراض ہے کہ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ہاتھ پکڑ لیا تو ان کو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی اور وہ فوراً اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے اور چلنے لگے۔ اور اگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت دورانِ خون کی بات کہی (یا نہیں کہی) تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور اگر معجزہ کو دورانِ خون کا کرشمہ بنا دیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ دورانِ خون کا فوری اجراء بھی تو معجزہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا تصور ہمارے ذہن میں ایک آزمودہ کار بہادر سپاہی. مجاہد. دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم. ذوالفقار آزما. مرحب کش. خیبر شکن. خلیفۃ الرسول. باب علم. اسلام کے پہلے فلاسفر کا ہے اور سب کچھ درست ہے مگر اسوقت دس برس کے علی نہ باب علم تھے نہ خیبر شکن نہ فلاسفر۔ وہ جسمانی کرتب ہی دکھا سکتے تھے اور اگر انھوں نے بلال کو خوش کرنے کی کوشش کی تو ہم اس پر کیوں آزردہ یا نکتہ چیں ہوں۔ یہ یقینی ہے کہ بلال کو دورِ غلامی میں کسی قریشی سردار نے اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں دی ہوگی اور اتنی ہی یقینی یہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو کھڑا کرنے کے بعد اپنے قریب ہی بٹھایا ہوگا۔ اسلیئے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا سارا بیان صحیح ماننا ہی پڑے گا۔

میں بلال اپنے آقا جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا ہٹ کر چٹائی پر بیٹھا بچہ صحابی رسول علی بن ابی طالب کو درمیان میں رکھا

کہ کچھ تو احترامِ رسول باقی رہے۔ میں وہ غلام بلال جس کو کبھی اجازت نہیں ملی تھی کہ کسی قریشی سردار کے سامنے بیٹھ بھی جاؤں وہ آج اس چٹائی پر بیٹھا تھا جس پر قریشی سردار بنو ہاشم کے سردارِ اعظم اور سب سے بڑھ کر خاتم الانبیاء، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ حضور کے حکم پر بیٹھا رہوں یا کھڑا ہو جاؤں یا خود اپنے ندامت اور عاجزی کے پسینے میں ڈوب جاؤں۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میٹھی شہد خاتون...... نہیں...... نہیں اب ان کو ام المؤمنین خدیجہ کہوں گا۔ ان کی آنکھ کا اشارہ دیکھا اور کسی صاحبزادی نے گرم دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ اور دیکھیئے خانوادۂ رسول کی بیٹی میری خدمت کر رہی ہے۔ کچھ غور کرو میں کتنی مشکل میں ہوں۔ حضور نے مجھے غور سے دیکھا اور میں نے فوراً وہ پیالہ خالی کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور میں کچھ مطمئن ہوا کہ باہر سے ابوبکر آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ وہ بولے۔ بلال! میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا ''یا سیّدی''۔ (اے میرے مالک)۔ ابوبکر فوراً سنجیدہ ہو گئے۔ میرے قریب آئے۔ آہستگی سے میرا کان پکڑا اپنے چہرہ کے قریب میرا چہرہ لائے اور اپنی پیشانی سے میری پیشانی کو آہستہ سے ٹکر دی اور کہا کہ بلال سنو! بس بہت ہو چکا۔ تم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ ''تم کسی کے غلام نہیں ہو۔'' پھر پیشانی کو پیشانی سے آہستہ سے ٹکرایا۔ ''تم نہ کسی سے برتر ہو اور نہ کسی سے کم تر ہو۔'' ایک اور ٹکر پیشانی کی اور حکم دیا کہ آئندہ تم کسی کے پکارنے پر نہ چونکو گے اور نہ کسی کو ''سیّدی'' کہو گے۔ ''بہت اچھا سیّدی'' میں نے کہا اور پھر ہم دونوں ہنسنے لگے۔ مجھے ہنسنا بہت اچھا لگا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں آخری دفعہ کب ہنسا تھا۔ پھر ابوبکر نے مجھے کچھ قلم دیئے وہ ایک کیکٹس کی شاخ سے قلم بنا کے لائے تھے اور مجھ کو حکم دیا کہ میں روشنائی بناؤں اور لکھنا پڑھنا شروع کر دوں۔ گھر میں بند بیٹھا ہوں یہ ہی کام شروع کر دوں۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا...... میں نے سیدی نہیں کہا۔ ویسے راز کی بات یہ ہے کہ جب میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی کل وقتی غلامی کا مدینہ میں آغاز کیا تو ابوبکر اور عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین مجھ کو سیدی کہتے تھے۔ میں لکھنا تو کچھ کچھ مدینہ پہنچنے کے بعد سیکھ گیا تھا۔ مگر جنگ کا کوئی فن بھی نہ سیکھ سکا۔ حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم نے بار بار سکھانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام ہوئے۔ حمزہ کہتے ''دایاں ہاتھ تلوار کا یہاں تک اٹھاؤ''۔ ''بائیں پیر پر زور دیکر داہنا پیر زمین سے اٹھالو''۔ ''پھر فیصلہ کرو ایک لحہ میں کہ تم کو آگے بڑھنا ہے یا داہنی طرف جھکائی دینی ہے۔'' یا ''بائیں طرف یا پیچھے ایک قدم ہٹ کر زمین پر اکڑوں بیٹھ جانا ہے کہ دشمن کا وار سر سے خالی جائے۔'' ''چلو اٹھاؤ ہاتھ'' میں ہاتھ اٹھا کر پیر بھی اٹھاتا مگر دوسرے لحہ حمزہ پر اسطرح گرتا کہ حمزہ خود کو بھی

سنبھالتے اور مجھے بھی اور پھر طنز کرتے ''ابھی عید کا دن دور ہے تم تلوار چلانے کی مشق کر رہے تھے یا مجھ سے گلے ملنے کی کوشش کر رہے تھے۔'' ''علی کے سامنے جاؤ وہ شاید تم کو کچھ سکھا سکیں۔'' میں کوشش کرتا جو اسطرح ختم ہوتی کہ میں علی کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑا نظر آتا اور ہم دونوں ہنس رہے ہوتے اور ہم سب سے زیادہ حمزہ۔'' ''میں نے بڑے بڑے شمشیر زن دیکھے ہیں'' یہ فرمایا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے جو جنگِ بدر جنگِ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد کمانڈر تھے۔ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں نے بہت سے شمشیر زن دیکھے ہیں مگر بلال جیسا کوئی نہیں جو تلوار کا وار کرنے سے پہلے دشمن سے گلے ملنے کی کوشش کرے۔ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے مجھے فوج کے لئے نااہل قرار دے دیا۔ میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جہاد میں بڑی مستعدی سے شریک رہا مگر کسی نے میرے ہاتھ میں ایک تلوار تھما دینے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ میں عام طور سے مجاہدوں کے لئے آٹا گوندھتا روٹی پکاتا نظر آتا تھا۔

(مجموعۃ الجہاد اور طبقات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ چند صحابہ کو جہاد میں اگلی صفوں سے دور رکھنے کا حکم تھا ان میں حسان بن ثابت، ابوھریرہ اور بلال کا نام آتا ہے۔)

جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن گئے تو وہ ان کے مدار المہام بھی تھے۔ امّہات المومنین کے گھروں کا بازار سے رابطہ اگر کبھی ہوتا تو صرف بلال کے ذریعہ۔ بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی بھی تھے۔ یعنی ان کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ کوئی سائل کبھی لوٹایا نہ جائے اور صبح جو بھی رقم تھی اگر وہ شام تک ختم نہیں ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جواب دہی کے لئے تیار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مدینہ میں تشریف رکھتے ہوں تو ان کے دن کو پانچ حصّوں میں تقسیم کرنا ان کا کام تھا۔ پانچ وقت کی اذان صرف بلال دیتے تھے۔ ان کے اس منصب پر کسی اور صحابی نے حملہ نہیں کیا۔ یہ جرأت ہی کسی میں نہ تھی۔ مدینہ کے گھروں میں پردہ نشین خواتین کو اور دور کے کھیتوں میں مزدوری کرنے والے صحابہ کو جو کسی وجہ سے مسجدِ نبوی نہیں پہنچ سکتے تھے معلوم ہو جاتا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ افروز ہیں۔

ایک حدیث یا بیان ایسا ہے کہ قلب کو تھرّا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بلال سے پوچھا کہ بلال وہ تمھارا کیا عمل ہے کہ میں جنّت میں تمھارے جوتوں کی چاپ اپنے سے آگے سنتا ہوں۔ بلال نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کوئی

خاص عمل نہیں ہے مگر جب وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز نفل بھی پڑھ لیتا ہوں۔ اللہ اکبر۔ جوتوں کی چاپ جنّت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے۔ اس کے بعد اور کیا کہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا تو بلال کے لئے مدینہ میں ٹھہرنا ناممکن ہوگیا۔ ہر گلی اور موڑ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ مسجد میں اذان دیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر نظر گاڑ کر اعلان کرتے تھے۔

اَشْهَدُاَنّ مُحَمَّدَ الرّسُوْلُ اللّٰه.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت فرمایا تو بلال کی دنیا تاریک ہوگئی۔ انھوں نے اذان دینے سے انکار کردیا۔ بہ مشکل انکو (ماذن) اذان کے اونچے مقام پر چڑھایا گیا تو اشہدانّ کے بعد محمد کا لفظ ان کے منہ سے کوشش کے باوجود نہیں نکل سکا۔ گریہ گلو گیر تھا۔ اذان کسی دوسرے کو پوری کرنی پڑی۔ عہدِ صدیقی کے دو سال بھی انھوں نے مدینے میں بہ مشکل گزارے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بعد وہ شام کو ہجرت کر گئے۔ ہجر کی ایک گھڑی بھی محبت میں دل جلا دیتی ہے اور بلال نے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں دو سال یا کچھ زیادہ گزار لئے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شام میں کئی سال گزار چکے تھے کہ ایک دفعہ انکو خواب میں زیارت میسّر ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ''بلال تم مجھ سے ملنے نہیں آئے'' یہ بیان صحیح ہو بھی سکتا ہے اور شاید صحیح نہ بھی ہو مگر کوئی چیز بلال کو کھینچ کر دوبارہ مدینے بطور مسافر کے لے آئی۔ صحابہ کے لئے وہ کیا جذباتی لمحہ ہوگا جب بلال نے مسجد میں نشست بنائی۔ خلیفہ وقت نے استدعا کی۔ ''یا سیّدی یا مولائی ایک وقت کی اذان عنایت ہو جائے'' مگر بلال نے خلیفہء وقت سے معذرت کر لی اور پھر حسن حسین شہزادگانِ رسول نے بھی درخواست کردی۔ انکی درخواست رد کرنا بلال کے لئے ناممکن تھا۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ بلال کی اذان کی آواز جب مدینہ میں گونجی تو کہرام برپا ہوا ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے نمازی تو دھاڑیں مار کر رو ہی رہے تھے۔ گھروں کے دروازے بھی کھل گئے تھے کہ زار و قطار روتی ہوئی پردہ دار بی بیاں بھی اذان اچھی طرح سن لیں۔

ذکر اذان آ گیا تو سن لیجئے کہ یہ ایک آواز ہے جو پندرہ سو برس سے دنیا سن رہی ہے۔ اور کوئی آواز اس تواتر سے اور اس

وسعت سے نہیں سنی گئی۔ مختلف دلوں پر حسبِ توفیق اسکا اثر ہوتا ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ شیطان اذان کی آواز سن کر ''برے احوال'' بھاگتا ہے۔ شیطان کو بھگائے رکھنے میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سنّت بلالی کو کسقدر دخل ہے۔ کسی مغربی عالم نے لکھا تھا کہ ہر فاتح آخر کار ختم ہو گیا **مگر بلال کی اذان کی فتوحات پے در پے قائم ہیں. تازہ شگفتہ. جلالی. جمالی. دلکش اور دلگداز۔**

اقبال نے اس بات کو یوں نظم کر دیا کہ سندر ہے۔

''لکھا ہے اک مغربی حق شناس نے — اہلِ قلم میں جسکا بہت احترام تھا
جولاں گہ سکندر رومی تھا ایشیا — گردوں سے بھی بلند تر اسکا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے — دعویٰ کیا جو پورس ودارا نے خام تھا
آج ایشیا میں اسکو کوئی جانتا نہیں — تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں''۔

لیکن اسکے مقابلے میں ہمارے

سید و مولا۔ ''غلامِ حبشی بلال رضی اللہ عنہٗ'' کو دوام ہے۔

''لیکن بلال وہ حبشی زادۂ حقیر — فطرت تھی جسکی نورِ نبوّت سے مستنیر
جسکا امیں ازل سے ہوا سینہء بلال — محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے — رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے''

شاعر نے کہا ہے کہ بلال کے لئے اذان عشق کا ترانہ تھی اور نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دید کا بہانہ تھی۔

'' ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

صلّی اللہ علیہ وسلم

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی　　نماز اسکے نظارے کا اک بہانا بنی
خوشاوہ وقت کہ یثرب مقام تھا اسکا　　خوشاوہ دور کہ دیدارِ عام تھا اسکا"

(علامہ اقبال)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّم.

اگر یہ مبالغہ ہے اور بعض حدود کو مجروح کرتا ہے تو معاف کردیجئے۔
ویسے حقیقت یہ ہے کہ ایک وقت آتا ہے جب

"از خدا محبوب تر گردد نبی"

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

☆ بچو!......السلام علیکم۔ یہ تم پندرہ سو سال کی مسافت طئے کر کے میرے بڑے بھائی بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس کیسے پہنچ گئے اور وہ تم کو میرے حوالے کر کے خود کہاں چلے گئے۔

☆ وعلیکم السلام دادا زید بن حارثہ۔ ہم لوگ اپنے ''آقا جی'' ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کے لئے یہاں آ گئے تھے۔

دادا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا کہ چلو تم کو غلاموں کی کانفرنس دکھاؤں اور وہاں تم ان صاحب سے ملو گے جنہوں نے آقا جی کو شروع کی زندگی میں سب سے زیادہ دیکھا ہے۔ شاید ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ''آقا جی'' کے ساتھ بڑی مدّت گزاری ہے اور وہ ملکہ تجار خاتون ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پہچانتی ہیں مگر ان کے بعد تو صرف آپکا (زید بن حارثہ کا) نام لیا جاتا ہے۔ اور ہاں یہ بتایئے کہ وہ بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ آپ کے بڑے بھائی کیسے ہو گئے؟۔

☆ شرم کرو بچو۔ شاید تم بلال کے کالے رنگ کی وجہ سے یہ پوچھ رہے ہو۔ بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حبشہ کے غلام رباح کی اولاد ہیں اسلئے کالے ہیں اور میں عرب..................... مگر اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ ہم غلاموں میں رنگ نسل کی وہ تفریق نہیں ہوتی جو عرب کے سرداروں نے قائم کر رکھی ہے۔ ہمارے آقا جی ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس تفریق سے نفرت کرتے ہیں اور میں چونکہ انکے زیر سایہ پلا بڑھا ہوں اسلئے میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بلال جو مجھ سے عمر میں دس سال بڑے ہیں وہ میرے ''بڑے بھائی'' کیوں نہیں ہو سکتے۔

☆ معاف کیجئے دادا۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو خود اپنے متعلق بتایئے کہ آخر آپ کیسے غلام ہوئے حضرت آقا جی کے۔

☆ اچھا سنو! اندازاً دس سال پہلے ایک نیک دل نیک نفس خاتون سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے بچے کو لیکر اپنے قبیلہ بنو لحن میں عزیزوں سے ملنے گئی تھیں۔ مجھے یہ نام سعدیٰ سن کر عجیب سی کیفیت ہوتی ہے جیسے دل پر نرم خوشبودار ٹھنڈی پھوار پڑنے

لگے۔ کیوں؟...... یہ سعدیٰ میری ماں کا نام ہے سعدیٰ بنتِ ثعلبہ اپنے جس بیٹے کے ساتھ سفر کر رہی تھیں وہ آٹھ سال کا بچہ ''زید'' تھا۔ زید بن حارثہ جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ بہت سے غلام کنیزیں پکڑیں گئیں۔ زید کو بھی مکہ کے بازارِ عکاظ میں فروخت کر دیا گیا۔ زید بن حارثہ آٹھ سال کا بچہ غلام بنالیا گیا۔ فروخت ہوا۔ خریدنے والے کا نام تھا حکیم بن حزام۔ (یہ نام حکیم بن حزام محترم نام ہے تمھارے آقا جی سے معلوم ہوگا)۔ بہ ہر حال اسوقت تو زید بن حارثہ حکیم بن حزام کا غلام تھا۔

عکاظ سے مکہ آکر حکیم بن حزام اپنی پھوپھی سے ملنے گئے۔ یہ پھوپھی بڑی تاجر خاتون تھیں۔ حکیم نے جو غلام عکاظ سے خریدے تھے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیش کئے ان میں سے کسی کو تحفۃً لے لیجئے۔ خدیجہ عورت تھیں نیک دل تھیں سراپا محبت تھیں طاہرہ ہیں اسی لئے انھوں نے سب سے چھوٹے کو زید بن حارثہ کو قبول کیا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

؎ محبت دل سے چلتی ہے اور دل میں اترتی ہے

زید خدیجہ سے مانوس ہو گیا اور چند دنوں یا مہینوں کے بعد خدیجہ نے ایک بڑے نیک پاکباز تاجر جن کی تبسم کی عادت اور خوشبو کو بہت سے لوگ جانتے تھے ان سے نکاح کر لیا۔ اور زید بن حارثہ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا کہ یہ لڑکا آج سے آپ کا خاص خدمت گار ہے۔

خدمت تو مجھ کو کوئی خاص نہیں کرنی پڑی مگر کھانا پینا رہنا سہنا غلاموں کے بجائے سرداروں کے معیار کا ہو گیا۔
مگر ماں سعدیٰ بنتِ ثعلبہ اپنے بچے کی جدائی کے صدمے سے نڈھال تھی۔ آنسو بہتے تھے مگر سوزشِ غم کم نہیں ہوتی تھی۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے بچہ کی واپسی کی توقع رکھے یا یہ مان لے کہ اسکا بچہ مارا گیا۔ باپ ملک کے گوشہ گوشہ میں ڈھونڈھ رہا تھا۔ اسکے اضطراب اور بے قراری اسکے اشعار میں ڈھل رہی تھی جس کو لوگ سن کر ایک غم انگیز تصور لیکر اٹھتے تھے۔

بَکَیۡتُ عَلٰی زَیۡدٍ وَ لَمۡ اَدۡرِ مَا فَعَلۡ   اَحَیٌّ فَیُرۡجٰی اَمۡ اَتٰی دُوۡنَهُ الۡاَجَلۡ

''میں زید کے غم میں گریہ وزاری کر رہا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس حال میں ہے۔ آیا وہ زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید ہو یا اس کی موت اس کی راہ میں حائل ہوگئی۔''

فَـوَاللهِ مَـا اَدْرِیْ وَاِنِّـیْ لَسَـائِـلٌ،   اَغَالَکَ بَعْدِیْ السَّهْلُ اَمْ غَالَکَ الْجَبَلُ

''خدا کی قسم مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم، اور میں حیران وسرگرداں پوچھتا پھر رہا ہوں کہ میرے پیچھے تجھے میدان نے چرالیا یا پہاڑ نے اچک لیا؟''

تُذَكِّرُ فِيْـهِ الشَّمْـسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَـا   وَ تَـعْـوِضُ ذِكْـرَاهُ اِذَا غَـرُبُهَـا اَفَـلُ

''سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ مجھے اس کی یاددلاتا ہےاور ڈوبتے ہوئے بھی اس کی یادتازہ کرجاتا ہے۔''

سَاَعْمَلُ نَصَّ الْعِيْصِ فِی الْاَرْضِ جَاهِدًا   وَلَا اَسْـأَمُ التَّـطْوَافَ اَوْ تَسْـاَمَ الْاِبَلُ

''میں اپنے اونٹ کوتیزی سے دوڑا کرزمین میں اس کی جستجو سے باز نہیں آؤں گا۔ اِلّا یہ کہ میرا اونٹ تھک کرنڈھال ہوجائے۔''

حَيَـاتِـیَ اَوْ تَـاْتِـیْ عَلٰی مَنِيَّتِـیْ !!!   فَـكُـلُّ امْرِئٍ فَـانٍ وَاِنْ غَـرَّهُ الْاَمَـلُ

''یا مجھے موت آجائے کیوں کہ ہرشخص فانی ہے چاہے امید اسے مبتلائے فریب رکھے''۔

میرے باپ کو میرا سراغ مل گیا اور میرا باپ دوڑ پڑا مجھ کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے اور چچا کعب کو ساتھ لیا اور فدیہ کے لئے جتنی ممکن ہوئی رقم اور مال اور اونٹ ساتھ لئے۔ تیزی سے راستہ طئے کیا اور آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے۔ادھر میں آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سال سے زیادہ گزار چکا تھا۔اب میرے لئے میرے آقا دنیا کی محبوب ترین شخصیت تھے۔

وہ لوگ آپہنچے اور یوں خطاب کیا۔

''اے ابن عبدالمطلب۔آپ لوگ اللہ کے ہمسائے ہیں (شاید مطلب کعبہ تھا) قیدیوں کو رہائی بخشتے ہیں بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور مظلوموں کی فریادرسی کرتے ہیں۔ہم آپ کے پاس اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ہم اتنا مال لائے ہیں جو اسکے فدیہ کے لئے کافی ہے آپ ہم پر مہربانی فرمائیں اور اسکو رہا کردیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کون ہے تمہارا بیٹا؟''۔ جواب ملا۔زید بن حارثہ۔ حضور نے فرمایا کہ فدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے اور اگر وہ ہمارے پاس رہنا چاہتا ہے تو میں خدا کی قسم اس کی پسند کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ مجھے

بلوایا گیا۔ مجھ سے پوچھا گیا اور میں نے کہہ دیا کہ میں تو ''آقا جی'' کے پاس ہی رہوں گا۔ آقا جی میرا ہاتھ پکڑ کر کعبہ میں لے گئے اور کہا کہ لوگو! گواہ رہنا یہ زید میرا بیٹا ہے۔ میرا وارث ہے۔ اور پھر اس دن سے لوگ مجھ کو زید بن محمد کہتے رہے۔ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ادعوھم لاباءھم۔۔یعنی منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں۔ بیٹا اپنے نسبی باپ کا بیٹا ہی رہے گا۔)

بہ ہر حال یہ ہے میری داستان کہ اب تک غلاموں میں سے سب سے زیادہ خوش قسمت غلام۔ یہاں غلاموں کی کانفرنس میں صرف انکا دکھ بانٹنے آتا ہوں۔ اپنا کوئی دکھ نہیں ہے۔ پھر زید بولے ''لوگو! سن لو میں اس دنیا بلکہ کائنات کے سب سے عظیم انسان کے گھر میں رہتا ہوں۔ مجھے میرے دل کو کچھ عجیب قسم کا اضطراب ہے۔ کچھ ہونے والا ہے کچھ عظیم واقعہ ہونے والا ہے۔ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر کچھ ہونے والا ہے۔'' زید یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ''کچھ ہونے والا ہے''۔ ''کچھ ہونے والا ہے۔''

آں کلیم اوّلِ سینائے ما۔

سب سے پہلے جو نبوت کی گواہی ٹھہرے

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

ذکر ہے ابوبکر کا

یہاں نوح علیہ السلام کے بیٹے اور بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا قصہ نہیں ہے۔ آقا جی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ان کے خانوادے کے لوگ تھے جو انکی زندگی اور فطرت عادت طبیعت کو اندر سے جانتے تھے۔ اچھی طرح پہنچانتے تھے۔ یعنی خدیجہ، زید، اور علی باہر نکل کر دیکھا تو چالیس برس کے ساتھی ابوبکر تھے۔ جنھوں نے حضور کو قریب سے دیکھا تھا تقریباً روز دیکھا تھا۔ سفر میں دیکھا تھا حضر میں دیکھا تھا۔ کچھ تجارتی سفر ساتھ کیئے تھے اور کچھ میں صرف سرمایہ کی شراکت کی تھی۔ بنی تیم کے سردار تھے ذی اثر تھے، ذی حشم اور ذی ثروت تھے قریش کے خوں بہا، ضمانت، تاوان کے مقدمے فیصل کرتے تھے۔ یعنی فائینشل چیف جسٹس تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت سنا اور ایمان لائے۔ سماعت اور اعلان ایمان میں فاصلہ اتنی ہی دیر کا تھا جتنی دیر میں ایک سانس کے بعد دوسری سانس آتی ہے۔

ان کے لئے کسی نے لکھا ہے کہ صدیق وہ نہیں ہے جو کہے کہ صادق سچ کہتا ہے۔ صدیق وہ ہے جو کہے کہ سچ وہ ہے جو صادق کہتا ہے۔ صادق الوعد الامین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا صدیق اسکے گواہ بن گئے۔ (ابن اثیر۔ اسد الغابہ)

بلال اپنے مہمانوں کو بلاتے ہیں جو پندرہ سو سال کی مسافت سے آئے ہیں اور فرماتے ہیں۔ بچو! اب تم اپنی معلومات

حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع ڈھونڈھ لو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب کفر اور ایمان کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ جنگ اب مختلف محاذوں پر لڑی جائیگی۔

ہر بستے گھر کے سینے میں

ہر چلتی راہ کے ماتھے پر

میرا جو حلقۂ غلاماں تھا "محمدیوں" کا وہ اب اسلام قبول کر چکے **مسلمان** بن گئے اب ان پر مظالم کا دور آئیگا۔ کہانیاں مختلف ہونگی مگر اصل میں سب یکساں ہونگی۔ ہر کہانی کا عنوان ہوگا۔ "ظلم"۔

مجھے۔ بلال کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ بااثر۔ احرار (آزاد) قبیلہ کی مدد رکھنے والے جو مسلمان ہو رہے ہیں وہ ایک جگہ جمع ہونے لگے ہیں خاموشی سے اور رازداری سے۔ اس جگہ کا نام ہے "دارِارقم" ارقم بن ابی الارقم میری اطلاع کے مطابق ساتویں مسلمان ہیں۔ ان کا مکان دارِارقم قلعہ نما ہے بلکہ ایک قلعہ ہے۔ نئے مسلمان کسی طرح وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ انکی مشاورت اور تبلیغ وہیں ہوتی ہے۔ ڈھائی سال کی خفیہ تبلیغ بھی یہاں سے ہوئی اور اب بھی جاری ہے۔ جو مسلمان تم کو دارِارقم میں ملے گا وہ تم کو صحیح اطلاعات دے سکے گا۔ راز کی بات سن لو۔ آقا جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی بلکہ اکثر وہاں آتے ہیں تم خوش قسمت ہوئے تو ان سے ملاقات ہو جائیگی۔ اب بلال کو اجازت دو اگر حالات بدلے تو بلال پھر تم سے خود ملے گا۔

اللہ حافظ......اللہ حافظ۔

"اللہ حافظ دادا بلال ہم آپ سے دوبارہ ملاقات کا انتظار کریں گے۔ اب تک کی رہنمائی کا شکریہ۔ اللہ حافظ......اللہ حافظ۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تصدیقِ نبوت کے فوراً بعد کام پر لگ گئے۔ حضورنبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی تھا تبلیغ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فوراً اسی کام میں لگ گئے۔ حضرت ابوبکر نے اپنے اسلام کو ایک دن بھی خفیہ نہیں رکھا۔ بہت بڑے تاجر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب ایمان لائے تو ان کے پاس کپڑا بُنے کی کھڈیوں کے کارخانے کے علاوہ پچاس ہزار درہم نقد بھی تھے۔ لیکن

''رات کے آخر ہوتے ہوتے ختم تھا یہ افسانہ بھی''۔

جب انہوں نے عاقبت کا سفر اختیار کیا تو چند درہم بھی ان کی ملکیت میں نہیں تھے۔ بہت سے غلام مسلمانوں کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی کوششوں سے عشرہٗ مبشرہ کی دس میں سے پانچ ہستیوں نے اسلام قبول کیا۔ اور بھی متعدد انسانوں پر تبلیغ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ہی کی اور وہ مسلمان ہوئے اور گمانِ غالب بلکہ یقین ہے کہ وہ جنتی ہیں اگرچہ وہ ان دس ہستیوں میں نہیں ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دی۔ ان سب کے پاس ہم مسافروں کو حضرت زید بن حارثہ نے ہی پہنچایا جن سے تعارف دادا بلال نے کروایا تھا۔ اس وقت دادا بلال اور عمار بن یاسر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سخت جسمانی سزا بھگت رہے ہیں۔ اپنی سزاؤں سے آزاد ہو کر (ابوبکر ہی ان کو خرید کر غلامی اور تشدد سے نجات دلوائیں گے۔) شاید کبھی کبھی ہم سے ملنے آئیں اسوقت ہم اسلام کے پوشیدہ قلعہ دارِ ارقم میں جا رہے ہیں۔ جن جن سابقون الاولون مسلمانوں سے ملاقات ہوگی انکا ذکر کیا جائے گا۔

دارِارقم

حضرت ارقم بن ابی الارقم اوّلین مسلمانوں میں تھے۔ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متاثر تھے۔ انکو پسند کرتے تھے۔ اسلام کا پیغام انکو حضرت ابوبکر سے ملا اور یہ فوراً مسلمان ہوگئے۔ زیادہ تر سیرت نگار انکو ساتواں مسلمان کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گنتی تو پانچ سے شروع ہوئی تھی کیونکہ پہلے چار تو حضور کے قریب ترین لوگ تھے۔ یعنی ام المؤمنین خدیجہ۔ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یہ صاحب رئیس ابن رئیس تھے اور خاموش متین، باوقار شخصیت تھے۔ کوہ صفا پر ان کا مضبوط۔ وسیع قلعہ نما مکان تھا۔ جو جلد ہی نئے مسلمانوں کا خفیہ ٹھکانہ بن گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی یہاں دن اور رات کو مقیم رہے۔ سوائے غلاموں کے مثلاً بلال، عمار وغیرہ دوسرے مسلمان یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ان مسلمانوں سے مکہ کی خبریں ملتی تھیں۔ کافر جو مجلسیں کعبہ میں منعقد کرتے تھے ان کی رپورٹ مفصل ملتی تھی۔ کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جنہوں نے ابھی اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا انکی خبریں یہاں دلچسپی سے سنی جاتی تھیں۔ کسی سیرت نگار نے دار ارقم میں 38 مسلمان آنے جانے والوں کے بعد انتالیسواں نام حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا ڈالا اور چالیسواں نام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا ڈالا۔ زید بن حارثہ کا بھی یہ خیال ہے کہ اتنے زیادہ مسلمانوں کے آنے جانے کے بعد دار ارقم کی خفیہ حیثیت ختم ہوگئی اور ہر ایک کو مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی پناہ گاہ کا پتہ چل گیا۔ دارِارقم کی بھی ایک تاریخ ہے۔ پہلے یہ خفیہ پناہ گاہ تھی۔ پھر یہ خفیہ نہیں رہی تو ارقم بن ابی الارقم نے اسکا نام دارالاسلام رکھ دیا پھر اسکو عامۃ المسلمین کے استعمال کے لئے وقف کردیا۔ یہ اسلام میں پہلا وقف تھا۔ واقدی مورخ نے اس وقف کی عبارت پڑھی اور نقل کی۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جسکا عزم ارقم نے اپنے مکان کی نسبت کیا ہے جو کوہِ صفا کے کنارے پر ہے کہ وہ مقدس جگہ کے طور پر ہبہ کیا گیا نہ تو اسکی بیع ہو نہ وراثت میں تقسیم ہو۔'' ہشام بن عاص اس وقف کے شاہد بنائے گئے۔ اسے اب دارالاسلام کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عباسی خلافت کے دور میں خلیفہ منصور نے حضرت ارقم کی اولاد سے عقیدتاً خریدا۔ خلیفہ مہدی نے اپنی بیوی خیزراں والدہ ہارون رشید کو دے دیا اور یہ دارِ خیزراں کہلانے لگا۔ خیزران نے جدید تعمیر کرائی اور اسکو مسجد بنوادیا۔ جب حرم کی توسیع ہوئی تو یہ سارا علاقہ مسجد مکان مسمار کردیئے گئے۔ اب

اس اولین پناہ گاہِ مسلمین کا نشان نہیں ملتا۔ یہ موجودہ صحن بیت اللہ کے نیچے ہے۔

ویسے بھی حضرت عمر جیسے بھڑک اٹھنے والے اور دھوم دھڑا کے والے مسلمان کے آجانے کے بعد خفیہ حیثیت برقرار رہ نہیں سکتی تھی۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے ایمان لانے کے بعد دارارقم سے کعبۃ اللہ تک مسلمانوں نے دواماموں (عمراور حمزہ) کے ساتھ کیسے مارچ کی اور کیسے نماز باجماعت ہوئی یہ بیان دلچسپ ہے وہ دارارقم کے چالیسویں ممبر (عمر بن الخطّاب) کے داخلے کے بیان میں آپ پڑھیں گے۔

اب اس وقت دادا زید بن حارثہ یہاں ہمارے ساتھ موجود ہیں اور وہ آنے جانے والے مسلمانوں کے نام بتا رہے ہیں۔ ترتیب کوئی نہیں ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا تعارف

دیکھومسافرو! میں تمام آنے والوں کا تعارف تم سے بولتا جاتا ہوں۔ اسمیں حال کا تعارف بھی ہے۔ اور آئندہ کا بھی۔ میں کوئی منجم نہیں ہوں۔ میں ان لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ آنے والے دنوں میں بھی اسلیئے میں ان لوگوں کا وہ مستقبل بھی بتاؤں گا جو ابھی تقدیر کے پردے میں ہے مگر صرف اسی دنیاوی زندگی کی حد تک کیونکہ عاقبت تو صرف اللہ جانتا ہے۔

عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ

یہ صاحب جو اس وقت داخل ہور ہے ہیں دیکھو کہ کس قدر نستعلیق انداز ہے انکا۔ لباس پورا ہے اور پر تکلف ہے۔ چال نرم ہے۔ آنکھیں جھکی ہوئی۔ نگاہیں روبرو سلام بھی آہستگی سے کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا کہ عثمان بڑے ''باحیا'' انسان ہیں۔ آج تک جمعہ کی نماز کے خطبہ میں عثمان کی حیا کا تذکرہ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے سے پہلے اپنے لباس کا جائزہ لیتے تھے۔ قبیلہ انکا بنی امیہ ہے۔ یہ قبیلہ ہمیشہ سے بنو ہاشم کی برابری کی کوشش کرتا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بڑی بلند بالا اور رُعب دار شخصیت تھے۔

مگر اس وقت سے بنوامیہ ان سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آجکل بنوامیہ یعنی عثمان بن عفان کے قبیلہ کی سرداری ابوسفیان کے پاس ہے۔ ابوسفیان نے ذاتی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آخیر تک یعنی فتح مکہ کے دن تک سرد جنگ جاری رکھی اور گرم جنگ بدر اور اُحد اور خندق میں ابوسفیان نے کافی تیزی پھرتی دکھائی مسلمانوں پر یہ جنگیں نافذ کرنے پر نتیجہ تو تم کو معلوم ہی ہوگا مگر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے قبیلہ کے خلاف مسلمان ہو گئے۔ یہ بڑے امیر کبیر تھے مکہ میں بلکہ ابھی تک ہیں مگر مسلمان ہونے کی خطا پر ان کی چچا نے انکی ساری دولت چھین لی اور انکو ایک چٹائی میں لپیٹ کر دھویں کی دھونی دینے کا کام شروع کر دیا۔ مگر عثمان اپنے ایمان پر قائم رہے۔ ایمان پر قائم رہنا تو عام ہو گیا تھا۔ کسی مسلمان نے تشدد کی وجہ سے ایمان کو نہیں چھوڑا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کی تبلیغ پر اسلام قبول کیا تھا۔ تشدد جب حد سے زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے اپنی پہلی زوجہ رقیّہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی۔ وہاں سے واپسی پر یثرب کی ہجرت کی جو بعد میں مدینہ کہلایا۔ جنگِ بدر کے دوران بی بی رقیّہ کا انتقال ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بناء پر اپنی دوسری بیٹی امّ کلثوم کا نکاح انھی سے کر دیا اور اسطرح عثمان ذوالنورین (دونور والے) کہلائے۔ یہ حضور کے اس دنیا سے سفر کے بعد اسلام کے تیسرے خلیفہ ہوئے۔

ان کو باغیوں نے ایوانِ خلافت میں قتل کر دیا جس وقت وہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ خون کے دھبوں سے آلودہ قرآن ترکی کے توپ کاپی عجائب خانے میں موجود ہے۔

طلحہ ابن عبید اللہ

جاں نثارِ رسول تھے طلحہ۔ تعلق بنی تیم سے تھا جو حضرت ابو بکر کا قبیلہ تھا۔ کنیت ابو محمد تھی بارگاہِ نبوی سے طلحہ الخیر اور ابو الجواد اور طلحہ الفیّاض کے القاب عطا ہوئے تھے۔ (جود سخاوت کو کہتے ہیں ابو الجواد کے معنٰی حددرجہ سخی کے ہوئے)۔ جب ایمان لائے تو اٹھارہ سال کے تھے۔ پیشہ تجارت تھا۔ دور دراز کے سفر کرتے تھے۔ (کئی سال کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضور سے صحرا میں ملاقات اس وقت ہوئی جب حضور ہجرت فرمارہے تھے اور یہ شام سے اپنے تجارتی سفر سے واپس آرہے تھے۔ اسوقت انہوں نے حضور کی خدمت میں لباس پیش کئے۔ شاید حضور اور انکے ساتھی کے لباس سفر اور ثور کی راتوں کے قیام کی وجہ سے بدلنے ضروری سمجھے گئے۔ مگر یہ بات دارارقم کے قیام کے 13 سال بعد ہوئی تھی اسکے بعد یہ مکّہ گئے اور اپنا کاروبار سمیٹ کر واپس مدینہ کی طرف ہجرت کی)۔ مدینہ کے قیام کے درمیان پہلی ھجری کی جنگ بدر میں فوج میں شامل نہیں تھے کیونکہ حضور نے ان کو ایک جاسوسی سفر پر بھیجا تھا۔ حضور نے ان کو فاتحین بدر میں شامل قرار دیا اور مالِ غنیمت سے حصّہ دیا۔

اُحد کی جنگ

اُحد کی جنگ طلحہ کی زندگی کا نقطۂ عروج تھی۔ جب جنگ کا پانسہ پلٹا تو حضرت طلحہ پروانہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھومتے رہے۔ تیروں کی بارش کو اپنے ہاتھوں پر روکا۔ حضور زخمی ہوئے تو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ بارِ نبوت سنبھالنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ بوجھ لیکر پہاڑ کے اوپر چڑھنا معجزہ تھا جب کہ خود طلحہ کے بدن پر ستر سے زیادہ زخم آئے تھے۔ یہ حضور کا معجزہ ہوسکتا ہے مشیّتِ الٰہی تو تھی ہی مگر اس کا کریڈٹ سارے کا سارا طلحہ کو دیا جائے گا۔ کیونکہ رسول نے ایسا ہی کیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر اسلیئے چڑھے تھے کہ اونچائی کی طرف تیر کی زد حملہ اور نشانہ سب خراب ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے ان کو "صاحبِ اُحد" کہنا شروع کیا اور جاری رکھا۔ ابو بکر نے کہا کہ اُحد کا دن طلحہ کا دن تھا۔ اور حضور نے کیا

کہا؟ حضور نے فرمایا کہ طلحہ پر جنت واجب ہوگئی۔

''کون نہ مرجائے اس عطا پر''

شفاعت کا یقین نہیں دلایا۔ یہیں پر اسی دنیا میں فیصلہ سُنا دیا۔

سعد بن ابی وقاص

نام سعد بن مالک ہوسکتا تھا کیونکہ ان کے والد کا نام مالک تھا مگر وہ اپنی کنیت ابی وقاص سے زیادہ مشہور ہوئے۔ابی وقاص کے دادا ''وہب'' تھے۔ یہ نام آپ پہچان رہے ہونگے وہب حضور کی والدہ آمنہ کے والد تھے۔حضور کی والدہ آمنہ بنتِ وہب تھیں۔ان رشتوں کو آسانی سے یوں سمجھئے کہ سعد کے دادا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے نانا تھے۔ہم دارِارقم سے ذکر شروع کرتے ہیں تو دارِارقم میں داخل ہوتے وقت سعد کی عمر 19 سال تھی۔ والدہ بڑی خفا ہوئیں اور دانہ پانی چھوڑ دیا۔(بوڑھی خواتین کا پرانا حربہ)جب سعد واپس نہ ہوئے تو مجبوراً کھانے پینے لگیں۔

سورہ لقمان کی آیت 15 - 14 میں اللہ تعالیٰ نے سعد کے روّیہ پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔

(ترجمہ: لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے اس وقت میں تم کو بتا دونگا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔)

شاید سعد وہ پہلے شخص ہیں جنکے فیصلہ کی تائید اللہ تعالیٰ کے دربار سے خود ہی ہوئی۔ مدافعتِ اسلام میں پہلی ضرب آپ ہی کی تھی جس نے مکہ کی سرزمین میں کسی کافر کا خون بہایا۔اسلام لانے کے بعد (عمر 18 سال) کی عمر میں مکہ کی کسی گھاٹی میں

چھپ کر چند ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کافر آ گیا اور اس نے نماز کی حرکات کا مذاق اُڑایا۔ سعد نے غصہ میں آ کر ایک اونٹ کے جبڑے کی ہڈی جو وہاں پڑی تھی اسکے سر پر ماری اور سر پھٹ گیا۔ کافر بھاگ نکلا۔ اُحد کی جنگ میں راہِ خدا میں چلنے والا پہلا تیر سعد نے چلایا۔ (جوامع السیر ،ابنِ اثیر)۔ اور پھر اندازہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار تیر چلائے اور اللہ کے رسول نے فرمایا۔

''اے سعد تیر پر تیر چلا۔ تجھ پر میرے ماں باپ قربان''

اسکے بعد کہنے کو اور کیا رہ جاتا ہے یہ حدیث صحیح مسلم سے ہے۔ سعد بن وقاص کا تعلق بنوز ہرا سے تھا جو حضور کی والدہ کا قبیلہ تھا اسلیئے عرب کے قبائلی دستور کے مطابق وہ حضور کے ماموں بھی ہوتے تھے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسبی قبائلی برتری کے خلاف تھے مگر کبھی کبھی وہ مزاح میں صحابہ سے کہتے تھے کہ ''سعد میرا ماموں ہے۔ ہے کسی کے پاس ایسا ماموں ہو تو مجھے دکھائے''۔

یاد رکھیئے کہ بات دارِ ارقم کے پناہ لینے والے مومن کی ہو رہی تھی مگر سعد کی آئندہ زندگی یعنی اُحد کا دن بھی بیان ہو گیا تو پھر یہ بھی بتا دیا جائے کہ وہ ہر غزوہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور پھر حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جہاد میں شریک رہے۔ حضرت عمر کے دور میں ایران کو فتح کیا۔ یہ صرف ایک جملہ نہیں پوری تاریخ ہے۔ پھر وہ مدّتوں ایران کے گورنر رہے اور مثالی انتظام قائم کیا۔ آخر عمر تک اپنا عربی انداز رہائش یعنی درویشانہ وضع برقرار رکھی۔ وصیّت کی کہ مرنے کے بعد انکو اس اونی لبادے میں دفن کیا جائے جو وہ جنگِ بدر کے دن پہنے ہوئے تھے جس پر یقینی طور پر خون کے دھبّے تھے۔ اگر یہ لبادہ سعد نے احد کے دن بھی پہنا تھا۔ تو خون کے دھبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بھی شامل ہوگا کیونکہ اس دن سعد حضور کے بہت قریب تھے۔ یہ تھے میرے حضور کے ماموں۔

''ہے کسی کے پاس ایسا ماموں تو دکھائے''

(مت اعتراض کرو اس جملہ پر کیونکہ یہ جملہ میرے آقا کا ہے اسلئے قدر و قیمت میں حدیث کے برابر ہے۔)

بعد میں آنے والے اس مضمون کو حضرت سعد بن وقاص کے بیان میں سے نکال دینے یا شامل کرنے کے متعلق مستقل ایک کش مکش تھی ۔ آخر شامل کر رہا ہوں ۔ حضرت عمر کی خلافت کے دور میں 13 سال بعد ایران سے جنگ کے دوران ابو مجحن ثقفی ایک مجاہد سعد کی افواج میں شامل تھے مگر دن بھر کی جنگ کے بعد اپنے خیمے میں شعر پڑھتے اور شراب کے گھونٹ لیکر اپنے اعصاب کو تسکین دیتے تھے ۔ خبر ملی ۔ کماندار اعلیٰ نے ابو مجحن کو اپنے یعنی کماندار اعلیٰ کے کواٹر میں قید کر دیا۔ دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی تو ''شاعر'' ابو مجحن نے درد انگیز شاعری شروع کر دی کہ '' جب میرے رفیق میدانِ جنگ میں شجاعت دکھا رہے ہیں تو میں آرام سے بیڑیاں پہن کر لیٹا ہوا ہوں ۔ مجھ پر دروازہ بھی بند کر دیا گیا ہے ۔ سلمٰی ۔ حضرت سعد کماندار اعلیٰ کی بیوی ایک عرب جاں باز کی روحانی اذیت کو سمجھ گئیں تھیں ۔ ابو مجحن نے سلمٰی سے وعدہ کیا کہ اگر تم میری بیڑیاں کھول دو تو میں شام کو جنگ رُکنے پر آکر خود بیڑیاں پہن لوں گا ۔ اور اگر مارا گیا تو یہ میری سزا ہوگی ۔ سلمٰی نے زنجیریں کھول دیں اور ابو مجحن باہر کھڑے کماندارِ اعلیٰ کے گھوڑے پر جست لگا کر سوار ہوئے اور میدنِ جنگ میں پہنچ گئے چہرے پر اپنے عمامہ کا ڈھاٹا باندھ لیا تھا کہ کوئی نہ پہچان سکے ۔ کماندارِ اعلیٰ ایک بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے جنگ کی ترتیب بنا رہے تھے اور احکام چھوٹی چھوٹی کاغذ کی گولیوں میں نیچے پھینکتے تھے ۔ ایرانی فوج میں ہاتھی تھے جنہوں نے دو دن سے عرب مسلمان مجاہدین کو زیر کیا ہوا تھا ۔ آج کے دن کماندار اعلیٰ نے جنگی ترکیب یہ نکالی کہ اونٹوں کو برقعے پہنا دیئے اور ان کو ہاتھیوں کے سامنے لے آئے ۔ بے ڈول برقعوں میں اچھلتے ہوئے اونٹ ہاتھیوں کو اگر بھگا نہ بھی سکے تو ان کو حیران اور معطل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔ ادھر سے ایک نعرہ ابو مجحن کا لگا کہ ''تلوار بیکار ہے سپاہیوں کو چھوڑو ۔ ہاتھیوں کی آنکھوں پر نیزے اور تیروں سے حملہ کرو ۔'' آواز ایک آئی تھی پورے میدان میں ہر ایک نے دہرایا ۔ اور جب دو چار ہاتھیوں کی دو چار آنکھیں پھوٹیں تو میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا ۔ ہاتھی اکثر خود اپنی فوج کو کچل کر بھاگنے میں مشہور ہیں ۔ ہاتھیوں کے بھاگنے کے بعد عرب تلواریں جو دو دن سے کمزور پڑ رہی تھیں انھوں نے ساری کسر پوری کر دی سنا گیا ہے کہ تیس ہزار ایرانی سپاہی مارے گئے ۔ ان کا کماندار اعلیٰ جسکا نام رستم تھا وہ بھاگ رہا تھا مگر ایک عام عرب مجاہد ہلال نے اسکے جسم کو سر کے بوجھ سے آزاد کر دیا ۔ اور ابو مجحن !!! ابو مجحن بھاگتے ایرانیوں سے زیادہ تیزی سے بھاگ کر اپنے قید خانے میں آگئے اور بیڑیاں پہن لیں جیسے ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ۔ کماندار اعلیٰ تفتیش پر نکلے تو اپنے گھوڑے کو دیکھا جو پسینہ سے تر بتر تھا گویا دن بھر دوڑتا رہا ہے جب

کہ خود کمانداراعلیٰ اپنی کمانڈ پوسٹ سے نکلے ہی نہیں تھے۔ ابو مجحن کو دیکھا کہ وہ خراٹے لے رہے ہیں۔ بیوی کی طرف دیکھا تو بیوی نے اشارہ کر دیا کہ ابو مجحن سو نہیں رہا ہے سوتا بن گیا ہے۔

بیوی سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو بیوی نے کہا کہ اپنے قیدی سے خود پوچھو۔ جب ساری کہانی کھلی تو سعد نے کہا

''خدا کی قسم میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا''

ابو مجحن نے کہا کہ خدا کی قسم میں اب شراب نہ پیوں گا۔ سعد نے کہا کہ میں تجھ پر کوئی حد نافذ نہیں کر سکتا کہ کوئی گواہ نہیں ہے۔ یہ سچا قصہ ختم ہوا۔ یہ سیرتِ رسول میں اسلئے شامل نہیں ہے کہ حضور کے پردہ فرمانے سے بارہ سال بعد کا قصہ ہے۔

زبیر بن عوام

قریش کے خاندان بنی اسد سے تعلق تھا۔ ان کے والد عوام ام المؤمنین خدیجہ کے حقیقی بھائی اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنتِ عبد المطّلب کے شوہر تھے۔ اسطرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے متعدد نسبتیں تھیں۔ 16 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ وہ سابقون الاوّلون بھی ہیں اور ذوالہجرتین بھی۔ پہلے حبشہ کی ہجرت کی اور پھر مدینہ کی۔ آپ کی شادی حضرتِ ابوبکر کی بڑی صاحبزادی اسماء سے ہوئی تھی۔ اور یہ ایک اور نسبت تھی ام المؤمنین عائشہ کی وساطت سے حضورِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے۔ ان کے صاحبزادے پیدا ہوئے عبد اللہ اور انکی نسبت سے ام المؤمنین نے نسبت اختیار کی اُمّ عبد اللہ کی۔ شجاعت و دلیری کے یادگار واقعات ان سے منسوب ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور فتح مکہ کے وقت اس دستہ کے علم بردار تھے۔ جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ عہدِ فاروقی میں جنگِ یرموک میں بڑی شجاعت دکھائی۔ یہ جنگ تھی جس میں رومیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ ایک سفر میں عمرو بن جرموز نے عین وقتِ سجدہ میں قتل کیا اس وقت انکی عمر اندازاً 64 سال تھی اور یہ 36ھ کا واقعہ ہے۔ مگر ہم اس وقت ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت کا جب وہ اٹھارہ سال کے تھے۔ یہ خانۂ ارقم میں آنے سے پہلے اپنے چچا کے بڑے منظورِ نظر تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے پر اسکا رویہ بدل گیا اور جسطرح حضرت عثمان بن عفان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دی گئی تھی ویسا ہی سلوک ان کے ساتھ بھی کیا گیا۔ مگر اس طرح کہیں ایمان کا نشہ اُترتا ہے؟

یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟

ایک دفعہ انکے خاندان میں ایک افواہ دوڑ گئی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا گیا ہے یا شہید کر دیا گیا ہے۔ لوگ ابھی مشورہ ہی کر رہے تھے کہ یہ تلوار کو میان سے آزاد کر کے دوڑ پڑے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ افواہ غلط ہے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر پوچھا کہ زبیر یہ ننگی تلوار لیکر تم دوڑتے ہوئے میرے گھر کیسے آ گئے؟۔ زبیر نے عرض کی کہ ایک غلط خبر سن لی تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر وہ واقعی

مجھے قتل کر دیتے تو تم کیا کرتے؟۔ زبیر نے کہا کہ حضور یہ پوچھئے کہ پھر زندہ کون رہتا؟۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو بھی دعا دی اور تلوار کو بھی دعا دی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دارِ ارقم میں قیام نہیں کیا تھا جب چند حضرات با جماعت حاضر ہوئے۔ ابوعبیدہ بن الجراح، عبدالرّحمٰن بن عوف، ابوسلمہ، عثمان ابن معظون اور عبیدہ بن الحارث۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑی ملاطفت سے گفتگو کی اور اسلام پیش کیا۔ سب نے یکے بعد دیگرے تقریباً ساتھ ہی ساتھ اسلام قبول کیا۔ ابوعبیدہ بن الجراح پر اصل میں حضرت ابوبکر نے پہلے ہی تبلیغ کی تھی۔ ہجرتِ حبشہ بھی کی اور ہجرتِ مدینہ بھی۔ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ شریک رہے۔ غزوہ بدر میں خون کے رشتے کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنے کافر باپ کو قتل کیا۔

☆ دادا زید کیا یہ بات مناسب تھی؟

☆ زید کا جواب۔ مناسب نامناسب تو میں نہیں جانتا مگر میں تو واقعہ بتا سکتا ہوں۔

باپ ابوعبیدہ کے اسلام لانے پر سخت برافروختہ تھا۔ باپ کے سخت روّیہ سے تنگ آ کر ابوعبیدہ نے ایک دفعہ شام اور ایک دفعہ حبشہ ہجرت کی۔ کفّار وہاں بھی پہنچ گئے تھے پناہ گزین بے کس مسلمانوں کو گرفتار کر کے لاتے۔ لا کے کیا کرتے؟۔ ذبح ہی کرتے۔ نجاشی بادشاہ (جس کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مانا اور اسکی نمازِ جنازہ پڑھی چند سال بعد) نے کفّارِ قریش کو بھگا دیا۔ پھر ابوعبیدہ مدینہ ہجرت کر گئے۔ انکے باپ نے انکی جان وہاں بھی نہ چھوڑی۔ 2 ھ میں بدر کی لڑائی میں آیا تو تاک تاک کر تیر ابوعبیدہ پر ہی مارتا تھا۔ کوئی تیر بھی جان لیوا ہو سکتا تھا۔ آخر وہ باپ بیٹے کے سامنے آ گیا۔ تلوار کا وار دونوں طرف سے ہوا مگر باپ خون میں نہا گیا۔ اور بیٹا ابوعبیدہ اپنے آقا کے قدموں میں جا بیٹھا۔ ایسا ہی ایک قصہ تمہیں اور سُنا تا ہے

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

یہ تمھارادادازید۔

برسوں بعد حضور نبیؐ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک باپ بیٹے کے ساتھ تھا (دونوں مسلمان دونوں صحابی) بیٹھے ہنس بول رہے تھے اور دو چار صحابی اور وہاں تھے۔ بیٹے عبدالرحمٰن نے باپ ابوبکر سے کہا۔"بابا بدر کی جنگ میں آپ تین دفعہ میری زد میں آئے مگر میں نے اپنا وار روک لیا۔" ابوبکر نے فوراً جواب دیا۔"شکر کرو بیٹا۔تم میری زد پر ایک دفعہ بھی نہیں آئے ورنہ میں تم کو نہیں چھوڑتا۔" تو بات یہ ہے پندرہ سو سال کے بعد آئے مسافرو! اس زمانہ میں دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ آیا۔سورہ مجادلہ میں آیت 22 آخری آیت پارہ 28

لَاتَجِدُ قَوْماً یُّوْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِیُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہِ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَ ھُمْ اَوْاَبْنَاءَ ھُمْ اَوْاِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِنْہُ ط وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْھَاط رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَO

تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہلِ خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن عوف

کونسا نگینہ کس سے کم چمک دار ہے۔ کس کو چھوڑ یئے کس کی زندگی لکھیئے۔ کونسا پروانہ کس سے زیادہ جاں نثار ہے۔ کس کا بیان کیجئے کسے نظر انداز کیجئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف ان آٹھ خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جو اسلام کی پکار کے دوسرے دن ہی ایمان لائے۔ حضرت ابوبکر ان کو دارِ ارقم لائے خود رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے ایک دن پہلے۔ یہ ان دس افراد میں سے ایک ہیں جن کو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں جنت کی بشارت دی۔ انھوں نے دو ہجرتیں کیں۔ حبشہ کی اور مدینہ کی۔ ایامِ جاہلیت میں انکا نام عبد عمرو تھا۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔ انھوں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی۔ اُحد میں ایک زخم لگا ایسا کہ ساری زندگی پاؤں میں لنگ تھا۔ جب مہاجرت کے بعد مواخات کا رشتہ قائم ہوا تو ان کا مواخاتی رشتہ سعد بن ربیع انصاری سے قائم ہوا۔ سعد نے کہا کہ ''میرے بھائی میں مدینہ میں سب سے بڑا رئیس ہوں۔ یہ میری ساری جائیداد باغات ہیں۔ جو حصّہ چاہو لے لو۔ آدھا تمہارا ہے۔ میری دو بیویاں ہیں تم جس کو چاہو اسکو طلاق دے دیتا ہوں اس سے شادی کرلو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ تمہارے باغ اور بیویاں تم کو مبارک۔ مجھے صرف بازار کا رستہ دکھا دو۔ ان کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ سعد بن ربیع نے بازار کا راستہ دکھایا اور عبدالرحمٰن نے تجارت شروع کردی۔ کچھ رقم جمع ہوئی تو مہر ادا کر کے شادی کرلی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پر خوشبو کے اثرات دیکھے تو پوچھا۔ ''ماھیا عبدالرحمٰن'' انھوں نے کہا کہ میں نے شادی کرلی ہے اور مہر بھی ادا کردیا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا دی۔ اور برکت ایسی ہوئی کہ عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ اسکے بعد دنیا اپنی پوری برکات وفوائد کے ساتھ اسطرح میری طرف متوجہ ہوگئی اور میری تجارتی کامیابی کا یہ حال ہوگیا کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھاتا تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ اس کے نیچے سے مجھے سونے کا کوئی ٹکڑا ملے گا۔

(ابنِ اثیر، اسدالغابہ میں تذکرہ ہے۔)

عبدالرحمٰن نے بدر اور اُحد میں نمایاں کارکردگی دکھائی۔ بدر میں مشہور دشمنِ اسلام عمیر بن عثمان کو جہنم کا راستہ دکھایا اور اُحد

میں جب بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے تو انہوں نے استقامت دکھائی۔ بہر حال مدینہ کی جنگوں اور اپنی آمدنی کے نیک اخراجات کی تفصیل ان سے ہجرت کے بعد کے بیان میں سنیں گے۔ اسوقت تو وہ سارے مکّی مسلمانوں کی طرح ایذا رسانی اور ستم رانی کے سامنے ہدف تھے۔ ان کی عمر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹی تھی۔ یعنی دارِ ارقم میں داخل ہوئے تو تیس سال کے تھے۔

مدینہ کی زندگی میں جو احسانات عبدالرحمٰن پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ دومۃ الجندل کے معرکہ سے پہلے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے انکے سر پر عمامہ باندھا اور ہاتھ میں علم پکڑایا۔ اور ہاتھ اُٹھا کر خیر و برکت کی دعا کی۔ (ابنِ اثیر اور اسد الغابہ کا حوالہ) حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی خیر و برکت کی دعا کے بعد باقی کیارہ جاتا ہے۔

انہوں نے غزوہ تبوک پہلی قسط دوسو اوقیہ سونا پیش کیا۔ اوقیہ برابر گیارہ تولہ یعنی تقریباً 2200 تولہ سونا۔ اونٹ گھوڑے خچر اسکے علاوہ۔ حضور نے پوچھا۔ عبدالرحمٰن تم نے بچوں کے لئے کچھ چھوڑا ہے۔ جواب دیا۔ ''جی سرکار بہت زیادہ'' حضور نے پھر سوال کیا ''کتنا''؟ جواب دیا۔ ''خیر و اجر کا وہ وعدہ برحق جو اللہ اور اسکے رسول نے کیا ہے۔'' اسکے بعد اس مؤلف کو **یقین ہے اللہ اور اسکے رسول کو اپنے وعدہ کو دس گنا تو کرنا پڑا ہوگا۔**

غزوہ تبوک میں قیامِ تبوک کے وقت نمازِ فجر کا وقت ہوگیا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔ صف بن گئی اور لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو امام کی جگہ کھڑا کیا۔ ایک رکعت ہوئی تو حضور آ گئے اور انہوں نے دوسری رکعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی امامت میں پڑھی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

اس سے زیادہ اور کیا عظمت ملے انسان کو

نبی کا امام؟ اللہ اکبر اللہ اکبر

ابوسلمہ بن عبدالاسد عثمان ابن معظون

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد حضور نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ والدہ ''برہ'' حضور کے دادا عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ ابوسلمہ اپنی بیوی ام سلمہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ بالکل اوائل اسلام میں۔ چند مرد تو مسلمان ہو گئے تھے مگر عورتوں میں ام سلمہ کا نمبر دوسرا تھا۔ یعنی ام المؤمنین خدیجہ کے بعد دوسری خاتون۔ ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی تو وہ غصّے میں آگ بگولہ۔ یہ ایک حکمران قبیلہ کے شخص کا ایمان لانا قریش کو گوارا نہیں تھا۔ اگر چہ عرب میں نسل اور قبیلہ کا تعین باپ سے ہوتا ہے مگر وہ ماں کی طرف سے سردارِ قریش عبدالمطلب کے نواسے تھے اور اس رشتہ میں بھی اسلام کا داخلہ قریش کو خصوصاً ابولہب اور ابوجہل کو آگ کرنے کے لئے کافی تھا۔ جتنے مظالم کر سکتے تھے وہ کیئے۔ بہر حال قبیلہ قریش کے فرد کو اپنی روایات کی وجہ سے قتل تو کر نہیں سکتے تھے۔ جب ابوسلمہ ہجرت کر گئے تو وہ یہاں آرام اور سکون سے تھے۔ مگر حبشہ میں خبر پہنچی کہ عمر اور حمزہ کے ایمان لانے سے مسلمان طاقتور ہو گئے ہیں اور ایذ اُرسانی ختم ہوگئی ہے تو یہ پھر شوقِ دیدارِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم میں مکہ آئے اور یہاں ان پر وہ ستم ہوئے کہ پہاڑ پر ہوتے تو وہ ٹوٹ جاتا۔ ابوسلمہ نے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی ٹھانی تو قریش کو خبر لگ گئی اور انہوں نے پہلے بچے کو روک لیا کہ یہ ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے۔ دوسال کے بچے کے کھینچا تانی میں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اور پھر دوسرے قبیلہ کے جنگلیوں نے ام سلمہ کو روک لیا کہ ابوسلمہ جاسکتے ہیں مگر اسکی بیوی ہمارے قبیلہ کی ملکیت ہے۔ ام سلمہ چند دردمندوں کی کوشش سے اکیلے اپنے شوہر ابوسلمہ تک مدینہ پہنچیں۔ یہاں قسمت نے دوسرا انتظام کیا تھا۔ ابوسلمہ کا مدینہ میں کچھ دنوں بعد انتقال ہوا اور اس کے کچھ دنوں کے بعد ام سلمہ سے حضور نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرلیا۔ یہ ام المؤمنین ام سلمہ بن گئیں۔ ام سلمہ کو مدینہ کی طرف اکیلے ہجرت کے درمیان جس شخص نے بڑی مثالی شریفانہ مدد کی (ابھی اسلام قبول نہیں کیا انہوں نے) ان کا نام عثمان بن طلحہ تھا جو مکہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے اور حضور نے فتح مکہ کے بعد کعبہ کی چابی ان کو دوبارہ دی۔ یہ حضرت خالد بن ولید کے ساتھ 7 ہجری میں اسلام لائے اور فتح مکہ میں شریک تھے۔

عثمان بن معظون

ابن اسحاق کی تاریخ میں حضرت عثمان ابن معظون تیرھویں مسلمان تھے۔ زمانہ جاہلیت میں شراب چھوڑ دی تھی کہ ''رقم کھوکر اپنی عقل کھونا کونسی عقل مندی ہے''۔ حبشہ کے پہلے قافلۂ ہجرت کے سالار تھے۔ اپنے بیٹے سائب کے ساتھ حبشہ گئے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور 2 ہجری میں انتقال ہوا اور جنت البقیع کے پہلے مدفون تھے۔ حضرت آمنہ جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں انہوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت جن خواتین کا حجرہ میں موجودگی کا بیان کیا ہے انمیں عثمان بن معظون کی والدہ مہک خاتون تھیں اور دوسری حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ تھیں۔ حضور نے بعد موت عثمان بن معظون کی میت پر دعا کی اور انکی پیشانی پر بوسہ دیا۔ (ابن اثیر۔ اسدالغابہ)

(اگر میں یہ کہوں کہ حضور نے مغفرت کی دعا کے بعد پیشانی پر ایک مہر ثبت کی تھی تو شاید کچھ لوگ خفا ہو جائیں۔)

حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی۔ حضور کے دادا عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ قدیم الاسلام تو تھے مگر ان پر مکہ میں خاندانی نسب ونسبت کی وجہ سے ظلم کم ہوئے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور شیبہ بن ربیعہ کافر کے مقابلہ میں زخم کھایا اور مقامِ صفراء میں شہادت مکمل ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے۔ یعنی جنگِ بدر میں 63 سال کی عمر میں لڑے تھے۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

خالد بن سعید بن العاص

سعادتیں انسان کبھی کبھی اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے اور کبھی توفیقِ الٰہی سے اور کبھی کبھی صرف عطائے الٰہی سے ان تینوں معاملوں میں بحث کافی ہوتی رہی ہے کہ ہر چیز توفیقِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ ہمیشہ ان معاملات میں دوسرے کا نقطۂ نظر مان لینا چاہیے۔ جو توفیق کی بات کرے اسکو یہ یاد نہ دلائے کہ لیس للانسان الا ما سعی کا کیا مقام ہے۔ یہ قرآنی آیت ہے جو ارشاد فرماتی ہے کہ انسان کو وہی ملتا ہے جسکی وہ کوشش کرے۔ اور پھر اس مشاہدے کا کیا مقام ہے کہ کبھی کبھی کسی ایک خاص انسان کی نظر قسمت اور کوشش اور ارادہ سب کچھ بدل دیتی ہے۔ خالد سعید تھے یقیناً۔ ان کے باپ کا نام سعید تھا مگر وہ سعید نہیں تھا۔ خالد کسی کی تبلیغ سے یا اپنی جستجو سے اسلام نہیں لائے۔ تعلق خاندان بنوامیّہ سے تھا۔ عثمان بن عفان اور ابوسفیان کا خاندان۔ آپ قریش کے ان چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو بعثتِ نبوی کے وقت بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر سے کچھ دوستانہ بھی تھا۔ ایک دفعہ ایک خواب دیکھا کہ ایک آگ کا گڑھا ہے اور ان کے باپ ان کو اس میں دھکیل رہے ہیں۔ اور پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ان کو گڑھے میں گرنے سے بچا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو خواب سُنایا تو انہوں نے کہا کہ خالد خوش ہو جاؤ۔ آج نہیں تو کل تم اسلام قبول کرو گے۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے بغیر کسی وسیلہ کے اور اسلام قبول کیا اور اس کے بعد جو سب پر گزرتی تھی وہ ان پر بھی گزری۔ باپ نے بڑی پٹائی کی۔ چھڑی سے مارا چھڑی ٹوٹ گئی۔ کھانا پینا بند کر دیا۔ گھر سے نکال دیا۔ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے در پر آپڑے۔ چھڑی ٹوٹ گئی تھی مگر نہ ایمان ٹوٹا نہ ہمت ٹوٹی۔ حضور کی خدمت میں حاضر رہے۔ دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر ہجرت کی اجازت ملی۔ حبشہ سے واپس آئے اسلام مدینہ میں تھا۔ کیونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ چکے تھے۔ انکی بچی امّ خالد حبشہ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ حبشی زبان بولتی تھی۔ وہ ایک دن زرد کرتا پہن کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "یا ام خالد سنہ سنہ" وہ بچی اس بات کو سن کر بہت ہنسی۔ کیونکہ "سنہ" حبشی زبان میں خوبصورت کو کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا تھا "خوبصورت ہے نا"

''بڑا خوبصورت ہے نا''۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مسکراہٹ ہر ایک کے لئے عام تھی۔ مگر بچوں کے لئے خاص الخاص۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی وحی خالد بن سعید نے تحریر کی۔ حضور کی مراسلت بھی خالد ہی کرتے تھے۔ 9ھ میں بنی ثقیف کا وفد مدینہ آیا تو جب وہ ایمان لائے تو معاہدہ خالد بن سعید نے ہی تحریر کیا۔ یمن والوں کو جو امان نامہ حضور نے دیا اسکے کاتب بھی یہ ہی تھے۔ جب فتنۂ ارتداد نے سر اُٹھایا تو اس وقت انکے دوست حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ تھے۔ خالد نے باوجود زیادہ عمر ہونے کے ان جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور شجاعت دکھائی۔

اسکے بعد معرکہ فحل میں رومیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (ابن اثیر۔اسد الغابہ)

ابوذر غفّاری

حضرت ابوذر غفاری ان صحابہ میں تھے جنہوں نے کسی تبلیغ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی سعی جستجو کی بنیاد پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا قبیلہ وڈّان کی وادی میں آباد تھا۔ جو مکہ کو باہر کی دنیا سے جوڑتی ہے۔ اگر ہم احتراماً شریفانہ الفاظ استعمال کریں تو کہیں گے کہ اس قبیلہ کا گزارہ ان تجارتی قافلوں کی خیرات پر تھا جو وہاں سے گزرتے تھے۔ زیادہ ثقیل زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قبیلہ گزرنے والے تجارتی قافلوں سے راہداری کمیشن یا اور زیادہ ثقیل الفاظ میں یہ کہیئے کہ یہ لوگ تجارتی قافلوں سے بھتہ وصول کرتے تھے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ تجارتی قافلے لوٹے جاتے تھے اگر وہ راہ داری کمیشن یا بھتہ ادا نہ کریں۔ یہ راہ داری کمیشن قافلے والے خوشی سے ادا کرتے تھے جیسے آجکل انشورنس پریمیم۔ جندب بن جنادہ یعنی ابوذر اس قبیلہ کے نوجوان تھے۔ انھوں نے سُنا کہ مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے۔ پہلے اپنے بھائی انیس کو رپورٹ لینے کے لئے بھیجا مگر کچھ زیادہ اطمینان نہیں ہوا۔ ان قبائلی عربوں کو پیدل لمبے سفر اور کئی کئی دن بھوکا رہنے کی مشق کافی ہوتی تھی۔ اس معاملہ میں اونٹ شاید ان کے استاد تھے۔ ابوذر خود مکہ پہنچ گئے۔ کسی سے بات نہیں کی اور کوئی آدمی ان کو نبی نظر نہیں آیا۔ کعبہ میں رات بھر پڑے رہے دوسرے دن بھی کسی نبی کا سایہ نظر نہیں آیا۔ زم زم نے بھوک اور پیاس دونوں کو سہارا دیا اور یہ دوسری رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن ایک نوجوان نے دیکھا تو کہا کہ میرا نام علی ہے اگر چاہو تو مجھے بتاؤ کہ تم کیا ڈھونڈھ رہے ہو۔ ابوذر نے بتایا کہ وہ نئے نبی سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی ان کو دارِارقم میں لائے۔ ابوذر نے اس لمحہ کے انتظار میں ساری رات جاگ کر کاٹی تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی بولے۔ السّلام علیک یا رسول اللہ۔ جواب ملا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ ابوذر نے کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ شاید اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا تھا۔

؎ اے لقائے تو جواب ہر سوال

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے انکو مسیح الاسلام کا خطاب دیا۔ ارشاد ہوا ''ابوذر سے زیادہ سچے لہجے والے اور ان سے بڑھ کر وفادار پر نہ آسمان نے سایہ کیا نہ زمین نے اُٹھایا۔ وہ عیسیٰ ابن مریم کے مشابہ ہیں اور ان کے زُہد پر چلتے ہیں۔

(روایت امام ابوعیسیٰ محمد ترمذی۔ جامع ترمذی حدیث 1736)

اس حدیثِ نبوی کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر کچھ لکھنا اِک مرحلۂ جاں گداز ہے۔ جس شخص کو حضور نبیِ کریم علیہ السلام نے زمین کے اوپر متبرک ترین گروہ میں جگہ دی اسکے متعلق قلم کچھ لکھے گا یا سجدے میں گر جائیگا۔ ابوذر پہلے شخص تھے جنہوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی طریقہ سے سلام کیا اور اسی مسنون طریقہ سے جواب پایا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ التفات اور ضیافت پوچھا کہ ابوذر تم نے کچھ کھایا پیا۔ ابوذر نے جواب دیا کہ حضور زم زم پیتا رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا ہاں زمزم پانی بھی ہے اور غذا بھی۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے ہاشمی مہمان نوازی کے ماتحت حضور سے اجازت طلب کی کہ اگر اجازت ہو تو ان کو کچھ کھلا پلا لاؤں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور علی نے جو کچھ عربی، قریشی، ہاشمی، اور خاندانِ نبوت کے شایانِ شان ضیافت کر سکتے تھے کی۔ ابوذر سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے قبیلہ میں انتظار کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نکالے اور تم سے بہتر حال میں ملاقات ہو۔ (اشارہ ہجرتِ مدینہ کی طرف جو ابھی پردۂ راز میں تھی)۔ ابوذر رخصت ہو کر واپس چلے مگر دل کی خلش کہاں چین لینے دیتی ہے۔ واپس کعبہ میں آ کر زوردار نعرہ لگایا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله (صلّی اللہ علیہ وسلم)

نعرہ تو وہی تھا مگر حمزہ اور عمر کی طاقت و جبروت اس نعرہ کے پیچھے اندھے کفار کو نظر نہیں آئی۔ ایک پردیسی سمجھ کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا (جس شخص کے سامنے ابھی قبیلہ غفار تک کا دو تین سو کلومیٹر کا پیدل سفر تھا اسکو شدید زخمی کر دیا)۔ حضرت عباس جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے یا جنہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا ادھر سے گزرے تو چیخ کر بولے کہ اے قریش کے ظالمو! کبھی اپنی کھوٹی عقل سے بھی مشورہ کر لیا کرو۔ یہ شخص غفاری ہے اور شاید قبیلہ غفار کا سردار ہے۔ اب

تمہارا کوئی تجارتی قافلہ مکہ سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اور غلّہ کا ایک دانہ مکہ نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ کمزور بلکہ بہت کمزور پہلو تھا مکہ کے ستم گروں کا۔

یہ تھے ابوذر غفاری

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مدینہ کے قیام کے زمانہ میں ابوذر مدینہ منتقل ہو گئے۔ غفاری قبیلہ کا اصل مسکن مدینہ سے بدر کے راستہ میں اندازاً 80 کلومیٹر تھا۔ اس طرح ابوذر مدنی ہو گئے۔

ایک دن حضرت ابوذر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حاضر تھے تو پوچھا ''یا رسول اللہ ایک شخص بعض ہستیوں سے محبت رکھتا ہے مگر ان کے اعمال اپنانے کی ہمّت نہیں رکھتا اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں''۔ حضور نے فرمایا کہ وہ شخص جن سے محبت رکھتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ ابوذر بولے حضور میں صرف آپ سے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہوں۔

حضور نے فرمایا کہ ابوذر تم یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو۔ (یعنی جنت مکانی ہو) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم ابوذر سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ جب حضور کے سفر آخرت کا وقت قریب آیا تو ابوذر کو خاص طور سے بلوایا ابوذر پہنچے اور والہانہ طور پر حضور پر جھکے تو حضور نے فرطِ محبت سے اپنے جسم سے چمٹالیا۔ یہ نصیب غفاری فقیر کا!!۔ اس کے بعد کوئی اور اعلیٰ مرتبہ باقی رہتا ہے؟۔

حضور نے پردہ فرمایا تو ابوذر مدینہ میں رہ نہیں سکے۔ مدینہ چھوڑ کر شام میں جا بسے۔ مسلمانوں میں جب دولت دنیا آنے لگی تو ابوذر حضرت امیر معاویہ کے شاہانہ طرز امارت سے دل برداشتہ ہو کر واپس مدینہ آئے مگر ابوذر کا پیغام نہیں رک سکا۔ انہوں نے زبانی جہاد۔ امیرانہ طرز زندگی۔ پختہ مکانوں۔ ریشمی کپڑوں۔ اور سونے چاندی کے استعمال۔ کے خلاف جاری رکھا۔

حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ وہ اپنی رہبانی زندگی کسی گاؤں میں جا کے گزاریں۔ خلیفہ کا حکم مانتے ہوئے ابوذر ایک ریگستانی گاؤں ربذہ منتقل ہو گئے۔ جہاں ان کا مادّی سہارا چند بھیڑ بکریاں تھیں۔ وہ ان کی کفالت کرتی تھیں اور مصروف رکھتی تھیں۔

امیر معاویہ نے قبرص (سائپرس) پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوذر کو پیغام بھیجا کہ کیا وہ جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ بوڑھے ابوذر نے سائپرس کے جہاد میں شرکت کی اور وہ فتح ہو کے اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

یہاں وہ ابوذر قیصر بن سکتے تھے مگر ان کو اپنا صحرا پسند تھا واپس آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو جنت میں اپنے قرب کا اشارہ دیا تھا کہ بندہ دوسری زندگی میں اس کے پاس ہوگا۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور ایک وقت میں مسیح الاسلام کا خطاب بھی دیا تھا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح دولت دنیا سے متنفر تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت ابوذر کی سچائی کی بڑی تعریف کی تھی۔ اس لئے ان کو ''ابوذر سچے'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابوذر کو یقینی اللہ کا حکم معلوم تھا۔ ''ادعونی استجب لکم''۔ دعا مانگو میں جواب دوں گا (یعنی قبول کروں گا۔) پھر بھی ابوذر کا قول ہے یکفی من الدعا مع البرّ مایکفی الطعام من الملح۔ (نیکی کے ساتھ اتنی ہی دعا کافی ہوتی ہے جتنا کھانے میں نمک)۔ اللہ کے نیک بندوں کے درمیان یا اللہ اور اس کے نیک بندے کے بیان میں کچھ فرق نظر آئے تو کہیئے کہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ابوذر غفاری کی ہدایت میں ان کا کردار نظر آتا ہے۔ استغنا۔ بے نیازی۔ راضی برضا۔ خواہشات سے نجات پایا ہوا ایمان۔ دعا صرف اظہار عبدیت کے طور پر اور کم سے کم کی طلب استغنا اور بے نیازی کا اعلان۔

بے نیازی اور دعا یعنی نیازمندی کا توازن ہر انسان کے لئے دوسرا ہے۔ اور جب تک اس توازن میں سچائی ہے ہر توازن مبارک ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ ہوسکتا ہے یہ غلط ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح ہو۔ استبداد اور آمریت بڑی شیطانی قوت ہے اور اس کے مقابل روحانی طاقت کے تین شعلے ہیں۔ پہلا شعلہ قوت کا جس کا پرتو اور مظہر ہے زورِ حیدری اور سیف اللہ خالد کی تیغ بے نیام۔ دوسرا شعلہ ہے فقر اور یقین محکم کا۔ فقر بوذر اور یقینِ صدّیق۔ اور تیسرا شعلہ ہے حق وصداقت کا۔ صدق سلمانی اور شبّیری۔

مٹایا قیصر وکسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟۔ زور حیدر۔ فقرِ بوذر۔ صدقِ سلمانی۔

اور ہمارے علماء۔ دینی پیشواؤں کا طرز عمل؟۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

عبداللہ بن مسعود

وہ ایک کم سن لڑکا تھا۔ بکریاں چراتا تھا۔ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ ابن معیط کی بکریوں کو لیکر انھیں چرانے کے لئے انسانی آبادی سے دور نکل جاتے تھے۔ نام ان صاحبزادے کا عبداللہ تھا اور عبداللہ بن مسعود کہلاتے تھے۔ اور ابن امّ عبد بھی۔

ایک روز عبداللہ کے سامنے دو ادھیڑ عمر کے پاکیزہ صورت حضرات آئے اور کہا کہ اے لڑکے ہم کو بکری کا دودھ پلاؤ۔ عبداللہ نے کہا کہ میں یہ نہیں کرسکتا میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں۔ وہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بالکل خفا نہیں تھے۔ وہ لوگ تھکان سے چور چور تھے۔ ہونٹ سوکھ رہے تھے۔ حلق میں کانٹے معلوم ہوتے تھے۔ مگر وہ اس لڑکے کے جواب سے خوش ہوئے۔ ایک نے اس لڑکے سے کہا. "اَنْتَ غُلَامٌ مُعَلِّمٌ" تم پڑھے لکھے لڑکے ہو۔ یہ کہنے والے نبی آخر الزّمان صلّی اللہ علیہ وسلم تھے۔ عبداللہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر نبی کی بات کو تو پورا ہونا ہی تھا۔ آخر نبی نے کہا کہ لڑکے وہ بکری لاؤ جو خشک ہوچکی ہو۔ بالکل دودھ نہ ہو۔ لڑکا ایسی بکری لایا۔ حضور نے اسکے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ تھن دودھ سے بھر گئے۔ نبی نے پہلا پیالہ ساتھی ابوبکر کو دیا کہ یہ نبوی ضیافت تھی اور دوسرا پیالہ اس لڑکے کو۔ تیسرا پیالہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے خود پیا اور پھر بکری کو اجازت دی۔ اسکے تھن پھر پہلے جیسے ہوگئے اور وہ چلی گئی۔

اس واقعہ کے کچھ دن بعد ہی عبداللہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا۔ اور پھر وہ خدمات اپنالیں جو اب تک حضرت بلال اکیلے کرتے تھے۔ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ وہ آپ کو بیدار کرتے۔ غسل کے وقت پردے کا اہتمام کرتے۔ آپ کے جوتے بطورِ خاص آپکی نگرانی میں تھے۔ اور باہر جانے کے وقت خود پہناتے تھے اور واپسی پر اتارتے تھے۔

عمر فرماتے ہیں:

ایک رات کا ذکر ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے یہاں مہمان تھے اور میں بھی (عمر) اس مجلس میں شریک تھا۔ ہم لوگ وہاں سے ساتھ نکلے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے ہم اُسے پہچان نہ سکے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر تک اسکی قرأت سنتے رہے اور پھر ہماری طرف مڑ کر بولے۔

من سرّہ ان یقرأ القراٰن رطبا کما نزل فلیقرأہ علی قرأۃ ابن ام عبد

''جوشخص قرآن کواس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اُسے چاہیئے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے''۔ پھر جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہُ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے
''سل تعطہ، سل تعطہ '' ''مانگو دیا جائے گا، مانگو دیا جائے گا۔''

عمر نے سوچا کہ ''میں ضرور کل ابن مسعود کو مبارکباد دینے جاؤنگا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ابوبکر وہاں پہنچ چکے ہیں اور مبارکباد پہنچا چکے ہیں۔''

عمر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب میں نے کسی نیکی کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ابوبکر مجھ سے سبقت لے جا چکے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا خود کا بیان ہے کہ قرآن کریم کی جو بھی آیت نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کب اور کہاں نازل ہوئی اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کسی اور کے پاس کوئی علم ہے تو میں فوراً اسکے پاس جا کر علم حاصل کرتا تھا۔ (حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے برسوں پہلے ایک بکری چرانے والے لڑکے سے کہا تھا کہ یہ لڑکا پڑھا لکھا ہے۔)

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر کے دوران ایک قافلے سے ملے۔ رات اندھیری تھی سب ایک دوسرے سے چھپے ہوئے تھے۔ (ظاہر ہے اس زمانے میں جلانے کا تیل رات کی روشنی کے لئے نہیں تھا۔)۔ عمر نے پوچھا کہ ''اس قافلے میں کوئی صاحبِ علم ہے؟'' جواب ملا ''ہاں ہے''۔ پوچھا یہ بتاؤ کہ قرآن کا کونسا حصّہ سب سے عظیم ہے۔ جواب ملا۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط

اللہ ہی معبودِ برحق ہے۔ اُس کے سوا تو کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ وہی ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے اُسے نہ تو اونگھ ہی آتی ہے اور نہ نیند۔ (سورۃ البقرہ : ۲۵۵)

حضرت عمر: قرآن کا کونسا حصّہ سب سے زیادہ محکم ہے؟

عبداللہ بن مسعود:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (سورۃ نحل : ۹۰)

''بلاشبہ اللہ انصاف، نیکی اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔''

حضرت عمر: قرآن کا کونسا ٹکڑا سب سے زیادہ جامع ہے؟

عبداللہ بن مسعود:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (سورۃ زلزال : ۸،۷)

سو جس نے ذرّہ برابر بھی کوئی نیکی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا ○ اور جس نے ذرّہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا ○

حضرت عمر: قرآن کا کونسا حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟

عبداللہ بن مسعود:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ لا وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (سورۃ النساء : ۱۲۳)

''نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں سے، جو کوئی بُرا کام کرے گا وہ اسکے بدلے سزا پائے گا، اور اسکو اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔''

حضرت عمر: قرآن کریم کا کونسا حصّہ سب سے زیادہ امید افزاء ہے؟

عبداللہ بن مسعود:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ O (سورۃ الزمر : ۵۳)

''اے نبی! آپ کہہ دیجئے، اے میرے بندو! جو اپنے اوپر ظلم کر چکے ہیں، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو معاف کر دیگا، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم والا ہے۔''

حضرت عمر نے پوچھا کہ کیا تم میں کوئی عبداللہ بن مسعود ہے؟

قافلہ والوں نے کہا کہ جواب عبداللہ ابن مسعود ہی دے رہے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کو خیال ہوا کہ کعبہ میں قرآن پڑھیں۔ وہ سورۃ رحمٰن پڑھنے لگے۔ قریش انکو مارنے لگے۔ عبداللہ اپنا کام کرتے رہے یعنی قرآن پڑھتے رہے۔ اور قریش اپنا کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عبداللہ نے اپنا رکوع ختم کیا۔ (واضح رہے کہ کعبہ میں قریش کی ایذاء کے باوجود قرآن پڑھنا سنتِ رسول بھی ہے اور دوسرے صحابہ کی سنت بھی ہے۔) بعد میں عبداللہ نے کہا کہ خدا کی قسم قریش آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اب میں کل پھر ان کو قرآن سناؤنگا۔ مگر ساتھی مسلمانوں نے روک دیا۔

خباب بن ارت

خباب بن ارت کا نام سونے کے حروف میں اس فہرست میں لکھا جانا چاہیئے جہاں بلال بن رباح اور عمار یاسر اور سیکڑوں دوسرے پروانوں کا نام لکھا ہے۔ مگر نام سے کیا ہوتا ہے ان سب کا ایک ہی نام ہے۔ عاشقِ رسول۔

خزاعیہ کی ایک تجارتی حلقہ کی ایک عورت مکہ کے بردہ فروشوں کے بازار میں پہنچی۔ اسے ایک غلام خریدنا تھا۔ ایک خوش شکل نوعمر لڑکا نظر آیا۔ وہ عورت امّ نمار ایک غلام خریدنے آئی تھی کہ (مکہ کے عام دستور کے مطابق) اس سے کام لے اور اس کی کمائی کھائے۔ مگر یہ نوعمر لڑکا پسند آ گیا۔ اس کی جسمانی صحت اچھی تھی اور آنکھوں میں ذکاوت و ذہانت نظر آتی تھی۔ لڑکے سے مخاطب ہوئی۔

"بچے تمہارا نام کیا ہے؟"

"خباب"۔

"اور تمہارے والد کا؟"

"ارت"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"نجد کا"

"تب تو تم عربی النسل ہو"

"ہاں بنو تیم سے ہوں"

"تم ان بردہ فروشوں کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟"

''ایک قبیلہ کے لوگوں نے ہماری بستی پر اچانک حملہ کردیا۔ جانوروں عورتوں اور بچوں کو چھین لیا۔ پکڑے جانے والے بچوں میں میں بھی تھا۔ ہاتھوں ہاتھ بکتا ہوا یہاں آپ کے سامنے آ گیا۔''

امّ نمار نے اس بچے کو خرید لیا اور ایک آہن گر (لوہار) کے پاس لے گئی کہ وہ اسلحہ سازی کا کام سیکھ لے۔ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ خباب نے تلواریں بنانے کی وہ مہارت حاصل کی جو مشہور ہوگئی۔ امّ نمار کی تجارتی حِس تیز تھی۔ اس نے ایک مکان خرید کر خباب کو اُس پر بٹھا دیا۔ اور کمائی زبردست ہونے لگی۔ خباب نہ صرف بہترین کاریگر تھا بلکہ زبان کا سچا اور وعدہ کا پکا تھا۔ خباب کی خوش خلقی سے دوست بھی کافی ہو گئے۔ وہ مکّے کے دوسرے غلاموں کے بُرے احوال دیکھ کر کڑھتے تھے۔ ان کی ملاقات ایک خوشبودار مسکراہٹ والی دلکش شخصیت سے ہوگئی۔ یہ سوال غیر ضروری ہے کہ وہ اپنی سعی سے اس عظیم شخصیت تک پہنچے یا ان دیکھے فرشتے ہاتھ پکڑ کر زبردستی وہاں لے گئے۔ یا یہ کہ حضور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کا تصرّف کریمانہ تھا۔ وہاں پہنچتے ہی بولے ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللہ کسی نے کلمہ پورا کرا دیا کہ کہو. اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللہ۔ حضرت خباب نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ نوجوان خباب نے شاید کچھ حساب بھی سیکھ لیا تھا کہتے تھے کہ میں اسلام کا چھٹا حصّہ ہوں۔ اسطرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام لانے والوں میں چھٹے نمبر پر تھے۔ یہ اعزاز اور یہ اعلان خباب کو زخمی کر گیا۔ امّ نمار نے خباب کے اسلام کی خبر سنی تو ایک آگ کا گولہ بن گئی۔ خباب کی طرف چلی تو کچھ بنو خزاعہ کے نوجوان ساتھ لگ گئے۔ خباب سے کہا کہ خباب ہم نے تمہارے متعلق ایک ایسی خبر سنی ہے جس پر ہم یقین نہیں کر سکتے۔ خباب نے کہا کہ کونسی خبر؟ امّ نمار نے کہا کہ یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو اور بنو ہاشم کے اس .... کی پیروی کرنے لگے ہو۔ خباب نے کہا کہ مجھے تمہارے منہ سے گندے الفاظ کی بدبو آ رہی ہے۔ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلم اسکے رسول ہیں۔ سچے نبی ہیں۔ یہ آواز جب ان جاہل نوجوانوں کے کان میں پڑی تو وہ خباب پر پل پڑے اور پھر ظلم وستم کا دروازہ ایسا کھلا کہ خباب بے ہوش ہو گئے۔ بڑا ظالم امّ انمار کا بھائی اسباغ تھا۔

سردارانِ قریش خباب کی اس جرأت پر بڑے برہم تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امّ نمار کے غلام جیسا کوئی غلام جسکا

کوئی والی وارث نہ ہوکوئی قبیلہ نہ ہوایسی جرأت کرسکتا ہے۔ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل، امیّہ بن خلف سر جوڑ کر بیٹھے اور فیصلہ کیا کہ یہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع کی ایسی ہوا پھیل رہی ہے کہ کم از کم غلاموں پر تشدد ایسا تیز کرنا چاہیئے کہ وہ مثالی بن جائے۔اور اسطرح خباب کی جرأت نے بلال، عمّار، یاسر، سمیّہ وغیرہ پر تشدد کے دروازے کھول دیئے۔لوگ کہتے ہیں کہ ناگن ناگ سے زیادہ زہریلی ہوتی ہے اور عورت جب تشدد پر آتی ہے تو اس سے زیادہ سخت کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہومگر امّ نمار کے معاملے میں یہ صحیح تھی۔وہ روزانہ خباب کے کارخانے سے گزرتی اور بھٹی کا کوئی جلتا ہوا لوہے کا ٹکڑا خباب کے سر پر رکھے بغیر نہ ٹلتی تھی۔خباب کا سر جلنے لگتا اور وہ بے ہوش ہوجاتے۔افاقہ آنے پر وہ امّ نمار کے حق میں بددعا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ایک تماشہ ترتیب دے دیا۔امّ نمار کے سر میں ایسا شدید درد ہوا کہ وہ کتے کی طرح چیختی تھی۔ کسی علاج نے کوئی کام نہ دیا۔ایک حکیم نے کہا کہ اس کے سر پر آگ رکھو (شاید بھوت بھگانے کے لئے) اب اسکے سر کو گرم لوہے سے داغا جاتا تھا۔ جتنی دیر آگ کی تکلیف رہتی ظاہر ہے کہ درد غائب رہتا۔مگر جب گرم لوہا ٹھنڈا پڑتا تھا تو درد لوٹ آتا تھا۔ (شاید یہ بھوت لوہے کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرتا تھا)۔

حضورنبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدینہ کی ہجرت کرنے کی اجازت مل چکی تھی مگر خباب امّ نمار کے علاج کا تماشہ دیکھنے کے لئے یا اسکے علاج میں شرکت کے لئے مکہ میں مقیم رہے۔آخر گرم لوہا بھی تو فراہم کرنا تھا جو خباب مستعدی سے خوش دلی سے مفت فراہم کرتے تھے۔آخر ایک رات خباب غائب ہوگئے اور چار یا پانچ دن کے بعد مدینہ میں پائے گئے جہاں دوستوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

حضرت خباب نے طویل عمر پائی اور چاروں خلفائے راشدین کا زمانہ دیکھا۔تمام جنگوں میں شرکت کی۔اُحد کی لڑائی میں ایک دفعہ انھوں نے اپنے قدموں کی طرف نظر ڈالی تو انھوں نے اسباغ کو خون میں لتھڑا قریب المرگ پایا۔ اس کو حضرتِ حمزہ نے اس حال تک پہنچایا تھا مگر آخری وار یا سر کاٹنے سے پہلے حمزہ کی توجہ کسی دوسرے کافر حملہ آور کی طرف ہوگئی۔ خباب نے اسباغ کو دیکھ کر کہا کہ ''اسباغ دیکھ لو میں خباب ہوں جسکو تم اذیت دیتے تھے۔ میں تم کو موت کی اذیت سے آزاد کرتا ہوں'' اسکا سر کاٹ دیا یعنی اسکو جہنم کا ٹکٹ پکڑا دیا۔

میدان میں خباب کو اذیت دینے کا کام اسی اسباغ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ گرمی میں لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت پر گھسیٹتے تھے۔ یہ وہی فارمولے تھے جو وہ حضرت بلال پر آزماتے تھے۔ خباب جب تکلیف سے بے ہوش ہونے لگتے تو وہ پوچھتے کہ اب تمہارا محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا خیال ہے؟۔ جواب ملتا کہ وہ عالم کے نجات دہندہ بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ اس بات پر اذیت کا سیکنڈ شو شروع ہوتا۔

خباب جب خلیفہ دوئم حضرت عمر کے زمانے میں ان کے پاس پہنچے تو حضرت عمر نے انکو ایک اونچی نشست پر بٹھایا اور کہا کہ سوائے بلال کے اور تمہارے مسلمانوں کے اجتماع میں اونچی نشست کا حقدار کوئی نہیں۔ انھوں نے جب خباب سے اذیت کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے اپنی قمیص اٹھادی۔ پشت بالکل سفید تھی اور سارا گوشت جل کر ختم ہو چکا تھا۔ پسلیاں کھال کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔

حضرت علی بن ابی طالب نے خباب کی قبر کی زیارت کر کے فرمایا:۔

" رَحِمَ اللهُ خَبَّابًا . فَقَدْ اَسْلَمَ رَاغِبًا وَهَاجَرَ طَائِعًا وَعَاشَ مُجَاهِداً وَلَنْ يُّضِيعَ اللهُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً . "

''اللہ تعالیٰ خباب پر رحم فرمائے۔ انھوں نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کیا، اپنی خوشی سے ہجرت کی اور ایک مجاہد کی زندگی گزاری۔ اور اللہ تعالیٰ اچھا عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

حضرت صہیب رومی

میں زید بن حارثہؓ کو پندرہ سو سال بعد آئے ہوئے مسافروں کو روح کو گرمانے والی داستانیں دار ارقم سے سناتا رہا ہوں۔ کیا فرق تھا ان داستانوں میں؟ شاید کوئی نہیں۔

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اوّل سوز و تب و تاب آخر

آج سُنو داستان اس سجیلے نوجوان کی جو گدڑی پوش نہیں تھا (ابوذر غفاری کی طرح) بلکہ جامہ زیب شخص تھا۔ خوشبو ایسی استعمال کرتا تھا کہ مکہ کی جس گلی سے گزر جائے وہ گلی مہک جائے۔ شکل ایسی دلکش کہ جب گلیوں سے گزریں تو اوپر کی منزلوں کی کھڑکیاں کُھلنے لگیں اور رنگین اوڑھنیاں لہرائیں۔ کالی آنکھیں دیدار کو ترستی نظر آئیں۔ عربی النسل تھے مگر رنگت سرخ اور سنہری ترکوں یا رومیوں جیسی۔ دولت اتنی اور نفاست ایسی کہ پوشاک دن میں دو دفعہ تبدیل کریں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اندازاً بیس سال پہلے کی بات ہے کہ کسریٰ شہنشاہ ایران کا گورنر سنان بن ملک ابلہ کا گورنر تھا۔ ایک صوبے کا گورنر اور وہ بھی کسریٰ ایران کا۔ کیا شان رہی ہوگی۔ اسکی اولاد میں ایک بیٹا تھا صہیب نامی۔ اس وقت عمر اسکی پانچ سال کی تھی اسکا چہرہ روشن اور تابناک تھا بشرے سے تازگی و شادمانی ٹپکتی تھی۔ عرب کے خشک اور گرم ماحول میں چہرے کی تازگی اور شادابی ایک دلکش عجوبہ تھی۔ ایرانی اور رومی ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ایک دفعہ صہیب کی ماں (گورنر کسریٰ کی بیوی) اپنے بچے اور خادموں کے ساتھ عراق کی ایک بستی ثینی کے لئے روانہ ہوئی۔ رومی فوج کے ایک دستہ نے اچانک حملہ کیا۔ محافظ قتل ہوئے۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ بال بچے قید ہوئے۔ خوب صورت بچہ کسی رومی سردار کے حصّہ میں آیا۔ مگر اس نے بھی روم پہنچ کر اس یوسف ثانی کو سنتِ یوسفی کی تعمیل میں فروخت کر دیا۔ اور پھر غلام صہیب ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں فروخت ہوتا رہا۔ تجربہ سب سے بڑا استاد ہے۔ صہیب کو کم عمری ہی میں رومی معاشرہ کی

ساری گندگی اور بد خصلتی کا اندازہ ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھی غلاموں سے بہت سے ہنر سیکھنے کا موقعہ بھی ملا۔ وہ ایک رومی نوجوان کی طرح پل کر بڑا ہوا یہاں تک کہ وہ تقریباً اپنی مادری زبان عربی بھی بھول گیا۔ اس نے ایک نصرانی کاہن کو کسی سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ انسانیت کا مسیحائے اعظم سرزمینِ مکہ میں طلوع ہو چکا ہے۔ (یہ بات اسکے کانوں تک کس نے پہنچوائی تھی ؟)۔ کیا یہ وہی ہستی نہیں ہے جس نے سلمان فارسی کو شام میں یہ ہی پیغام بھجوایا تھا؟۔ اب صہیب کا جسم و روح ایک پنجرہ میں پھڑکتا ہوا پرندہ تھی۔ موقع بھی مل گیا اور نوجوان صہیب بھاگ نکلا۔ اس بے سنگ و میل ریگستان میں مکہ کا راستہ صہیب کو کس نے دکھایا یہ سوال پوچھنا بالکل غیر ضروری ہے۔ آیت قرآنی کا مفہوم ہے اللہ جس کو چاہتا ہے راستہ دکھاتا ہے۔

مکہ میں لوگوں نے صہیب کو صہیب رومی کہنا شروع کر دیا۔ صہیب نے اپنے روپیہ کمانے کو ہنر کو جو وہ روم سے سیکھ کر آئے تھے استعمال کیا اور جلد ہی وہ رؤسا میں شمار کیئے جانے لگے۔

ایک روز صہیب اپنے تجارتی سفر سے واپس آئے تو مکہ میں خبر گونج رہی تھی کہ ابن عبداللہ نے نبوت کا اعلان کر دیا۔ ''کیا یہ وہی تو نہیں ہیں جنہیں لوگ امین کہتے ہیں؟ صہیب نے پوچھا۔ جواب ملا ہاں وہی۔ اس وقت وہ کہاں ملیں گے؟۔ چند ایک سے سوال کرنے کے بعد ان کو وہ شخص مل گیا جس نے پہلے تو ان کو غور سے دیکھا اور نجات کا راستہ بتا دیا۔ یعنی دارِارقم کا پتہ بتا دیا۔ مگر ساتھ ہی یہ کہا کہ اسطرح دوڑتے بھاگتے وہاں نہ چلے جاؤ۔ قریش سے خطرہ ہے۔ ذرا احتیاط سے جانا کہ کوئی نہ دیکھے۔ نہ صرف تمہاری بلکہ دوسروں کی خیریت کے لئے یہ ضروری ہے۔ تم مکہ میں غریب الوطن ہو تمہارا کوئی قبیلہ نہیں ہے تم کو تو وہ کوئلوں پر بھون ڈالیں گے۔ صہیب نے دنیا دیکھی تھی سب سمجھ گئے۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دارِارقم کے دروازے پر پہنچے وہاں ملاقات ہوئی عمار بن یاسر سے پہلے تو وہ اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر عمار سے پوچھا کہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟ اور اُدھر سے سوال ہوا آپکا کیا ارادہ ہے۔ اور کچھ دیر بعد ان دونوں کو جواب ملا کہ دونوں ہی راہِ نجات ڈھونڈ رہے ہیں۔ دونوں ایک ساتھ ہی بارگاہِ رسالت مین باریاب ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے پر سبقت کی۔ تلقین کسی نے نہیں مانگی ایمان فوراً دونوں لائے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مقدم کون تھا اور مؤخر کون؟۔

''فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ '' میں کون آگے ہوتا ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے موقعے ڈھونڈے

اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور اجازت سے ہجرت کی ابتداء کی۔صہیب پہلے گرفت میں آئے۔(ظاہر ہے کہ زیادہ دولت مند کی زیادہ نگرانی۔)

جب قریش نے صہیب کو تقریباً جالیا تو صہیب نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر زمین پر پھیلا دیئے۔یہ اشارہ تھا کہ جنگ آخری تیر تک ہوگی۔نعرہ لگایا۔

''قریش تم لوگ جانتے ہو کہ میں بہترین تیرانداز ہوں میرا نشانہ کبھی خطانہیں جاتا۔تم میں سے کون میرا پہلا نشانہ بنے گا''۔
''اور اسکے بعد لڑائی تلوار سے بھی ہوگی۔''

اُدھر سے جواب آیا ''خدا کی قسم ہم تم کو اپنی جان اور مال دونوں بچا کر نہیں لے جانے دیں گے۔تم مکہ میں ایک مفلس کی طرح سے آئے تھے اور اب مالدار ہو گئے ہو۔''

''اگر میں اپنا مال تمہارے لئے چھوڑ دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے''۔صہیب نے پوچھا۔

قریش راضی ہو گئے اور صہیب نے وہ پتہ بتا دیا جہاں انھوں نے اپنا مال چھپایا تھا اور خود وہ تیزی سے مدینہ کی طرف چلتے رہے۔(400 کلومیٹر) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا خیال ان کو رُکنے نہیں دیتا تھا۔

قبا پہنچے جو مدینہ سے چند کلومیٹر دور مدینہ کا دروازہ ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے۔تو حضور نے خوشی کا اظہار کیا۔

ربّح البیع یا ابا یحییٰ. ربّح البیع

''ابو یحییٰ اچھا سودا کیا۔ اچھا سودا کیا''۔(البدایہ والنہایہ)

حضرت صہیب کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور انہوں نے فوراً کہا: اللہ کی قسم! اس واقعہ کا میرے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا، یہ یقیناً حضرت جبرئیل آپ کو بتا کر گئے ہیں۔

اللہ رب العزت کو اپنے بندے پر پیار آگیا اور جبرئیل امین آسمان سے وحی لے کر آگئے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِی نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔''(1)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا صحابہ کرام میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ تھا، اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے خوب محبت فرماتے۔ بعض اوقات ہنسی مذاق کی نوبت بھی آجاتی، لیکن یہ ایک اسلامی معاشرے کا لطیف مزاح ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی آنکھ دُکھ رہی تھی۔ آنکھ میں درد اور سامنے تازہ کھجوروں کا خوشہ، وہ چن چن کر کھا رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے متبسم نگاہوں سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے فرمایا:

''اَتَاْکُلُ الرُّطَبَ وَفِیْ عَیْنِکَ رَمَدٌ؟''

''صہیب تمہیں تو آشوبِ چشم ہے، اس کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہو؟''

فوراً عرض کیا:

''میں بیمار آنکھ کی طرف سے نہیں بلکہ دوسری آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں۔''

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نہایت نڈر اور دلیر تھے۔ محبتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ اپنی زندگی کے بارے میں خود فرماتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم جس میدانِ جنگ میں بھی تشریف لے گئے، میں آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ جب کبھی آپ نے کسی سے بیعت لی، میں وہاں حاضر ہوتا تھا۔ کوئی بھی فوجی دستہ حرکت میں آتا، میں اس کے ساتھ جاتا۔ آپ کسی بھی غزوے میں شریک ہوتے، میں ہمیشہ آپ کے دائیں یا بائیں ہوتا۔ مسلمانوں کو کہیں سے کوئی خوف و خطرہ محسوس ہوتا میں ہمیشہ اس کو ٹالنے میں سبقت کرتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دشمن کو اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کے قریب پھٹکنے دیا ہو۔''

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ اتنے سخی تھے کہ جو مال بھی ملتا اس کو مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ دستر خوان نہایت وسیع تھا۔ مسکین، یتیم، قیدی، مسافر سبھی شریکِ طعام ہوتے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے ان کو توجہ دلائی کہ آپ کھانے پر بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ جواب ملا کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے:

"خِیَارُکُم مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَام."

"تم میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے۔"

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے اپنے مصلّی پر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کو کھڑا کیا۔ بلکہ حکماً فرمایا کہ لوگوں کو نماز صہیب رومی پڑھائیں، حالانکہ اس وقت دوسرے کبار صحابہ کرام موجود تھے۔

آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں 38ھ میں ہوا۔

عمّار بن یاسر

جب دو چوڑے سینے دیکھنے ہوں تو حمزہ کے ساتھ عمار کو کھڑا کردو۔ جب دو اونچے قد دیکھنے ہوں تو عمار کے ساتھ عمر کو کھڑا کردو۔

مدینہ پہنچنے کے اندازاً چھ مہینے کے بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا کام شروع کردیا۔ سارے صحابہ کام پر لگ گئے۔ خود ہمارے پیارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کی طرح کام کیا۔ عمار گارا اینٹ لاد کر لاتے تھے اور گاتے تھے۔ ''ہم مسلمان ہیں۔ ہم مسجد بناتے ہیں''۔ ابوسعید فرماتے ہیں کہ جب ہم ایک اینٹ اُٹھاتے تھے تو عمار دو تین اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اسقدر بوجھ لاد دیا کہ چند مسلمان چلا اٹھے ''آج عمار مر جائینگے''۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم خود تیز قدمی سے تشریف لائے اور بوجھ ہلکا کیا۔ جی ہاں اس دنیا میں بوجھ ہلکا کیا۔ ان کے جاننے والوں کا یقین ہے کہ دوسری دنیا میں عمار پر کوئی بوجھ ہوگا ہی نہیں۔

جب خدا کی بارگاہ میں اپنے خطا کار ہونے کا احساس خدا کی عظمت کا احساس دلاتا ہے تو ایک بندے کی آنکھیں انسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں......اور......

جب سچائی کو پسند کرتے کرتے انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اب سچائی اس کی نس نس میں روح بن کر سما چکی ہے تو ٹھیک اسی دم وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ خدا کی زمین پر شیطانی جھوٹ کا ہر ایک وجود اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔ جس کو نکالے بغیر اس کو چین نہیں آسکتا...... ہائے یہ زندگی کا بلند ترین اور حسین ترین مقام!...... کہ جہاں تلواروں کی چھاؤں میں سونے کی آرزو زندگی کو موت کی تلاش میں آبلہ پا لئے پھرتی ہے...... جب زبان سے ''اللہ اللہ کرنے والا بے چین ہوتا ہے کہ اس کے لہو کی ہر بوند سے یہی آواز آئے اور اسی حسین ''نام'' کو اس کے خون کے قطرے زمین کے ایک ایک ذرّے کے سینے پر نقش کر ڈالیں۔

آہ!............ یہ دو قطرے!

کتنے قیمتی۔ کتنے مقدس!!

جن میں سے ایک پانی ہے اور دوسرا لہو..... مگر ان دونوں میں ایک ہی بندگی کا سوز اور ایک ہی سپردگی کا گداز شعلہ نور کی طرح کپکپا رہا ہے۔ شاید اسی لئے خدا نے دونوں کی قیمت ایک ہی ٹھہرا دی..... مرحبا یہ دو محبوب ترین قطرے!..... دو عظیم ترین تحائف جن سے خدا کو پیار ہے۔ اور.....

کیسا قسمت کا دھنی تھا وہ عمار بن یاسر کہ جس نے اللہ کی بارگاہِ جمال و جلال میں یہ دونوں ہی محبوب تحفے نذر کیئے!.....

ان کی زندگی آنسو اور خون کے اسی دو آتشہ جذب و جنون میں والہانہ وجد کرتی ہوئی اٹھی..... صراطِ مستقیم کے نقوش اپنے خونیں اشکوں سے نکھارتی ہوئی چلی اور پھر ہمیشہ کے لئے ایک سجدہ شوق بن کر نبی کے سنگ آستاں میں جذب ہوگئی۔

وہ حضرت یاسر کے بیٹے تھے..... وہی بوڑھے یاسر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جوانوں کی طرح زخم پر زخم کھائے تھے۔ ہائے وہ بوڑھی کھال جس کو بنی مخزوم کے ظالمانہ کوڑوں کی شائیں شائیں نے ادھیڑ ڈالا تھا، مگر اللہ اکبر! وہ بوڑھا ضعیف چہرہ جس کی اشک آلود خونچکاں جھریوں نے غیرت ایمان کی آبرو پر حرف نہ آنے دیا تھا۔..... ہاں..... عمّار اسی باپ کے بیٹے تھے اور انہوں نے سمیّہ کا دودھ پیا تھا جنہوں نے نسوانیت اور بڑھاپے کی دوہری کمزوریوں کے درمیان کھڑے ہوکر اسلام میں سب سے پہلے نقد جان کا نذرانہ بارگاہِ ربانی میں پیش کرنے کی مقدس رسم نکالی تھی۔

سوچیئے تو سہی!..... کتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا وہ خون تھا جو عمار بن یاسر کی رگوں میں گردش کر رہا تھا!.....

ظلم و قہرمانیت نے جب حق و صداقت کے نام لیواؤں کے خلاف آگ اور خون کے طوفان اٹھا رکھے تھے تو عمار نے ان ہی آندھیوں میں اپنے ایمان کی شمع جلائی تھی۔ یہ آندھیاں اور یہ بگولے اس چراغ کو گل نہ کر سکے انہوں نے نوخیز جوانی کے سینے پر خدا کے لئے زخم کھائے، انتہائی بے رحم اور خون آشام انسانوں کی بھیڑ میں حضرت عمار وہی بات کہے چلے جا رہے

تھے جسے سننا خدا کے باغیوں نے کبھی پسند نہیں کیا اور جس کے جواب میں ہمیشہ پتھر ہی برسے۔

......کوئی معبود نہیں۔ معبود تو فقط اللہ ہے۔

آخر ظلم بڑھتے بڑھتے ''قیامت'' میں بدل گیا۔ مصائب و آفات کی حشر سامانیوں نے حواس و ہوش کی بساط ہی اُلٹ کر رکھ دی۔ انہیں کھولتے ہوئے پانی میں غوطے دیئے گئے۔ اور......آہ ! کرب و اضطراب کا وہ آخری موڑ آ پہنچا جب قوت برداشت اپنی ساری توانائی ختم کر کے خشک لکڑی کی طرح ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ تھا وہ مقام جہاں قطعاً بے اختیار حضرت عمار کے منہ سے کچھ ایسے الفاظ کہلائے گئے جنکے اوپر تو کفر تھا مگر اندر ایمان ہی ایمان۔

ان الفاظ کے ساتھ وہ قیامت تو اچانک رک گئی جو جسم پر ٹوٹ رہی تھی، لیکن اب عمار کی روح کے اندر سے ایک عظیم ماتم شورِ قیامت اٹھا خوف ناکی اور زہرہ گدازیوں میں سکرات موت سے بھی آگے نکل گیا تھا کہ کیا یہ جبر یہ کہلائے گئے بے اختیار الفاظ ان کی متاعِ ایماں کا گلا تو نہیں گھونٹ گئے؟ کیا انسانی عقوبت سے نکلنے کے بعد وہ اب خدائی عذاب کے آتشیں غار میں گر کر پاش پاش ہونے والے تو نہیں؟

وہ رو دیئے۔ روتے رہ گئے، ہچکیوں اور سسکیوں میں ہچکولے کھاتے ہوئے وہ جب غم و اندوہ سے پارہ پارہ ہو رہے تھے تو اچانک انہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا خیال آیا...... وہ بے تابانہ اُٹھے اور افتاں خیزاں اس ہستی کی طرف دوڑے جو آدمی کو دوزخ سے نجات دلانے کے لئے آئی تھی۔ وہ دوڑے جا رہے تھے اور ان کا بے قرار اور ناصبورِ دل ان سے بھی آگے اس اضطراب میں سینے سے باہر نکلا جا رہا تھا کہ خدا جانے بارگاہِ رسالت سے ان کی زندگی کے اس نازک ترین مقدمے کا کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے؟

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نظروں کے سامنے......اپنے اس قدر نزدیک پا کر یکا یک ان کا کلیجہ منہ کو آنے لگا، دونوں طرف خاموشی طاری تھی۔ ایک طرف شفقت، تشویش اور استعجاب میں ڈوبی ہوئی خاموشی !......دوسری طرف وہ خونچکاں اور اشک آلود خاموشی جو ایک ایسے سینے کے اندر سے ابلتی ہے، جس میں دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو...... یہ عمار کی خاموشی

تھی......ندامت وانفعال سے پسینہ پسینہ......درد واضطراب سے لہولہو......خوف واندیشہ سے اشک آلود......وہ اس طرح رودیئے جیسے ان کی دنیالُٹ چکی ہو جیسے اب ان کے پاس ان آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہ رہا ہو۔ انہیں خدا کے قہر کا خوف رُلا رہا تھا۔ مگر انہیں کیا خبر تھی کہ ٹھیک اسی دم رحمت کے ہزار ہا فرشتے ان آنسوؤں کو اپنی پلکوں سے چن لینے کے لئے اُتر آئے تھے۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ رونے والا جس کے آنسوؤں پر خدا کی رحمت کو پیار آ جائے۔

''دل کا حال کیا ہے؟''......''عمار کا افسانہ غم سن کر دکھیاروں کے بہترین مونس وغم خوار نے پوچھا۔ ''تم اپنے دل کو کیسا پا رہے ہو؟''۔ ''میرا دل؟''عمار نے سسکتے ہوئے سینے کو لرزتے ہاتھوں سے تھام کر والہانہ جذب وجنون کے انداز میں کہا ''میرا......دل......ایمان پر قطعاً مطمئن ہے اے خدا کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم!......میرا دل......ایمان پر......بالکل مطمئن......''

اور......دوسرے ہی لمحے عمار رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں تھے۔ بے تابانہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی مقدس بانہوں میں لے لیا تھا......اور اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھ ڈالے تھے......وہ آنسو یقیناً خدا کے محبوب قطرے ہی ہوں گے جنہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دامن نے خشک کیا اپنے اندر جذب کیا۔

''کوئی بات نہیں......کوئی بات نہیں!!......''حضور صلّی اللہ علیہ وسلم آنسو پونچھ رہے تھے اور دل فگار مؤمن کو تسلی پر تسلی دے رہے تھے جسے اس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا کا کوئی انسان تسلی نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم

شترمرغ کا ایک پرَ کلغی پرلہراتا تھا۔ یہ نشان تھا ایک سپورٹس مین شکاری کا۔ یہ صاحب قریش کے سب سے محترم قبیلہ بنو ہاشم کے متفقہ سردار عبدالمطّلب کے بیٹے تھے۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی۔ ان کی والدہ ہالہ بنتِ اہیب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کی حقیقی چچا زاد بہن تھیں۔ اس طرح یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ابنِ عمّہ بھی تھے جن کو ہمارے انگریزی خوان لوگ کزن کہتے ہیں۔ یہ سب نسبتیں اہم بھی تھیں اور شاید غیر اہم بھی کیونکہ ان کو عام طور پر محبِّ محمد، عاشقِ محمد جانا اور مانا جاتا تھا۔

آدمی سپاہی مزاج کے تھے۔ شکار روزانہ کا دستور تھا۔ خاموش صحرا کی وسعت میں اپنا دن گزارنے والا ظاہر ہے کہ صحرا کی طرح خاموش اور گہرا ہو جاتا ہے۔ مکّہ کی گھاٹیوں میں ایک صدائے توحید اُٹھی تو تھی۔ نرم اور مدّھم۔ اسکے خلاف گرما گرم شور شرابا بھی برپا ہو گیا تھا۔ توحید کی صدا کو عام طور پر غلاموں، بے کسوں، ضعیفوں، مفلسوں نے غور اور شوق سے سنا تھا اور خاموشی اور رازداری سے قبول بھی کر لیا تھا۔ یاسرؓ، سمیہؓ، بلالؓ وغیرہ۔ ابھی دعوتِ اسلامی رازداری اور خاموشی سے چل رہی تھی۔ دوسری طرف قبیلہ میں سطوت و جبروت حکومت اور دولت کے حامل ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان، امیّہ بن خلف کو اپنے مفادات پر ہلکی سی ضرب لگنے کا احساس بھی شروع ہو گیا تھا۔

ایک خدا کا تین سو ساٹھ خداؤں سے معرکہ ابھی شروع ہونے والا تھا۔ حمزہ کو اس سارے معاملے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ صبح ہوتی اور یہ "سپاہی شکاری" ہتھیار سجا کر صحرا کی راہ پکڑتا۔ شام کو آ کے خانہء کعبہ کا ایک طواف کر کے گھر کی طرف روانہ۔ مکّہ کی اندرونی معاشرتی سیاست سے قطعاً بے نیاز، بے پرواہ اور تقریباً نا آشنا۔

ایک روز حضرت حمزہؓ طواف کر کے لوٹے تو کوہِ صفا کے قریب ایک زنانہ آواز نے روک لیا۔

ایک لونڈی کہہ رہی تھی۔ "ابوعمارہ کاش تھوڑی دیر پہلے آتے تو تم اپنے بھتیجے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کا حال دیکھتے۔ وہ

خانہء کعبہ میں سر جھکا رہے تھے تو ابوجہل نے انکو بہت برا بھلا کہا، گالیاں دیں، ستایا، ضرب بھی لگائی۔ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ بے بسی سے لوٹ گئے"۔

شیرِ سپاہی کو آگ لگ گئی۔ "محمد اور بے بس"۔ "بنو ہاشم کا فرد اور بے بس"۔ "عبدالمطلب کا پوتا اور بے بس"۔ قبائلی نسبی نسلی محبت جاگ اُٹھی۔ اس شیر نے خود اپنے سے خطاب کیا: "ڈوب کے مرجا حمزہ۔ تیری زندگی میں تیرا دوست بھائی، بھتیجا بے بس ہے"۔

شیر گھر جا رہا تھا۔ پلٹ پڑا اور پھر پلٹ پڑا تو پلٹ پڑا۔ کسی کی آنکھ دیکھ رہی ہو تو وہ دیکھے گا کہ شیطان اسوقت بھاگا جا رہا ہے۔ حمزہ پلٹے تو دیکھا کہ ابوجہل اس وقت اپنے حالی موالی لوگوں کے درمیان میں بیٹھا خوش طبعی دکھا رہا ہے۔ اسکے گرد پانچ آدمی تھے یا دس یا بیس، شیر نے یہ گنتی کرنا ضروری نہ سمجھا۔ جنگل نے یہ سکھا دیا تھا کہ شیر حملہ کرتے وقت گیدڑوں کی تعداد پر کبھی غور نہیں فرماتا۔ ایک لحہ توقف کیئے بغیر ابوجہل کے سر پر پہنچ گئے۔ (صاحبِ رحیق المختوم نے ایک جملہ لکھا ہے جو نامکمل ہی پیش کیا جا سکتا ہے)۔

"او۔۔۔۔۔۔۔۔ پر خوشبو لگانے والے بزدل تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے"۔

اور اس کے بعد الفاظ کم اور ٹھکائی زیادہ۔ حرم کعبہ میں قتل و خون کی اجازت اسوقت بھی نہیں تھی مگر حمزہؓ نے ابوجہل کا سر پھاڑ دیا۔ ابوجہل کے گیدڑ ساتھیوں نے کچھ ہلنے جلنے کی کوشش کی تو ابوجہل کے "لومڑی چالاکی" نے محسوس کیا کہ اگر ان میں سے کوئی اُٹھا تو آج عبدالمطلب کا "سپاہی بیٹا" حرمِ کعبہ میں بھی دو چار لاشیں پھڑکا دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ان دو چار لاشوں میں ایک لاش ابوجہل کی بھی ہو۔ اسنے اپنے ساتھیوں کو روکا کہ "ابوعمارہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کے ساتھ زیادتی کی تھی، اسکا غصّہ حق بجانب ہے"۔ شیطان نے اور شیطان کے چیلوں نے یہ ہمیشہ سے سیکھ رکھا ہے کہ زبردست کے سامنے زیادہ مار کھانے سے بچنے کے لئے سب سے کارگر ہتھیار "اہمسا" "عدم تشدّد" ہے۔

جو سر جھکا کر خود پٹ رہا ہو، اسکو زیادہ مارنا ایک بہادر کے لئے مشکل کام ہے۔ ابوجہل بچ گیا۔ چند سالوں کے لئے۔ یومِ بدر تک۔ جاتے جاتے حمزہؓ نے ابوجہل کے گوش گزار کیا کہ "میں بھی مسلمان ہوگیا ہوں، اگر تیرا بس چلے تو مجھ کو روک اور ٹوک"۔

حمزہؓ یہ کہہ کر رخصت تو ہوئے مگر سوچتے رہ گئے کہ یہ میں نے کیا کیا۔ آبائی دین کو ایک لمحہ کے غصہ میں خیر باد۔ خیال میں غرق دوست بھتیجے کے پاس پہنچے اور سنایا کہ " بھتیجے میں نے ابو جہل سے تمہارا خوب بدلہ لیا"۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں انتقام کا لفظ ہی نہیں تھا۔ فرمایا "اگر آپ اسلام لاتے تو میں زیادہ خوش ہوتا، انتقام سے مجھے کیا فائدہ ہوا"۔ حمزہ نے عرض کیا:

اشهدان لا الهٰ الا الله واشهدان محمد الرسول الله

گاہ بحیلہ می برد ۔ گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتداء عجب ۔ عشق کی انتہا عجب

علماء، صوفیاء (ایک حدیث رسول کے حوالے سے) اسلام کی درجہ بندی کرتے ہیں۔ توحید۔ رسالت۔ عشقِ رسول۔ یہاں اسلام تو اوّل درجے سے بھی آگے کا تھا مگر صرف ذرا ترتیب بدل گئی تھی۔ عشقِ رسول۔ رسالت۔ توحید۔ بعض عاشق کہتے ہیں کہ یہ سابقین الاولین کی ترتیب ہے۔ خدیجہؓ سے لیکر بلالؓ، یاسرؓ، عمارؓ، سمیہ تک۔ ابوبکرؓ، علیؓ اور زیدؓ تک۔ واللہ اعلم۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جہاں چند مکّہ کے لوگ کھڑے ہوں وہاں سب سے اونچا سر عمر کا نظر آتا ہے۔ جسکا سر عمر کے کندھے تک پہنچ جائے اسکو دراز قامت گنا جاتا ہے۔ مکّہ میں ہر سال حج کے موقع پر عکاظ کا بازار لگتا تھا۔ دن بھر میلہ لگتا تھا جس میں کُشتی، شمشیر زنی، تیر اندازی، دوڑ بھاگ کے مقابلے اور رات کو شاعری، شراب نوشی، خرمستی فحاشی۔

عمر اس بازار میں ہمیشہ ممتاز رہے۔ عربوں میں سپہ گری اور الفاظ کی جادوگری اکثر ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ جس شہر میں پتھر زیادہ ہوں اور درخت ایک بھی نہ ہو۔ جہاں رنگ صرف ریت یا پتھریلی چٹانوں کا ہو۔ جہاں پھول نہ ہوں۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز اور پانی کے بہنے اور گرنے کی آواز اور خنکی نہ ہو، وہاں فنونِ لطیفہ کا اظہار محدود ہو جاتا ہے الفاظ تک۔ عرب اپنے آپ کو الفاظ کے استعمال میں فصیح بلکہ افصح کہتے تھے اور باقی دنیا کو عجم یعنی گونگا۔ عمر کا لقب خطّاب تھا۔ یہ الفاظ کے بادشاہ، فصاحت کے تاجدار، خطابت میں یگانہ سمجھے اور مانے جاتے تھے اور ان کے مردانہ کھیلوں میں عمر اپنے آپ کو بزور منواتے تھے۔

کچھ دنوں سے مکّہ کے معاشرہ میں "ایک خدا یا تین سو ساٹھ خدا" کا مناقشہ جو چل رہا تھا وہ عمر کے لئے بارِ گراں تھا۔ ان کی طبعیت ہر مسئلہ کا فوری حل چاہتی تھی کہ اگر حل نہ نکلے تو بزور نکالا جائے۔

خود اپنے بیان کے مطابق وہ ایک دفعہ کعبہ کے غلاف کے پیچھے چھپ گئے کہ وہ سنیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم رات کو کیا تلاوت کرتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی۔ عمر قران کے زبان و بیان پر حیرت زدہ رہ گئے۔ خطّاب اس خطابت کا حسن شناس تھا۔ خطّاب نے سوچا کہ "خدا کی قسم یہ تو ایک شاعر ہیں"۔ تلاوت آگے بڑھی۔

﴿ انه لقولُ رسولٍ كريم. وما هُو بِقَولِ شاعِرٍ. قليلاً ما تؤمِنون ﴾

(یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو)۔ خطّاب نے اپنے دل میں کہا کہ اوہو یہ تو کسی کاہن کا قول ہے۔ تلاوت آگے بڑھی۔

﴿ وَلا بِقَولِ کاھِنٍ قلیلاً مّا تَذَ کّرُوْن. تنزیلٌ مِن ربّ العلمین ﴾
(یہ کسی کاہن کا قول نہیں ہے، تم لوگ نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔) یہ سورہ آخر تک سن لینے کے بعد عمر کہتے ہیں کہ میں اسلام کی طرف کھنچنے لگا تھا۔

کوئی بُلا رہا تھا چلا جا رہا تھا میں

طبرانی نے حضرت ابنِ مسعودؓ اور بچہ خادم حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھُمَ اَعِزّ اَلاِسلامَ بَا حَبّ الرَّ جُلینِ اِلَیکَ بَعُمر بَن اَلخطّاب او بابی جھل بن ھشّام.

(یا اللہ اسلام کو عمر بن خطّاب سے یا ابوجہل بن ہشام سے جس کو تو پسند کرے طاقت عطا فرما)۔

عمرؓ کی طبعیت فوری فیصلہ نہ ہونے سے گھبراتی تھی۔ سوچا کہ اس مسئلہ کو ختم ہی کر دیں۔ ابنِ عبداللہ کو قتل کر دیں۔ سب مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ تلوار نکال کر چل کھڑے ہوئے۔ قتل کرنے...... یا خود قتیل ہونے۔

راستہ میں نعیم بن عبداللہ عدوی سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا "عمر اس غصہ میں ننگی تلوار کے ساتھ کدھر کا ارادہ ہے"۔ "آج فیصلہ ہے محمد ابن عبداللہ کو قتل کرنے جا رہا ہوں" (نعوذ باللہ۔ صل اللہ علیہ وسلم)۔ نعیم نے سوچا کہ عمر کا راستہ ذرا بدل دوں، شاید کوئی دوسری سبیل نکلے۔ بولے۔ "عمر اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہارے بہنوئی سعید اور بہن فاطمہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں"۔ عمر اپنے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ عمر اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر کی طرف روانہ ہیں۔ کہیں سے آواز آ رہی تھی۔ شاید فرشتوں کی ہوگی۔ "سحر قریب ہے سورج نکلنے والا ہے"۔ وہاں صحابی حضرت خبابؓ، فاطمہؓ اور سعیدؓ کو قرآن پڑھانے آتے تھے۔ عمر نے تلاوت کی وہ مدّھم آواز سُن لی۔ "تم بے دین ہو گئے" عمر سعید پر گرجے اور سعید کو مارنا شروع کر دیا۔ فاطمہ شوہر کو بچانے آئی تو عمر نے ایسا زور کا چانٹا مارا کہ فاطمہ کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔ فاروق کے دل کو ایک دھکّا لگا بہن کا خون آلود چہرہ دیکھ کر۔ ادھر فاطمہ بھی پورے چہرہ پر خون بکھیرے ہوئے شیرنی کی طرح کھڑی ہوگئی اور شیرنی کی ہی طرح گرجی۔ "عمر اگر تو خطّاب کا بیٹا ہے تو میں بھی خطّاب کی بیٹی ہوں۔ تو ہم کو مار بھی ڈالے تو ہم نئے دین سے پھرنے والے نہیں"۔ عمر نے سر جھکا کر نرم لہجے میں کہا کہ مجھے یہ صحیفے تو

دے، میں اسے پڑھوں تو کیا لکھا ہے اس میں۔" نہیں دوں گی تجھے" شیرنی پھر گرجی۔ "تو ناپاک ہے"۔ عمرؓ اُٹھے اور غسل کر کے آئے اور صحیفہ ہاتھ میں لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

﴿ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ﴾

کہنے لگے "یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں"۔ سورہ طٰہٰ کی (آیت ایک تا پندرہ)۔

(طٰہٰ: ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اُٹھائیں، بلکہ نصیحت ہے اسکے لئے جو ڈرتا ہے۔ یہ اسکا اُتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور بُلند آسمان کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے۔ جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں ہے اور دونوں کے درمیان ہے اور جو زمین کی مٹی کے نیچے ہے، سب اسی کا ہے۔ اگر تم زور سے بات کرو تو وہ آہستہ سے کہی ہوئی بات بھی جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور اسکے اچھے اچھے نام ہیں۔ کیا آپ کو موسیٰ کی بھی خبر ملی ہے۔ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید اس میں سے تمہارے لئے تھوڑے سے انگارے لاسکوں یا آگ کے پاس راستہ معلوم کرسکوں۔ جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔ تم اپنے جوتے اُتار دو۔ تم ایک میدان طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تم کو چُن لیا ہے۔ پس سنو جو تم کو وحی کی جارہی ہے۔ بلاشبہ میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو"۔

"یہ تو بڑا عمدہ اور محترم کلام ہے"۔ عمر بولے۔ "مجھے محمد کا پتہ بتاؤ"۔ پردے کی آڑ سے خبّاب بن ارت صحابی باہر آگئے۔ عمر مبارک ہو۔ اب تم مسلمان ہونے جارہے ہو۔ میں نے کل ہی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی دعا سنی تھی کہ اے اللہ اسلام کو عمر کے اسلام سے تقویت دے۔ چچازاد بھائی سعید نے کہا" عمر میں نے مار پیٹ تجھے معاف کردی۔ اللہ کے کلام نے تجھ کو مسلمان کردیا"۔

ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد لاہوری اقبال نے فاطمہؓ کو تہنیت پیش کی۔

نہ می دانی کہ سوزِ قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را

(تمہیں پتا بھی ہے اے فاطمہ بنت خطاب تمہارے سوزِ قرأت نے عمر کی تقدیر بدل دی)

عمر خانہء ارقم کی طرف رواں تھے۔ اپنے کعبہ مقصود کی طرف۔ مگر تلوار ابھی تک کاندھے میں حمایل تھی۔ نظر انداز کر دیں۔ عمر کے پاس ہمیشہ یا تلوار رہی یا درّہ۔ خانہء ارقم میں ناتواں، مسکین، بے کس غلام مسلمان جمع ہیں۔ نیا اضافہ شکاری سپاہی حمزہؓ کا ہو چکا ہے۔ ابھی کل پرسوں ہی سے جس سے کچھ مادّی تقویت ہے ورنہ اصل قوّت تو چہرۂ رسول علیہ السلام سے ملتی ہے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ روزن سے نظر آتا ہے کہ عمر دروازے پر ہیں۔ تلوار گردن میں حمایل ہے۔ کمزور مسلمان گھبرا گئے۔ حمزہ نے کہا دروازہ کھول دو۔

ادب ملحوظ رکھے گا تو خاطر سے بٹھا ئیں گے
نمونہ اس کو ہم خُلقِ محمد کا دکھا ئیں گے
اگر نیّت نہیں اچھی تو اسکو قتل کر دوں گا
اسی کی تیغ سے سر کاٹ کر چھاتی پر دھر دوں گا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سُن کر مسکرائے اور فرمایا

بلالو دیکھ لیں کس دھن میں ہے ابنِ خطّاب آیا

عمر داخل ہوئے گھر میں تو اُٹھے حضرتِ والا
ہوا ضوریز سرِّ شاخ طوبیٰ پر قدِ بالا
کہا چادر کا دامن کھینچ کر کیوں اے عمر کیا ہے
چلا تھا آج کس نیّت سے کس نیّت سے آیا ہے
عمر کے جسم پر اِک کپکپی سی ہو گئی طاری
وہیں سر جھک گیا آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری
ادب سے عرض کی حاضر ہوا ہوں سر جھکانے کو

خدا پر اور رسولِ پاک پر ایمان لانے کو
یہ کہنا تھا کہ ہر جانب صدائے مرحبا گونجی
فضا میں نعرہَ اللہ اکبر کی صدا گونجی

(حفیظ جالندھری)

عمر کے لئے نچلا بیٹھنا، چھپ کر بیٹھنا، ڈر کر بیٹھنا ذرا مشکل کام تھا۔ پوچھا عمر نے "اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں"۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہم حق پر ہیں"۔ پھر چھپنا ڈرنا کیا۔ وہ باہر نکل گئے، ابو جہل اینڈ کمپنی کو للکارتے ہوئے۔ "سُن لو عمر مسلمان ہو گیا۔ سُن لو کہ عمر کعبہ میں نماز پڑھنے جا رہا ہے۔ سُن لو کہ جو چاہے کہ اسکی ماں اسکی لاش پر نوحہ کرے وہ عمر کا راستہ روکے۔ ابو جہل گھر میں چھپ گیا۔ شاید رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ایک جماعتِ مسلمین عمر کے پیچھے چل پڑی۔ شاید دوسرے اشارے پر حمزہ نکل آئے اور ایک دوسری صف حمزہ کی قیادت میں چلی اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔

عجیب بات ہے کہ اس دن کفار کے سارے بڑے ستونوں کو ابو جہل، ابولہب، امیّہ بن خلف، ابوسفیان، عتبہ، شیبہ کو ایک ساتھ کچھ ایسے ضروری کام اپنے اپنے گھروں میں یاد آ گئے کہ ان میں سے کوئی باہر نظر نہیں آیا۔ شاید انکو باہر کا موسم خراب نظر آیا۔

اور پھر جب عمر کو ہجرت کا حکم ہوا تو یہ صاحب بڑے اہتمام سے ہتھیار سجا کر نکلے۔ ایک ایک دشمن دین کے گھر جا کے آواز دی کہ ''آج عمر ہجرت کر رہا ہے۔ جو چاہے کہ اسکی زوجہ بیوہ ہو بچّے یتیم ہوں اور ماں اسپر نوحہ کرنے وہ آئے اور عمر کو روکے''۔ وہ قریش جو کمزور بوڑھے غلام مردوں اور عورتوں کے سامنے شیر تھے عمر کے سامنے سے ہٹ جاتے تھے۔ کافی تعداد کمزور مسلمانوں کی عمر کے ساتھ ہو گئی کہ تقویّت کی راہ تھی۔

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

جعفر بن ابی طالب حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قریبی عزیز۔ حضرت ابو طالب کے بیٹے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی۔ حضرت علی کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ ایک ایسے خانوادے بنو ہاشم کے شاہ زادے تھے کہ ان کو دارِارقم میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ خانوادہ بنو ہاشم میں انکا وہی مرتبہ تھا جو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا تھا یا ابو طالب کے حقیقی بھائی عباس کا یا بیٹے علی ابن ابی طالب کا تھا۔ مگر حضرت جعفر بن ابی طالب نے ہجرت کی اجازت مانگی اور وہ فوراً مل گئی جیسے کہ حضور کو اسکا انتظار تھا اور حضرت جعفر ایک بڑے گروہ کے مہاجرین کے ساتھ حبشہ روانہ ہوگئے۔ جہاں سے وہ چودہ سال کے بعد لوٹے۔ اس دن جب خیبر کی فتح (مدینہ کے قیام میں 7ھ) کے دن لوٹے اور حضور نے بڑی خوشی کا اظہار کیا پیشانی چومی۔ خیبر کی غنیمت سے حصّہ دیا اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی یا جعفر کے واپس آنے کی۔ (ابن ہشام، سیرت النبی الکامل)

اسکے فوراً بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبیٔ کریم سُپریم کمانڈر کے ذہن میں جنگِ اسلام کے دوسرے حصّہ کا افتتاح ہوگیا۔ حمزہ اور عمر کو ہجرت کا حکم مل گیا۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہیتے بلال کو اللہ کی امان میں یا عمر کی تلوار کی چھاؤں میں (بات ایک ہی ہے اللہ کی امان کسی کی تلوار کے روپ میں اُتر سکتی تھی یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ کوئی فرشتہ آتشیں کوڑا دیکر بھیجا جاتا) رخصت کیا۔ عمر اور حمزہ جا رہے تھے تو بہت سے بے کس کمزور و مسکین مسلمانوں نے اللہ کی امان کو حمزہ اور عمر کی تلوار کی چھاؤں میں دیکھا اور ساتھ ہو لیئے۔ اور یہ قافلہ ہجرت کے ڈنکے بجاتا دن کی روشنی میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ عمر کی فطرت میں یہ نہیں تھا کہ کوئی کام ڈر کر یا چھپ کر کریں۔ جب انکو پہلی نماز پڑھنی پڑی تھی تو انکو یقینی نماز پڑھنی آتی نہیں تھی مگر تلوار کو دانت میں دبا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیا تھا مگر نظریں کعبہ کی طرف نہیں تھیں بلکہ دائیں بائیں آگے پیچھے کا جائزہ لے رہی تھیں کہ

کون آ رہا ہے؟ کدھر سے آ رہا ہے اور حملہ پہلے کدھر ہونا ہے؟ راستہ میں آتے ہوئے ابو جہل کو خصوصی دعوتِ نامہ دیا تھا کہ تشریف لاؤ عمر نماز پڑھنے کعبہ جا رہا ہے۔ اچھا تماشہ ہوگا۔ مگر ابو جہل کو ایسا تماشہ پسند نہیں تھا یا اس کو کوئی ضروری کام گھر میں تھا۔ نہیں نکل سکا۔

اس وقت ہجرت کے دن عمر پہاڑی پر چڑھ کر اپنی ہجرت کا پروگرام براڈ کاسٹ کر آئے تھے کہ جو چاہے کہ اسکی ماں اُس پر نوحہ کرے تو وہ آ کر عمر کو روکے۔ کوئی نہیں آیا۔ قریش اتنے بے وقوف نہیں تھے۔

چند ہی دنوں کے بعد حضرت ارقم بھی ہجرت کر گئے۔ عمر فاروق یہاں کے چالیسویں ممبر تھے۔ جب یہ کلب بند ہو گیا۔ اِس وقت زید بن حارثہ آپ ''پندرہ سو سال دور کے مسافروں'' سے اجازت چاہتا ہے۔ اب مکہ میں چند ہی مسلمان رہ گئے ہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان کے ساتھ اور ان پر کیا گزرتی ہے وہ آپ کو تاریخ کی کتابوں سے ہی ڈھونڈھنا ہوگا۔ کیونکہ ان تمام باتوں کے گواہ زید ذرا دور سے ہونگے۔

اب قصہ ہے جعفر طیّار کے سفرِ حبشہ کا اور وہاں قیام کا۔ اسکی راوی اب ایک خاتون ہونگی امّ سلمہ نام (جو بعد میں بیوہ ہوئیں مدینہ میں تھیں اور حضور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ بنیں اور امّ المؤمنین بنیں)۔ اِس وقت وہ ایک شادی شدہ خاتون ہیں جو حبشہ ہجرت کر رہی ہیں۔ اور وہاں کے واقعات ان کی زبانی سنئے۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

حضرت امّ سلمہ کا بیان

مہاجرین کا یہ پہلا قافلہ خدا کی راہ میں اپنا وطن چھوڑ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی سربراہی میں سرزمینِ حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں پہنچ کر اس نیک دل اور انصاف پسند حکمران نجاشی کی پناہ میں قیام پذیر ہوگیا۔ اور قبولِ اسلام کے بعد پہلی بار انھوں نے سکون واطمینان کا سانس لیا اور عباداتِ الٰہی کی لذّت اور اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوئے۔ وہاں نہ ان کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ کوئی ان کی عبادت کا مزہ کرکرا کرے گا نہ وہ اس اندیشے میں مبتلا تھے کہ کوئی ان کے پُرسکون لمحات کو بے چینی اور بے اطمینانی سے بدل دے گا۔

اِدھر جب قریش کو ان مسلمانوں کے ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا علم ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شاہِ حبشہ کی حمایت اور اس کی پناہ میں اپنے دین وعقیدہ کے مطابق اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں تو وہ اُن کے خلاف سازش اور صلاح ومشورہ میں مصروف ہوگئے۔ تاکہ یا تو انہیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا واپس لاکر قید خانے میں ڈال دیں۔ اب وہ پوری سرگزشت ہم حضرت امّ سلمہ کے حوالے کرتے ہیں کہ وہ اُسے ہو بہو اس طرح بیان کریں جس طرح اُن کی آنکھوں نے دیکھا اور ان کے کانوں نے سُنا تھا۔ وہ فرماتی ہیں۔

''جب ہم لوگ حبشہ کی سرزمین میں جا کر ٹھہرے تو وہاں ہم کو بہترین لوگوں کی ہم سائیگی ملی۔ وہاں ہم اپنے دین کے متعلق ہر طرح بے خوف ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔ وہاں نہ تو ہم کو کسی اذیّت سے دوچار ہونا پڑا نہ کوئی ناپسندیدہ اور دل آزار بات سُننی پڑی۔ ان حالات کی اطلاع جب قریش کو ہوئی تو انہوں نے ہمارے خلاف سازش کر کے اپنے دو مضبوط آدمیوں، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ اور ان کے ہاتھ نجاشی، اس کے درباریوں اور فوجی سرداروں کے لئے سرزمینِ حجاز کی وہ نادر اور بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں جنہیں وہ پسند کرتے تھے۔ ساتھ ہی ان کو اس بات کی تاکید بھی کر دی کہ ہمارے (مسلمانوں کے) مسئلہ پر بادشاہ سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر سردار کو اس کا تحفہ دیدینا۔

جب وہ دونوں حبشہ پہنچے تو حسبِ ہدایت سب سے پہلے وہ نجاشی کے درباریوں سے ملے اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے ہدیہ پیش کرنے کے بعد ان سے کہا کہ ہمارے یہاں سے کچھ ناسمجھ لڑکے جنہوں نے اپنے آباء و اجداد کا پُرانا دین ترک کر کے ایک نیا دین اپنا لیا اور اپنی قوم کے اندر پھوٹ ڈال دی ہے۔ بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے معاملہ میں گفتگو کریں تو آپ لوگ ہماری تائید کریں اور اس کو یہ مشورہ دیں کہ وہ ان سے ان کے دین کے بارے میں کوئی سوال و جواب کیے بغیر انہیں ہمارے حوالے کر دے، کیوں کہ اُن کے قبیلوں کے سربراہ ان کو اور ان کے عقائد کو زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ تو درباریوں نے کہا کہ ہم ضرور بادشاہ کو مشورہ دیں گے۔''

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

''عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو اگر کوئی بات سب سے زیادہ ناگوار تھی تو وہ یہ کہ نجاشی ہم لوگوں میں سے کسی کو اپنے پاس بلا کر اس کی بات سُنے۔ ان دونوں نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی خدمت مین ہدیے پیش کیے جن کو اس نے بہت پسند کیا، پھر اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''اے بادشاہ ! ہمارے کچھ بدترین قسم کے نوجوان ہیں جنہوں نے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے۔ انہوں نے ایک ایسا دین اختیار کر رکھا ہے جس سے نہ ہم لوگ واقف ہیں نہ آپ ہی اس سے متعارف ہیں۔ انہوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے مگر وہ آپ کے دین میں بھی نہیں داخل ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی قوم کے سرداروں، ان کے آباؤ اجداد اور ان کے خاندان کے سربراہوں نے اس درخواست کے ساتھ ہم کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس بھیج دیں، کیونکہ جو فتنہ ان لوگوں نے برپا کر رکھا ہے اس کو وہی لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔''

یہ سُن کر بادشاہ نے سرداروں کی طرف نظر اُٹھائی۔ اُنھوں نے قریشی سفیروں کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''عالی جاہ! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے جو غلط رویّہ اپنایا ہے اس کے متعلق وہی لوگ بہتر جانتے ہیں اس لئے ان کو واپس بھیج دیں تا کہ وہ لوگ ان کے بارے میں جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔''

صلّی اللہ علیہ وسلم

بادشاہ کو درباریوں کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اُس نے سخت غصّے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"نہیں، خدا کی قسم جب تک ان کو بلا کر ان باتوں کے متعلق ان سے پُوچھ نہیں لیتا جو ان کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، انہیں کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اگر وہ باتیں جو یہ دونوں ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں درست ہوئیں تو میں اُنھیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو میں اس وقت تک ان کی حمایت سے ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا جب تک وہ یہاں رہیں گے۔"

حضرت امّ سلمہ اپنے بیان کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہتی ہیں۔

"پھر نجاشی نے ہم لوگوں کو ملاقات کے لئے بُلا بھیجا۔ اُس کے یہاں جانے سے پہلے ہم لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ بادشاہ ہم سے ہمارے دین کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ اس موقع پر ہمیں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بالکل واضح طور پر وہ باتیں اس کے سامنے رکھ دینی چاہیئے جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور بادشاہ کے سامنے ہم سب لوگوں کی نمائندگی صرف جعفر بن ابی طالب کریں گے۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔

جب ہم لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس نے اپنے درباریوں کو بُلا رکھا ہے، جو اپنی اپنی جگہوں پر، اپنے مخصوص درباری لباس زیبِ تن کیے، سروں پر ٹوپیاں رکھے، سامنے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ جب سب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو نجاشی نے ہماری طرف رُخ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کون سا نیا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے، جس کے لئے تم نے اپنے آباؤاجداد کا دین ترک کر دیا مگر نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ دیگر ادیان وملل میں سے کسی کو اپنایا؟"

بادشاہ کا سوال سُن کر جعفر بن ابی طالب اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اُنھوں نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

صلّی اللہ علیہ وسلم

"اے بادشاہ ! ہم جاہل تھے، بت پرستی کرتے، مُردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں کا ہر طاقت ور اپنے کمزوروں پر ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک زمانے تک ہماری زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسُول بھیجا جو خود ہم ہی میں سے تھا۔ جس کی خاندانی شرافت و نجابت، ذاتی صداقت و امانت اور فطری عفت و عصمت سے ہم سب اچھی طرح واقف تھے۔ اُس نے ہم کو خدا کی طرف پُکارا۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک مانیں، صرف اُسی کی عبادت کریں اور پتھر سے تراشے ہوئے ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آجائیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے تھے۔ اس نے ہم کو راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، محارم سے اجتناب اور خوں ریزی سے احتراز کرنے کی تلقین کی۔ نیز بے حیائی، دروغ گوئی، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور ماہِ رمضان کے روزے رکھیں.............

ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے ان تمام احکامات و ہدایات کی پیروی کی جن کو وہ خدا کے یہاں سے لایا تھا۔ اُس نے جن چیزوں کو ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے ان کو حلال جانا اور جن چیزوں کو ہمارے اُوپر حرام قرار دیا، ہم نے ان کو حرام مان لیا۔

اے بادشاہ ! یہی ہمارے وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے ہماری قوم ہماری مخالف ہوگئی۔ وہ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو سخت ترین عذاب سے دوچار کیا تاکہ وہ ہم کو ہمارے دین سے پھیر کر دوبارہ بُت پرستی میں مبتلا کردے۔ جب انہوں نے ہمارے اوپر ظلم و ستم کی حد کردی، ہمارے اُوپر عرصۂ حیات تنگ کردیا، ہم کو مغلوب کرلیا اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا اور پانی ہمارے سر سے اُونچا ہوگیا تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے۔ ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کی ہمسائیگی کو پسند کیا کیونکہ ہم کو اس بات کی پوری اُمید تھی کہ آپ کے یہاں ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔

اس موقع پر نجاشی نے جعفر بن ابی طالب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارے نبی اللہ کی طرف سے جو پیغام لائے ہیں، کیا اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟

انھوں نے جواب دیا۔ ''ہاں''۔

''اس کو مجھے سُناؤ۔'' نجاشی نے کہا۔

چنانچہ جعفر نے پڑھنا شروع کیا۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ٥ اِذْنَادٰى رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا ٥ قَالَ رَبِّ اِنِّى وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّى وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم ۱-۴)

''یہ ذکر ہے اُس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اُس نے عرض کی اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھا ہے......۔

یہاں تک کہ انھوں نے سورہ کا ابتدائی حصّہ مکمل کرلیا۔

حضرت ام سلمہ سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں۔

''کلامِ الٰہی سن کر نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ زاروقطار رونے لگا، یہاں تک کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی رورہے تھے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ ان کی کتابیں اشکوں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ہم سے کہا کہ یہ کلام جو تمہارے نبی پر اترا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے ،دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔

پھراس نے عمرو بن عاص اور اسکے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم لوگ واپس چلے جاؤ، خدا کی قسم میں انہیں کبھی تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔''

حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں۔

''جب ہم لوگ نجاشی کے دربار سے باہر نکلے تو عمرو بن عاص نے ہم لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''خدا کی قسم کل پھر بادشاہ کے پاس آؤں گا اور اس کو ان لوگوں کے متعلق ایک ایسی بات بتاؤں گا جو اس کے سینے کو ان کے خلاف غیظ وغضب اور اس کے دل کو نفرت وکراہت سے بھر دے گی۔ میں اُس کو اس بات پر آمادہ کر کے چھوڑوں گا کہ وہ مکمل طور پر ان کا استیصال کردے اور ان کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینکے۔''

اس پر عبداللہ بن ربیعہ نے کہا۔

''عمرو! خدا کے لئے ایسا نہ کرنا۔ یہ سب اگرچہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں تو ہمارے قریبی عزیز ہی۔''

مگر عمرو بن عاص نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو اس بات کو............ میں بادشاہ کو ایسی بات بتاؤں گا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی......خدا کی قسم میں اس سے کہوں گا کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ خدا کے بیٹے نہیں اس کے بندے ہیں۔''

اگلے روز عمرو بن عاص نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا۔

''عالی جاہ ! یہ لوگ جن کو آپ نے اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور جن کو آپ نے اپنی حمایت کا سایہ فراہم کیا ہے یہ لوگ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے متعلق بہت سخت اور نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں۔ آپ انہیں بُلوایئے اور اس بات پر باز پُرس کیجئے جو وہ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کے بارے میں کہتے ہیں۔''

حضرت ام سلمہ کا سلسلۂ بیان آگے بڑھتا ہے۔

''ہم لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو ہمیں اس کی بڑی فکر ہوئی اور ہم لوگ غم سے نڈھال ہو گئے۔ پھر ہم نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے باہم مشورہ کی ایک مجلس منعقد کی کہ اگر بادشاہ نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کے بارے میں پوچھا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیئے۔ آخرکار یہ بات طے ہوئی کہ ہم اُن کے متعلق وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے۔ اس معاملے میں ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے سرِ مُو انحراف نہیں کریں گے، چاہے اسکے نتیجے میں ہمارا جو بھی حشر ہو۔ ہم نے یہ بات بھی متفقہ طور پر طے کی کہ بادشاہ کے سامنے اس دفعہ بھی جعفر بن ابی طالب ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔

پھر جب بادشاہ کے طلب کرنے پر ہم اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کے درباری آج بھی حسبِ معمول اور حسبِ مراتب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو بھی بادشاہ کے پاس موجود پایا۔ جب ہم بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے تو اس نے سلسلۂ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''اُن کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی نے ہم کو بتائی ہے۔'' جعفر نے جواب دیا۔

''وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' نجاشی نے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں'' جعفر نے کہا'' کہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے کنواری مریم بتول کی طرف القاء کیا تھا۔''

جعفر کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارتے ہوئے کہا۔'' خدا کی قسم، عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تمہارے نبی نے جو بات بتائی ہے، اُن کی حیثیت ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے''۔

نجاشی کے منہ سے یہ باتیں سُن کر اس کے پاس بیٹھے ہوئے درباری غصّے میں پیچ وتاب کھانے اور پھنکاریں مارنے لگے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر نجاشی نے پھر کہا۔ ''چاہے تم لاکھ پھنکاریں مارو مگر حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں''۔

پھر اس نے ہماری طرف ملتفت ہوتے ہوئے کہا۔

''جاؤ، تم لوگ بے خوف وخطر اور اطمینان کے ساتھ رہو۔ جو شخص بھی تم کو گالی دے گا یا بُرا بھلا کہے گا۔ اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا اور جو تم سے کسی قسم کا تعرض کرے گا، اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔ خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں ہے کہ تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کے عوض مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔''

پھر اُس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

''ان کے ہدیے انہیں واپس لوٹا دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں''۔

حضرت امّ سلمہ اپنی سرگزشت کا آخری ورق پلٹتی ہیں۔

''اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے خائب وخاسر واپس لوٹ گئے اور ہم لوگ عزت اور آرام کے ساتھ نجاشی کے یہاں رہنے لگے۔''

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے نہایت امن واطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد سن سات ہجری میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر یثرب کا رُخ کیا۔ اُدھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ کا یہ قافلہ بھی حضرت جعفر کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا۔

''مَاأَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَشَدُّ فرحًا اَم بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَم بِقُدُوْمِ جَعْفَرَ ؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے، آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی؟''

اُمّت کا پہلا مبلّغ

آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما۔ابوبکر۔

صفائے پاکیٔ طینت سے ہے گہر کا وضو۔

روایت ہے اُمّ المؤمنین عائشہ صِدّیقہ کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے 39 اصحاب خانۂ کعبہ میں جمع تھے۔سب بیکس مفلس ضعیف تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اسلام کو حمزہ اور عمر سے بھی تقویت نہیں ملی تھی۔ بوڑھے رفیق صِدّیق جن کی عمر بھی 52 سال کے قریب تھی اور نہایت نحیف وزار تھے حضور سے ملتمس ہوئے کہ اسلام کا برسرِ عام اعلان ہونا چاہیئے۔ یہ وقت وہ تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آچکا تھا کہ اللہ کا پیغام عام کردو۔ عجیب بات ہے کہ حکمِ الٰہی تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا تھا اور آغاز کا اصرار صدیق کی طرف سے تھا۔ حضور نے حضرت ابوبکر کو بار بار روکا مگر ابوبکر اصرار کرتے رہے۔اجازت مل گئی تو حضرت ابوبکر نے **زبانِ حال** سے کہا۔

بیا جاناں تماشا کن کہ درانبوہ جاں بازاں　　　بصد سامانِ رسوائی سرِ بازاری رقصم

آؤ میرے محبوب تماشا تو دیکھو کہ قاتلوں کے گروہ میں پوری رسوائی کے ساتھ بازار میں ناچتا ہوں۔

بیت اللہ کے قریب حضرت ابوبکر خطبہ دینے کھڑے ہوگئے۔ان کے ساتھ حضور بھی تشریف فرما تھے۔مبلّغ نے عام طریقہ پر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی تصدیق کی۔ یہ سن کر مشرکین دنیا کی دو بہترین مخلوق **''رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم''** پر اور مؤمن صادق **''صدیقِ اکبر ابوبکر''** پر حملہ آور ہوئے۔کوئی خاص پُرانی دشمنی ہوگی جسکی وجہ سے عتبہ بن ربیعہ نے حضرت ابوبکر کو نشانہ بنایا۔ بڑی بے دردی سے مارا۔ یہاں تک کہ ناک اتنی چپٹی ہوگئی کہ رخسار کے برابر نظر آتی تھی۔عرب میں قبایل کی تنظیم اور قبایلی انوت زور پر تھی۔ حضرت ابوبکر کے قبیلہ

بنی تیم کے لوگ آ کے ابوبکر کو بچا کر اٹھا کر لے گئے۔ ابوبکر کے اسقدر ضرب آئی تھی کہ وہ بے ہوش ہو گئے تھے اور بظاہر بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ بنی تیم نے اعلان کر دیا کہ اگر ابوبکر مارے گئے تو وہ عتبہ بن ربیعہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ بڑی دیر بعد ہوش آیا تو آنکھیں کھلیں۔ ''**لے چلو بزمِ رسالت میں لے چلو مجھ کو**'' **حضور آیۂ رحمت میں لے چلو مجھ کو۔** ''**غلام کو حضوریٔ آقا میں لے چلو۔**''

ابوبکر کو ضد تھی کہ پہلے وہ چہرۂ اقدس کو دیکھیں گے۔ قبایل اور والد ابوقحافہ اِس ضد پر خفا ہوئے۔ ماں نے کچھ کھلانا چاہا تو کہا کہ کھانا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ حضور کا روئے مبارک نہ دیکھ لوں۔ ''جاؤ! جاؤ! امّ جمیل بنتِ خطّاب کے پاس جا کر حضور کی خیریت لاؤ۔'' امّ جمیل بلائی گئیں انہوں نے تسلی دی کہ ''حضور بحمد اللہ بخیریت ہیں۔ دارِارقم میں ہیں۔''

تھوڑی دیر رات کا انتظار کیا اور پھر دونوں خواتین کے سہارے حضور کے سامنے پہنچے۔ چہرۂ انور دیکھتے ہی جھک پڑے اور آپ کی جبینِ مبارک کا بوسہ لیا۔ **آپ سلامت تو ہزار ابوبکر قربان۔** یہ استقامت دیکھ کر۔ ابوبکر کا جملہ سن کر ابوبکر کی والدہ اُمّ الخیر مسلمان ہوگئیں۔

سارے جہاں کا درد دیا۔

اضطراب دیا۔اور

تسکین اضطراب بھی عطا ہوئی

پہلی وحی حراء میں نازل ہوئی۔اس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔اپنے لوگوں سے ذکر کیا۔ خدیجہ، علی، ابوبکر، زید فوراً ایمان لائے۔کچھ خفیہ تبلیغ ہوئی براہِ راست کچھ خفیہ تبلیغ ہوئی بالواسطہ۔ خصوصاً حضرت ابوبکر کے واسطے سے۔ چند اور معتبر افراد حضرت ابوبکر کے واسطے سے حاضرِ خدمت ہوئے۔(مثلاً عثمان بن عفان)۔ دارِارقم بھر گیا اندازاً چالیس مرد وہاں تھے۔انکی عورتیں گھروں میں ہونگی۔کچھ کو بلکہ بہت سے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کی اجازت ملی۔دو قافلے گئے۔بیکس نادار کمزور مسکین مسلمان اپنے کونوں میں چھپے رہے۔مگر تبلیغ کھل کر نہیں ہو رہی تھی۔بڑی پر خار تھی یہ وادی۔ بڑا خطرناک مرحلہ تھا۔ضدی خوں خوار وحشی عرب لوگوں سے مقابلہ تھا۔

اِک آگ کا دریا تھا اور ڈوب کے جانا تھا

وحی کی آمد بھی رُک گئی تھی۔اضطراب دیا گیا۔تسکین اضطراب کو روک لیا گیا۔(کچھ کہتے ہیں کہ وحی چھ مہینے رُکی رہی۔اور کچھ اس سے زیادہ بعض کے نزدیک اندازاً تین سال)۔

پھر بقول حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم وہ ایک راستے پر جا رہے تھے کہ اچانک ایک آواز سنی۔دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار میں آیا تھا (حضرت جبرئیل) زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہیں(صحیح بخاری بروایت جابر بن عبداللہ انصاری) اسکے بعد سورہ تکویر کی گواہی۔(والقدراہ بالافق المبین) کہ بے شک تم نے اُسے (فرشتہ کو) صاف آسمان پر دیکھا۔

اس وقت جبرئیل اپنی اصلی صورت میں تھے۔ حضرت جبرئیل کو دیکھ کر ویسا ہی لرزہ چڑھا جیسا پہلی دفعہ غارِ حرا میں۔ ''زملونی۔ زملونی۔'' مجھے کپڑا اُڑھادو۔ ایسا ہی کیا گیا اور اس حالت میں سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں۔

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ o وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ o وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ o وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ o وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ o

اے کمبل اوڑھنے والے اٹھو اور خبردار کرو، اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیئے اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

سورۃ الشعراء میں پروگرام بتایا گیا۔ آیات 214 اور 215۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ o وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ o

اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے o اور جو مؤمنین آپ کے پیروکار ہیں آپ اُن کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے o

حضور نے (بقول سیرتِ ابن اسحاق) حضرت علی سے کہا کہ ہمارے لیئے ایک صاع کھانا سالم بکری کا پکا ہوا گوشت اور دودھ کا انتظام کرو۔ پھر لوگوں کو خاندان والوں کو دعوت دو۔ ایسا ہی کیا گیا بنی عبدالمطلب چالیس کے قریب جمع ہوئے۔ ڈٹ کر دعوت کھائی۔ جوں ہی طعام ختم ہوا شقی القلب یعنی ابولہب اُٹھ کھڑا ہوا ''لوگو! یہاں سے چل دو کہیں انکا جادو تم پر چل نہ جائے۔ محفل منتشر ہوگئی۔ ''کھایا پیا چل دیئے۔''

حضور نے علی سے فرمایا کہ پھر دوسرے دن دعوت کرو۔ دعوت کے بعد حضور اُٹھ کھڑے ہوئے اور خطاب فرمایا۔

''اے بنی عبدالمطلب جیسا پیغام میں تمہارے لئے لایا ہوں اُس سے اچھا کوئی پیغام کوئی شخص اپنے خاندان کے لئے نہیں لایا۔ میں تمہارے لئے دنیا میں اور آخرت میں کامیابی کا خواہاں ہوں۔ اے اولادِ عبدالمطلب اے صفیہ میری پھوپھی اے

فاطمہ میری بیٹی تم لوگ اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی گرفت سے تمہیں بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

البتہ میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو۔ یقین جانو کہ یہ دین حق کی دعوت ہے۔ تم میں سے کوئی ہے جو میرا ساتھ دے سکتا ہو۔ کون ہے جو اس کام میں میرا بھائی ثابت ہو۔ اہلِ مجلس پر سناٹا تھا۔ سب خاموش تھے۔ کہ علی اُٹھے انہوں نے کہا یارسول اللہ میں آپ کا ساتھ دونگا۔ کچھ محفل میں ہنسنے مذاق اُڑانے لگے۔ ابولہب بولا ''ابوطالب سن لو اب تمہیں اپنے بیٹے کی اطاعت کرنی ہوگی۔'' اس فقرہ نے محفل درہم برہم کردی۔ (صحیح بخاری)

یہ دوسری ناکامیابی حضور کے عزم کو ویسے بھی توڑ نہیں سکتی تھی۔ مگر پھر بھی تاکید اوپر سے نازل ہوئی۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (سورہ حجر کی آیت 94)

جو حکم تم کو اللہ سے ملا ہے وہ ضرور لوگوں کو سناؤ اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرد جنگ ''سرد گرم'' ہو رہی ہے۔

اوپر سے پیغام آیا۔ (سورہ الانبیاء آیت 98)

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وَارِدُوۡنَ ۝ (سورہ انبیاء کی آیت 98)

''وہ سب جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اور تم سب بھی اس میں داخل ہوگے۔''

اس اعلان نے تو مشرکین کی جڑیں کاٹ دینے کا انتظام کردیا۔ انہیں 360 بتوں کے پجاریوں کی زیارت کے لئے آنے والوں کی آمدنی سے تو مکہ کی روٹی چلتی تھی۔ ان ہی بتوں کی وجہ سے اور انکی قیام گاہ (کعبہ) کی وجہ سے تو ان مکہ والوں کی اور خصوصاً قریش کی حاکمیت عرب پر قائم تھی۔ یہ بت نہ رہیں گے تو حاکمیت ختم آمدنی ختم۔ عام مکّی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس قریشی سردار نے اپنی ہی جڑ پر کلہاڑی مارنے کا ارادہ کیسے کیا ہے؟

پہاڑی کا وعظ

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
نئی اِک لگن سب کے دل میں لگادی　　اِک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے　　کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

(الطاف حسین حالیؔ)

حضور ایک دن صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور نعرہ لگایا "یا صباحا"۔ یہ نعرہ عرب میں کسی مصیبت کے وقت لوگوں کو جمع کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ لوگ جمع ہو گئے تو حضور نے سوال پوچھا کہ تم مجھ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ سارے مجمع نے کہا کہ ہم تم کو سچا سمجھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ میں اس وقت پہاڑ پر کھڑا ہوں دونوں طرف دیکھ سکتا ہوں۔ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم اسکو سچ سمجھو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے بچپن سے آج تک تم سے کوئی جھوٹ بات نہیں سنی۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات کو ہم سچ مانیں گے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ آیندہ کے لئے انتظام کرلو حساب کتاب دینا پڑے گا۔ اللہ ایک ہے میں اسکا رسول ہوں۔ مجمع تو خاموش تھا بلکہ سکتہ میں تھا مگر وہ شیطان کا چیلہ ابولہب گالیاں دیتا ہوا پتھر مارتا ہوا روانہ ہو گیا۔ کہتا ہوا گیا کہ کیا اسی لیئے ہمیں تکلیف دی تھی؟

حضور نبیِ کریم نے صفا کی بلندی سے احکامِ الٰہی نشر فرمائے۔ اور پھر مصلّےٰ ابراہیم پر کھڑے ہو کر بھی اعلان کا وقت آیا۔ ایک دن حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا۔ بت تو گونگے بہرے تھے ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی مگر بت پرست چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے مار پٹائی شروع ہوئی اہلِ ایمان جو آس پاس تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ حضرت حارث بن ہالہ (جو اُمّ المؤمنین خدیجہ کے پہلے شوہر سے بیٹے تھے) حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی سپر بن گئے۔ ہر طرف سے تلواریں پڑیں۔ جاں نثار جان کا نذرانہ پیش کر کے حضورِ حق میں روانہ ہوا۔ (سیرت النبی۔ شبلی نعمانی)

یہ پہلا شہید تھا حق و باطل کی آویزش میں اور اس کا خون حرم میں بہا جہاں جانور تک کی جان محفوظ ہے۔

عرب میں قبیلہ کا خیال بہت تھا۔ حضور نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ترین قبیلہ قریش بنی ہاشم کے سردار ابوطالب کے چہیتے بھتیجے تھے۔ اسلئے ان پر ہاتھ اُٹھانے کی صورت میں ایک سوسالہ جنگ قبایل شروع ہوسکتی تھی۔

قریش کے بڑے لوگوں نے ایک وفد ترتیب دیا جس میں عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ (بنی عبدالشمس سے یہ دونوں بعد میں جنگ بدر میں مارے گئے) ابوالبختری بن ہشام (بنی اسد سے) اسود بن عبدالمطلب (بنی اسد سے) ولید بن مغیرہ اور ابوجہل (بنی مخزوم سے) عاص بن وائل (بنی سہم سے) نبیہ بن حجاج۔ منبّہ بن حجاج (بنوامیّہ)۔ بنوامیہ سے ایک خاص نام نوٹ فرمائیں۔ ابوسفیان بن حرب۔

انہوں نے حضرت ابوطالب سے شکایت کی کہ تمہارا بھتیجا ہمارے دین میں بڑی برائیاں نکالتا ہے۔ اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم ان کو روکو ورنہ ان کی حمایت سے الگ ہوجاؤ۔ ہم تمہاری وجہ سے چپ ہیں۔ ابوطالب نے ہنس کر ان کو تسلی دی اور نرمی سے سمجھا کر رخصت کیا۔

''مگر کیا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ چھوڑ سکتے تھے؟''

قریش اپنی حماقتوں میں کچھ اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ کسی چھوٹے بچے کی شرارت کی شکایت اسکے باپ یا چچا سے کی جاسکتی ہے۔ مگر کیا اس شخص کو جس نے نبوت کا دعویٰ کردیا ہے اور اسکے بہت سے معتقد بھی ہیں کیا اسکا چچا ڈانٹ کے یا پیار سے اس کو اس بات پر آمادہ کرسکتا ہے کہ وہ اپنا دعویٰ نبوت واپس لے لے۔ کیا ایک چالیس پینتالیس برس سے زیادہ عمر کے شخص کو اسکا چچا منع کرسکتا ہے کہ بیٹا نبوت کے دعویٰ سے واپس لوٹ جاؤ۔ حماقتوں کی انتہا ہوتی ہے مگر اس حماقت کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور پھر قریش ابوطالب کی نرم باتیں سن کر واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قلوب پر مُہر لگانے کی بات تو کی ہے۔ مگر یہاں تو قریش کی کھوپڑی پر مُہر لگی نظر آرہی ہے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ میں اور شدّت کردی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکیم کی انگلی نبض پر ہے۔ اور ہر کام کسی خاص

سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت ہورہا ہے۔ پہلے وفد کے جواب میں واضح طور پر تبلیغ میں شدت پیدا ہوئی۔ الٹی کھوپڑی والوں کا دوسرا وفد حضرت ابوطالب کے پاس آیا اور کچھ چاپلوسی کی بات بھی کی۔ ''آپ ہمارے بزرگ ہیں سردار ہیں عزت وشرف میں ہم سب سے ممتاز ہیں پہلے بھی عرضداشت کی تھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آپ ابن عبداللہ کو روکیئے۔ یا پھر درمیان سے ہٹ جایئے۔'' ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ باپ اور چچا اور بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کو اپنی حفاظت میں سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو انکا محافظ سمجھتے ہیں۔ آج بھی ہم مسلمان ایک دوسرے کو رخصت کرتے وقت ''اللہ حافظ'' کہتے ہیں لیکن اپنے آپ کو انکا محافظ گردانتے ہیں۔ شاید حضرت ابوطالب کو خیال ہوا کہ بات اب بگڑتی جارہی ہے۔ انھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے! بوڑھے چچا پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ برداشت نہ کرسکے۔ حضور نے فرمایا کہ

''خدائے ذوالجلال کی قسم اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں تبلیغ سے باز نہیں آؤنگا۔ اب یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرمائے گا یا میری جان اس راہ پر قربان ہوجائے گی۔'' (مدارج النبوّت)

یہ اتنی قطعی بات تھی کہ اسکا اتنا ہی قطعی جواب دینا تھا۔ عرب میں کوئی زوردار بات کہنے کے لئے شعر کا سہارا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابوطالب نے اپنے آخری جواب کو جس انداز میں دیا اس پر لوگ آج تک عش عش کرتے ہیں ابوطالب نے ایک ''قصیدہ لامیہ'' میں اسکا جواب دیا۔ یہ مؤلف عربی کے زور بیان کا حرف شناس بھی نہیں ہے مگر قلب حساس ہو اور اسمیں ارتعاش کی ذرا بھی سکت ہو تو ابوطالب کا قصیدہ رامیہ آنکھوں میں مسرت اور فخر کے آنسو بھر دیتا ہے۔ یقیناً اس قصیدہ کا اردو ترجمہ ہوا ہوگا۔ مگر خطرہ یہ ہے کہ یا تو اس کا زورِ بیان شہید ہوگیا ہوگا کیونکہ عربی سے اردو ترجمہ مشکل ہے اور ویسے بھی کسی زبان کی شاعری دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتی ہے۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اردو کا مبالغہ اس بیان کو کھا گیا ہوگا۔

حضرت ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کے 23 اشعار میں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت صورت عادت خصلت علوِمرتبت کے علاوہ تیر تلوار نیزہ اور آمادگی بر جنگ کا اسطرح استعمال ہوا کہ حضور نبی کریم کے جسم وجان

کو کوئی نقصان پہنچانے کی صورت میں بنو ہاشم (چاہے مسلمان ہوں یا نہ ہوں) ایسی صورتِ حال پیدا کر دیں گے کہ کعبہ کے 360 بت خون میں ڈوب جائیں گے۔ قصیدہ لامیہ کا اردو شعر میں ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ عربی زورِ بیان آ ہی نہیں سکتا۔ بہر حال ایک ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ جو کئی جگہ نقل ہوا ہے۔لیکن اس سے پہلے آمادگی بر جنگ کا ایک مظاہرہ۔

قریش کا روّیہ روز پہلے سے زیادہ آزار کا حامل ہو رہا تھا۔ ابوطالب نے عرب کا پُرانا ہتھیار قبائلی حمیّت اور عصبیّت کا استعمال کیا کہ مذہبی مناقشہ اپنی جگہ مگر ایک بنو ہاشم کے سردار کو قتل کرنے کی سزا قاتل کے پورے قبیلہ کو دی جائے گی۔ اور پورا قبیلہ اس سزا دینے میں شریک ہوگا۔ بنو ہاشم کے سب سے بڑے دشمن بنی مخزوم تھے (ابو جہل مخزوم قبیلہ سے تھا) ابوطالب نے ایک افواہ سنی کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو شہید یا زخمی کر دیا گیا ہے۔ انھوں نے پورے بنو ہاشم قبیلہ کو پکارا کہ پوشیدہ ہتھیار لے کر آ جاؤ۔ تقریباً سو نو جوان عبا میں ملبوس آ گئے۔ اور چلے مخزوم کی طرف۔ راستہ میں زید بن حارثہ مل گئے۔ انھوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم بعافیت ہیں۔ زید کی گواہی معتبر مانی گئی کہ وہ اُس وقت ''ابنِ محمدؐ'' مانے جاتے تھے۔ بہر حال یہ قافلہ حرم میں پہنچا۔ سردار بنی ہاشم ابوطالب نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے عبا کے بند کھول دو۔ دیکھا تو ہر ایک کی عبا کے اندر ایک آبدار خنجر چھپا تھا۔ ابوطالب نے اطّلاع کی کہ اگر حضور کے بخیریت گھر پہنچ جانے کی خبر نہ آ گئی ہوتی تو ہر ایک خنجر ایک مخزومی کو گرا دیتا۔ بنو ہاشم کا قافلہ واپس آ گیا۔ مگر یہ پیغام ابو جہل کو اور شاید دوسروں کو بھی مل گیا کہ سردارِ بنی ہاشم ابن عبداللہ پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہے۔ اسکے بعد ابوطالب نے شاعری اور قصیدوں سے دھمکی کا کام لیا اور اعلانِ جنگ کر دیا۔

قبائلی عصبیت............گنجِ متاعِ حسنِ عمل ساتھ لے گیا

اسی سال ابوطالب نے قصائد لکھ کر بنی ہاشم کو ان کی عظمت کا احساس دلایا۔ یہ اشعار کعبہ میں بلند آواز میں پڑھے گئے۔ حمیت و عصبیت کی آگ بھڑکا کر قریش کو یقین دلایا گیا کہ کوئی قبیلہ ان کی طرف ٹیڑھی نظر ڈالے گا تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔ سوائے ابولہب کے سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ابولہب کو غیرت دلانے کے لئے ابوطالب نے اشعار بھی کہے۔

1۔ میں اس سے کہتا ہوں اے ابومغیث (ابولہب کی کنیت) اپنی قوم کو جتھہ بندی سے مستحکم بنا لیکن میری نصیحت کہاں اور وہ کہاں؟

2۔ بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم سے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو چھین لیا جائے گا حالانکہ تم نے راستہ کے پاس دھواں دھار گردوغبار کا تاریک دن دیکھا ہی نہیں۔

3۔ خدا کی قسم! وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، جب تک کہ مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے۔

ابوطالب کی کوششوں سے بنی ہاشم، بنی مطلب اور بنی عبدمناف کی عصبیت جاگ اُٹھی۔ اس سے قدرت نے نبیِ ہاشمی ومطلبی کے لئے ڈھال کا کام لیا۔ اسی زمانے میں ابوطالب نے اپنا مشہور لامیہ قصیدہ لکھا جو (94) اشعار پر مشتمل ہے، اس کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

ابوطالب کا قصیدۂ لامیہ............ ہر شعر میں ہے زبان خنجر کی

1۔ اور جب میں نے قوم (کفارِ قریش) کو دیکھا کہ محبت سے ناآشنا ہے اور تمام اسباب ووسائل کو منقطع کر رہی ہے۔

2۔ انہوں نے ہمارے ساتھ عداوت اور ایذاء کو کھلم کھلا اختیار کر رکھا ہے اور نہایت سخت دشمن کے حکم کی تکمیل کر رہے ہیں۔

3۔ بیت اللہ کے پاس میں نے اپنے خاندان اور قبیلہ کے افراد کو جمع کیا اور میں نے بیت اللہ کے غلاف کے پردوں کو تھام لیا۔

4۔ میں جبلِ نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس نے کوہ ثبیر کو اس جگہ نصب کر دیا ہے اور اس کے ساتھ بھی پناہ مانگتا ہوں جو نیکی کیلئے حرا میں آتا جاتا ہے۔

5۔ اور میں اس کے گھر کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو وادی مکہ میں سے اس بات کا مستحق ہے۔ بے شک اللہ کسی بات سے غافل نہیں ہے۔

6۔ بیت اللہ کی قسم! تمہاری امیدیں باطل ہیں کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے یاد رکھو جب بھی ہم یہاں سے کوچ کریں گے تو تمہیں بھی حزن وملال اور غموں کا سامان کرنا پڑے گا۔

7۔ بیت اللہ کی قسم! تمہاری یہ بات بھی باطل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب نہ آئیں گے، حالانکہ ہم نے تو ابھی تیروں اور نیزوں کے ساتھ آپ کا دفاع کیا ہی نہیں ہے۔

8۔ بخدا ہم کبھی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے، خواہ ہمارے درمیان معرکہ گرم ہو جائے، آپ کی حفاظت کے لئے ہم کثرت سے آپ کے گرد و پیش جمع ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے بچوں اور بیویوں سے بھی غافل ہو جائیں گے۔

9۔ اللہ کی قسم! جس چیز کو میں دیکھ رہا ہوں، اگر طول پکڑ گئی تو ہماری تلواریں یقیناً تمہارے معززین کا کام تمام کر دیں گی۔

10۔ تمہارا باپ نہ ہو! کیا قوم نے ایک ایسے معزز سردار کو چھوڑ دیا ہے جو کہ قابلِ حفاظت چیزوں کی حفاظت کرنے والا مصلح ہے۔ اپنے امور کو دوسروں کے سپرد کرنے والا نہیں ہے۔

11۔ وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، وہ بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔

12۔ آل ہاشم کے تباہ لوگ اس کی فریادرسی کرتے ہیں اور وہ ہاشمی اس کے نزدیک نہایت قابل احترام اور صاحبِ نعمت ہے۔

13۔ اے عتبہ! تو ہمارے بارے میں کسی کٹر دشمن، حاسد، کاذب، بغض اور مصیبتیں برپا کرنے والے کی بات کو نہ سن۔

14۔ ابوسفیان! میرے پاس سے نہایت سرکش اور متکبر انسان کی طرح اعراض کرتے ہوئے گزرا۔ وہ بخدا ٹھنڈے پانی کی طرح بھاگ گیا اور گمان کرتا ہے کہ میں تم سے غافل ہوں۔

15۔ اے مطعم! میں نے تمہیں کسی مشکل کے دن اور سخت آلام ومصائب کے وقت ذلیل نہیں کیا تھا، یعنی تم مجھے ذلیل نہ کرو۔ اگر لوگوں نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے بھی تکلیف پہنچی ہے اور میں جب مغلوب ہوں گا تو میں تمہارے سوا کسی سے التجا نہیں کروں گا۔

16۔ اے عبد مناف! تم بہترین قوم ہو، تم اپنے معاملہ میں کسی طفیلی کو شرکت کی اجازت نہ دو۔

پرانے شکاری نیا جال لائے۔

حضرت ابوطالب کے اعلان کے بعد کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت اب کمزور بیکس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر مضبوط قبیلہ بنو ہاشم کے ہاتھ میں چلی گئی ہے قطع نظر اسکے کہ بنو ہاشم کے افراد مسلمان ہیں یا نہیں۔ عقل کل بقراطِ اعظم کو دو شکستیں ہوئیں۔ حبشہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی جمیعت تیار ہوگئی جو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر گئے تھے اور ایک مہرہ تھے جو کسی وقت بھی قریش کے خلاف بلائے جاسکتے تھے۔ یہ کم ازکم قریش کا خیال تھا۔ شاید رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے خیال وگمان میں بھی نہ تھا کہ جن کو ہجرت کا حکم دیا تھا ان کو بُلا کر جنگی خدمات لیں گے۔ مدینہ میں بھی ایک گروہ مسلمانوں کا جمع ہوگیا تھا اور اردگرد کے قبایل کے لوگ بھی اپنی مرضی سے آ کر مسلمان ہوتے تھے اور پھر اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔

تمام مشرک قبایل کے جفادری سرداروں نے قبائلی جنگ کو قبایلی جن کی طرح لیا اور ایک ''معاہدہ قطع تعلق'' تحریر کیا گیا دانشورانِ کفر نے بڑے غور وخوض کے بعد معاہدہ طئے کیا اور اس کو تقدیس دینے کے لئے کعبہ کی چھت سے لٹکا دیا۔ یہ واقعہ بعثتِ نبوی کے ساتویں سال یکم محرم کو تحریر کیا گیا۔ اور اسکے تحریر کرنے والے کا نام منصور بن عکرمہ العبدری تھا۔ اس نے خطا کی تھی معاہدہ لکھ کر سزا بھی ملی۔ اسکا ہاتھ شل ہوگیا جسے فالج کہنا چاہیئے پھر وہ تاعمر اس ہاتھ کا استعمال نہ کرسکا۔ یہ معاہدہ اندازاً دوسال اور چار مہینے نافذ رہا۔

معاہدہ بنی ہاشم، نبی مطلب اور بنی عبدمناف کے خلاف تھا۔ یہ مقاطعہ کسی خاص مدت کے لئے نہیں تھا، بلکہ غیر معینہ مدت کے لئے تھا جب تک کہ خود محصورین حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کردیں۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال محرم کی چاندرات کو پیش آیا اور کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا گیا۔ مقاطعہ کی اہم شرائط درج ذیل ہیں۔

1۔ کوئی ان کے ساتھ لین دین اور خرید وفروخت نہیں کرے گا۔ (تاکہ ذریعہ معاش تباہ ہو)

2۔ کوئی نہ ان کی لڑکیوں سے عقد کرے گا اور نہ اپنی بیٹی دے گا۔ (تاکہ صلہ رحمی باقی نہ رہے)

3۔ ان سے بات چیت بھی نہیں ہوگی۔ (تاکہ تعلقات منقطع ہوجائیں)

4۔ انہیں اپنی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھنے دیا جائے گا۔ (تاکہ کوئی اثر نہ ہو)

5۔ ان کے پاس اگر کوئی حمایتی خوراک پہنچانا چاہے تو وہ بھی نہ پہنچنے دی جائے۔ (تاکہ بھوک سے تنگ آجائیں)

6۔ انہیں گلی، بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے۔ (تاکہ سب سے روابط ختم ہوجائیں)

شعبِ ابی طالب

عربی میں شعب گھاٹی یا وادی کو کہتے ہیں ۔ کوہِ ابوقبیس جو مکّہ کا نگراں پہاڑ ہے اس میں متعدد گھاٹیاں تھیں اوران کے کئی نام تھے ۔ چند ایک شعبِ بنی ہاشم، شعب بنی اسد، شعب بنی عامر وغیرہ جس میں قریش کے مختلف قبایل آباد تھے ۔ شعبِ بنی ہاشم عبد المطلب نے اپنی عمر کے اختتام اور بینائی زایل ہونے کے ڈر سے اولاد میں تقسیم کردی تھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ بھی کچھ چھوٹا موٹا اپنے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی طرف سے تھا ۔ سارے سیرت نگار متفق ہیں کہ قریش نے بنو ہاشم کو انکے مکانوں سے بھگا نہیں دیا تھا بلکہ سردار ابوطالب حفاظت اور یکجائی کے لحاظ سے اپنی گھاٹی میں منتقل ہوگئے تھے ۔ بعض اوقات تو ابوطالب اپنے کسی بھانجے بھتیجے کو رات کے وقت حضور کے بستر پر سُلا دیتے تھے اور حضور کو کہیں اور جگہ دیتے تھے ۔ بات وہی ہے کہ ابوطالب سمجھتے تھے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے محافظ وہ خود ہیں یعنی اللہ تعالٰی جو محافظِ حقیقی ہے اسکا کام خود سنبھال لیتے تھے ۔ سارے بنو ہاشم چاہے وہ مسلمان ہوں یا مشرک اس گھاٹی میں چلے گئے سوائے ابولہب کے ۔ یہ تھی ابولہب کی قسمت ۔ سعد بن وقاص جنکو حضور ماموں کہتے تھے اور کبھی یہ بھی کہتے تھے کہ **"میرے ماموں جیسا کسی کا ماموں ہو تو دکھائے ۔"** وہ شعبِ ابی طالب میں آ بسے تھے اگرچہ وہ بنو ہاشم سے نہیں تھے وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنتِ وہب کے خانوادہ بنو زہرہ سے تھے ۔ لیکن اگر ماموں اپنے بھانجے کا عاشق ہو تو ابوطالب اسکو جگہ دینے پر مجبور تھے ۔

اس شیطانی معاہدہ کا اصل مقصد بنو ہاشم کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) تھا ۔ اور اس میں مشرک کامیاب رہے ۔ اگر کوئی شخص بنو ہاشم سے بات بھی نہیں کریگا تو بنو ہاشم کی تجارت تو بیٹھ جائے گی ۔ اور مکّہ بہرحال تجارتی شہر تھا ۔ زرعی یا صنعتی شہر نہیں تھا ۔

مکّہ کی آبادی پھیل گئی ہے اور آج شعبِ ابی طالب کا نشان نہیں ملتا ۔ یہ مکّہ کے بازار سوق اللیل میں ضم ہوگئی ہے ۔ یہ اطلاع بھی کم از کم تیس سال پرانی ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہاں کوئی تجارتی پلازہ ہو یا ہوٹل ہو ۔

قید و بند کا زمانہ بڑی مشکلوں کا تھا کھانے پینے کا ذخیرہ چند مہینوں میں ختم ہو جاتا تھا۔ یہ ذخیرہ حج کے زمانے میں جب عام آمد و رفت ہو حاصل کیا جاتا تھا۔ ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ سوکھ گیا تھا۔ بچوں کے بلک بلک کر رونے کی آوازیں گھاٹی سے باہر بھی جاتی تھیں۔ ان کی آواز سن کر سنگ دل قریشی خوش ہوتے تھے۔ درختوں کے پتّے، چھال، خودرُو گھاس کھا کر بھوک مٹائی جاتی تھی لوگوں کے جسم ہڈیوں کے پنجر ہو گئے تھے۔ مگر

''نہ کسی مسلم نے دین چھوڑا نہ کسی ہاشمی نے قبیلہ چھوڑا''

باوجود کڑی نگرانی کے کچھ نیک دل قریش غلّہ وغیرہ رات کو گھاٹی میں پہنچا دیتے تھے۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے وہ راتوں کو چھپ کر اپنے غلام سے غلّہ پہنچا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل شیطانی فوجدار نے دیکھ لیا اور حکیم بن حزام سے لڑنے لگا۔ نیک دل ابوالبختری نے کہا کہ وہ اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کی چیزیں بھیج رہا ہے تو تم کیوں روکتے ہو۔ ابوجہل نے کچھ سرکشی دکھائی تو ابوالبختری نے قریب میں پڑی ہوئی اونٹ کے جبڑے کی ہڈّی سے ابوجہل کی اچھی پٹائی کی۔ اس وقت **تک جب تک کہ جبڑے کی ہڈّی نہ ٹوٹ گئی۔**

ہشام بن عمرو بن حارث کا نام تاریخ میں آتا ہے کہ وہ ایک اونٹ پر کھانے کا سامان بار کر کے اونٹ کو وادی میں ہانک دیتے تھے۔ وادی والے اونٹ کا سامان وصول کر کے اسکو واپس ہانک دیتے تھے۔

اس مقاطعہ کا تیسرا سال تھا کہ ایک دن حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو اطلاع دی کہ مقاطعہ ختم ہو چکا۔ کاغذ کو دیمک کھا گئی۔ **اس مقاطعہ کی دستاویز میں نامِ خدا تو ضرور باقی تھا مگر اور کوئی لفظ باریک بین فیصلہ کن دیمکوں نے نہیں چھوڑا تھا۔**

ہشام بن عمرو بن حارث کا کردار اہم ہے۔ ایک دن وہ عاتکہ بنتِ عبدالمطلب کے بیٹے بنی مخزوم کے رئیس زہیر بن امیہ بن مغیرہ سے ملا اور پوچھا کہ تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ پیو اور شادی بیاہ کرو اور آزادی سے گھومو اور تمہاری ماں کے گھر والے ہر چیز کو ترسیں۔ زہیر نے کہا کہ کیا کروں ''میں اکیلا ہوں۔'' ہشام نے کہا ''نہیں ہم دو ہیں۔'' تو پھر تیسرے کی تلاش کرو۔'' ہشام مطعم بن عدی سے ملا۔ اس نے کہا کہ ''میں تیسرا آدمی تمہارے سامنے ہوں۔'' چوتھا ڈھونڈھو۔ ہشام

سیدھا ابوالبختر ی کے پاس پہنچا جو دو دن پہلے ابو جہل کی پٹائی کر چکا تھا۔ اس نے کہا کہ میں چوتھا ہوں ایک پانچواں اور لاؤ تو دھاوا بول دیں۔ ہشام سیدھا زمعہ کے پاس پہنچا۔ زمعہ نے کہا کہ اگر تم چار واقعی مستعد ہو تو میں پانچواں ہوں۔ پانچوں سرداروں نے فیصلہ کیا کہ دوسرے دن قریش جب حرم میں جمع ہوں تو بات چھیڑی جائے۔ زہیر بن امیّہ نے بات چھیڑی کہ اس ناانصافی کو ختم ہونا چاہیے اور مقاطعہ کی دستاویز کو پھاڑنا چاہیئے۔ ابو جہل پکار اُٹھا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ زمعہ بن اسود اُٹھ کھڑا ہوا یہ دستاویز ضرور پھاڑی جائے گی۔ اگر ابو جہل روک سکتا ہے تو مجھے روکے۔ ابھی ہنگامہ ہی برپا تھا کہ ابو طالب حرم میں داخل ہوئے۔ قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ میں ایک تجویز لایا ہوں غور کرو۔ ابوالبختر ی نے کہا کیسی تجویز میری طرف سے خوش خبری سنو کہ یہ مقاطعہ آج ختم ہوگا۔ میں کروں گا۔ ابو طالب نے پھر کہا۔ میری ایک تجویز ہے۔'' میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے اور خدا کی قسم اس کی کوئی خبر آج تک جھوٹی نہیں ہوئی۔ میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے کہ اس دستاویز کو دیمک نے کھالیا ہے اور سوائے نامِ خدا کے اسمیں کچھ باقی نہیں ہے۔ دستاویز فراہم ہوئی اور اس میں کچھ نہیں تھا سوائے باسمک اللّھم کے۔

معطم بن عدی نے وہ بوسیدہ صحیفہ اپنے قبضے میں کیا۔ ابو طالب نے غلافِ کعبہ پکڑ کر ان لوگوں کے لئے بددعا کی جنہوں نے بنو ہاشم کو آزار پہنچایا تھا۔ ابو جہل سکتہ میں تھا اور پانچ ہتھیار بند سردار ننگی تلواریں لیکر شعبِ ابو طالب گئے اور بنو ہاشم کو وہاں سے نکال کر لائے۔ (داستان ابن ہشام میں درج ہے)

اور ابو طالب نے پانچ نیک سرشت سرداروں کی مدح میں قصیدہ لکھا کیا میں اس بیان کا اختتامیہ لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ

زہریلے بچھو کا آخری ڈنک نکال لیا گیا۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

کتنے ساتھی راہ میں چھوٹے۔

شعبِ ابوطالب سے حضور کے قافلہ کو نکلے ہوئے ابھی شاید چھ مہینے بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عہد ختم ہوگیا۔ وہ چچا ابوطالب جنہوں نے حضور کو آٹھ سال کی عمر سے پالا تھا ساتھ دیا تھا وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو پچاس سال کی عمر میں چھوڑ کر ملک بقا چلے گئے۔ یہ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ ابوطالب کا انتقال شعبِ ابوطالب سے نکلنے کے چھ مہینے بعد ہوا اور اس کے تین دن بعد امّ المؤمنین خدیجہ کا انتقال ہوا۔ امّ المؤمنین کا کردار بھی عجیب تھا۔ جب حضور سے نکاح ہوا تو وہ مکہ کی مشہور ترین تاجر خاتون اور امیر ترین خاتون تھیں۔ (یاد کیجئے کہ تجارتی قافلوں میں آدھے سے زیادہ اونٹ خدیجہ کے ہوتے تھے)۔ اور نکاح کے بعد خدیجہ کا وہ پردہ تھا کہ کہیں نام بھی نہیں آتا۔ خود اپنی دولت میں تصرف اور اسکے خرچ میں بھی خدیجہ کا نام نہیں آتا۔ اور جب فقر و فاقہ کے سبب سے اذیت ناک دن شعب ابوطالب میں گزار کر انتقال فرمایا تو کفن پورا نہیں تھا۔ پیر ڈھکنے کے لئے گھاس رکھ دی گئی۔ حضور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال کے بعد امّ المؤمنین عائشہ سے خدیجہ کے متعلق فرمایا:

''جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ ایمان لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھوں نے میری مدد کی۔ جب لوگوں نے مجھے کسب مال سے روکے رکھا تو انھوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا۔''

25 سال تک وہی آپکی مشیر تھیں وزیر تھیں۔ مکّہ کے تلخ دنوں میں وہی حضور کی زندگی میں واحد شیرینی تھیں۔ امّ المؤمنین کی تاریخِ وفات 10 رمضان المبارک 10 نبوت ہے عمر اسوقت 65 سال تھی۔

ان کی قبر میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم خود اُترے اور اپنے ہاتھوں سے انہیں حجون میں دفن کیا۔ (معلوم نہیں اب یہ حجون کہاں ہے) اس وقت تک نہ نماز پنج وقتہ فرض ہوئی تھی نہ نمازِ جنازہ۔

حضور نے اس سال کو جب ابوطالب اور امّ المؤمنین خدیجہ کا انتقال ہوا ''عام الحزن'' فرمایا۔ یعنی غم کا سال۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

مکّہ کی سرزمین انسانِ کامل کو برداشت نہ کرسکی تو حضور نے اردگرد کے قبائل میں گھوم پھر کر تبلیغ کا کام جاری رکھا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کامیابی ہوتی کیسے ہدایت تو حبیب نے اپنے ہاتھ میں رکھی "یھدی اللہ من یشاء"۔ محبوب تو حبیب کا حکم پورا کررہا تھا۔ دعوتِ حق وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ مدثر) سے لے کر "لتنذر ام القریٰ" تک پھیلی تھی اب حکمِ رب "وَمن حولھا" اطراف و جوانب میں وسعت دینے کا ہوا۔ یہاں ہمارے ساتھ پرانے راہ نما زید بن حارثہ گلیوں میں گھومتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ چلیں شاید یہ بہتر ہو۔

بیانِ زید

مکّہ کی سعید روحیں تو مسلمان ہو چکی تھیں ۔قریش میں اب بظاہر صرف مخالف ازلی ہی رہ گئے تھے۔اسلئے حضور نے اردگرد کے قبایل میں گھوم پھر کر تبلیغ کا کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں خادم ایک ہی ساتھ ہوتا تھا۔ وہ زید بن حارثہ یعنی خاکسار آقا جی کا پُرانا خادم۔ یہ شوال کی 26 یا 27 تاریخ تھی۔اور نبوّت کا دسواں سال تھا۔ جب حضور نے طائف کے سفر کا ارادہ کیا۔ طائف مکہ سے 70 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔مشرق کی طرف ایک پہاڑی سرسبز علاقہ اور نسبتاً خوش حال قدرتی چشمے جاری اور باغ پھلوں کے کافی۔ زمین زرخیز تھی۔اس لئے طائف والے مغرور متکبر اور درشت مزاج تھے۔وہ لات کے پرستار تھے اوراس خیالی وجود کو خدا کی بیٹی مانتے تھے۔ان دنوں بنی ثقیف کے سردار عبد یالیل ۔ مسعود۔ اور حبیب تھے۔تینوں بھائی تھے۔آپ نے ان تینوں سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ان تینوں کے جواب گستاخانہ تھے۔طنز اوراستہزا کے نمک مرچ کی آمیزش تھی۔ایک نے کہا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور نہیں ملا جسکو نبی بناتا۔رسول کو قبیلہ کا سردار ہونا چاہیئے تھا نہ کہ وہ شخص جس کے پاس سواری کے لئے ایک گدھا بھی نہیں۔ 70 کلومیٹر پیدل چل کر آگئے۔دوسرا بولا بیت اللہ کی اس سے بڑی توہین کیا ہوگی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو۔تیسرے کا جواب تھا۔ میں تم سے ہرگز بات نہیں کرونگا۔ اگر تم سچے ہو تو تم سے گفتگو خلافِ ادب ہے۔اور اگر جھوٹے ہو تو تم سے گفتگو میری شان کے خلاف ہے۔

حضور نے صرف یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات کو اپنے پاس رکھو کہیں یہ دوسروں کو گم راہ نہ کریں۔مگر ان بدبختوں نے سختی سے نبٹنے کا فیصلہ کیا۔اوباشوں لفنگوں بازاری لونڈوں اور فحش بکنے والے افراد کی بڑی فوج جمع کرلی۔(ظاہر ہے کہ حضور 70 کلومیٹر کا واپسی کا سفر پیدل اسی دن تو نہیں کر سکتے تھے۔مگر طائف میں جگہ کہاں ملی؟)

عرب کے قبایلی نظام میں بنو ہاشم کے طائف آنے والے فرد کی جان لے لینا خطرناک تھا۔ قبایلی تفتیش دیت خون بہا بصورتِ قتل یا موت وغیرہ۔ اس لئے ہدایت یہ تھی کہ مسافر کے گھٹنوں ٹخنوں پر پتھروں کی چوٹ مارو۔یہ فوجِ ذلّت

اپنے کام کی تربیت لے کر آئی۔ اتنی گالیاں بکی گئیں جتنی پہلے کبھی نہیں۔ اتنے پتھر ٹخنوں پر مارے گئے کہ حضور کے خون سے ان کے جوتے بھر گئے اور پیر جوتوں میں ایسے چپکے کہ اس خادم نے بہ مشکل کھینچ کر نکالے۔ تربیت تشدد کا کمال یہ تھا کہ حضور تو خون سے تر بہ تر ہوئے مگر مجھے (زید کو) کوئی پتھر نہ لگا۔ ان لفنگوں کے پتھروں سے بھی پناہ لی گئی اور غلیظ آوازوں سے بھی۔ میرے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا سوائے اسکے کہ اپنے آقا جی کی سپر بن جاؤں۔ ان لفنگوں کی غلطی سے ایک بڑا سخت پتھر میرے سر پر لگا سر پھٹ گیا۔ چہرہ خون آلود ہو گیا یہ پتھر انہوں نے مجھے نہیں مارا تھا یہ مارا آقا جی کے لئے تھا۔ میں خوش قسمت تھا کہ میرا جھکا ہوا سر (جب میں جھک کر آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کے پیر کے زخم دیکھ رہا تھا) راستہ میں آ گیا اور میں سرخ رو ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی اسلئے کہ اب تک میں تشدد کی زد میں نہیں آیا تھا۔ یہ ظالم تقریباً پانچ کلومیٹر تک پتھروں اور گالیوں سے ہماری ضیافت کرتے رہے۔ حضور کو پتھروں کی بارش سے اتنی چوٹیں آئیں کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں (زید) ان کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آگے بڑھا اور اوباشوں کا غول لوٹ گیا۔ حضور کو پیٹھ پر اُٹھانے سے پہلے میں کوئی دس سال یا آٹھ سال پہلے بلال کو بھی اسی طرح اُٹھا چکا تھا۔ ہم شہر سے باہر ایک باغ میں پہنچے جو رئیس مکہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ میں نے وہاں سے کچھ پانی لیکر حضور کے چہرے پر چھڑکا۔ حضور کو ہوش آیا۔ تو زخم دھوئے۔ حضور نے وہاں پر ایک دعا فرمائی جس دعا کو بعد میں تمام سیرت نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں کے لئے اُٹھالیا۔ اس وقت تو میں اکیلا ہی راوی تھا۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

حضور کی التجا

''الٰہی ! اپنی بے بسی بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہوں میں ذلّت اور بے قدری کی تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین ! سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی درماندہ عاجزوں کا سہارا ہے۔ میرا مالک اے اللہ تو ہی ہے۔ تو مجھ کو کن لوگوں کے حوالے کرنے والا ہے۔ کیا اس دشمن کے حوالے جو مجھ پر حاوی ہو اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ تیری حفاظت میرے لئے وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس سے تمام اندھیرے نور بن جاتے ہیں۔ اور آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں۔ تیری ناراضی اور غصّہ مجھ پر نہ ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کرنے اور بدی سے محفوظ رہنے کی طاقت تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

(یہ دعا ترجمہ ہے۔ حافظ ابن قیّم کی زاد المعاد سوئم سے اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری مرحوم کا ہے۔ دو چار الفاظ تبدیل کئے ہیں)

☆☆☆

جب میں (زید) آقا جی صلّی اللہ علیہ وسلم کو کچھ سہارا دے کر کچھ اٹھا کر باغ کے اندر لے آیا تو باغ کا مالک جو اوپر کی منزل سے تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے غلام عدّاس کو حکم دیا کہ خوشۂ انگور کے کسی تھالی میں حضور کو پیش کرے۔ ایک انگور حضور نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اپنے منہ میں رکھا تو عدّاس حیران ہوا کہ یہ کونسا کلمہ ہے۔ یہاں تو لوگ ایسے نہیں بولتے۔ حضور نے پوچھا کہ "تم کہاں کے ہو؟" جواب ملا "میں نینوا کا ہوں اور عیسائی ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ "تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے ہو؟ عداس نے عرض کیا" آپ انہیں کس طرح جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ "وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں" عداس نے یہ سن کر حضور کا نام دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا "احمد"۔ عداس گڑ گڑایا "حضور میں نے توریت میں آپ کا نام دیکھا ہے۔ آپ کے اوصاف پڑھے ہیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمائے گا۔ لوگ پہلے آپ کی اطاعت و فرماں برداری سے انکار کریں گے۔ مگر آخر کار فتح آپ کی ہوگی۔ اور آپکا دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ عداس تو اپنے مالک کو خبر دینے گیا اور حضور نے جب نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ ایک ابر سایہ کیئے ہوئے ہے۔ اس میں سے جبرئیل نے آواز دی کہ اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا اور دیکھ لیا جو ہوا۔ اسوقت "ملک الجبال" پہاڑوں کا فرشتہ آپکی خدمت میں حاضر ہے۔ آپ اسے جو چاہیں اسے حکم دیں۔ ملک الجبال نے عرض کیا حضور آپ اجازت دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ملا کر پیس دوں اس ساری قوم کو ان کے درمیان۔

وہ ذات جو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی اسکا جواب کیا تھا؟

"نہیں! مجھے امید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اسکا شریک نہیں کریں گے۔" (حافظ ابن قیم زاد المعاد)

یہ جملہ صرف ایک محبوب ہی کہہ سکتا تھا جسکو اپنے حبیب پر اعتماد کلی ہو۔ آیئے حبیب اور محبوب دونوں کی حضوری میں بہ یک وقت پیش ہو جائیں۔ اور اسکا ایک ہی راستہ ہے۔

اللّھم صلّ علیٰ محمد و علی آ ل محمد وسلّمو ا تسلیما

صلّی اللہ علیہ وسلم

روشن رات

اب کفر اپنی ہر حرکتِ ناشائستہ وظالمانہ آزما چکا۔ میرا آقا تو کبھی خطرے میں نہ تھا مگر کفار کے انبوہ نے کیا کبھی کسی کمزور سے کمزور مؤمن کو زیر کرلیا؟ عام مؤمن کی استقامت کو معترضین اگر مانیں تو وہ ابن عبداللہ کے معجزے کے طور پر قبول کرلیں۔ کیا کسی سمیہ عمار بلال نے ابوجہل امیہ سے شکست مانی؟ عاشق ہمیشہ ساجد رہا اور اسلئے ہمیشہ سر بلند رہا اور سر بلند ساجد کا سر کون جھکا سکتا ہے؟ سمیہ کے بیٹوں نے نہیں!......عمر کے لحاظ سے پوتوں نے ابوجہل کو حکم دیا کہ پہلے تو بدر کی خاک چاٹو پھر تمہارا سر آقا کے قدموں میں لڑھکا دیا جائیگا۔ اس سے زیادہ عزّت افزائی تمہاری نہیں ہوگی۔ آج اس رات کو جب لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہے رمضان کی آخری دس راتوں میں سے ایک ہے۔ آج ایک گناہگار نے جو پچھلے دس سال سے بار بار سوتے جاگتے پیہم قلبی روحانی وضو کر رہا ہے کہ شاید کبھی سجدۂ شکرانہ کی اجازت مل جائے ارادہ کرلیا ہے کہ اس کتاب کی اصل بنیاد سامنے لے آئے۔ اس کی بنیاد ہے۔

”اعتراف اجازت“ اور نام ہے سجدۂ شکرانہ۔

وجہِ بارانِ کرم پہلے بھی ان کی ذات تھی
ان کا نام آتے ہی لگ جاتی ہیں جھڑیاں آج بھی

اللھم صلّ علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

اردو میں شبلی۔ سلیمان منصور پوری۔ ابوالحسن علی ندوی۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری۔ نصیراحمد ناصر۔مصباح شکیل۔ حامد حسن بلگرامی۔اور سیکڑوں سیکڑوں ہرایک دوسرے سے بہتر ہرایک محترم، معظّم، گدائے کوچۂ رسول، نگاہِ کرم کے محتاج۔ بس ایک نگاہ کی التجا لئے کھڑے ہیں اور پھر بھی ہرایک کی جگہ یہاں ہے۔یہاں رقابت کسی سے نہیں ہے۔اور رفاقت، التفات،انسیت،محبت ہرایک سے ہے۔

گنا ہگار بیان کرتا ہے کہ اس عریضۂ غلامی کے 200 صفحے ہو چکے ہیں اور کوئی لفظ/سطر لکھ کر کاٹی نہیں۔کاٹتا کس طرح ہر لفظ اس گہرائی سے نکلا ہے جس گہرائی تک کوئی کاٹ نہیں جاسکتی۔ **انسان کٹ سکتا ہے لفظ نہیں۔**

آج ایک مشکل ہے۔اب اگلے چند صفحات عجیب مجموعہ ہونگے۔ان صفحات میں ان راتوں کا ذکر آئیگا۔ جو خلق، قدر، ہدایت سے متعلق ہیں۔

خلق فسوّیٰ . والّذی قدّر فھدیٰ.

اورمحبت ناز ونیاز۔عاجزی۔دعا۔ کبھی عیاں کبھی نہاں۔ وہ رات بھی جو اعراج انسانیت اور معراجِ محبت کی رات اور پھر وہ واقعات بھی شاید آجائیں (کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہو) جو بحث طلب ہیں۔جن پر عاشقین ایمان لاتے ہیں اور منطقین اعتراض صادر فرماتے ہیں۔**(چمگادڑ سورج سے پوچھتی ہے کہ کہاں ہے تیری روشنی)۔**

اُن کچے منطقین کو ایک پکّے عاشق کا نعرہ سُناتا ہوں۔

اگر وہ مقصدِ عالم نہیں ہیں۔
تو پھر کچھ مقصد عالم نہیں ہے۔

(شان الحق حقی)

عشق جنگاہ میں بے تیغ ونیام آتا ہے

کتاب کا ایک دور ختم ہو رہا ہے۔(مکّی دور) تو منطقین ۔معترضین ۔معجزے مانگتے ہیں۔غلام معجزے کہاں سے لائیں؟انکا تو ایمان ہے کہ آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات خود سب سے بڑا معجزہ ہے۔اتنا بڑا معجزہ جو کبھی دنیا نے دیکھا نہیں۔چلیں وہ دو معجزے جن کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے وہ بیان کر دیں گے اور ممکنہ اعتراضات کے جواب بھی بہ کراہت دے دیں گے۔مگر آج کی رات؟۔نہیں۔آج تو صرف اتنا ہی کہہ دیں گے کہ آپ کے سارے اعتراض اور اندازے وہم وگمان سے آگے نہیں جاتے۔اور عاشق وہم وگمان کو راہ کے کانٹے سمجھتے ہیں۔ وہ **یقین** کی بات کرتے ہیں۔اگر معترض کی سمجھ میں یہ بات آجائے تو سارے اعتراض ختم۔

نقطۂ پرکارِحق **مردِخدا** کا **یقین**

اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

آج کی رات کسی ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکوں گا۔صرف رات کی بات ہوگی **حتّٰی مطلع الفجر۔**

....

آج کی رات بات ہوگی سبحان الّذی اسریٰ کی اور اس عالم کی جو مجاز نہیں ہے۔

مجاز۔ دھوکہ۔ سایہ تو یہ عالمِ گمان ہے۔جس کو لوگ عالمِ حقیقی کہتے ہیں۔

معراج کی شب

ہر رات مرے آقا کی معراج کی شب تھی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کولوگوں کے لئے رحمت تمام بنا کر بھیجا گیا۔اور حضور کی تحریک رحمۃ اللعالمینی تھی۔مقصدِ اصلی اس تحریک کا تھا انسان کو اسکے رب سے ملانا۔یہ کام مشکل تھا مگر انسان کامل کو اسی مشکل کام کیلئے بھیجا گیا۔انسان ظالم و جاہل اپنے ہی محسن و مربی کا دشمن ہوجاتا ہے۔لوگ اس تحریک کے دشمن ہوئے جس نے بتوں کو لرزہ میں ڈال دیا۔یہاں بات پتھر کے بتوں کی نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک بت شکن کی نگاہِ گرم بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔بات انسان کے دل کے اندر چھپے ہوئے بتوں کی ہے۔یہ بت بھی بار بار توڑے گئے۔(پڑھ لیجئے خطبہ حجۃ الوداع) مگر شیطان تو مارا گیا (اور ہر حج کے موقع پر مارا جاتا ہے) مگر شیطنت جاری ہے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک امت ۔ ایک تحریک ۔ اسکے تعاقب میں لگادی۔ شیطان دلوں سے بھی نکال دیا جائے گا۔یہ ہی نصب العین یا مشن تھا میرے آقا کا اور وہ پورا ہوگا ان شآء اللہ آج نہیں تو کل۔

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی

اس ''پیغامِ سجود'' کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ شبِ معراج میں نماز فرض ہوئی کونسی شبِ معراج؟ وہ جو نبوت کو اسریٰ کر کے ''عالمِ حضوری'' میں لے گئی۔سچ ہے آمنّا۔

مگر کہتے ہیں کہ مؤمن کو ہر سجدے میں معراج ہوتی ہے۔ہاں مومن کو نماز میں معراج المؤمنین ملتی ہے۔مگر مؤمن اعظم

رسولِ معظم کو ایک خاص رات میں ایک خاص معراج ہوئی۔ پہلی ہی سانس میں مانتے ہیں اس جسمانی معراج کو۔ دادا ابوبکر نے فوراً مان لینے کی سنت چھوڑی ہے ہمارے ہی لئے۔ یہ جسمانی معراج صرف حضور سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔ ایک شعر پچاس سال سے ذہن میں گونج رہا ہے۔ شاید یہاں مناسب ہے۔

پیشِ نظر ہے حسنِ دوست۔ حسن کے ماسوا نہیں

عشق میں مبتلا ہوں میں۔ شرک میں مبتلا نہیں

ہم مشرک نہیں۔ رحمۃ اللعالمینی میں کوئی دوسرا شریک نہیں مانتے۔

مگر میرے آقا کے سامنے معاملہ دوسری محبت کا تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کے عشق کے سمندر میں شناور تھے اور دوسری جانب اللہ کی حسین وجمیل مخلوق انسان کی محبت میں سرشار تھے۔ اللہ سے محبت کرنے والے تو کئی نام سُنے گئے ہیں۔ مگر رحمت اللعالمین تو ایک ہی ہے نہ۔

معراج کی شب تو 2 قبل ہجرت میں بتائی جاتی ہے۔ مگر اندازہ کہتا ہے کہ ملاقاتیں ذرا مدھم سُروں میں پہلے سے جاری تھیں۔ جسمانی حضوری اس وقت تک نہیں ہوئی تھی مگر کچھ تو تھا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ نمازِ عشاء کے بعد چند گھنٹوں کی ''**جسم خوابیدہ قلب بیدار**'' کی حالت کے بعد آپ اُٹھ جاتے تھے۔ اور تہجد کی نماز (معراج وغیرہ) جاری رہتی تھی۔ **دوست** کبھی ان کو شہر میں کبھی مضافاتی بستیوں میں کاروانوں کے مسافروں سے اور کبھی خانہ بدوشوں اور میلوں بازاروں میں ملاحظہ فرماتا تھا۔ اور مسکراتا تھا یہ دیکھ

کر کہ دوست لوگوں کو قرآن سُنا رہا ہے۔ محبت سے اپنے کام میں منہمک ہے اور کبھی وہ دوست جس کو " لاتاخذہ سنۃ ولانوم" حاصل تھا اپنے زمینی دوست کو تھک کر ہلکے بستر پر گرتے دیکھتا تھا۔ تو انتہائی پیار سے آواز دیتا تھا۔

"اے پیارے۔ اے گدڑی لپیٹ کر سونے والے میرے پیارے دوست رات کو ہماری بارگاہ میں ضرور تشریف لایا کرو۔ مگر تھوڑا تھوڑا کبھی آدھی رات کبھی کچھ کم کبھی زیادہ۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ (تمہاری خوبصورت قرأت مجھے پسند ہے)۔ اور ہم جلدی ہی تم پر ایک عظیم کلام نازل کرنے والے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ رات کو اُٹھنا اپنے نفس کو قابو کرنے کے لئے کارگر نسخہ ہے۔ اور قرآن کو ٹھیک سے پڑھنا ہی چاہیئے۔ ویسے بھی دن میں تو تم کو بہت سے کام ہوتے ہیں۔ قرآن پڑھنے کے لئے رات کا اُٹھنا ہی موزوں ہے۔ اور اپنے رب کا ذکر کیا کرو۔ اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اسکے سوا کوئی الٰہ معبود۔ محبوب۔ مطلوب۔ مقصود نہیں اسی کو اپنا (وکیل) مددگار بناؤ اور یہ جو لوگ باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو۔ خوب صورت انداز سے (صبر جمیل) ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور ان جھٹلانے والے لوگوں سے (جو خود جھوٹے ہیں) نبٹنے کا کام مجھ پر۔ اپنے دوست پر چھوڑ دو۔ انہیں ذرا کچھ دیر اسی حالت میں رہنے دو۔"

یہ ہے ایک نمونہ اس خط کا جو حبیب کے پاس سے محبوب کے پاس راتوں کو آتا تھا۔اگر کسی کو اسکے ہر لفظ سے محبت کی شہد ٹپکتی نہ محسوس ہو تو پھر یہ قصور اسکے ذوق اور وجدان کا ہے۔(میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ قرآن کے کسی ٹکڑے کا ترجمہ ہے کیونکہ ترجمہ کرنے کی جرأت چند ہی لوگ کر سکتے ہیں۔اگر آپ کو یہاں سورہ مزمل کی اولین آیات کی جھلک مل جائے تو میں اسکو صرف اپنی عزت افزائی سمجھونگا۔)

یہ تھے میرے آقا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شب و روز اس آقا کے ایک غلام نے ایک پتھریلی عمارت (مسجدِ قرطبہ) کو دیکھ کر کہا تھا۔

تجھ سے ہوا آشکار **بندۂ مؤمن** کا راز

اس کے دنوں کی تپش اسکی شبوں کا گداز

بندۂ مومن اسی دوست کا نام ہے جسکے نام یہ پیغام محبت جبرئیل لے کر آئے تھے۔حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ہر شب شبِ معراج کی ایک شبیہ تھی مگر ہجرت مکّہ سے اندازاً 3 سال قبل حضور کی **جسمانی** طلبی ہوئی۔

زمان رحمٰن میں۔جو وقت عصر اور زمان سے وراء ہے۔جو موت نا آشنا عالمِ حیات ہے) یہ تخیل اور ادراک ذرا مشکل ہے۔بلکہ مجھ جیسے لوگوں کے لئے ناممکن ہے۔قرآن کریم میں اس سفر کی طرف اشارہ شروع ہوتا ہے۔'' وہ منزہ پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو رات میں مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے۔لے گیا۔ تاکہ اسے اپنی آیات (نشانیاں) دکھائے۔ بے شک وہ سمیع وبصیر ہے۔''

(سورہ اسرا 17 سورہ کی پہلی آیت)

وہ نشانیاں کیا تھیں اسکو یا تو اللہ جانے یا اسکا رسول۔ہم اور تو کچھ کہہ نہیں سکتے وہی کہہ سکتے ہیں جو ابوبکر صدیق نے کہا

تھا۔ ''سچ وہ ہے جو میرے رسول نے کہا''۔ چونکہ واقعہ معراج میں میلاد خواں حضرات نے کافی رنگ آمیزی کی ہے اسلئے خود کچھ لکھنے کی جرأت کرنے کے بجائے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ایک صفحہ کی مدد لیتا ہوں۔ روحانی اجازت کے ساتھ مولانا عربی کے چند (دو یا تین) زبردست عالموں میں سے ایک تھے۔ اور قرآن پر اور سیرت پر بڑی گہری نظر ہے۔ اور الفاظ کم استعمال کرتے ہیں۔

بیان مولانا ابوالحسن علی ندوی

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، راتوں رات آپ کو قدرت غیبی کے ساتھ مسجد حرام لے جایا گیا، وہاں سے مسجد اقصیٰ پہونچایا گیا۔ اس کے بعد ان مقامات قرب واختصاص ساتوں آسمانوں کی سیر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مشاہدے اور انبیاء کرام سے ملاقات کے وہ تمام واقعات پیش آئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی o لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی o

''ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ایک ضیافت وعزت افزائی تھی، جو آپ کی دل داری ودل نوازی اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور اس توہین و ناقدری اور بے گانگی و بیوفائی کی تلافی کے لئے تھی۔ جس کے سخت امتحان سے آپ وہاں گزرے تھے۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر دی، قریش نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا، اس کو ایک محال اور ناممکن امر قرار دیا، اور آپ کو جھٹلایا اور مذاق اُڑایا، حضرت ابوبکر نے یہ سن کر کہا کہ اگر آپ نے ایسی بات کہی ہے تو سچ کہی ہے تم کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم آپ مجھے یہ خبر دیتے ہیں، وحی آپ کے پاس دن رات کے کسی حصّے میں آسمان سے زمین تک آجاتی ہے۔ تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، یہ تو اس سے بھی مشکل اور بعید ہے۔ جس پر تم لوگ تعجب کررہے ہو۔

معراج کے بلند ولطیف مطالب ومعانی

واقعۂ معراج محض ایک جزئی وضمنی واقعہ نہ تھا جس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کواللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا گیااور آسمان وزمین کی بادشاہت بے پردہ وبے حجاب ہوکر آپ کے سامنے آگئی، نبوّت کے اس غیبی وآسمانی سفر میں اس کے علاوہ بھی بہت بلند ولطیف مطالب ومعانی پوشیدہ ہیں۔ اوراس میں بہت دوررس اشارات کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں، سورۂ اسراء اور سورۂ نجم، جوواقعہ معراج کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم دونوں قبلوں (مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ) کے نبی اور دونوں سمتوں مشرق ومغرب کے امام، اوراپنے پیش روتمام انبیاء کرام کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسلِ انسانی کے رہبرورہنما ہیں۔ آپ کی شخصیت اورآپ کے سفرِ معراج میں مکہ بیت المقدس سے اور مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ سے ہم آغوش ہوگئی، آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز پڑھی اور یہ دراصل آپ کے پیغام ودعوت کی عمومیت وآفاقیت، آپ کی امامت کی ابدیت، اور ہرطبقۂ انسانی کے لئے آپ کی تعلیمات کی ہمہ گیری وصلاحیت کی دلیل وعلامت تھی۔

یہ واقعہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا صحیح تعارف اور اس کی صحیح نشان دہی آپ کی امامت وقیادت کا بیان، آپ کی اس امت (جس میں آپ مبعوث ہوئے) کے اصل مقام وحیثیتِ عرفی کا تعیّن اوراس پیغام ودعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے، جواس اُمّت کواس وسیع وعریض دنیااور عالمی برادری میں انجام دینا ہے۔

واقعۂ معراج دراصل ایک محدود، مقامی اور عارضی نوعیت، اور نبوّت کی ابدی اور عالمگیر شخصیت کے درمیان خطِ فاصل اور امتیازی لکیر کی حیثیت رکھتا ہے، اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم، کوئی قومی یا مقامی لیڈر، کوئی ملکی ووطنی رہنما، کسی خاص نسل کے نجات دہندہ اور کسی نئی شوکت وعظمت کے بانی ہوتے تو آپ کواس معراجِ آسمانی کی ضرورت نہ تھی، اس کیلئے آپ کو آسمان وزمین کی وسیع بادشاہت کے سیر ومشاہدہ کی حاجت تھی، نہ اس کی ضرورت تھی، کہ آپ کے ذریعہ آسمان وزمین کا یہ نیا تعلق قائم ہو، اس وقت آپ کی یہ سرزمین، یہ ماحول اور یہ سوسائٹی آپ کے لئے کافی ہوتی، اس کو چھوڑ کر آپ کو کسی اور خطۂ

زمین کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، نہ کہ بلند آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچنے کی یا مسجدِ اقصیٰ تشریف لے جانے کی جو آپ کے شہر سے بہت دور اور عیسائی مذہب اور طاقتور رومن شہنشاہی کے زیرِ اقتدار تھا۔

واقعۂ معراج یہ اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ان قومی اور سیاسی رہنماؤں کی صف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، جن کی صلاحیتوں اور کوششوں کا دائرہ ان کے ملک یا ان کی قوم تک محدود رہتا ہے۔ اور ان سے صرف انہیں نسلوں اور قوموں کو فائدہ پہونچتا ہے، جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اسی ماحول تک ان کا اثر باقی رہتا ہے جس میں وہ پیدا ہوتے ہیں، آپ جس گروہ اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی صف ہے جو آسمان کا پیغام زمین والوں کو اور خالق کا پیغام مخلوق کو پہونچاتے ہیں اور ان سے پوری نوعِ انسانی، (زمانہ و تاریخ، رنگ و نسل، اور ملک و قوم سے قطع نظر) سرفراز و سربلند ہوتی ہے، اور اس کی قسمت جاگتی ہے۔

نماز کی فرضیت

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس وقتوں کی نماز فرض فرمائی اور آپ برابر اس میں تخفیف کا سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دن ورات میں پانچ وقت تک محدود کر دیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو ایمان واحتساب کے ساتھ یہ نمازیں پڑھے گا اس کو اجر پچاس نمازوں ہی کا ملے گا۔

فرضیت تو بتا دی نماز کی کہ معراج میں نماز فرض ہوئی۔ سنت بھی تو بتائیں۔ **سنت ہمہ وقتی سجدہ ہے** روح کا غارِ حرا سے بھی پہلے کی سنت۔ امت کے لئے سجدہ میں دو انعام رکھے گئے۔ لذّت حضوری اور لذّتِ گریہ۔

جب لذّت حضوری میں لذّت گریہ بھی شامل ہو جائے تو دستِ دعا بھی بہت بلند ہو جاتا ہے۔ شاید قدم مبارک تک پہنچنے کی اجازت مل جائے اسے۔ لاکھوں کروڑوں اربوں عاشقوں میں اویس قرنی تو ایک ہی پیدا ہوتا ہے مگر یہ راستہ ہر کمزور ناتواں گناہ گار بیکس عاشق کو بھی پہلے دن ہی بتا دیا جاتا ہے۔

وہ تمام ایک جلوہ میں تمام ایک سجدہ
مری بندگی میں حائل نہ جبیں نہ آستانہ

بڑا عظیم مقام ہے روح کے اس سجدہ کا جو آستانہ نبوّت پر کیا جائے کہ شرع اس کو روک بھی نہ سکے کہ اس سجدے میں نہ پیشانی حائل ہے نہ آستانہ۔ **اور شریعت خود مقتدی ہے۔**

نبوّت کا گیارہواں سال

میرے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری دو سالوں میں کئی محاذوں پر عملِ مسلسل جاری تھا۔ ایک طرف تاریخ کا ایک باب تھا جس کا ہر صفحہ دردناک تھا۔ حضور پر جب اہلِ مکہ نے شعبِ ابی طالب کے بعد بھی زندگی کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے اس وقت بھی حضور اپنے فرضِ منصبی تبلیغ سے غافل نہیں تھے۔ مکہ نے جب اپنے کان بند کر لیئے اور دستِ ظلم دراز کیا تو حضور اردگرد کے نواحی قبیلوں میں تبلیغ کرنے لگے۔ ہر جگہ شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کس قدر مشکل کام ہے اس مؤلف کے لئے حضور کی زندگی میں شکست اور ناکامی کے الفاظ استعمال کرنا مگر حقیقت تو یہ ہی ہے۔

دوست نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہدایت میں دیتا ہوں ۔ یھدی اللہ من یشاء ۔ اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ

اے میرے **دوست** آپ ان لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہوئے ہیں۔ آخر کار انہیں میرے پاس ہی آنا ہے اور پھر ان کا حساب کتاب مجھ سے ہی ہوگا۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

"تم اُن پر داروغہ مقرر نہیں ہو۔ مگر جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا۔ تو اللہ اسکو بڑا عذاب دے گا۔ بلاشبہ اُن کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ہی کو اُن سے حساب لینا ہے۔"

اور پھر بیرونی قبیلوں "اعراب" کی مذمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہے دیکھیں آیت 99-97 سورہ توبہ۔ اور پھر طائف کے لوگ سخت متکبر اور جاہل تھے انھوں نے ساری حدود پار کر لیں تو پھر **دوست** نے ملک الجبال کو بھیجا کہ جاؤ میرے **دوست** کا حکم پورا کرو۔ فرشتہ نے عرض کی کہ حضور حکم کیجئے میں ان دونوں پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ایسا

ٹکراؤں کہ یہ سب قومِ طائف اسکے درمیان پس جائے تو **دوست** جو رحمۃ اللعالمین تھا۔ (اور ہے۔ یقینی اب بھی ہے۔ اور ہمیشہ رحمت رہے گا) اس نے فرمایا کہ ''واپس جاؤ، تم سے کوئی کام نہیں ہے شاید اس قوم میں سے آئندہ اللہ کے فرماں بردار بندے پیدا ہوں۔ (مفہوم حدیث صحیح بخاری حدیث 464)

اور پھر اللہ تعالیٰ نے۔ **دوست** نے اپنے **دوست** کو اپنے سامنے طلب کیا۔ معراج میں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے جوتے اُتارنے چاہے تو حکم ہوا کہ جوتے نہ اتاریں۔ ایسے ہی آئیں۔ (میرے جیسے کم زور ایمان والے کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ حضرت موسیٰ سے تو وادی مقدس طویٰ میں جوتے اتروالیئے تھے جہاں **آواز** بے پردہ ہوئی تھی یا پھر تجلی اور یہاں تو عین ذات کا سامنا تھا) اگر ذہن منطقی نہ ہو تو بڑی آسان ہے یہ بات سمجھنا۔ ''اللہ نے جیسا کیا ویسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ وہی صحیح ہے جو اللہ نے کیا'' یہ تھا ''**روشنی کا سفر روشنی کی طرف**''

میرے آقا کے قدم عرشِ بریں تک پہنچے

اللہ تعالیٰ کی کتاب شروع ہوتی ہے لفظ الحمد سے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی حمدِ باری تعالیٰ کے فقرہ کے گرد گھومتی ہے۔ کوئی نماز۔ کوئی دعا۔ کوئی شکرانہ نہ آقا کا نہ آقا کے غلاموں کا حمد کے بغیر مکمل ہے۔ مگر اُسی کتاب کی آخری آیت دیکھیئے تو وہ ایک کالے نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو تقریباً ہر انسان کے ایمان میں چھپا ہوا ہے۔ شرِّ الوسواس الخنّاس.

وسوسے ہر دل میں پیدا ہوتے ہیں صرف نبی اور صدیق اس سے پاک ہیں۔

ایک دوسرے انداز سے دیکھئے۔ آج تک کسی سپہ سالار نے جسکو ایک بڑے معرکہ کا سامنا ہو۔ اپنی افرادی قوت اور اپنے اثاثہ کو بکھیر نہیں دیا۔ بلکہ چاروں طرف سے جمع کیا۔ میرے آقا نے پہلے ہی مرحلہ میں سو سے زیادہ ایمان والون کو حبشہ روانہ کر دیا۔ ہجرت میں ایک ثواب چھپا دیا۔ اور حکم تو بہ ہر حال تھا ہی۔ پھر اتنے ہی افراد کو یثرب روانہ کر دیا۔ ان میں یقیناً بازوئے تیغ آزما بھی ہونگے۔ یقیناً ان تمام مہاجرین میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو یقین کرتے ہونگے کہ رسول کی حکمتِ عملی (Strategy) اعلیٰ ترین ہے۔ مگر چند یہ بھی سوچتے ہونگے کہ اللہ خیر رکھے ہمارے آقا مکہ میں اکیلے ہوتے جا رہے ہیں۔ **"کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے"**۔

اس ایک سال میں ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک اور موقع آیا اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنے کا۔ یمن کے بڑے زور آور قبیلہ دوس کے سردار اور قلعہ گڑھی کے مالک طفیل دوسی جو بڑی سربر آوردہ شخصیت تھے۔ اور نامور شاعر تھے مکہ آئے۔ قریش نے فوراً ان کے کان بھرنے شروع کیئے کہ ابن عبداللہ کی زبان میں سحر ہے (نعوذ باللہ) کان میں روئی لگا کے راستہ چلیئے۔ طفیل نے ایسا ہی کیا۔ پھر ایک دو دن کے بعد خیال آیا کہ میں ایسا زبردست شاعر ہوں سنوں تو صحیح کہ ابن عبداللہ کیا کہتے ہیں؟ ایک دن کعبہ میں دیکھا کہ حضور نماز پڑھ رہے ہیں۔ کلام سُنا تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ ایسا اعلیٰ کلام میں نے آج تک نہیں سُنا۔ یہ بات ظالم ہوا نے قریش کے کانوں تک پہنچا دی۔ جلتے ہوؤں کو اور جلا دیا۔ وطن لوٹے تو قبیلہ

کو اپنا ہم نوا پایا کہ ''ہم تمہارے ساتھ ہیں''۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیش کی۔ ''اگر حضور ہمارے قبیلہ کو رونق بخشیں تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ قریش کو ایک سو سال بھی اندر نہیں آنے دیں گے۔'' حضور نے تبسم عطا فرمایا طفیل اور قبیلہ دوس کو برکات کی دعائیں دی۔ مگر پیش کش واپس لوٹا دی کہ حضور کا ارادہ کچھ اور ہے۔ وہ چلے تو گئے مگر جنگِ خیبر کے موقع پر اپنے قبیلہ کے ستر اسّی گھرانوں کو لیکر مدینہ آگئے۔

''لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا''

جنگِ خیبر کے موقع پر شرکت کیلئے جب طفیل دوسی آئے تو انہی کے ساتھ ابوھریرہ بھی آگئے۔ جنکی قسمت میں امام المحدثین بننا لکھا تھا۔ جنگِ طائف کے موقع پر پورا قبیلہ دوس حاضر تھا۔ یاد ہے آپ کو یہ وہی طائف والے ہیں جو چند سال (آٹھ سال) پہلے حضور پر سنگ باری کرر ہے تھے اور جنکو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ملک الجبال فرشتہ سے پناہ دی تھی۔ جبکہ ملک الجبال نے اجازت مانگی تھی کہ حضور ان دو پہاڑوں کو ٹکرا کر اس قوم کو پیس دوں؟ اور حضور کی پیشن گوئی کہ یہاں سے کچھ مؤمنین بھی اُٹھیں گے اس مفہوم کی حدیث بخاری میں ہے۔ طائف کو بھی آخر کار سر جھکانا تھا۔ جھکا دیا۔ طفیل دوسی نے اپنی تلوار کے جوہر خاص طور پر فتنۂ ارتداد کے فرو کرنے میں دکھائے۔ مسلیمہ ابن کذاب کے تعاقب میں بڑی سرگرمی دکھائی اور آخر کار حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں مسلیمہ کے خلاف لڑتے ہوئے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔

حضور نے طفیل کی امان اور مدد مکہ میں مسکرا کر واپس کی تھی تو طفیل معہ اپنے خاندان کے اور اپنے قبیلہ کے بڑے گروہ کے حضور کی امان میں خود چل کر آگئے۔ مدینہ میں ہی مقیم رہے جب تک کہ حضور نے آخرت کا سفر اختیار نہیں کیا۔ (حضور نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ قبیلہ دوس کو میرے پاس لے آ۔) حدیث 1517 صحیح بخاری۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را''

آئی نسیمِ کوئے مدینہ

کھچنے لگا دل سوئے مدینہ

قرآن کی چند آیات سُنیں۔ طفیل دوسی مسلمان ہوگیا۔

ابوجہل خبیث العقل نے ایک دفعہ پھر اپنا سر پیٹ لیا۔

پہرہ چوکیداری سخت کردی گئی۔

اللہ کے رسول نے اپنی مشقت زیادہ سخت کردی۔

تبلیغ جاری رہی۔

تردیدِ ابوجہلی اور ابولہبی تھک کر بیٹھ گئی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے چند یثربی مردوں کو ایک گھاٹی کے عقب میں دیکھا۔ نام نسب پوچھا تو معلوم ہوا کہ خزرج کے قبیلہ سے تعلق ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی وہ انھوں نے سن لی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی چند آیات سنائیں تو سب ایک دوسرے کا منہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایک گہری خاموشی طاری تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ''دیکھو یہودی ہم سے بازی نہ لے جائیں۔ اوّلیت ہم حاصل کرینگے''۔ فوراً ان چھ افراد نے اسلام قبول کرلیا۔

یہ نہ پوچھئے کہ کون پہلا تھا؟ **سب پہلے تھے۔**

۱۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ ۲۔ ابولہیثم بن تیہان ۳۔ عوف بن حارث ۴۔ رافع بن مالک بن عجلات

۵۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ ۶۔ جابر بن عبداللہ بن رباب۔

یہ چھٹے صاحب ایک دوسرے مشہور صحابی جابر بن عبداللہ کے ہم نام تھے۔ مگر یہ وہ نہیں جن کا ذکر بار بار آیا ہے۔
حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دس سال پورے ہوئے تھے۔ شعب ابوطالب کا مرحلہ گزار لیا تھا۔ امّ المومنین خدیجہ نے سفر آخرت اختیار کر لیا تھا۔ ابوطالب بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ مگر یہ تھا دس سالہ مشقت کے بعد انعام الٰہی۔ اور انعام عام طور پر بار بار ہوتا ہے۔ لوگ اسکو کرم بالائے کرم بھی کہتے ہیں۔
دوسرے سال بارہ شخص یثرب سے آئے۔ (ابھی ہم اس پاک دیار کو بہ جبر و اکراہ یثرب ہی کہیں گے جلد ہی اسے مدینۃ النبی یا مدینہ منورہ کہنا شروع کریں گے اور اس نام سے ہی آنکھوں میں روشنی اور ٹھنڈک آئے گی)۔
اس دفعہ یہ سورج بارہ تھے۔ اور اب یہ خاموش رہنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لوگ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد بھی تو دیتے ہیں۔ یہ اوّل یثربی مسلمان لوگوں کو مبارکباد دیتے تھے۔

''وہ آگیا۔ وہ نبی آگیا۔ جسکا تمام عالم کو انتظار تھا۔

ہمارے کانوں نے اسکا کلام سنا۔

ہماری آنکھوں نے اسکا دیدار کیا۔

اس نے ہم کو زندہ اور قائم خدا سے ملا دیا۔

اب اس دنیا کی زندگی اور موت دونوں ہمارے لئے ایک کھیل ہیں۔'' (طبری۔ سلیمان منصور پوری)

یثربیوں کو صدیوں سے یہودیوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ''دعائے خلیل'' اور ''نوید مسیحا'' پیغمبر اعظم کی آمد کی خبر تھی۔ اب یہ اللہ کی مصلحت ہے جو سمجھی نہیں جاسکتی کہ خبر دینے والے (یہود) خود کتنے بے خبر تھے۔ اور یثربیوں نے بڑھ کر جام سعادت کیسے تھام لیا۔
انکو یہود پر فوقیت کس نے دی اور کیوں دی۔ سوال کبھی نہ پوچھیں جواب قبول کرلیں اب یثرب کے گھر گھر میں بشارت کے پورا ہونے اور بشارتی نبی کے آنے کا چرچا تھا۔ سوائے یہودیوں کے جو اندیشہ ہائے دور دراز میں یا نسلی عصبیت میں گرفتار تھے۔

کہ نبی کو آنا تھا مگر وہ یہود میں کیوں پیدا نہیں ہوا؟

یہ گلہ تو وہ اللہ تعالیٰ سے کرتے رہیں۔ ہم غیر متعلق ہیں۔ اگلے سال حج کے موقع پر یثرب کے بارہ باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ باتوں پر بیعت کی۔

۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

۲۔ ہم چوری اور زناکاری نہیں کریں گے۔

۳۔ ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

۴۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ چغلی کیا کریں گے۔

۵۔ ہم نبی کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کریں گے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

یثربیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ ابن عمیر بھی ایک عجیب کردار تھے۔ ایک سعادت تو یہ تھی کہ انکی شکل حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی تھی۔ جب احد میں مصعب بن عمیر شہید ہوئے تو کفار خوش ہوئے کہ انھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا۔ اور اس افواہ سے جو افراتفری پھیلی وہ تاریخ کا حصّہ ہے۔ مگر احد سے پہلے بدر میں مصعب بن عمیر مسلمانوں کے علم بردار تھے۔ اور یہ علم اونچا رہا۔ اور اس سے بھی پہلے یثرب میں نومسلموں کی تعلیم اور غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ بنا کے بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ جب بخشش پر آتے ہیں تو کچھ زیادہ ہی بخشش کرتے ہیں۔ مصعب نے تبلیغ میں **حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا میٹھا انداز سیکھ لیا تھا۔** یثرب اب مدینہ بننے والا ہے۔ وہاں چل کے ذرا مصعب کا انداز تبلیغ دیکھیں۔

مصعب (بقول طبری) امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے تو آگے پیچھے دائیں بائیں غلام چلا کرتے تھے۔ گھوڑ اسوار مالک کی شان ساتھ کے پیدل غلاموں کی تعداد سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے نا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مصعب کے لباس کی قیمت کبھی دوسو درہم سے کم نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو نہیں معلوم کے دوسو درہم میں کونسا لباس آتا ہے مگر تقابل سے پتہ چلتا ہے ایک سرخ (یعنی اچھے) اونٹ کی قیمت اسوقت ایک سو درہم ہوتی تھی۔ گویا مصعب کا لباس دو اونٹوں کی قیمت کے برابر تھا۔ یہ ہوئی نہ بات شان کی۔ اور پھر اسلام لانے کے بعد درویش کی یہ شان کہ مصعب کا پورا لباس ایک کمبل ہوتا تھا جو دو حصّوں میں بانٹ لیا جاتا تھا۔ آدھا تہ بند کے طور پر اور آدھا چادر کے طور پر بہ شکل احرام۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پھٹے پرانے بوسیدہ لباس والے کو اپنا سفیر بنایا تھا مگر اس میں بھی فراست نبوّت قابل توجّہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ انسان کا پہلا تأثر اسکے لباس سے پڑتا ہے مگر زیادہ گہرا اور پائیدار اثر اندازِ گفتگو سے۔ مصعب کی گفتگو وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

مصعب کی زبان کی مٹھاس اور تاثیر کی مثال کہیں نہیں ملتی تھی سوائے اسکے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھیں اور وہاں معلوم ہوتا تھا کہ غلام نے آقا کی پوری پوری نقل کرنے کی پوری پوری سعی کی تھی۔ ٹھیک ہے کہ آقا اور غلام میں فرق قائم تھا۔ نبی اور اسکے سفیر میں فرق قائم تھا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ کوئی اور غلام وہاں تک بھی نہیں پہنچا تھا جہاں تک مصعب بن عمیر پہنچ گئے تھے۔

اور آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب لاجواب تھا۔ نتیجہ نے یہ بات ثابت کی۔

اس سے پہلے کہ میں مصعب کی تبلیغی دورے پر آپکو ساتھ لے چلوں ایک بات عرض کر دوں کہ یثرب کے اسلام میں نام اسعد (دو دفعہ اسعد) اور سعد بار بار آتے ہیں شاید یثرب کی سعادتوں کی طرف اشارہ ان کے ناموں میں تھا۔ اور مصعب کے نام سے ان صعوبتوں کی طرف اشارہ تھا جو تبلیغ میں آتی ہیں یا جواب ختم ہوتی نظر آ رہی ہیں۔

مصعب یثرب میں اسعد بن زرارہ کے مہمان ہوئے جن کو وہاں کے رہنے والے ''المقری'' کہتے تھے۔ یعنی پڑھانے والا یا ''استاذ'' ایک دن مصعب اور اسعد اور چند مسلمان بئیر مرق (بئیر بہ معنی کنواں) پر جمع ہوئے کہ کسطرح دو قبیلوں بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبایل کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ انھیں بھی خبر ہوئی۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر کو آگاہ کیا کہ ''میاں تم کو خبر بھی ہے یہ دونوں ہمارے گھر میں آ کر آگ لگا رہے ہیں'' (یہ تو ان کو بعد میں پتہ چلا کہ وہ آگ نہیں نور لیکر گئے تھے)

''تم جا کر ان بے وقوفوں کو بھگا دو''۔ (قیاس کہتا ہے کہ سعد نے بے وقوف سے زیادہ بھاری لفظ استعمال کیا ہوگا۔)

''تم جا کر ان کو دھمکا دو۔ میں خود ایسا کرتا مگر میں خاموش رہنا چاہتا ہوں کہ اسعد میری خالہ کا بیٹا ہے''۔

اسعد اپنے ہتھیار لیکر روانہ ہوئے اسعد بن زرارہ نے مصعب سے کہا کہ دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آ رہا ہے۔ خدا کرے وہ تیری بات مان جائے''۔ مصعب نے کہا ''اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے ضرور کلام کروں گا''۔

اسید بن حضیر آ پہنچا اور کھڑے کھڑے گالیاں دیتا رہا۔ دھمکانے کے لئے بھیجا گیا تھا دھمکاتا رہا۔

مصعب نے کہا ''کاش آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں اگر پسند آئے تو قبول کر لیں۔ ناپسند ہو تو رد کر دیں''۔ اسید نے کہا ''خیر کیا مضائقہ ہے'' (مصعب کی میٹھی بات کا کام شروع ہو چکا تھا)

مصعب نے پھر اسید کو دھیمے لہجے میں سمجھایا کہ اسلام کیا ہے۔

اسید سنتا رہا۔ شاید برف پگھل رہی تھی۔ اب مصعب نے اپنا سب سے بڑا ہتھیار سنبھالا۔ خود اللہ کا کلام۔ کہاں مصعب کی دھیمی میٹھی مدھم بات اور پھر کلام اللہ کا جلال و جمال کا امتزاج۔ اسید اگر لوہا بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔ وہ بولا تو صرف اسقدر کہ ''بتاؤ اگر کوئی تمہارے دین میں داخل ہونا چاہے تو کیا کرے''۔ مصعب نے اسعد کو دیکھا اور اسعد نے مصعب کو اور پھر دونوں نے تشکر کی نگاہ آسمان کی طرف کی یا اپنے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف مکہّ میں۔

اسید نہا دھو کر۔ اپنے کپڑے دھو کر پہن کر پھر آپہونچے اور بولے ''اوراب''۔ ان کو کلمہ شہادت پڑھوایا گیا اور دو رکعت نفل سکھائی گئی اور ادا ہوئی۔ اور اب جناب اسید نے رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بن کر مصعب اور اسعد رضی اللہ تعالیٰ علیہما کے ساتھ تشریف رکھی اور پھر بولے۔ ''میرے پیچھے ایک اور شخص ہے اگر وہ تمہارا پیرو ہو گیا تو پھر کوئی مخالف نہ رہے گا میں ابھی جا کر اسے تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں''۔

سعد بن معاذ اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے انتظار میں تھا۔ واپس آتے دیکھا تو بولا کہ ''اسید کا چہرہ بدلا ہوا ہے''۔ جب اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سعد کے پاس آکر بیٹھے تو بولے۔ ''میں نے ان لوگوں کو سمجھا دیا ہے وہ کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف نہیں کریں گے''۔

''لیکن وہاں تو ایک حادثہ پیش آ گیا۔ بنو حارثہ وہاں آ گئے تھے اور وہ اسعد بن زرارہ کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تمہارا بھائی ہے''۔ معلوم نہیں یہ بات ہوئی تھی یا نہیں سیرت نگار خاموش ہیں مگر سعد بن معاذ کو غصّہ آ گیا اور وہ اپنے خالہ زاد بھائی کو بچانے چلے گئے۔ وہاں دیکھا کہ سب امن چین ہے اور مصعب بن عمیر اور اسعد اطمینان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جب سعد کی جھڑکیوں اور گالیوں کا سناٹا ختم ہو گیا تو مصعب نے کہا کہ ''اگر آپ بیٹھ جاتے تو یہ ہم پر احسان ہوتا''۔ ہم تو آپ کے علاقہ سے چلے ہی جائینگے کہ آپ مالک ہیں''۔ ''مگر تھوڑی دیر تو ہم کو مہمان ہی سمجھ لیجئے''۔ کسی عرب سے یہ کہہ دینا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں زندگی کے بیمہ سے زیادہ موثر بات ہے۔ سعد نے اپنا نیزہ رکھ دیا۔ تلوار کھول کر سامنے زمین پر رکھی اور کہا کہ ''بولو''۔ جب مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بات شروع کی تو لوگوں نے دیکھا کہ بئر مرق سے مزید کئی ڈول پانی نکالے جارہے ہیں اور سعد غسل فرما کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بننے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پھر سعد

اٹھ کر اپنے قبیلہ میں گئے۔ ''اے بنی عبداشہل تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے''۔ سب نے کہا کہ ''تم ہمارے سردار ہو اور تمہاری رائے ہم سب سے بہتر ہے'' سعد نے کہا کہ ''تو پھر سن لو کہ آج سے قبیلہ کو کوئی مرد یا عورت جو مسلمان نہیں ہے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے''۔

سعد سے واسطہ توڑنا کسی کو گوارا نہ تھا۔

پورے قبیلہ نے فوراً مسلمان ہونا قبول کیا۔

بئر مرق سے کتنے ڈول پانی اسوقت نکالا گیا اور کتنے لوگوں نے اسی وقت باطہارت نفل پڑھی کلمہ پڑھا یہ تو کسی نے نہیں بتایا مگر یہ بتایا گیا کہ سوائے ایک شخص کے جو سفر پر باہر گیا ہوا تھا قبیلہ کا ہر فرد مسلمان ہو گیا۔ اور اگر اس لذیذ بیان کو مختصر کرنا چاہیں تو سن لیجئے کہ اگلے سال ۱۳ اء نبوی میں حج کے موقع پر جو وفد یثرب سے آیا وہ تعداد میں ۷۲ مرد اور ۲ عورتیں تھیں۔ یثرب میں منتظر کرم کتنے تھے ابھی یہ نہ پوچھئے۔ یہ وفد کوئی خاص راز داری بھی نہیں دکھا رہا تھا۔ اور اس وفد کی درخواست تھی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم بس اب آپ ہمارے ساتھ یثرب چلیں۔ (یثرب اب مدینۃ النبی یا مدینہ منورہ بننے والا تھا)

دوران گفتگو کچھ مکہ والوں اور قریش کے جبر اور ظلم کا بیان آیا تو عبّاس بن عبادہ نے سعد بن عبادہ کی طرف غور سے دیکھا۔

عبّاس کا ہاتھ انکے تلوار کے دستہ پر تھا۔ سعد نے عبّاس سے نظریں ملائیں تو آمیں خوف کا شائبہ نہیں تھا۔

عبّاس نے کہا کہ ''حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ ہم مکہ والوں کو اپنے تلوار کے جوہر کل ہی دکھا دیں''۔

عبّاس کو نہیں معلوم تھا کہ اس سال ۷۲ کو نہیں مگر اگلے سال ۳۱۳ کو بدر میں تلوار کے جوہر دکھانے تھے۔

حمزہ نے خانہ کعبہ میں ابوجہل کی کٹائی پٹائی اسکے حوالیوں موالیوں میں گھس کر کر دی تھی اور خانہء کعبہ میں خون بہایا تھا۔ عمر اسکے تین چار دن کے بعد ابوجہل کی تلاش میں تلوار کے ساتھ دیکھے گئے تھے اور اب عبّاس یثربی ابھی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کو بھی بتایا گیا کہ ابھی قتال کی اجازت اوپر سے نہیں آئی۔

(یہ ساری تفاصیل صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1074 اور 1075 سے لی گئی ہیں)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ پر اس باد بہاری کے جھونکے کا بیان ختم کرتا ہوں۔ یہ باد بہاری کا جھونکا دیباچہ

مدینہ کے موسم بہاراں کا پیشگی پیغام ہے۔

احمد بن یحیٰی بن جابر الشہیر بالبانوری کا فتوح البلدان میں بیان ہے کہ حضور نے فرمایا۔

"خواہ کوئی مصر و مدینہ (ملک اور شہر) زبردستی فتح کیا گیا ہو مگر المدینہ قرآن سے فتح کیا گیا۔"

چھ یثربی نورِ ایمان کو دل میں بسائے اپنے وطن لوٹے۔ یہ آئے تو تھے بتوں کا حج کرنے مگر (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی خاطر؟) اللہ تعالیٰ نے انکو خدائے واحد کا حج مبرور عطا کیا۔ کیا یہ عالم اسلام کے پہلے حاجی نہیں تھے؟ دوسرے سال حج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا وعدہ تھا۔ چھ عدد دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گئے تھے مگر واپس آنے والوں کی گنتی بارہ تھی۔ انکے نام اہم نہیں ہیں کیونکہ بارہ کے بارہ کے نام کے آگے۔ عاشق رسول یا معشوق رسول لکھ دینا کافی ہوگا۔ مگر تاریخ کا پیٹ بھرنے کے لئے ان کا نام دیا جا رہا ہے۔ قبایلی نسبت کے ساتھ۔ اگر کسی کو اس قبائلی نسبت کی فہرست میں مختلف قبائل کی موجودگی کی وجہ سے قبایل پرستی کے بت کے ٹوٹنے کے آثار نظر آئیں تو اس سے کہہ دیجئے کہ وہ آقا صلّی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے ان نوشگفتہ کلیوں کے چٹکنے کی آواز سن رہا ہے۔ جو ابھی مستقبل کے پردے میں ہیں۔

۱	حضرت اسعد بن زرارہ	ان کا تعلق بنو نجار سے تھا یہ حاضری ان کی دوسری حاضری تھی۔
۲	حضرت عوف بن حارث	ان دونوں کی والدہ کا نام عفراء تھا، اسی لئے پسران صفراء بھی کہلاتے تھے۔ بنی نجار سے تعلق تھا۔ یہ وہی عفراء کے بیٹے تھے جو بدر کے میدان میں ابو جہل کو سزائے موت دینے آئے تھے۔
۳	حضرت معاذ بن حارث	
۴	حضرت ذکوان بن قیس	بنی زریق سے تعلق تھا۔ واحد صحابی جنہیں مہاجر و انصار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بیعت کے بعد مکے میں رہ گئے۔ حکمِ ہجرت کے بعد مدینہ آئے۔

۵ حضرت رافع بن مالک بنی زریق کے معزز فرد تھے۔

۶ حضرت عبادہ بن صامت بنی عوف بن خزرج سے تعلق تھا

۷ حضرت یزید بن ثعلبہ ابوعبدالرحمن بنی عوف بن خزرج سے تعلق تھا۔

۸ حضرت عباس بن عبادہ بن نفضلہ بنی عامر بن عوف سے تعلق تھا۔

۹ حضرت عقبہ بن عامر بن نابی بنی سلمٰی میں سے تھے۔ (پہلی بار بھی تھے)

۱۰ حضرت قطبہ بن عامر بنی سواد کے فرد تھے۔

یہ دس افراد قبیلہ خزرج کے تھے۔ قبیلہ اوس کے دو افراد:۔

۱۱ حضرت ابوالہیثم بن النیہان قبیلہ بلی حلیف بنی عبدالاشہل

حضرت عویم بن ساعدہ بنی عمرو بن عوف سے تعلق تھا۔

یہ لوگ منیٰ میں اسی مقام پر ملے جہاں پچھلے سال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ تاریخ میں اسے بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورہ ابراہیم کی تلاوت فرمائی۔ اس موقع پر جو بیعت لی وہ بیعت توبہ یا بیعت نساء کے نام سے مشہور ہے۔ بہت بعد میں سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر۱۲ میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے جو الفاظ نازل ہوئے وہ اس بیعت سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ پیغمبر کی زندگی کی ابتداء ہی سے صحیح رُخ پر ہوتی ہے۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

عہدو پیماں .... یہی پیمانِ الفت ہے یہی عہدِ وفا اپنا

۱ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲ ہم چوری نہیں کریں گے۔

۳ ہم زنا نہیں کریں گے۔

۴ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

۵ ہم کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔

۶ ''ہم کسی امر معروف میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا حکم سُنیں گے اور مانیں گے۔ خواہ ہم خوشحال ہوں، خواہ تنگ حال، خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملے میں اہلِ حکومت سے نزاع نہیں کریں گے۔'' مسند احمد میں اضافہ ہے کہ ''اگر چہ تم سمجھتے ہو کہ حکومت تمھارا حق ہے۔'' بخاری میں اضافہ ہے کہ ''الا یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو'' اور یہ کہ ہم جہاں اور جس حال میں بھی ہوں، حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

بیعت کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ چاہے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

اسلام کے پودے کی نشوونما کسطرح ہورہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ مکہ میں اسلام دعا کے حصار میں تھا۔ اور یثرب (چند دن بعد مدینہ) میں وہ کوشش اور طلب کا ہدف تھا۔ انتظار کا مرکز تھا۔ اسلام کا وہی معاملہ تھا کہ "میں کسی کے دستِ طلب میں ہوں تو کسی کے حرفِ دعا میں ہوں"۔

نمازِ جمعہ:

کیا یثربی مسلمان ہر چیز میں اولیت حاصل کرلیں گے؟ حضرت سعد نے معلم کتابِ علم وحکمت سفیر وخادمِ رسول معصب بن عمیر کو اپنے گھر میں ٹھہرالیا۔ یہ مقری یعنی پڑھانے والے یا استاد کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ پھر اسکے بعد انھوں نے ایک باجماعت جہاد اور کیا۔ یہ جہاد تھا پتھر کے بتوں کے خلاف۔ بنی عبدالاشہل کے تمام بت توڑ دیئے۔ بتوں کے توڑنے کے کھیل میں سُنا ہے کہ بچوں نے زیادہ زور وشور سے حصہ لیا اور میں بغیر دیکھے یہ گواہی دے سکتا ہوں کہ بچوں کا اسکور بڑوں سے زیادہ تھا۔

اسلام یثرب میں تیزی سے پھیلنے لگا۔ شاید **دوست** دوست کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ دیکھو ہدایت میں دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں۔ اسعد بن زُرارہ نے ایک چٹان پر جسے (ریگستان کے وزن پر) سنگستان "نقیع الخصمات" کہتے تھے باجماعت نماز کا اہتمام کردیا۔ یہودی سبت یعنی ہفتہ کی تبریک کرتے تھے اور عیسائی اتوار کی تو یثربی مسلمانوں نے جمعہ کو اپنا متبرک دن مقرر کیا۔ اور اس دن یومِ تاسیس (Inaguration) کے طور پر بکری پکا کر دعوت کی۔ روایت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (ہونے والے) انصار کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں پر نماز جمعہ فرض کردی گئی۔

ہجرت نبوی سے کچھ دن پہلے ہیڈ کوارٹر سے یعنی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معصب بن عمیر کو تحریری حکم ملا کہ وہ زوال کے بعد لوگوں کو دو رکعت نماز جمعہ پڑھائیں۔ مشہور انصاری شاعر کعب بن مالک بڑھاپے کے سبب نابینا ہوگئے۔ ان

کے بیٹے ہاتھ پکڑ کر مسجد لے جاتے تھے۔ جمعہ کی اذان کے بعد خصوصی طور پر وہ اسعد بن زرارہ کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے بیٹے سے کہا کہ مدینہ میں سب سے پہلی نمازِ جمعہ انھوں نے پڑھائی تھی ۔ (ابن ہشام)

اسی سال جب حج کا موسم آیا تو یثرب سے تقریباً پانچ سو زائرین حج کے لئے روانہ ہوئے ان میں سے 72 مسلمان تھے۔

حساب کہتا ہے کہ 13 سے 14 فیصد تک مسلمان تھے۔ [تطابق کے لئے عرض ہے کہ ایک ہزار سال کی مسلمان حکومت (اسلامی حکومت نہیں) کے بعد ہندوستان کے اُتر پردیش جو ہندوستان کا ذہنی علمی مرکز تھا۔ دہلی ، لکھنؤ ، علی گڑھ وغیرہ وہاں مسلمانوں کی تعداد 13 فیصد تھی اور جنوبی ہند میں اس سے بھی کم]

رات کو اسی پردہ پوش گھاٹی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی 73 مسلمانوں کی بیعت ہوئی ۔ [ان میں امّ عمارہ بھی تھیں جن سے آپ کی ملاقات اُحد کے میدان میں ہوگی ۔ یہ کافی چوڑی خاتون تھیں اور یہ اُحد کے دن حضور کے سامنے ڈھال بن کر بیٹھ گئیں۔ تیر امّ عمارہ کی پشت میں پیوست ہوئے ۔ جب کہ کئی اور خواتین امّ المؤمنین عائشہ، اُمّ سلیم وغیرہ پانی لانے والی خواتین واٹر سپلائی بریگیڈ اور نرسنگ بریگیڈ بنی ہوئی تھیں یہ خاتون مرد مجاہدین میں شامل تھیں] دوسری خاتون بنی سلمہ کی ام منیع اسماء بنتِ عمرو تھیں ۔ (ہشام)

ایک تہائی رات گزرنے کے بعد جب کہ سفر کرنے والے تھکے ہوئے سو رہے تھے یہ گروہ آہستہ نرم خرامی سے جمع ہوگیا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب حضور کے حقیقی چچا نے خطاب کیا۔

''لوگو!...... تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ میرے بھتیجے ابن عبداللہ کے خون کے پیاسے ہیں ۔ اگر تم ان سے کوئی پیمان کرتے ہو تو سمجھ لینا کہ یہ طوفان سے پیمان باندھنا ہے ۔ اگر یہاں سے ان کے نکلنے کے بعد اور تم سے ملنے کے بعد اگر کوئی ایسا اندیشہ ہے کہ تم انکا ساتھ چھوڑ دو گے اور ان کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دو گے تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے چھوڑ دو ۔ وہ بہ ہر حال اس وقت بھی اپنے قبیلہ میں ہیں ۔ مضبوط ہیں ۔ محفوظ ہیں ۔''

اہلِ یثرب نے کہا کہ عبّاس ہم نے آپکی بات سن لی اب ہم رسول اللہ کا خطاب براہِ راست سننا چاہتے ہیں۔ حضور نے اس گزارش کے جواب میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی۔ انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اور اس بات پر بیعت طلب کی کہ تم میری حفاظت اپنی جانوں کے برابر کرو گے۔

خزرج کے سردار براء بن معرور اٹھے اور انھوں نے آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا'' بے شک ہم آپکی حفاظت اسی طرح کریں گے آپ ہم سے بیعت لیں۔ اتنے میں ابوالہیثم بن النہان بول اٹھے۔ یا رسول اللہ اس وقت ہم یہودیوں سے حلیفانہ معاہدہ کیئے ہوئے ہیں۔ اب اسے ختم کرنا پڑے گا۔ غلبہ پا کر کہیں آپ ہمیں چھوڑ تو نہیں دیں گے۔ حضور اس پیش بندی اور دور اندیشی پر مسکرا پڑے اور وہ جملہ عطا کی جو تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ ابد تک انصار کے لئے ایک تمغۂ خاص۔

آپ نے اعلان کیا کہ'' میرا خون تمہارا خون۔ میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں اس سے لڑوں گا۔ تم جس سے صلح کرو گے میں اس سے صلح کرونگا۔'' (عروہ بن زبیر ۔ مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

انصار سے بیعت مکمل ہوئی۔ یہ قافلہ جب یثرب پہونچا تو انھون نے اپنے اسلام و ایمان میں اعلان کا اضافہ بھی کر دیا۔

چند دنوں میں مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ ضعیف افراد، خواتین اور بچے اور جنہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ (عباس بن عبدالمطلب) وہ مکہ میں رہ گئے۔ سواریاں عام نہیں تھیں اور مکہ سے یثرب کا فاصلہ چار سو کلومیٹر سے زیادہ پیدل طئے کرنا ہر ایک کے بس کا نہیں تھا۔ ذرا آنکھ بند کر کے ان مہاجروں کا سفر یثرب یاد کیجئے۔ سامان خوراک اور پانی اتنا ہی لے جا سکتے تھے جو وہ خود اُٹھا سکیں۔ اور چار سو کلومیٹر تک تیز رفتار ساتھیوں کی رفتار کا ساتھ دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔

اب اس وقت الٹی کھوپڑی کے قریش ابوجہلوں کو فکر ہوئی۔

(ا) مسلمانوں کو ٹھکانہ میسّر آ گیا ہے۔

(۲) دو طاقتور قبایل اوس اور خزرج کی مدد حاصل ہوگئی۔ یہ تو انہونی بات ہوئی۔ یہ قبایل تو پچھلے پچاس سال سے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔

(۳) مسلمانوں کا مرکز ان قریشیوں کی تجارتی شاہراہوں کے قریب ہے۔ اب تجارت خطرے میں ہے۔

قریشیوں کے دار الندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ شیطان کا نمائندہ ایک نجدی (سارا فساد نجد ہی سے کیوں اٹھتا رہا ہے یاد کیجئے مسلیمہ کذاب کا فساد) شیخ کی شکل میں شریک ہوا اور تجویز کی کہ اے قریشیو! تم اب تک اسی خوف میں مبتلا رہے کہ اگر ابن عبداللہ کو قتل کر دو گے تو سارے بنو ہاشم اور بنو عبد مناف سے لڑنا پڑے گا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قبیلہ سے ایک جوان چُن لو۔ سب ایک ساتھ تلوار ماریں۔ قتل کا جرم سارے قبیلوں پر بٹ جائیگا۔ اور بنو ہاشم سب قبیلوں سے جنگ نہیں کر سکیں گے ناچار وہ خون بہا لیکر راضی ہو جائیں گے۔

ساری الٹی کھوپڑیوں کو یہ اسکیم پسند آئی۔ کسی نے خود سے یہ سوال نہیں کیا کہ آخر یہ بہت عام سی ترکیب انہیں پہلے کیوں نہیں سوجھی۔ بہ ہر حال قریش نے وقت تاریخ دن طئے کیا۔ اس دن کا نام یوم الزّحمت رکھا گیا۔ قریش نے قاتل شمشیر زنوں کی فہرست مرتب کر لی۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کو ان تمام خفیہ اسکیموں کا پتہ دیا۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ O (سورہ انفال آیت ۳۰)

"اور جب کافرین آپ کے بارے میں بُری بُری باتیں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کر لیں یا قتل کر لیں یا خارج وطن کر دیں، تو وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا، اور اللہ سب سے مضبوط تدبیر کرنے والا ہے۔"

''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں کار کشا کار ساز''

وہ فراست نبوی تھی یا حکم الٰہی اسکا تصفیہ بھی ہمارا کام نہیں ہے۔ مدینہ شمال میں ہے مگر اللہ کا رسول اور اُسکا صدیق جنوب کی طرف روانہ ہیں۔

ذرا پیچھے پلٹ کے بھی دیکھ لیں۔ علی رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو رہے ہیں جوانی کی نیند ہے۔ آرام سے سو رہے ہیں۔ خوف؟ ۔ خوف کس بات کا؟ ۔ قریش کی تلواروں کا؟ ۔ مضحکہ خیز بات ہے۔ اللہ کے شیر کو ان گیدڑوں کا خوف؟ ۔ علی کا اصل مسلۂ نیند تھی خوف نہیں۔ آرام سے سوئے بعد میں جب کسی نے پوچھا کہ "علی تمھیں نیند کیسے آئی؟" تو علی نے فرمایا کہ "اس سے اچھی نیند تو پھر کبھی نہیں آئی"۔ "حضور نے تین دن بعد قبا میں ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ اب اگلے تین دن تو میں قطعی محفوظ تھا"۔

اِدھر دو کا قافلہ جنوب کی طرف روانہ تھا اوّل وہ جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور دوسرے وہ جن کو اللہ تعالیٰ ثانی اثنین (دو میں سے دوسرا) فرماتا ہے۔ کتنا پیارا خطاب ہے۔ "ثانی اثنین" کا۔ غارِ ثور پہنچ کر جو ابوبکر کی انتظامی امور میں پہلی منزل تھی حضرت ابوبکر پہلے غار میں جاتے ہیں اور ہر ممکن احتیاط سے موذی جانوروں سانپ بچھو کے سوراخ اپنی چادر کی دھجیوں سے بند کرتے ہیں اور رفیق محترم کو اندر بُلاتے ہیں ایک سوراخ کیلئے کپڑا باقی نہیں تھا اسپر اپنی ایڑی رکھ دیتے ہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم رفیق خاص کے زانو پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں۔ موذی جانور راستہ نہ پا کر ابوبکر کی ایڑی میں ڈنک مارتا ہے۔ شاید شیطان نے اس موذی کیڑے کو وہاں ایذا دینے کے لئے تیار کیا تھا۔ یا شاید رحمٰن کو صدّیق کی صداقت کا امتحان مقصود تھا۔ کچھ بھی ہو۔ ایڑی وہاں جمی رہی موذی جانور سوراخ سے نہ نکل سکا مگر تکلیف کی شدّت سے رفیقِ خاص کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر قطرہ گرا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم جاگ گئے۔ موذی جانور کے ڈنک کا علاج تو فوری حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے ہوگیا۔ **اور اُوپر عرش پر صدیق کے نامۂ اعمال میں ایک سنہری مُہر صداقت و رفاقت کی اور ثبت کردی گئی۔**

قریش کے کھوجی نقش قدم تلاش کرتے غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ رفیق نے گھبرا کر کہا کہ اگر یہ اپنے قدموں کی طرف بھی دیکھیں تو ہمیں پالیں گے نبی محترم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " لا تَحزَنُ اِنّ اللہ مَعنا "۔ ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ عجیب بات ہے اللہ نے ابھی فرمایا تھا کہ ثانی اثنین یعنی وہ دو تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اضافہ کر دیا کہ ہم صرف دو نہیں ہیں۔ اللہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔

اس گنتی کے پھیر کو حسابی لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ مجھے یہ بتائیے کہ رسول معظم صل اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ کہ " اللہ معنا " وقتی تھا یا دوامی۔ جس نے وقتی سمجھا اس کے لئے وقتی تھا۔

اللہ تعالٰی نے اس جملہ کو اپنے پیغام دوامی (قرانِ کریم) میں اس طرح دہرایا کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے دو میں سے دوسرے (ثانی اثنین) سے فرمایا کہ "مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے "۔ قائم و دائم حیَ وقیو م اللہ نے اپنے قائم و دائم پیغام (قران) میں اپنے آخری (اور اس لئے قائم و دائم) پیغامبر کا یہ جملہ دہرایا۔ میرے لئے تو یہ جملہ دائمی پیغام ہے۔

اگر کوئی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی محبت اطاعتِ صدیقیت میں گرم جوش ہو جائے تو پہلا انعام ہے۔ "لاتحزن " نہ کوئی غم نہ فکر اور دوسرا فوری انعام "ان اللہ معنا" یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے یا ہم اللہ کے ساتھ ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں ایک ہیں جنکو یہ باتیں دو نظر آتی ہیں انکو پھر پہلے قدم سے شروع کرنا ہوگا۔ علّامہ سے پوچھئے کہ علّامہ "ان اللہ معنا" کہ کیا معنی ہیں۔ تو وہ جواب دیں گے۔ کہ بات بالکل صاف ہے۔ اللہ یہاں ضمانت دے رہے ہیں۔

کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مجھے اپنے مرشد یاد آ رہے ہیں جو پردے کے پیچھے چلے گئے۔ ان سے بھی پوچھا تھا - فرمایا "بس یارا ساری بات وفا کی ہے"۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

بس اب تابِ گفتار کہتی ہے بس

کچھ روائتیں ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو غار میں چھپائے رکھنے کے لئے اللہ تعالٰی نے غار ثور کے دہانے پر ببول کا درخت اگا دیا یا کبوتر کا گھونسلہ بنوا دیا جس میں کبوتری نے انڈے بھی دیئے یا مکڑی نے جالا تن دیا۔ یہ روائتیں غلط ہوں یا صحیح اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب اللہ تعالٰی کو اپنے رسول اور اس کے ساتھی کو بچانا تھا تو وہ دشمنوں کی بصارت یا عقل یا دونوں کو ماؤف کر سکتا تھا۔ یا مادّی اشیا ایسی پیدا کر سکتا تھا کہ کھوجی گم راہ ہو جائیں۔ بچانے کے سینکڑوں طریقے تھے۔ جس طریقہ سے چاہا بچا لیا بس اتنا کافی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہی تشریف لاتا ہے

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیقِ خاص تین دن غارِ ثور میں مقیم رہے۔ اسماء بنتِ ابوبکر گھر سے رات کو کھانا لے آتی تھیں۔ عبداللہ بن ابوبکر دن کو مکّہ کے حال احوال سنا جاتے تھے۔ عامر بن فہیرہ غلام بکریوں کا ریوڑ اس حکمت سے چراتے تھے کہ نقوش قدم مٹ جائیں۔ کیا بکریوں کا ریوڑ روز ایک خاص طریقہ سے چرانا خود ایک سراغ نہیں فراہم کرتا تھا؟ کیا یہ خبیث العقل لوگ ان میں سے کسی ایک فرد کی نگرانی کر کے غارِ ثور کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے؟ کیا وہ تازہ چست چالاک اونٹ جو ابوبکر نے خریدے تھے اور جو ان کے غائب ہونے کے چوتھے دن غائب ہو گئے وہ کافی سراغ نہیں تھے؟ اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ کی عقل خبط کر لیتا ہے تو اس سے اعلیٰ پیمانہ کہ حماقتیں ضرور سرزد ہوتی ہیں۔ مقصد شاید صرف یہ تھا کہ آنے والی صدیوں میں لوگ سوچتے رہ جائیں کہ وہ جو نبی کو سامنے دیکھ کر پہچان نہیں سکے تھے دوسرے معاملوں میں بھی کتنے اعلیٰ پایہ کے احمق تھے۔ اب کفّار کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ اپنے پر بھروسہ کرنے کے بجائے دوسرے پر بھروسہ کیا جائے۔

''جو نبیءکریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے رفیق کو پکڑ کر لائے گا اسکو ایک سو اونٹ انعام ملے گا''۔

اعلان ہو گیا۔ چلئے اس اعلان کا انجام بھی دیکھ لیں گے۔

سراقہ اپنے گھوڑے پر تیز اڑا آ رہا ہے۔ دو اونٹوں کا قافلہ نظر آتا ہے۔ ایک سو اونٹوں کا لالچ رفتار تیز کر دیتا ہے۔ مگر وہ اونٹ گھوڑے کو تو نہیں ملنے تھے۔ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے۔ سراقہ اپنے شگون کے تیر نکال کر شگون لیتا ہے۔ جو کوئی دیوی دیوتا یا شیطان اسکو شگون دیتا تھا اسنے اسکو سچا شگون دیا۔ ''تم ان کو نہیں پکڑ سکتے جا کر گھر میں آرام سے بیٹھو''۔ سو اونٹ کا لالچ مگر کافی دلکش تھا۔ گھوڑے کو پھر منایا مگر گھوڑا ریت میں دھنس گیا۔ پھر شگون نے سچی اطلاع دی۔ ''ان کو پکڑنا ممکن نہیں ہے واپس چلو''۔ سراقہ کا ارادہ بدل گیا۔ تو گھوڑا بھی راضی ہوا۔ قریب پہونچا اور درخواست کی ''امان نامہ'' لکھ دیا جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر اجازت دی عامر بن فہیرہ نے امان نامہ لکھ دیا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر سراقہ سے کہا۔ ''سراقہ وہ دن کیسا ہوگا جب تم ایران کے بادشاہ کسریٰ کے کنگن

پہنو گے"۔

دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ سراقہ کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔

وہ حیران پریشان واپس لوٹ گیا۔ وہ بھولا بے وقوف تھا کفارِ مکّہ کی طرح خبیث العقل نہیں تھا کہ اپنی بدعقلی پر بھروسہ کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مذاق اڑاتا۔ سراقہ کی حیرانی پندرہ سال بعد دور ہوگئی۔ جب حضرت عمر خلیفہ دوئم نے اسکو مدینہ میں مسجدِ نبوی میں مالِ غنیمت میں آئے ہوئے کسریٰ کے کنگن پہن کر دکھانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا "سبحان اللہ۔ کسریٰ کے کنگن عرب بدّو کے ہاتھ میں"۔

اُمّ معبد کا خوبصورت بیان

غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ کا گزر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لئے مشہور تھی۔ سرِ راہ پانی پلایا کرتی تھی۔ اور مسافر وہاں ٹھہر کر سُستایا کرتے تھے۔

یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟

وہ بولی نہیں، اگر کوئی شئے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ پوچھا۔

یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟

ام معبد نے کہا ''کمزور ہے ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔''

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت ہے کہ ہم اس سے دودھ لیں؟''

ام معبد نے کہا ''اگر حضور (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دودھ لیجئے۔''

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا۔ وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کا دودھ دوہا گیا۔ برتن بھر گیا۔ یہ بھی ہمراہیوں نے پیا۔ تیسری دفعہ بھی برتن بھر گیا۔ اور وہ ام معبد کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اور آگے کو روانہ ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا۔ اور یہ دودھ اس کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا کہ یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا ذرا تم اس کی توصیف تو کرو۔ اُمّ معبد بولی:

حُلیہ مبارک حضور نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا

ظاهر الوضائة ابلج الوجه حسن الخلق. لم تعبه ثجلة ولم تزريه صلعة و سيم قسيم فی عينيه وعج.

پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ توندنکلی ہوئی، نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔زیبا۔ صاحب جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے۔

وفی اشعاره وطف و فی صوته صحل و فی عنقه سطح احور اكحل ازج اقرن شديد سواد الشعار ذاصمت علاه الوقار.

آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک وپیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ۔

وان تكلم علاه اليها اجمل الناس و ابهاهم من بعيد و احسنه و احلاه من قريب جلو المنطق فصل لاتزد. ولا هذر كان منطقه خرزات. نظم تيحدرن ربعةٌ لا يقحمه عين من قصر و لا يشناء من طول غصن بين غصنين فهو انضر الثلثة منظر ا اواحسنهم قدر اله رفقاء يحفون به اذاقال استمعوا لقوله واذا امر تبادرو الى امره محفود محشود لا عابى ولا متفد.

گویا دل بستگی لئے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ ودل فریب، قریب سے نہایت شیریں وکمال حسین، شیریں کلام واضح الفاظ۔کلام الفاظ کی کمی وبیشی سے پاک، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی۔میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے نہ طویل کہ آنکھ نفرت کرتی۔زیبندہ نہال کی تازہ شاخ زیبندہ منظر، والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد وپیش رہتے ہیں۔جب وہ کچھ کہتا ہے۔تو چپ چاپ سنتے ہیں۔حکم دیتا ہے۔تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔مخدوم مطاع نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔

یہ صفت سُن کر وہ بولا کہ یہ ضرور صاحبِ قریش ہے اور میں اسے ضرور جا کر ملوں گا۔

راستہ میں زبیر بن العوام ملے۔شام سے تجارتی قافلہ لا رہے تھے۔ انھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو اور رفیق خاص کو سفید کپڑے پیش کئے۔چلئے نئے لباس کا بھی انتظام ہو گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتظامات کہیں اوپر سے ہو رہے تھے۔

سو اونٹ کا لالچ معمولی لالچ نہیں تھا۔ راہ میں بریدہ بن اسلمی ملا۔ اپنی قوم کا سردار تھا۔ ستر (۷۰) ساتھیوں کے ہمراہ

انعام کی لالچ میں نکلا تھا۔ حضور نبیءکریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی شکل دیکھی ۔ غلام ہوگیا۔ شکار کرنے آیا تھا شکار ہوگیا۔ فوراً مسلمان ہوگیا۔ ساٹھ ستر آدمیوں نے ساتھ دیا وہ بھی مسلمان ہوگئے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شکل کی کرشمہ کاری تھی ۔ یا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا معجزہ تھا۔ میں آپ سے اختلاف نہیں کرونگا۔ مگر دل میں ایک گمان ایک خیال پھڑ پھڑا رہا ہے۔

''اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں تھا کہ اسکا محبوب آخری پیغمبر اپنی راجدھانی۔اسلام کے ابدی مرکز کی طرف جا رہا ہو اور اکیلا ایک رفیق کے ساتھ۔ ایک لشکر تو ہونا ہی چاہئے۔ ایک لشکر فراہم کر دیا گیا''۔

بریدہ اسلمی نے پھر ایک کمی محسوس کی۔ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کا قافلہءفاتحانہ ہے اور جھنڈا نہیں ہے۔ یہ عمامہ کس دن کام آئے گا۔ ہماری شان رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے ہے اپنے عمامہ سے نہیں۔ بار بار دہرایئے

''ہماری شان حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے ہے اپنے عمامہ سے نہیں''۔

محبّت میں بریدہ نے اتارا اپنا عمامہ
اسے نیزے میں باندھا اور یہ جھنڈا اسطرح تھاما
کہ اسلامی پھریرا آج لہرایا فضاؤں میں
معاً اللہ اکبر کی صدا گونجی ہواؤں میں
یہ جھنڈا امن وراحت کی بشارت دیتا جاتا تھا
طلوعِ صبح وحدت کی شہادت دیتا جاتا تھا
کہ عدل و بذل کا مختار امن و صلح کا حامی
مجسّم رحمتِ عالم محمد مصطفٰے نامی
وہ ابرِ لطف جس سے ہر گلِ گلزار خنداں ہے
انیس بے کساں ہے درد مندِ درد منداں ہے
جہاں کو ازسرِ نو نور سے معمور کرنے کو

دلوں سے کفر کا رنگ کدورت دور کرنے کو
وہ جس کا اک اشارہ روح مردہ کو جلاتا ہے
وہی تشریف لاتا ہے۔ وہی تشریف لاتا ہے۔ وہی تشریف لاتا ہے۔ وہی تشریف لاتا ہے۔

حفیظ جالندھری ''شاہ نامۂ اسلام''

بوئے گل کا سفر

بوئے گل جب پھیلتی ہے تو شاید وہ اسی جسم اطہر، مطہر کی تلاش میں ہوتی ہے جو بوئے گل کو وصول کرنے کا حق دار ہو۔ روشنی جب سفر کرتی ہے تو وہ تلاش ہوتی ہے ایک روشن دل یا روشن دماغ یا روشن روح کی۔ جب بوئے گل اور سیلابِ نور ساتھ سفر کرے تو یقین کر لیجئے کہ یہ سفر کی صعوبت خیر البشر کے قدموں میں بکھر جانے کی آرزو اور کوشش ہے۔ بوئے گل اور روشنی دل خاموش ملکوتی نغموں کی گونج میں قبا کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ ان تینوں کے امتزاج کو محسوس کرنے کے لئے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔

''اِک عمر چاہئیے کہ گوارا ہو نیش عشق''۔

معلوم تھا کہ ایسے دل جہاں نیش عشق پوشیدہ ہے یثرب میں موجود ہیں اور ان کا استقبالی دستہ قبا میں منتظر ہے۔ پیر کا دن 8 ربیع الاول 14 نبوی یعنی 1ھ بمطابق 20 ستمبر 622 تاریخ تھی۔ کاروانِ نبوت قبا کے دروازے پر ایک درخت کے نیچے اُترا۔ ابوبکر نے ایک چادر لے کر دھوپ سے چہرہ نبی پر سایہ کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اوّلِ اولین کون ہے اور ثانی اثنین کون ہے؟ جب آوازیں آنے لگیں تو قبا کی بستیاں نعرۂ تکبیر سے گونج اُٹھیں۔ ہر زبان بول رہی تھی کہ رسول اللہ آ گئے نبی اللہ آ گئے۔ لوگ ہتھیار سے آراستہ ہو کر بے تابانہ خیر مقدم کے لئے حرہ (کالے پتھروں کا سنگستان) کی طرف دوڑے کہتے ہیں کہ استقبال کے لئے آنے والوں کی تعداد 500 تھی۔ اگر امام بخاری کی حدیث کی یہ بات صحیح ہے تو یقین کر لیجئے کہ اس دن مدینۃ النبی اور قبا کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد (کچھ یہودیوں کے اضافہ کے ساتھ) 500 ہی ہوگی کیونکہ شاید ہی کوئی بد قسمت استقبال کے لئے نہ آیا ہو۔ شاید چند منافق ''عبداللہ بن ابی'' اور ''چوہے'' اپنے سوراخوں میں بند رہے ہوں۔ مگر آج فرصت کسے تھی کہ چوہوں کی حاضری لگائے۔

تین دن کے بعد حضرت علی بھی چار سو کلو میٹر کا سفر پیدل اور اکیلے طئے کر کے قبا پہنچ گئے۔ حضور کی خوشی کا اندازہ کیا جاسکتا

ہے۔علی کا پیر کانٹوں اور پتھروں سے زخمی تھا۔خون نکل کر جم چکا تھا مگر چہرہ ویسا ہی شگفتہ گلنار تھا۔

جب سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قبا کو جانے والے راستہ سے سیدھی طرف چلنے لگے۔اس طرف عمرو بن عوف کا خاندان رہتا تھا۔عمرو بن عوف نے اس رحمتِ باری کے نزول پر چند آنسوؤں کا نذرانہ حضور کے قدموں میں ضرور گرایا ہوگا۔خود بھی سجدے میں گر پڑتے مگر انہیں حضور کی شریعت کا پاس تھا۔

کلثوم بن ہدم معمر سردار تھے۔قبیلہ ابن عوف کے وہی میزبانی کے شرف سے شرف یاب ہوئے۔ظاہر ہے کہ ایک مکان میں سب کی جگہ نہیں ہو سکتی تھی مگر قریب میں سعد بن خیثمہ کا وسیع مکان وسیع دالان وسیع صحن کا تھا۔نام اس مکان کا تھا۔منزل العزاب یعنی ''کنواروں کا گھر'' (Bachelors dwelling)۔سعد بن خیثمہ خود غیر شادی شدہ تھے اور ان کا مکان ایسا تھا کہ کنوارے مہاجرین کو پسند آیا کیونکہ عورتوں کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ کافی بے تکلف ریلوے پلیٹ فارم بنا ہوا تھا۔

وہ ہاتھ ڈھونڈ رہے تھے بساط محفل میں
کہ دل کے داغ کہاں ہیں نشست درد کہاں

یہاں اس محفل میں تو نہ کوئی داغ تھا نہ درد تھا۔ایک عجیب سرخوشی کا عالم تھا۔مگر باریک بین نگاہِ رسول نے دیکھا کہ نبوّت کا ایک بڑا سوز و گداز والا پروانہ اسعد بن زُرارہ موجود نہیں ہے۔(یہ اسعد بن زُرارہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے حضور کی ہجرت مدینہ سے پہلے تبلیغ میں بڑی کوشش کی۔جمعہ کی نماز رائج کی۔جمعہ کو اسلام کا یوم تبریک بنایا۔اور کم از کم تین سو مسلمان مدینہ میں تیار کیئے)۔

حضرت سعد بن خیثمہ نے عرض کیا کہ جنگ بعاث میں (صرف چند سال پہلے) انہوں نے ہمارے ایک سردار کو قتل کر دیا تھا۔قبیلہ اوس کے لوگ ان کے خون کے پیاسے ہیں اسی ڈر سے وہ نہیں آئے۔دن ختم ہوا شام تاریک ہوئی تو منہ پر کپڑا لپیٹے نبوّت کا پروانہ حاضر خدمت ہوا۔رات بھر انوارِ رحمت سے منور ہوتا رہا۔جب صبح کاذب ہوئی تو خاموشی سے رخصت ہو گیا۔

کون کہتا ہے کہ شیشہ ٹوٹ کے جڑ نہیں سکتا اور شیشۂ دل بھی جڑ نہیں سکتا مگر نگاہِ نبوت شیشہ گر بھی ہے اور خارا گداز بھی۔حضور نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسعد بن زُرارہ میرے پاس آئے۔بات سنتے ہی سعد بن خیثمہ نے یثرب کی راہ لی۔

(بس چند دن کے بعد یثرب مدینہ بن جائے گا)۔

چند گھنٹوں بعد اہلِ قبا نے دیکھا کہ سعد اور اسعد ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہنستے بولتے چلے آرہے ہیں۔ سعد بن خثیمہ نے کہا کہ اسعد جب چاہیں قبا آسکتے ہیں وہ ہمارے مہمان ہوں گے۔ (مہمان ہونے کے بعد عرب میں زندگی کا بیمہ کرانے کی ضرورت نہیں رہی)

اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا پیغام بھی بھیجا۔ سورہ الِ عمران 103

واذکرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمۃ اخوانًا

ترجمہ: ''اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اسکی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے''۔

☆☆☆

اوس وخزرج کی خانہ جنگیاں

لڑائی کی ابتداء جنگِ سمیر سے ہوئی جو ایک سو بیس برس تک جاری رہی۔ اور اختتام جنگِ بعاث پر ہوا۔ خزرج کی شاخ بنی عوف کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول اس خانہ جنگی میں غیر جانبدار رہا۔ اس لئے اسکو یثرب کا بادشاہ بنانے پر دونوں فریق راضی ہوگئے۔ اس کے لئے تاجِ شاہی بھی تیار ہوگیا۔ جشنِ تاجپوشی کی تیاری ہورہی تھی کہ اللہ تعالٰی نے ان دونوں قبایل کے چندسر براہوں کو بیعتِ عقبہ میں یکجا کردیا۔ اسی لئے امّ المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"'جنگِ بعاث تو اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کی مدد کے لئے کرائی تھی۔ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم یثرب (مدینہ) پہنچے تو انصار کے معززین متفرق تھے اور روٴسا قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے یہ دن اللہ نے اپنے رسول پر ایمان لانے کے لئے مخصوص کردیا''

یہ حدیث صحیح بخاری جلد دوم ص 446 حدیث نمبر 1027 باب 44 میں پڑھ لیجئے۔

کیا اس قدر مدلّل تاریخی ذہانت سے بھرپور ذہانت کا جواب ایک 9 برس کی لڑکی سے متوقع ہے؟۔ ان شاء اللہ یہ مؤلف اس کتاب کے آخر میں تاریخ کے حوالوں سے ثابت کرے گا۔ کہ امّ المؤمنین کا نکاح حضور سے اس وقت ہوا جب امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کی عمر 16 برس یا کچھ زیادہ تھی۔ اور وہ جو ابوبکر اور عائشہ پر کوئی نہ کوئی آوازہ کسنا مناسب سمجھتے ہیں انھوں نے جھوٹ بہتان گڑھا اور غوغا پھیلایا۔ صرف ذرا انتظار کرلیں۔

☆☆☆

مسجدِ قبا

یہ وہ مسجد جو روئے زمین کی پہلی مسجد ہے۔ جس کے آرکیٹیکٹِ اعلیٰ کا نام اور لقب اور رُتبہ ہے۔ محمد ابن عبداللہ خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم۔

جس کے مزدور وہ پاک لوگ تھے جو **سابقون الاولون من المهاجرين و الانصار** تھے۔ اور چیف مزدور رسولِ مکّی مدنی ہاشمی لقمی مطلبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔

اس مسجد کی شان میں یہ مؤلف یا دنیا کا کوئی بھی مؤلف کیا کہہ سکتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی زبان سے سن لیں سورہ توبہ کی آیت 108:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O

ترجمہ: ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل دِن سے تقوے پر ہی رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں، اس میں ایسے آدمی ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

قبا میں حضور کا قیام دس دن سے زیادہ رہا۔ محدّثین میں امام بخاری نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی بناء پر چودہ دن لکھا ہے اور طبری کی روایت کے مطابق مسجدِ قبا کی تعمیر پہلے دن سے شروع ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ اولین دورِ اسلام کے مشہور شاعر تھے وہ مصرعہ زور سے پڑھتے۔

''افلح من يعالج المساجد''

''کامیاب ہیں وہ جو مساجد تعمیر کرتے ہیں۔''

مہاجروانصارمل کر (کورس میں) جواب دیتے

ویقرالقرآن قائماً و قاعداً

''وہ اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتے ہیں۔''

اور پھر سب یک زبان ہوکر کہتے۔

''ولا یبیت اللیل عند راقدا''

''اور جوراتوں کوعبادت کے لئے جاگتے ہیں''۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کے ساتھ آواز میں آواز ملاتے تھے۔ جس سے کام میں تیزی اور ولولہ پیدا ہوتا تھا۔ یہ طریقہ اب بھی دنیا بھر میں مزدوروں میں رائج ہے جہاں انسانی قوت استعمال ہوتی ہے بجائے مشینی قوت کے۔ ابن کثیر نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس مسجد کے پہلے قبلہ کی جہت جبرئیل نے متعین کی مگر جب قبلہ کا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف ہوا تو نئی جہت حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے خود تجویز کی (صحیح بخاری مسلم اور مشکوٰۃ۔)

حدیثِ بخاری ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ قبا تشریف لے جاتے کبھی پیدل اور کبھی سواری پر (8 کلومیٹر) اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آج کل زائرینِ مکہ، مدینہ قبا میں ٹھہرتے تو نہیں ہیں مگر مسجد قبا میں (امیدوں بھری حریصانہ) نفل ضرور ادا کرتے ہیں۔ جامع ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق (جو دیگر محدثین نے نقل نہیں کی ہے)۔ ارشاد، نبوی ہے کہ جوکوئی پورا وضو کر کے مسجد قبا میں داخل ہو اور وہاں نماز پڑھے تو اس کو عمرے کا ثواب ملے گا۔

☆☆☆

یثرب تیرے دن پھرتے ہیں

مدینہ میں نبی کے قدم آتے ہیں

بنی سالم کی مسجد میں جمعہ کی نماز کا اہتمام ہوا تھا۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ بنی سالم کی مسجد کے جمعہ میں مقتدین کی تعداد 100 تھی۔ (ابن سعد، طبقات، اخبار النبی۔ جلد اول)

جب اس گناہ گار کے قلم نے لکھنا شروع کیا تو اس نے دل میں اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سوائے ذکرِ رسول کے کچھ نہ لکھوں گا۔ تالیفِ قلب دوستاں کیلیئے دو تراجم اردو سے انگریزی دو اولیاء کے تذکرے کئے اور پھر قلب سے وعدہ کیا آئیندہ صرف اور صرف ذکرِ رسول ہوگا۔ اور یہ ہرگز ہرگز عاقبت سنوارنے کے خیال سے نہیں ہوگا۔ صرف نذرانہ ہوگا ایک غلام کا آقا کے قدموں میں۔ اس وقت پہلی کتاب جو پیش کی تھی وہ خطباتِ نبوی تھی جو مختلف خطبات نبوی کا اردو انگریزی ترجمہ تھا۔ بنو سالم کی مسجد کے پہلے جمعہ کا خطبہ وہاں سے نقل ہے۔ اس گناہ گار نے اس وقت مسجد بنو سالم کو مدینہ تسلیم کرلیا تھا جبکہ مسجد بنو سالم مدینہ سے چند کلومیٹر دور مدینہ کے راستہ میں ہے۔ اب تو وہ بہ ہرحال مدینہ ہی ہے۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

خطبۂ مدینہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ○ اَحْمَدُہٗ وَاسْتَعِیْنُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ وَاَسْتَھْدِیْہِ ○ وَاُوْمِنُ بِہٖ وَلَا اَکْفُرُہٗ وَاُعَادِیْ مَنْ یَّکْفُرُہٗ ○ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ○ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○

اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَۃِ ○ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ ○ وِقِلَّۃٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَۃٍ مِّنَ النَّاسِ ○ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّمِّنَ السَّاعَۃِ ○ وَقُرْبٍ مِّنَ الْاَجَلِ ○ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ ○ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا ○ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ ○ فَاِنَّہٗ خَیْرُ مَا اَوْصٰی بِہِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ یَّحُضَّہٗ عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَاَنْ یَّاْمُرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ ○ فَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَکُمُ اللّٰہُ مِنْ نَّفْسِہٖ ○ وَلَآ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ نَصِیْحَۃً وَّلَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ ذِکْرًا ○

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد اور بخشش اور رہنمائی چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اس نے ہدایت نور اور نصیحت دے کر اس وقت بھیجا جب مدتوں سے نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند تھا۔ علم گھٹ گیا تھا اور لوگ گمراہ ہوگئے تھے۔ طویل عرصہ گزر گیا تھا، قیامت قریب تھی اور اجل سر پر منڈلا رہی تھی، جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہی گمراہ ہوا، درجہ سے گرا اور گہری گمراہی میں مبتلا ہوا۔

میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور بہتر تاکید وہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔ حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جیسے کہ خود اس نے تمہیں اپنی ذات سے ڈرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے، نہ تو اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے، نہ اس سے افضل کوئی ذکر ہے،

وَاِنَّ تَقْوَی اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ عَلٰی رَجَلٍ وَّمَخَافَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰی مَا تَبْغُوْنَ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ ٥ وَمَنْ يُّصْلِحُ الَّذِیْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ اَمْرِهٖ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِیْ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ يَكُنْ لَّهٗ ذِكْرًا فِیْ عَاجِلِ اَمْرِهٖ ٥ وَمَنْ يُّصْلِحُ الَّذِیْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ اَمْرِهٖ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِیْ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ يَكُنْ لَّهٗ ذِكْرًا فِیْ عَاجِلِ اَمْرِهٖ ٥ وَذُخْرًا فِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ ٥ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ اِلٰی مَا قَدَّمَ ٥ وَمَا كَانَ مِنْ سِوٰی ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا وَّيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ٥ وَالَّذِیْ صَدَقَ قَوْلَهٗ وَاَنْجَزَ وَعْدَهٗ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ ٥ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ٥ ا

جان لو کہ آخرت کی جن بھلائیوں کے تم امیدوار ہو وہ سب موقوف ہیں،، ان نیک اعمال پر جو تم خوفِ خدا اور تقویٰ سے بجالاؤ اور جو شخص صرف رضائے الٰہی کی جستجو میں اپنے ان تمام کاموں اور ارادوں کی اصلاح کرلے جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہیں، خواہ وہ پوشیدہ امور ہوں خواہ ظاہری۔ تو رب العالمین اُسے دنیا میں نیک نام نیک انجام کردے گا اور آخرت میں بھی اُسے نیکیوں کا ذخیرہ عطا فرمائے گا۔ یہی وہ وقت ہوگا جب انسان اپنی نیکیوں کا سخت ترمحتاج ہوگا اور نیکیوں کے سوا اور اعمال سے اُسے اس روز اس قدر نفرت ہوگی کہ کہے گا کاش کہ میرے اور ان نکمے اعمال کے درمیان بے حد وغایت فاصلہ اور دُوری ہوتی جناب باری تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات گرامی سے ڈرا رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جس نے اس کی بات کو سچ جانا اور اس کا وعدہ پورا کیا، اس کے لئے اس کے خلاف نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ میرے ہاں کی باتیں بدلتی نہیں اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِكُمْ وَاٰجِلِهٖ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهِ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا ۝ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُوَقِّیْ مَقْتَهٗ وَيُوَقِّیْ سَخَطَهٗ ۝ وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوْهَ وَيُرْضِی الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ ۝ خُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا بِجَنْبِ اللّٰهِ ۝ وَقَدْعَلَّمَكُمُ اللّٰهُ كِتَابَهٗ ۝ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ ۝ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ ۝ فَاَحْسِنُوْا كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَ عَادُوْا اَعْدَآءَهٗ ۝ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ ۝ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ ۝ وَاعْمَلُوْا لِمَآ بَعْدَ الْيَوْمِ ۝ فَاِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفُهُ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ ۝

پس اللہ رب العزت سے ڈرو دنیوی معاملات میں بھی اور اُخروی معاملات میں بھی، پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا، جو اللہ سے ڈرا اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اللہ کا ڈر، اس کی بیزاری، اس کے عذاب اور اس کی ناراضگی کو دور کردیتا ہے اور اللہ کا ڈر چہرے کو منور کردیتا ہے، رب کو راضی کردیتا ہے، درجات بلند کردیتا ہے، اپنا حصہ لے لو، خدا کی قربت حاصل کرنے میں کمی نہ کرو۔ اس نے اپنی پاک کتاب تمہیں سکھادی، تمہارے لئے ہدایت کا راستہ کھول دیا تاکہ وہ جان لے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں، جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ احسان وسلوک کیا ہے تم بھی احسان وسلوک کا رویہ اختیار کرو۔ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، راہِ خدا میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے، اسی نے تمہارا نام ''مسلم'' رکھا ہے تاکہ ہر ہلاک ہونے والا دلائل دیکھ لینے کے بعد ہلاک ہو اور ہر زندگی حاصل کرنے والا بھی دلائل کیساتھ زندہ رہے۔ قوت صرف اللہ ہی کی ہے، اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو، موت کے بعد کام آئیں وہ اعمال کرلو، جو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان کے تعلقات سنوار لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے تعلقات سنوار دے گا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یَقْضِیْ عَلَی النَّاسِ o وَلَا یَقْضُوْنَ عَلَیْہِo وَیَمْلِکُ مِنَ النَّاسِ o وَلَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ o اَللّٰہُ اَکْبَرُ o وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ.

(طبری،قرطبی،مواھب اللدنیہ)

کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کی لوگوں پر چلتی ہے، لوگوں کی اس پر نہیں چلتی ۔ وہ تمام مخلوق پر حاکم اور سب کا مالک ہے مگر وہ اس کی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے ۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور تمام قوتیں اور طاقتیں اسی خدائے بزرگ و برتر کی ہیں ۔

''ہر دل پکارتا تھا کہ گھر آپ کا یہاں ہے''

حضرت عمار بن خزیمہ کا بیان ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ناقہ قصویٰ کو طلب کیا ۔ بنی سالم جن کی امیدیں ابھر آئیں تھیں کچھ مایوس ہوئے ۔ حضرت عثمان بن مالک اور حضرت عباس بن عبادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارے پاس ہی قیام فرمائیے ۔ ہم تعداد میں زیادہ ہیں ۔ جنگ جُو جنگ آزمودہ ہیں ۔ حفظ مراتب پہچانتے ہیں ۔ ساز و سامان جنگ کی کمی نہیں ہے ۔ آپ ہمارے محلّہ کو گھروں کو زینت بخشیے ہم کو عزت دیجئے ۔ یارسول اللہ......! یارسول اللہ......!

آپ نے پہچانا یہ سعد بن عبادہ کون ہیں؟ یہ وہی سعد ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹی میں بیعت عقبہ کے درمیان عباس بن عبادہ اور سعد بن عبادہ نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا کہ ذرا قریش کو اپنی تلوار کی دھار کا مزہ چکھادیں ۔ مگر حضور نبی کریم نے ہاتھ کے اشارہ سے نچلا بٹھادیا تھا ورنہ جنگِ بدر تین سال پہلے برپا ہوجاتی ۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر کو روکے رکھنے میں بھی کچھ خیال کرنا پڑا تھا ۔ یہ حضور کی جنگی حکمتِ عملی کا ایک حصّہ تھا ۔

آپ نے ان انصاریوں کو دعا سے نوازا برکتیں عطا کیں مگر یہ فرمایا کہ میری اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو ۔ یہ اللہ کی طرف سے مامور

ہے۔محلہ عدی کی سرحد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوسلیط صرمہ بن انیس فقیرانہ مجسم التجا کھڑے تھے۔انکو بھی دعائیں اور برکات عطا ہوئیں مگر قافلہ آگے روانہ ہوا۔ جب جلوس نبوی کا بنی حارث پر گزر ہوا تو سعد بن ربیع (شہیدِ احد جنہوں نے جان دینے سے پہلے حضور کے قدموں کو چوما اور انصار کو پیغام بھیجا کہ اگر ان میں سے ایک آنکھ بھی پلک جھپکنے کے لائق ہو اور حضور کو کوئی گزند پہنچے تو انصار کو قیامت کے دن جواب دینا ہوگا) انہوں نے بھی وہی درخواست کی۔ دعائیں ملیں برکات ملیں مگر قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔

مشتاقانِ رسول۔ دیدکوترسنے والے دونوں طرف صف بستہ تھے ہر ایک کی زبان پر تھا. جاء رسول اللہ . جاء نبی اللہ (اللہ کے رسول آگئے اللہ کے نبی آگئے)۔ حضرت بریدہ اسلمی اپنے 80 سواروں کے ساتھ جنکو قریش نے حضور کے راستہ میں نعوذ باللہ قتلِ رسول کیلئے بھیجا تھا اور مزدوری 100 اونٹ طئے پائی تھی (اور جنہوں نے اپنے عمامہ کو اتار کر نیزہ پر چڑھالیا تھا کہ ''عزّت عمامہ سے نہیں بلکہ رسول کے جھنڈے سے ہے) ساتھ ساتھ تھے۔ جھنڈا الہرا رہا تھا۔ یہ جھنڈا بریدہ کا عمامہ تھا۔اس سے زیادہ عزت کیا مل سکتی ہے؟ بریدہ اسلمی جھنڈا لیکر آگے آگے چل رہے تھے۔ کیا روح پرور منظر تھا؟ جلوس کے آگے جھنڈے سے بھی آگے حبشی غلام اچھلتے کودتے اپنے نیزوں کے کرتب دکھاتے چل رہے تھے۔ان سب کے آگے میاں انس تھے۔ دس برس کے صاحبزادے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے بچہ خادم بننے والے تھے۔ میں ہر شخص سے شرط لگا سکتا ہوں کہ ہر حبشی غلام سے زیادہ اونچا ''انس'' اچھل رہے تھے۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

زمانے کے انداز بدلے گئے

ایک اسلامی تقویم(Calender) ہونی چاہیئے ۔متعدد ایسے اہم واقعات ہیں جو اسلامی تقویم کی ابتداء ہو سکتے ہیں۔

1 پیدائش رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم

2 پہلی وحی اقراء کی تاریخ ۔حرا سے تقویم کی ابتداء۔

3 مکہ میں غلبۂ اسلام کا دن ۔فتح مکہ۔

4 حجۃ الوداع ۔جہاں تکمیلِ دین ہوئی۔

5 کیا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے دن کو تقویم کی ابتداء مانیں؟

سب کچھ غور ہوا اور صاحب الرّائے صائب الرّائے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے فرمایا کہ حضور نے جب ملکِ شرک مکہ سے مملکتِ توحید مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا تو وہ اسلام کا پہلا سال ہو۔ یہ بات سب نے مان لی کیونکہ ان کی نظر میں ایک آیت تھی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط

یہاں دو الفاظ اوّل یوم کو اشارہ مان لیا گیا کہ اسلامی تقویم (کلنڈر) ہجرت کے سال سے شروع ہوتا ہے۔ مہینوں کی وہی عربی کی روایاتی ترتیب رکھی گئی یعنی محرم اول مہینہ (کیونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ محرم میں فرمالیا تھا۔) اس طرح دو مہینہ آٹھ دن پیچھے ہٹ کر سن ھجری کا افتتاح منظور کیا گیا۔ اور یکم محرم ۱ھ عیسوی تقویم کے لحاظ سے 16 جولائی 622ء ہے۔

آج محمد ابن عبداللہ مکی ۔ ابن آمنہ بنتِ وہب مدنی کی مدینہ میں آمد کا دن ہے ۔ایک فارسی شعر حافظہ میں کھٹک رہا ہے۔ چھوٹی سی تحریف کے ساتھ۔

شاہ ماہ است و مدینہ آسماں

ماہ سوئے آسماں آید ہمی

شاہِ مدینہ صلّی اللہ علیہ وسلم مثلِ ماہِ کامل ہیں ۔اور مدینہ آسمان ہے۔ چاند آسمان پر طلوع ہو رہا ہے۔

....

چودہ دن کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کا رخ کیا۔ آج ۲۲ ربیع الاوّل ہے اور جمعہ کا دن ہے۔ آج یثرب کا نیا نام رکھا جائیگا۔ اس نام کا انتظار اس زمین کو صدیوں سے تھا۔ آج عصر کی نماز کے وقت اسکا نام مدینۃ النبی ہو جائیگا۔ اور کچھ لوگ مدینہ کہیں گے اور کچھ مدینہ منورہ۔

راستہ میں بنی سالم کی بستی یا محلّہ آ گیا۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ جمعہ کی نماز با جماعت بنی سالم کے محلّہ میں ادا کی گئی۔ مدینہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کا قبیلہ بنو نجار آباد تھا۔ یہاں پر ہی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی والدہ کی طرف سے رشتہ داری تھی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سن کر ننہالی رشتہ دار فخر و مباہات کے ساتھ ہتھیار سجا کر استقبال کے لئے آ گئے ۔ قبا کی طرح یہاں بھی جب مردوں نے بازاروں اور گلیوں میں پرے جما لئے تو خواتین نے گھروں کی چھتوں پر قبضہ کیا۔ بچّوں نے دوڑ بھاگ کر ہر کونے پر قبضہ کیا۔ مدینہ کی بچّیاں گانے لگیں۔ سنا ہے کہ پردہ نشین خواتین نے چھتوں پر سے سر ملایا آواز ملائی۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی)

طلع البدر علینا - ہم پر روشن چاند طلوع ہوا۔

مِن ثنیات الوداع - کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشّکر علینا - واجب ہوگیا ہم پر شکر۔

ما داع للہ داع - جب تک دعا مانگیں دعا مانگنے والے۔

ایھا المبعوث فینا جیئت با لا مرا لمطاع. اطاعت آپ کی ہم پر فرض ہے آپ کو بھیجنے والا کبریا۔

بنونجار کی بچّیوں نے اپنی فوقیت جتائی (آخر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی پرانی رشتہ دار تھیں)

نحن جوار من بنی نجار - ہم لڑکیاں ہیں بنونجار کی۔

یا جنّدا محمد من جار - کیا اچھے ہمسایہ ہیں ہمارے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان بچّیوں سے پوچھا۔ کیا تم مجھے چاہتی ہو؟

جواب آیا ''ہاں! ہاں! ہاں!''

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تمھیں چاہتا ہوں۔ ہاں ہاں ہاں۔

مدینہ میں جانثاروں کی صفیں قائم تھیں سارے گھروں کے دروازے کھلے تھے۔ ''حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں''۔ ''ہمارا جان و مال حاضر ہے''۔ ''گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں''۔ ''ہم نے راہ میں آنکھیں بچھا دیں ہیں''۔ ''آپ یہاں قیام فرمائیں''۔ ''آپ ہمیں خدمت کا موقعہ دیں''۔ ساری ملتجی نگاہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم پر لگی ہوئی تھیں۔ ہر ایک کی ایک ہی درخواست تھی۔ کسی ایک کی درخواست قبول کرنے کا مطلب سینکڑوں کو مایوس کرنا تھا۔ فرمایا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے۔ ''میری اونٹنی کو حکم مل چکا ہے وہ جہاں بیٹھ جائے گی میں وہاں قیام کرونگا''۔ اب ساری نگاہیں اونٹنی کے قدموں پر تھیں۔ ''قصویٰ۔ پیاری قصویٰ میرے دروازے پر رک جاؤ''۔ مگر قصویٰ بے نیازی سے چلتی رہیں آخر حضرت ابوایوب انصاری کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ اور ابوایوب انصاری نے بجلی کی تیزی سے دوڑ کر قصویٰ کی نکیل پکڑ لی۔

''کہیں قصویٰ ارادہ نہ بدل دے''

ابوایوب انصاری کی قسمت اس دن قصویٰ کے ارادہ کے تابع تھی۔

اسعد بن زُرارہ نے قصویٰ کی نکیل پکڑ لی۔ اگر حضور کی میزبانی میسر نہیں آئی تو کم از کم قصویٰ کی میزبانی کا اعزاز تو حاصل

کرلیں۔اس دن سے قصویٰ کی سات سالہ چھٹی (Long vacation) کا آغاز ہوا۔اچھا چارہ پانی وافر۔ خدمت میں کوتاہی کوئی نہیں اور ڈیوٹی کوئی نہیں یہاں تک کہ 7ھ میں مکہ کا سفر درپیش تھا۔اور قصویٰ بڑے ٹھسے سے حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔کسی محبت کرنے والے نے تازہ تیل وغیرہ لگا کر قصویٰ کو چمکا دیا تھا۔قصویٰ فتح مکہ کیلئے جا رہی تھیں۔میک اپ بھی ضروری تھا۔

اونچے مکاں کے مہمان

بنے عرش کے مہمان

حضرت ابوایوب کا مکان دومنزلہ تھا۔پیش کش ہوئی کہ حضور کا قیام اوپر کی منزل میں ہو اور نیچے ابوایوب اوران کا خاندان۔ حضور نے فرمایا کہ یہ تکلّف تکلیف کے برابر ہے۔حضور سے ملنے بہت سے لوگ آئیں گے اسلئے حضور نیچے رہنا بہتر سمجھتے ہیں۔مجبوراً ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اوپر مقیم ہوئے۔کھانا جو اوپر سے آتا تھا اس میں سے پس خوردہ دونوں میاں بیوی کھاتے تھے۔ان کو ایک دن معلوم ہوا کہ حضور نے کھانا واپس کیا کھایا نہیں۔تشویش ہوئی میزبانوں کو یاالٰہی کونسی خطا ہوگئی۔حضور نے بات صاف کی کوئی شکایت نہیں تھی۔صرف حضور کو لہسن کی بو پسند نہیں ہے۔صفائی کردی کہ لہسن قطعی حرام نہیں ہے۔سب کیلئے اجازت ہے۔مگر رسول کی نزاکت طبع بو برداشت نہیں کرتی تھی۔اس دن سے ایوب منزل میں لہسن کا داخلہ بند ہوگیا۔اوپر کی منزل میں دونوں میاں بیوی کمرے کے کناروں پر دیوار سے مل کر چلتے پھرتے تھے کہ کہیں ان کے قدم حضور کے سر سے اوپر نہ ہو جائیں۔پھر ایک دن پانی کا گھڑا پھوٹ گیا۔میاں بیوی نے اس تشویش سے کہ پانی کہیں نیچے نہ ٹپک جائے (اور حضور کو تکلیف ہو) پانی پر اپنا روئی کا لحاف ڈال دیا۔اکلوتا لحاف اور پوری رات سردی میں بیٹھ کر گزار دی۔(مدینہ مکہ سے کہیں زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے)۔آخرکار حضور نے اپنی رہائش اوپر کی منزل میں منتقل کردی۔

تعمیرِ مسجدِ نبوی

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری کے مہمان ہیں۔ جہاں بھی نماز کا وقت آتا ہے نماز ادا کر لیتے ہیں۔ چونکہ اکثر کثیر تعداد مؤمنین اولین کی ساتھ ہوتی ہے اسلئے اکثر کھلے میدان میں نماز ہوتی تھی۔ پہلا خیال جو انصار کو آیا تھا وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حفاظت کا تھا۔ جس کا انتظام انہوں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائے بغیر کر لیا تھا۔ دن میں تو ارد گرد بہت سے صحابہ ہوتے تھے مگر رات کو پہرہ کا انتظام ایسا تھا کہ باری مقرر کر لی گئی تھی اور قیام گاہ نبوی کے گرد کم سے کم چار انصار (یا مہاجر و انصار ملا کے چار جاں نثار) صبح تک چکر لگاتے رہتے تھے (یقینی یہ خبر یہود اور منافقین کے ذریعہ قریشِ مکّہ تک پہنچ گئی ہوگی) میرے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو طلایہ گردی کا نظام پہلی رات سے ہی نافذ کیا تھا اس پر تو ارد ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ ایک مرکزی مسجد کا تھا۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس جگہ بیٹھی تھی وہ ایک افتادہ زمین تھی۔ مالک دو یتیم لڑکے تھے۔ خوبصورت نام والے سہل اور سہیل۔ معاذ بن عفرا نے بتایا کہ وہ لڑکے ان کی کفالت میں ہیں اور صحیح بخاری میں کفیل کا نام اسعد بن زرارہ بتایا گیا یہ اسعد بن زرارہ وہی ہیں جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ورود سے پہلے مصعب بن عمیر کے میزبان۔ دستِ راست تھے اور انہوں نے مدینہ ہی میں جمعہ کو مبارک دن قرار دیا تھا اور جمعہ کی نماز قائم کی تھی جس کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا تھا۔ یہ زمین انصار برادری کے چھوارے پھیلانے (خشک کرنے) کیلئے استعمال ہوتی تھی۔ چونکہ اسعد بن زُرارہ نے باجماعت نماز کا انتظام اس وقت کر دیا تھا جب وہ ایمان لائے (حضور کی آمد سے کم از کم دو سال پہلے) اس لئے مسجد بنانے کا خیال اسی زمین کی طرف گیا۔ سہل اور سہیل بلائے گئے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ زمین خریدنی چاہی۔ سہل اور سہیل نے یہ زمین تحفۃً دینی چاہی۔ حضور کی طرف سے انکار ہوا آخر کار دس دینار قیمت طئے ہوگئی۔ امام زہر کے حوالے سے صحیح بخاری میں قیمت ادا کرنے والے کا نام ابوبکر صدیق لکھا ہے۔ فتح الباری میں اس قیمت کو ادا کرنے والے کا نام ابوایوب انصاری ہے۔ اور تیسری روایت ہے کہ اس زمین کی قیمت کے طور پر اسعد بن زُرارہ نے اپنا ایک باغ ان بچوں کو عطا کیا۔

بہ ہرحال یہ طے ہے کہ قیمت ادا کرنے والے نے اپنا نام اس قدر پوشیدہ رکھا کہ آج تک صرف قیاسات باقی ہیں۔

مسجد نبوی تیار ہونی شروع ہوگئی۔تعمیر کی تفصیل بھی لمبی ہے اور غیر ضروری ہے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس مضمون کو ایک قرآنی آیت سے شروع کریں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ o (سورہ حج آیت 41)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو حکومت دیں ملک میں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

اور پھر مدینہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعائیہ نداء سے حرم بن گیا۔

حضور نے فرمایا: ''اے اللہ میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔''

(صحیح بخاری حدیث 155)

اور پھر حضور نے یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم کا حرم مکہ ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔ میں نے مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن سلام کی روایت اور حساب کے ماتحت احد اور عیبر کا درمیانی حصہ ملا کر مدینہ کے چاروں طرف 12 میل کا رقبہ حرم ہے۔ جہاں نہ درخت کاٹے جاسکتے ہیں نہ جانوروں کو مارا جاسکتا ہے۔ یہ جائے امن ہے۔ یہاں ہر انسان کو امن اور پناہ ہے چاہے وہ کیسا ہی مجرم کیوں نہ ہو۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اگر یہ مسجد مقام صنعا (یمن) تک بھی پھیلتی جائے تو میری ہی مسجد رہے گی۔ (سیوطی خصائصِ الکبریٰ) اور ابنِ ماجہ سے روایت ہے کہ بقول حضور نبی کریم مسجد الحرام (کعبہ) میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے مساوی ہے۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

(ایک جملۂ معترضہ۔ جناب حامد حسن بلگرامی صاحب نے قرآن کریم کا تفسیر نما ترجمہ مسجدِ نبوی میں ''قدمین'' کے پاس بیٹھ کر کیا۔ ان کے ایک معتقد نے محفل کے بعد ان کی توجہ اس حساب کی طرف دلائی کہ آپ نے تین سالوں میں ایک لاکھ اور پچاس ہزار نمازوں کے فرق کے حساب سے کتنا نقصان کیا تو ہنس کر بولے سخی حساب پر غالب ہے۔ حساب سخی پر غالب نہیں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہٗ)

(۳) حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنے گھر سے وضو کر کے مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے نکلا اور نماز پڑھی تو اس کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

(۴) جو اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے اور مسجدِ قبا میں دو رکعتیں پڑھے اسکو ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

(۵) جس نے مسجدِ نبوی (مدینہ) میں چالیس نمازیں ادا کیں جن میں حسبِ روایت طبرانی کوئی قضا نہ ہو تو اسکو عذاب دوزخ۔ مطلق عذاب۔ اور نفاق سے آزادی ہے۔ (مسند احمد)

(۶) مدینہ میں رمضان کے روزے دوسرے شہروں کے ہزار روزوں کے برابر ہیں۔ (مسند احمد)

(۷) مسجدِ نبوی میں منبر ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ میرا منبر حوضِ کوثر پر ہے میرا منبر جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

(۸) اسی مسجد میں حضور کا روضۂ مطہر ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ''میرے حجرہ (قبر مطہر) اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (روضہ من ریاض الجنۃ) (صحیح بخاری)

(۹) حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو کوئی جگہ اتنی محبوب نہیں ہے جتنی وہ جگہ جہاں ان کی قبر ہوگی۔

(۱۰) حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ''اے اللہ تو نے مجھے میرے محبوب شہر مکہ سے نکالا ہے تو ایسے شہر میں پہنچا دے جو تجھے محبوب تر ہے۔ (وفاء الوفاء)

(۱۱) سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم تا قیامت مدینہ کے ساکن ہیں۔ قیامت کے دن حضور سب سے پہلے مدینہ والوں کی سفارش فرمائیں گے۔ (الوفاءالوفاء)

حرم کی یہ زمین امن کی جگہ ہے۔ یہاں کبھی شیطان کی پرستش نہیں ہوگی۔ یہ مقدس سرزمین برے آدمیوں کو اپنے سے اسطرح دور کردیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل دور کردیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

خاموش فیّاضی

مدینہ کی گلیوں پر اندھیرا چھا رہا ہے۔ یہ ہجری کا پہلا سال ہے یا دوسرا۔ کتنے مسلمان پریشان ہیں۔ کچھ انصار آسودہ حال ہیں اور کچھ مہاجر۔ وہ مہاجر آسودہ ہیں جو تاجر پیشہ قریش تھے۔ انھیں تجارت کا ڈھب آتا ہے۔ عثمان آئے تو بجائے اپنے اخی انصاری پر بوجھ بننے کے فوراً کھجوروں کی تجارت میں داخل ہوگئے۔ اللہ نے برکت دی۔

مدینہ کی گلیوں پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ لوگ نمازِ عشاء کے لئے مسجد کی طرف روانہ تھے۔ عثمانؓ کاروبار سے فارغ ہوکر جلدی جلدی مسجد جا رہے تھے۔ قریب سے ایک شخص گزرا مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ معلوم نہیں کہ مہاجرین میں سے تھا یا انصار میں سے۔ اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا۔ ''آج سات دن ہوگئے۔ ایک پیالہ میٹھے پانی کا نہیں پیا۔کھارا پانی پی کر گلا چھل گیا''۔ عثمان نے کہا ''آؤ بھائی میں تمھیں میٹھا پانی پلاؤں''۔ ''بس رہنے دو۔ میں کیسے میٹھا پانی پیوں گا۔ میرے بچوں نے اور ہمسایہ نے بھی میٹھا پانی نہیں پیا''۔ عثمانؓ کھڑے ہوگئے۔ ''بیر رومہ؟''

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ بیر رومہ واحد کنواں ہے میٹھے پانی کا۔ یہودی کی ملکیت ہے۔ پانی فروخت کرتا ہے۔ کئی درہم فی مشک اتنا تو میں ایک دن کی مزدوری پاتا ہوں۔ کیا ساری مزدوری کا پانی پی جاؤں؟''۔

عثمان بولے ''بھائی آج کی رات معاف کرو۔ کل کا دن بھی شاید معاف کروالوں۔ مگر اسکے بعد تم تمہارے بچے تمہارے ہمسایہ سب میٹھا پانی پیئیں گے''۔ ''تم کون ہو؟''۔ اس شخص نے پوچھا؟''۔ ''میں عبداللہ ہوں''۔ عثمان بولے ''بس ایک مہربانی کرنا کہ کل شام تک کسی سے میرے وعدے کا ذکر نہ کرنا۔ انشاءاللہ تم پرسوں میٹھے پانی سے نہا رہے ہوگے''۔ عرب میں یہ ذہانت تھی کہ وہ سمجھ گیا کہ یہاں ہر شخص اللہ کا بندہ ہے۔ عبداللہ ہے۔ یہ شخص نام نہیں بتا رہا ہے مگر ایک دن بعد میٹھے پانی کا وعدہ کر رہا ہے۔

بیر رومہ پر ایک موٹا یہودی بیٹھا ہوا ہے۔ پانی بک رہا ہے۔ اسکے گماشتے رقم وصول کر رہے ہیں۔ کنویں کے منہ پر لوہے کا ڈھکنا ہے۔ تالا ہے۔ پہرہ ہے۔ کاروبار ہے۔

عثمان ٹہلتے ہوئے آتے ہیں جیسے یوں ہی گذر ہو گیا ہے۔

''صبح بخیر شولوم''

''صبح بخیر''۔ شولوم یہودی نے جواب دیا۔

''اچھا کاروبار کررہے ہو؟''

''ہاں اچھا ہی ہے''۔

''کنواں مجھے فروخت کردو''۔

''خریدلو''۔

''کیادام لوگے؟''

''ستر ہزار درہم''۔

''اتنی رقم میرے پاس نہیں ہے۔ تیس لے لو''۔

''نہیں ستر ہزار درہم سے کم نہیں''۔

''اچھا مجھ سے شراکت کرلو۔ تیس ہزار درہم لے لو۔ کنواں ایک دن تمہارا ایک دن میرا''۔

شولوم یہودی کو یہ تجویز پسند آئی۔ معاہدہ ہوگیا۔ گواہ مل گئے۔ آج تو شولوم نے کام شروع کردیا ہے کل کنواں عثمانؓ کا ہوگا اور پھر ایک دن بیچ دوبارہ اور پھر ایک دن بیچ۔۔۔۔

جب عثمان کی باری کا دن آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ کنویں پر نہ تالا ہے نہ ڈھکنا نہ گماشتے نہ پہرہ اور کوئی رقم وصول کرنے والا بھی نہیں۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ آج پانی مفت ہے۔ جتنا چاہے لے جاؤ۔ اور پرسوں پھر اور اس طرح مفت ہی مفت۔ ہر دوسرے دن۔

شولوم نے غصہ میں جتنی گالیاں بکیں وہ اسکو معاف کردیں۔ اسکو تیس ہزار درہم مل چکے تھے وہ لیکر وہ خیبر کے قلعہ کی طرف چلا گیا۔ اور بئیر رومہ کا پانی پھر کبھی فروخت نہیں ہوا۔

عہدِ صدیقی ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہیں۔ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ خلیفہ وقت نے لوگوں کو منبر سے صبر وقناعت اور کفایت کی تلقین کی۔ اسلامی سرمایہ دار تاجرِ اعظم عثمان کو آنے والے وقت کا پہلے سے اندازہ تھا۔ انکے ایک ہزار اونٹ

غلّہ سے لدے ہوئے شام سے آرہے تھے۔ یہودی تاجر لوگ منافع کمانے آگئے۔ ''عثمان ہم کو کچھ غلّہ فروخت کرو''۔ ''کیا دام دو گے؟'' ''سو پر دس منافع لے لو تاجروں نے پیش کش کی''۔ ''یہ کم ہے''۔ عثمان نے کہا۔''اچھا سو کے ایک سو بیس لے لو''۔ تاجروں کی پیش کش۔ ''کم ہے'' عثمان نے کہا۔ جب سو کے ایک سو پچاس ملنے لگے تو عثمان نے کہا کہ ''یہ کم ہے''۔ لوگوں نے کہا عثمان کسی غلط فہمی میں ہیں۔ انکو کتنا منافع مل سکتا ہے؟ ایک نے پوچھا کہ ''عثمان تم کیا طلب کرتے ہو؟''۔ ''میرا سودا ہو چکا ہے ایک کے دس- سو کے ہزار مجھے مل رہے ہیں''۔ عثمان نے کہا۔ یقین کون کرتا ہے۔ اونٹ آ پہنچے۔ عثمان نے فرمایا۔ ''غلّہ اونٹوں سے اتار دو مسجد کے سامنے میدان میں۔ بوریوں کے منہ کھول دو۔ سارے پہرہ دار گماشتے چھٹی کریں۔ غلّہ مفت ہے۔ جو چاہے جتنا چاہے لے جائے''۔ایک تاجر نے کہا کہ ''تم تو ایک کا دس منافع مانگ رہے تھے''۔''ہاں''۔ عثمان نے کہا۔ ''مجھے ایک کے دس مل رہے ہیں اس دنیا میں'' ''اور ستّر آخرت میں ملیں گے۔ اسکا وعدہ بھی میرے پاس ہے''۔

حضرت عمر کے زمانے کی فتوحات زیادہ تر زمینی تھیں۔

حضرت عمر کو سمندر میں مسلمان فوج کی جان کے اتلاف کا زیادہ خدشہ تھا۔ وہ روکتے رہے اپنے سپہ سالاروں کو۔

مگر حضرت عثمان کے حصّہ میں سمندر زیادہ آئے۔

قسطنطیہ رومی بندرگاہ حضرت عثمان کے عہد میں اسلامی بندرگاہ بنا استنبول کہلاتا ہے۔

مدّتوں خلافت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا۔ جدّہ مکّہ کا بندرگاہ بنا اور کم از کم تیرہ سو سال غیر ملکی حاجیوں کی وصولیابی بلا شرکت کرتا رہا یہاں تک کہ ہوائی جہاز کا سفر عام ہو گیا اور سمندری کم۔ مگر اب بھی بعض غریب حاجی وہاں سے داخل ہوتے ہیں۔ سائپرس کا جزیرہ جہاں سے یورپ پر دھاوا ایک دن کا معاملہ ہے حضرت عثمان کے عہد میں آیا۔آج بھی وہاں ترکوں اور یونانیوں میں نزاع ہے۔ سارا شمالی افریقہ حضرت عثمان کی خلافت میں شامل ہوا۔ وہاں سے سارا جنوبی یورپ زد میں تھا۔مگر یہ چڑھتا ہوا دریا اتر گیا جب حضرت عثمان شہید کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ قوموں کی قسمتیں ایسے ہی بدلتے رہتے ہیں۔

یہ تقدیر تھی۔ اللہ کی مرضی تھی اور تقدیر کسی منطق اور فارمولے کی پابند نہیں ہے۔

علّم الانسان مالم یعلم

وہ امّی تھے۔ مگر علم کے شہر تھے۔ علم کے شہر کے شہریار تھے۔ جاہل ترین علاقہ میں بھیجے گئے تھے۔ مگر پہلے ہی خطِ منصب (Appointment message) میں جرامیں اشارہ دے دیا گیا تھا کہ انہیں علم کی ترویج کرنی ہے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہی ایک گوشہ فروغِ علم کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس پر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا۔ وہ شاید ایک چبوترہ کی شکل میں تھا اس لئے وہ صفّہ کہلایا۔ صفہ عربی میں چبوترہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وہاں علم حاصل کرنے والے اصحابِ صفہ کہے جاتے تھے اور شاید صوفی کا لفظ وہیں سے پیدا ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہاں دن میں تعلیم دی جاتی اور رات کو بے آسرا مہاجرین وہیں پڑ کر سو جاتے تھے۔ معاذ بن جبل اس کے منتظم اعلیٰ اور نگران تھے (سنن داؤد) اس میں صحابہ کرام کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی درس دیتے تھے۔ عبادہ بن صامت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے اور قرآن مجید کی تعلیم کا کام دیا تھا اور ایک خوش نویس صحابی الحکم عبداللہ بن سعید بن العاص کو لکھنا سکھانے کے لئے چنا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی نگرانی فرماتے تھے۔

یہاں کے فارغ التحصیل طلباء کو قاری کہا جاتا تھا۔ کچھ طالب علم محنت مزدوری کرتے۔ جنگلوں سے لکڑی کاٹ کر لاتے۔ گھروں میں چولھے کیلئے یا سردیوں میں گھر گرم کرنے کے لئے اور اس آمدنی سے کچھ خوراک فراہم کرتے۔ کچھ صاحب استطاعت اصحاب صفہ میں سے دو دو تین تین یا زیادہ طلباء کو گھر لے جاتے شام کے کھانے کے لئے حضور صدقے کا سارا سامان مدرسہ بھیج دیتے تھے۔ کچھ انصار اپنے باغ سے کھجور کے خوشے لاکر لٹکا دیتے کہ زیادہ بھوک کے وقت طلبہ خوشوں کو ہلا کر جتنی کھجوریں گرتی اتنی کھا لیتے تھے۔ ایک وقت میں طلباء کی تعداد 70 سے 80 تک ہوتی تھی۔ ابن الحجر نے حضرت سعد بن عبادہ کی دعوت میں شریک ہونے والوں کی تعداد 70 لکھی ہے۔ مسند ابن حنبل کی رو سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں صفّہ یونی ورسٹی سے 400 سے 900 تک طلباء فیض یاب ہوئے۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ حضور

اصحاب صفہ کے درمیان میں اس طرح بیٹھے تھے کہ کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

قدر گوہر شاہ داند

عبداللہ بن سلام پہلے یہودی ہیں جنھوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا اور جیتے جی جنت کی بشارت پائی۔ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ یہود سے پہلے میرے متعلق پوچھ لیجئے۔ یہود نے عبداللہ بن سلام کے متعلق کہا کہ وہ عالم بن عالم ہیں سید ابن سید ہیں (سید بہ معنی سردار) ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو؟ یہود نے کہا "ہرگز نہیں"، "یہ ناممکن ہے" حضور نے عبداللہ کو آواز دی اور وہ پردے سے نکل آئے۔ یہود بکنے لگے۔ "یہ سب سے بدتر ہے اور بدتر باپ کا بیٹا ہے" میمون بن یامین یہودی کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا۔ ایک نصرانی الٰہیات کے فاضل اور مشہور واعظ ابوقیس حرمہ بن ابی انس بھی اسی سال ایمان لائے اور عیسائیوں کی دشنام طرازی کے حقدار ٹھہرائے گئے۔

مابہ۔ مابہ۔ جویائے حق۔ سلمان بن اسلام۔

کچھ لوگوں کو دولت سرراہ پڑی مل جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کی ساری عمر تلاش میں گزر جاتی ہے۔ سلمان ایک ایسے جویائے حق تھے جن کی آدھی عمر حق کی تلاش میں خرچ ہوگئی۔ ان کی کہانی انہیں کی زبانی سنیئے۔

بیان سلمان

میں اصفہان کی ایک بستی جیان کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا۔ میرے والد اس بستی کے سب سے مالدار اور ذی اثر آدمی تھے۔ وہ مجھ سے ایسی محبت کرتے تھے جو عام لوگوں کی محبت سے بدرجہا زیادہ تھی اس موہوم ڈر کی وجہ سے کہ شاید کوئی مجھے نقصان پہنچائے لڑکیوں کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی۔ میرا آبائی دین مجوسیت (آتش پرستی) تھا۔ میں

مذہبی کاموں میں لگا رہتا یہاں تک کہ میں ''مرزبان'' ہوگیا اور میرا کام آتش کدہ کو ہمیشہ روشن رکھنے کا ہوگیا۔ میرے والد کے پاس کافی زمین تھی جہاں وہ دورہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن وہ نہ جاسکے شاید بیمار ہوں۔ مجھ سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ راستہ میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا کی طرف سے ہوا۔ اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ میں یہ دیکھنے کے لئے یہ کیا ہو رہا ہے گرجا میں داخل ہوگیا۔ نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا۔ پھر میں غروب آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے دین کی اصل ملکِ شام میں ہے۔ جب میرے باپ نے سنا کہ میں نے سارا دن عیسائیوں کے ساتھ گزارا تو وہ بہت گھبرائے اور کہا کہ بیٹے اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے، والد صاحب کو میری عیسائیوں کی طرف رغبت سے تشویش ہوئی اور انہوں نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں۔ موقعہ پاکر میں نے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ اگر کوئی شام جانے والا مل جائے تو مجھے اس کے ساتھ کردو۔ خوش قسمتی سے ایک شام جانے والے قافلے کا پتہ چلا اور میں کسی طرح سے بیڑیوں سے آزاد ہوکر ان کے پاس پہنچ گیا۔ اور ان کے ساتھ شام پہنچ گیا۔ اور پھر شام میں مسیحیوں کے سب سے افضل عالم کے پاس بھی پہنچ گیا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ قیام کی اجازت دے دی مگر کچھ دنوں بعد ہی پتہ چل گیا کہ وہ لوگوں سے غریبوں کے نام پر صدقات لیتا تھا مگر خود جمع کرتا جاتا تھا اور خاصا امیر ہوگیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا اور نصرانی اس کی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہوئے تو میں نے اس کا راز لوگوں کو بتادیا۔ لوگوں نے اسکے جمع کئے ہوئے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ہم بخدا اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اس کی لاش صلیب پر لٹکا کر اس پر پتھر مارے۔ اس کے چند دنوں کے بعد دوسرا پادری مقرر ہوگیا اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا اس وقت تک میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو آخرت کا اسقدر شیدائی اور دنیا سے اسقدر بے نیاز ہو۔ اس سے محبت کرنے لگا۔ پھر دیکھا کہ اس کا موت کا وقت قریب آرہا ہے تو اس سے پوچھا کہ اب تمہارے بعد میں کہاں جاؤں۔ اس نے کہا کہ بیٹے اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو دین عیسوی پر قائم ہے۔ وہ ''موصل'' میں رہتا ہے۔ حق اب صرف اس کے پاس ہے۔ میرے مرشد کا انتقال ہوگیا اور میں موصل پہنچا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس

رہنے کی اجازت دے دی۔ مگران کی موت کا پروانہ بھی جلد آ گیا۔ میں نے کہا کہ مرشد آپ میری مشکل سے واقف ہیں۔ اب میرے لئے کیا وصیّت ہے۔ ان بزرگ نے کہا کہ بخدا مجھے یہ نہیں معلوم کہ ''نصیبین'' کے فلاں شخص کے علاوہ کوئی اس دین پر قائم ہے۔ میں ''نصیبین'' پہنچا۔ اوران بزرگ کے پاس رہنے لگا۔ وہاں رہتے ہوئے کچھ گائے بکریاں پال لیں جب ان کی موت کا وقت قریب آیا توان سے بھی عرض کی کہ آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں ''اب بتائیں میں کہاں جاؤں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ بیٹے بخدا اب روئے زمین پر کوئی نہیں بچا جو دین عیسوی پر قائم ہو مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ وقت آ چکا ہے جب سرزمین عرب پر ایک مسیحا دین ابراہیمی لے کر نازل ہوگا۔ وہ وطن سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہ ہدیہ (تحفہ) قبول کرے گا مگر صدقہ واپس کر دے گا۔ ان کے انتقال کے کچھ دنوں بعد تک میں عموریہ میں مقیم رہا۔ پھر کچھ عرب تاجر قبیلہ بنی کلب کے ادھر سے گزرے۔ ان کو میں نے اپنی گائے بکریاں پیش کیں کہ وہ مجھے اپنی سرزمین عرب تک لے چلیں۔ جب قافلہ ''وادئ القریٰ'' تک پہنچا تو انہوں نے غداری کی اور مجھے غلام بنا کر فروخت کر دیا اور اس نے مجھے بنوقریظہ (یثرب) کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میں نے وہاں کھجوروں کے پیڑ دیکھے تو میں نے اس وادی کو پہچان لیا جس کا نشان بزرگ عموریہ نے دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آ گئے تو ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں اس قبیلہ کا کوئی شخص میرے آقا سے ملاقات کے لئے آیا۔ وہ دوران ملاقات کہنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ بنوقیلہ کو ہلاک کرے وہ سب قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو کہتا ہے کہ وہ نبی ہے''۔ میں یہ سنتے ہی کانپنے لگا اور درخت سے گر پڑا۔ شام کو میں کچھ کھجوریں لے کر قبا پہنچا اور حضور کی خدمت میں پیش کیں کہ یہ صدقہ کھجوریں ہیں۔ حضور نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا سب بانٹ دیں۔ پھر بعد میں کچھ کھجوریں پیش کیں کہ یہ ہدیہ ہیں۔ حضور نے اس میں سے خود بھی کھایا اور بقیہ بانٹ دیں۔ دو نشانیاں مجھے پوری ملیں۔ پھر ایک دن حضور اپنے کسی صحابی کی میت میں شرکت کے لئے بقیع کے قبرستان میں تھے۔ ان کے جسم پر دو چادریں تھیں۔ میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ پھر میں حضور کی پشت کی طرف چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا منشاء سمجھ لیا اور پشت سے چادر سرکا دی۔ میں نے ''خاتم'' نبوت کو دیکھا اور بے اختیار اسے چومنے لگا۔ سلام ہو سلمان فارسی پر کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ عرب میں ہر نام کے ساتھ ایک کنیت ہوتی ہے یعنی باپ کا نام۔ (یا پھر بیٹے کا نام) سلمان فارسی سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ تمہاری کنیت کیا ہے۔ سلام نے برجستہ کہا ''سلمان ابن اسلام''۔

سلمان آزاد ہو جاؤ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان سے فرمایا کہ سلمان آزاد ہو جاؤ۔ آزاد ہو جاؤ کا مطلب یہ کہ یہودی سے مکاتبت کر لو۔ مکاتبت اس رقم کو کہتے تھے جو غلام مالک کو دے کر آزادی خریدتا تھا۔

یہودی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سلمان کی قیمت مسلمانوں کے نزدیک بہت زیادہ ہے اس نے طلب کیا (40) چالیس اوقیہ سونا اور بنجر زمین پر کھجور کے تین سو درخت لگانا۔ حضور نے بلال سے فرمایا کہ رقم لاؤ۔ بلال کچھ چاندی لے کر آئے کہ حضور ''یہاں سونا کہاں''؟ بس کچھ چاندی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ سلمان اس سونے کو لے کر یہودی کے پاس جاؤ۔ سلمان کو معلوم تھا کہ بحث نہیں کی جاتی۔ بس بند مٹھی لے جا کر یہودی کو دے دی۔ یہودی نے تولا پرکھا تو وہ خالص سچا چالیس اوقیہ سونا تھا۔ اب رہ گیا تین سو کھجور کے درختوں کا معاملہ تو وہ بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سلمان کے سینکڑوں بھائی مدینہ میں تھے۔ کدالیں بیلچے۔ پھاوڑے جمع ہو گئے۔ مزدور خود بھی حاضر تھے۔ ایک دن میں تین سو گڈھے کھد گئے تھالے بن گئے۔ اب مجھ کو یہ نہ بتلایئے کہ اس میں جبرئیل میکائیل فرشتوں کی مدد لے کر آ گئے تھے۔ میں نہیں مانوں گا۔ یہ سب گڈھے مہاجرین انصار برادران سلمان نے کھودے تھے اور نگرانی اور شاید مدد بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ انصار زراعت پیشہ تھے۔ اپنے ذخیروں سے وہ کھجور کے بچہ پودے بھی لے آئے۔ دیکھتے دیکھتے کھجوروں کا باغ مکمل تھا۔ اور اس کے کنارے مزدوروں کی ٹیم کھڑی

تھی جس میں ''چٹان نما انسان'' عمار یاسر بھی تھے اور نحیف کمزور بلال بھی۔ سب مسکرا رہے تھے اور میری اندر کی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ یہ سب مسکرا رہے تھے اور بعض کی مسکراہٹ پورے چہرے کو گھیرے ہوئے تھی اور چند کے دانت بھی نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ **''لمحہ بہ لمحہ تصویری خبرنامہ''** اوپر کی طرف نشر ہو رہا تھا۔ آسمانوں سے بھی اوپر۔ اور جواباً اوپر سے بھی ایک چیز اتر رہی تھی۔ **''رحمت''** ہے اس کا نام کیونکہ اس گروہ میں رحمۃ اللعالمین بھی کھڑے تھے۔ سارے گروہ کے لئے۔

وسلموا تسلیما. وسلوا تسلیما

خادم خاص ۔ انس بن مالک

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ان کو ضرورت ہوئی ایک خادم لڑکے کی جو گھر کے اندر باہر دونوں جگہ کے کام کر سکتا ہو۔ انس بن مالک کے سوتیلے والد ابوطلحہ نے انس کو پیش کیا اور انس قبول کر لئے گئے۔ انس کی خاص ڈیوٹی تو وضو کے لئے پانی فراہم کرنا تھا مگر کوئی اور کام بھی کر دیتے تھے۔ فجر کی نماز سے پہلے حضور کے پاس حاضر ہوتے تھے اور دوپہر کو اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ خود انہیں کا بیان ہے کہ وہ حضور کے کام میں غفلت کرتے تھے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ انس میاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے جوان ہوئے۔ دس برس کے لڑکے آئے تھے اور مسلسل دس سال خدمت کر کے بیس سال کی عمر کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت اختیار کیا ان کی والدہ امّ سلیم نے جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ جنگ احد میں چند اور خواتین کے ساتھ مل کر مدینہ سے پانی اور مرہم پٹی کا سامان اور شاید کچھ خوراک بھی لے کر میدان جنگ تک دوڑ لگاتیں۔ کسی سیرت نگار یا جنگ کے وقائع نگار نے لکھا ہے کہ یہ پھرتیلی خواتین احد اور مدینہ کے درمیان پرندوں کی طرح اڑ رہی تھیں اور ان میں امّ المومنین عائشہ بھی شامل تھیں جب کہ سیدہ فاطمہ اپنے والد بزرگوار حضور نبی کریم کے زخموں کی طرف اپنے شوہر علی مرتضٰی کے ساتھ شریک تھیں اور جنگ حنین میں امّ سلیم ایک خنجر لئے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر کی باگ پکڑے ہوئے ڈٹ کر کھڑی رہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعا مانگی تو والدہ انس نے خاص طور پر انس کو سامنے کیا کہ حضور اپنے اس خادم کے لئے دعا کیجئے۔ حضور نے ان کو دعا دی۔ ''اے اللہ اسے مال اور اولاد سے سرفراز فرما۔'' اس کی عمر میں برکت دے اور اسے جنت میں داخلہ عطا فرما۔

اللھم اکثر مالہ وولدہ وادخلہ الجنتہ

پھر یہ ہوا کہ انس مال و دولت میں تمام انصار سے بڑھ گئے عمر 103 سال پائی اور بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں نواسوں نواسیوں کی تعداد 100 سے زیادہ تھی احد کے دن جب حضور زخمی ہوئے تو انس کے سوتیلے والد ابوطلحہ سپر کی طرح حضور کی حفاظت اپنے جسم سے بھی کر رہے تھے اور تیر اندازی سے بھی۔

حضور انس کو عام طور پر تو بیٹا یا انیس پکارتے تھے مگر ایک دفعہ یا ذالاذنین کہہ کر پکارا۔ یہ حضور کا انداز مزاح تھا۔ ذالاذنین کے معنی ہیں اے دو کانوں والے۔ انس سوچتے ہی رہ گئے کہ میں تو دو کانوں والا ہوں کیا کوئی تین کانوں والا بھی ہوتا ہے۔

ایک دن والدہ امّ سلیم نے حلوہ بنایا اور عورتوں کی طرح خاص انداز میں کہا کہ کاش حضور اسے کھا لیتے۔ میاں انس کافی پھرتیلے انسان اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے مسجد جا پہنچے اور حضور سے بولے ''میری ماں نے حلوہ پکایا ہے آپ کو کھانے کے لئے بلایا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کافی صحابہ موجود تھے۔ حضور نے سب کو بلا لیا کہ ''چلو امّ سلیم نے دعوت کی ہے'' جب کئی صحابہ کو حضور کے ساتھ آتے دیکھا تو امّ سلیم لپکیں کہ اپنے نور چشم کی تاج پوشی اسی وقت کر دیں یا کم از کم گرد جھاڑ دیں۔ انس نے آنے والے خطرے کی سن گن پالی اور فرار ہوئے۔ امّ سلیم منہ چھپا کے بدن ڈھانک کر کونے میں بیٹھ گئیں اور حلوہ کا برتن بیچ دستر خوان پر رکھا رہا۔ تمام صحابہ نے کھایا۔ اس درمیان میں باتیں بھی ہوتی رہیں اور کھانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ باری باری سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ امّ سلیم نے پلٹ کر دیکھا تو حلوہ ابھی گھر والوں کے لئے باقی تھا۔ انس کا قصور والدہ نے معاف کیا۔ ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ حلوے میں انس کا حصہ بڑھا دیا گیا ہوگا۔ حضرت انس سے بہت سی احادیث کی روایت ہے۔

حضرت شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں جو احادیث کی روایتوں کی تعداد دی ہے وہ یہ ہے۔

1۔	حضرت ابوہریرہ	5364
2۔	حضرت عبداللہ بن عمر	2630
3۔	حضرت انس بن مالک	2286

4۔	امّ المومنین عائشہ صدیقہ	2210
5۔	حضرت عبداللہ بن عباس	1660
6۔	حضرت جابر بن عبداللہ	1540
7۔	حضرت ابوسعید خدری	1170

صلّی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ صل وسلم علی محمد وعلی آلہ

ایک مکالمہ۔ مولّف سو بھی رہا ہے اور جاگ بھی رہا ہے۔ وقت مبارک ترین وقت صبح کے تین بجے۔

☆ تم نے کئی کتابیں تالیف کیں اردو اور انگریزی میں۔ حضور نبی کریم کی ذات مبارکہ پر مگر جب معجزوں کی بات آئی تو بات کو ٹال گئے۔ کیوں؟

☆☆ جواب تو صرف یہ ہے کہ یہ خطرہ قائم رہا کہ ہم کچھ کہیں۔ نقاد۔ منکر کہہ دیں گے کہ ہم نہیں مانتے۔ یہ سب کہانیاں ہیں۔ معراج کہانی۔ شق القمر کہانی۔ اور اس طرح سب کچھ افسانہ کہانی۔ میں دس صفحوں میں ایک بات کہوں وہ ایک پھونک میں اسے اڑا دیں۔ یہ تو ہر صورت میں میرے لئے ہارا ہوا مقابلہ ہے۔

☆ کیا صرف یہ ہی ایک خطرہ ہے۔ جس نے تم کو اپنی کتابوں حدیث دل۔ ہدیہ دل۔ اسوۂ رسول اکرم انگریزی خطبات نبوی اردو انگریزی اور الحبیب جو صرف سیرت ہے میں معجزوں کے ذکر سے باز رکھا؟

☆☆ نہیں ایک مثبت بات بھی ہے۔ ایسے معجزے کہ ایک مشک پانی سے ساری فوج نے پانی پی بھی لیا اور سارے دوسرے استعمال کر لئے اور پانی باقی رہا یا ایک دسترخوان پر ایک آدمی کے کھانے سے درجنوں آدمیوں نے کھانا کھا لیا ایسی کرامتیں تو میرے آقا کے غلاموں کے غلام بھی دکھاتے رہے ہیں اور اب بھی دکھاتے ہیں۔ یہ سارے معجزے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کم تر ہیں۔

میرے آقا خود ایک معجزہ ہیں۔

☆ یہ بات تو تم نے سچ کہی۔ مگر یہ مکمل سچ نہیں ہے۔ تم ان خود ساختہ ''دان شوروں'' (دانشوروں) اور ''انٹل کچویل ("INTELECTUAL") سے ڈرتے ہو جن کی پونی کیوبک فٹ کی الٹی کھوپڑی پر اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلم

تعالیٰ نے مہر لگادی ہے۔

کچھ ایسی باتیں بھی لکھو جو عام آدمیوں کو (جو ایمان کے اعتبار سے خاص ہیں) ہلادے۔

☆☆ مگر میں ترتیب کیسے قائم رکھوں گا۔ بطور مورخ۔ سیرت نگار کے میری نہ تربیت ہوئی ہے۔ نہ تجربہ ہے اور نہ علم ہے۔

☆ آج تک تم نے کون سا کام باربط کیا ہے۔ ترتیب دنیا کب سیکھا؟ علم کا زعم کب سے ہوگیا۔ کیا چار کتابیں پڑھ لینے سے کوئی عالم ہو جاتا ہے؟ ہے تمہاری زندگی میں کوئی نظم وضبط؟ کوئی ترتیب کہیں نظر آتی ہے؟ جو کچھ ترتیب یا بے ربطی تمہاری کتابوں میں نظر آتی ہے وہ کیا تمہاری یونی کیوبک فٹ کی کھوپڑی سے آئی ہے۔ تم شروع کردو۔ ترتیب سے یا بے ترتیبی سے۔ شاید یہ بے ترتیبی ہی اصل ترتیب سے زیادہ بااثر ہو جائے۔ شروع کردو کام فوراً۔

☆☆ کب سے شروع کردوں یہ کام؟

☆ کیا لفظ ''فوراً'' کو سمجھنے کے لئے کوئی ڈکشنری بھیجوں۔ کہہ دیا فوراً جس کے معنی ہیں ''ابھی سے'' ''اسی منٹ سے''۔

☆☆ یہ وقت دعا کا ہے۔ کیا دعا مانگ کر شروع کرلوں؟ دعا مانگو اور شروع کرو۔

حضور خود ایک معجزہ ہیں۔

کہاں پیدا کیا گیا حضور کو۔ عرب میں۔ عرب کیا تھا بس ایک جزیرہ نما تھا۔ جزیرہ سمندر کے پانی میں گھرا ہوتا ہے اور ساری دنیا سے کٹا ہوتا ہے۔ عرب ایک ریت کا سمندر تھا۔ چاروں طرف سے ریت سے گھرا ہوا اور ساری دنیا سے کٹا ہوا۔ اس وقت دنیا ہی کس قدر تنگ خیال تھی۔ نہ اخبار۔ نہ ریڈیو۔ نہ کتابیں (چھاپے خانے ناموجود ہوں تو چند مخطوطات جن کی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تک بدّقت رسائی ہو۔ کون اپنا مخطوطہ دوسرے کو دے گا کہ جب اسے دوبارہ حاصل نہ کر سکے۔ ریڈیو اور سارے الیکٹرانی ذریعے جن سے آج کل خیالات ایک سے دوسرے کو سفر کرتے ہیں ناموجود۔ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ نبی امّی ہو اور ''امّی لقبی'' ہونا ایک قابل فخر بات نہ کہ توہین۔ اس نبی امّی نے جو کچھ سیکھا وہ براہ راست (زور براہ راست پر ہے) اپنے اللہ سے سیکھا۔ براہ راست سیکھنے کے معنی ہی ''وحی وصول'' کرنے کے ہیں۔ میرے آقا منفرد ہیں کہ انہوں نے اسی زمانے میں وہ کچھ سیکھا برتا اور سکھایا جس کو دنیا اپنا بنانے کی کوشش میں جان کھپا رہی ہے۔ (حجۃ الوداع کے آخری الفاظ یاد کریں) ہر انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اس جملے کی معنویت ایسی ہے کہ انسان سکتہ میں پڑ جائے۔ مگر یہ جملہ انقلاب فرانس سے (جس کا نعرہ اخوت۔ مساوات اور آزادی تھا) ایک ہزار سال پہلے کہا گیا تھا فرق صرف یہ ہے کہ انقلاب فرانس میں کئی ملین انسانوں نے جان سے ہاتھ دھویا اور ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اور عرب والے نے اخوت اور مساوات اور آزادی کی وہ روایات قائم کیں جو دس سالہ مدنی زندگی کے دوران 12 لاکھ مربع میل عرب علاقہ میں رائج تھیں۔ چند ہزار صرف چند ہزار انسانوں کی جان کی قیمت پر اور وہ بھی ایسے کہ دشمنوں کا سمندر بار بار آ کر جزیرہ مدینہ سے ٹکراتا تھا۔

بدر میں پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ سے اٹھنے والی آواز کو خاموش کرنے کے لئے دشمنِ حق خود

آئے تھے۔حق ان سے لڑنے نہیں گیا تھا۔چند جانیں فضول ضائع ہوئیں۔احد میں پھر انہوں نے پانچ سوکلو میٹر کا فضول سفر کیا احد کی پہاڑیوں سے اپنا سر پھوڑ کر اور چند سو حق پرستوں کی جان لے کر واپس ہو گئے۔ ان کو اس زحمت طلب سفر کا دعوت نامہ حق پرستوں نے نہیں بھیجا تھا۔ پھر وہ مہینوں کے قیام کے خیال سے (بغیر ویزے کے) مدینہ آدھمکے۔سفر خرچ۔خوراک کا خرچ یہودی کے ذمّے حق پرستوں نے تو صرف یہ کیا کہ گھر کے دروازے بند کر لئے۔اپنے شہر کے گرد ایک خندق بنا دی کہ ''حق کے دشمنوں'' کو بتا دیا جائے کہ اگر وہ یہاں جان دینے ہی آئے ہیں تو ان کو ناپاک قبروں کی جگہ حدود شہر کے اندر نہیں دی جاسکتی (کیونکہ مدینہ حرم پاک ہے)۔اپنی قبریں خندق کے پار تعمیر کریں۔اور پھر وہ ایسے بھاگے کہ......خط بھی نہ بھیجا رسید کا۔کیوں آئے اور کیوں چلے گئے یہ معمہ نہ آپ حل کر سکتے نہ میں۔الٹی کھوپڑی جس پر اللہ نے مہر بھی لگا دی ہو اس کی سوچ سمجھنے کی کوشش کی تو اپنی سوچ سمجھ گم ہو جائے گی۔اور پھر ہادی برحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف رجوع کیا تو ساری تلواریں نیام میں تھیں۔انتقام کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے اور امان کے درجنوں دروازے کھول دیئے گئے۔

- ☆ جو اللہ اور رسول کی شہادت دے اسے امان۔
- ☆ جو صحن کعبہ میں پناہ لے اسے امان۔
- ☆ جو ہتھیار پھینک دے اسے امان۔
- ☆ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان۔
- ☆ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے اسے امان۔
- ☆ جو حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے اسے امان۔
- ☆ بوڑھے کو امان۔عورت کو امان۔بچے کو امان بیمار کو امان۔

امان ہی امان۔امان ہی امان۔امان ہی امان۔

اور پھر مکہ میں داخلہ۔ ایک فوجی فاتح کا نہیں۔ ایک سیاسی رہنما کی مراجعت نہیں ایک بندہ (عبدہٗ) اونٹ کے کجاوے پر ہی سجدہ ریز۔ کہ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ حضور کی داڑھی کجاوہ سے مل گئی ہے۔ کوئی شان وشوکت نہیں۔ کوئی غرور نہیں۔ مہاجرین مکہ جو اپنے گھر اور املاک چھوڑ کر مدینہ گئے تھے انہوں نے اپنے پرانے گھروں کے کوئی کلیم داخل نہیں کیئے نہ ''کلیم اور آبادکاری'' کا کوئی مرکز قائم ہوا۔ حضور نے مکہ کے باہر ایک سرخ خیمہ میں قیام فرمایا اور پھر دوسرے دن جب وہ مکہ کے سردار جنہوں نے حضور کو شعب ابو طالب میں قید کیا تھا اور رفقاء اور صحابہ پر انسانیت سوز مظالم کئے تھے کعبہ کے صحن میں سزا سننے کے لئے منتظر کھڑے تھے تو رسول اکرم خاتم النبین نے جن کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی ایک جملہ اور ایک قرآنی آیت سے سب کو آزاد کردیا۔ معاف کردیا۔

''اذھبوا فانتم طلقاہ''

(جاؤتم سب آزاد ہو۔) (طبری)

اوراس کے بعد موقع محل کی مناسبت سے سورہ یوسف کی وہ آیت پڑھی جس سے حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا۔

''لاتثریب علیکم الیوم.یغفراللہ لکم. وھو الرحم الراحمین''. سورہ یوسف آیت 92

(آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف کرے وہ سب سے بڑا معاف کرنے والا ہے۔)

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو تسلیم شدہ ہے۔ مگر یہ مولّف اس کو معجزہ مانتا ہے سمجھتا ہے ایسا معجزہ جو کسی اور بشر سے ممکن نہیں تھا۔ یہ مولف انشاء اللہ حضور کے معجزات قرآن سے یا انسانوں سے یا تسلیم شدہ واقعات سے لائے گا۔ اس لئے کہ یہ مولّف زور سے۔ پورے زور سے اعلان کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے

مت ڈھونڈھو۔ دوسرے سارے سیرت نگار مانتے ہیں دلوں میں مگر کسی نے شاید اس زور سے اعلان نہیں کیا۔

حضورؐ کے معجزے نہ ڈھونڈھو۔ **حضور خود ایک معجزہ ہیں۔**

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

جس دن عبدہٗ کو پہچان لو گے نہ معجزے ڈھونڈھو گے نہ مانگو گے۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بات نکلی ہے تو پھر دور تلک جائے گی

دو دوست تھے۔ مکہ کی گلیوں ۔ پہاڑ کی چٹانوں وادیوں میں 40 سال ایک دوسرے کے ساتھ گزارے۔ رات کی تاریکی میں دیکھا دن کے اجالے میں دیکھا چالیس سال کی زندگی میں کہیں کوئی کالا دھبا نظر نہیں آیا۔ ایک دوست نے دوسرے سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیؐ مرسل مقرر ہوا۔ صدّیق اکبر نے جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں اے صادق الوعد الامین۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ ایک دوست نے دوسرے دوست کو ایک ہی لمحہ میں نبی مان لیا ہو۔ غلط بول گیا۔ ایک لمحہ میں نہیں مانا۔ پورے چالیس سال کے مکروہ خرمستی میں ڈوبے ہوئے معاشر میں ایک روح مطّہر و معطّر کو دیکھنے۔ برتنے ۔ پرکھنے کے بعد ایمان لانے میں دوسرا لمحہ کیسے لگتا۔ اگر دوسرا لمحہ تامّل یا سوچ کا حائل ہوتا تو پھر وہ صدّیق اکبر کیسے ہوتا۔

ایک خاتون جو خود طاہرہ لقب تھیں اور مطّہر خیال تھیں انہوں نے اپنے شوہر کو ایک گھر میں پندرہ سال تک دیکھا اور شادی سے پہلے کی پچیس سال کی زندگی ان کی نظر کے سامنے تھی۔ اس وقت ان کا عظیم شوہر مضطرب تھا۔ بار امانت بار رسالت گراں معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت انہوں نے پوچھا کہ ''اے خدیجہ مجھے کیا ہوگیا ہے''؟ جواب ملا تو ایسا کہ جیسا جواب کسی اور خاتون نے اپنے شوہر کو نہیں دیا۔ ''آپ خوش ہو جایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ اقربا سے نیک سلوک کرتے ہیں ۔ صلۂ رحمی کرتے ہیں سچ بولتے ہیں ۔ امانتیں ادا کرتے ہیں ۔ بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ۔ ناداروں کو اپنی کمائی میں سے دیتے ہیں نیک کاموں میں مدد دیتے ہیں ۔ آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی اندوہ گیں نہیں فرمائے گا۔'' (صحیح بخاری)

میں نہیں مانتا کہ کسی خاتون نے کسی شوہر کو پندرہ سال اندر سے دیکھنے کے بعد اور اس کے علاوہ پچیس سال تک تاجر حلقوں سے ہر سفر کی اطلاع ملنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے توقف کئے بغیر اپنے شوہر کے دعوئے نبوت کو تسلیم کیا ہو۔ **میں تو خدیجہ کی گواہی کو بڑا معجزہ مانتا ہوں۔**

دو دوست تاریک رات میں ایک پہاڑی پر چڑھ رہے ہیں۔ اندھیرے میں پتھروں سے نبٹنا کس قدر دشوار ہے۔ یہ صرف سوچا جاسکتا ہے۔ ایک دوست کبھی دوسرے دوست کے آگے چلنا شروع کرتا ہے تو کبھی پیچھے۔ صادق الوعد پوچھتے ہیں کہ اے صدّیق تم کبھی میرے آگے ہوتے ہو اور کبھی پیچھے۔ شاید جب تم یہ سوچتے ہو کہ تعاقب کرنے والے پیچھے سے آئیں گے تو تم میرے پیچھے ہوجاتے ہو کہ پہلے تم تعاقب کرنے والوں کی زد میں آؤ اور کبھی تم آگے ہوتے ہو کہ اگر کوئی سامنے سے آئے تو پہلا وار تم پر ہو۔ صدیق اعظم نے فرمایا کہ اے نبی صادق المکرّم بالکل یہی بات ہے۔

غار میں سانپ بچھو بھی ہوتے ہیں اور ان سے کچھ کم مگر تکلیف دہ حشرات الارض بھی ہوتے ہیں۔ صدّیق عرض کرتے ہیں کہ اے نبی محترم آپ ذرا تھوڑی دیر باہر توقف کریں۔ میں اندر کا جائزہ لوں۔ اندھیرے میں ہاتھوں کی مدد سے غار کے سوراخوں کی تلاش کسی جھوٹے عاشق کا کام نہیں ہوسکتا۔ صدّیق اپنی چادر پھاڑ کر تمام سوراخ میں ڈاٹ لگاتے ہیں۔ ایک سوراخ باقی ہے مگر چادر ختم ہوچکی ہے۔ صدّیق اپنی ایڑی اس میں پھنسا دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے نبی محترم آکر سو جایئے۔ صادق نبی اندر تشریف لاتے ہیں اور صدّیق کے زانو پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں۔ کیا یہ صرف صدّیق اکبر کی صداقت تھی۔ یا صدّیق اکبر میں اس جذبۂ الفت کا پیدا کردینا۔ نبیؐ صادق کا معجزہ۔ میرے خیال میں تو فرق کچھ نہیں۔ صدّیق کی الفت صادق کا

صلّی اللّٰه علیه وسلم

معجزہ تھی۔ کیا کسی نبی کو ایسا صادق ملا تھا؟ حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور حضرت موسیٰ کے سرغنہ سرداروں کا حساب تو ہم بعد میں اس کتاب میں لیں گے۔ ان کے علاوہ کسی بھی کسی بھی۔ مذہب کو ایسے ''پروانے'' صحابی ملے۔ اگر نہیں تو یہ معجزہ کس کا ہے؟ اگر یہ رسول کا معجزہ نہیں ہے تو پھر رسول کو خود معجزاتی شخصیت جانیے۔

بلال۔ عمّار۔ سمیّہ کی داستانیں تو مکہ میں سنی تھیں جب کہ ابو جہل کا کوڑا ٹوٹ گیا غلاموں کا عزم نہیں ٹوٹا۔ کوئی کافر کسی مومن غلام کو جھکا نہیں سکا۔ معلوم نہیں یہ غلاموں کی استقامت تھی یا عشقِ رسول کی طاقت۔ عشقِ رسول کی طاقت اگر ایک معجزہ ہے تو سنیے یہ قصہ جو مدینہ سے متعلق ہے۔

مدینہ میں مسلمانوں کے دستے رات کو حفاظت کے لئے۔ کچھ اپنے باغوں اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے اور اس سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کی حفاظت کے لئے نکلتے تھے۔ ایک دستہ کو قریش کے اس گروہ نے جو پانچ سو کلومیٹر کا سفر کر کے رات کو مدینہ شہر۔ یا شہریوں کی املاک یا حضور نبی کریم کی ذات مبارکہ کو نقصان پہنچانے آیا تھا دھوکہ سے دو مسلمانوں کو گرفتار کرلیا۔ دونوں کا قصہ تقریباً یکساں ہے۔ ایک کا قصہ خبیب بن عدی کا قصہ سنیے۔

ایک تنومند نوجوان سعید بن عامر جمحی قریش کے مہمان کی طرح بلایا گیا تھا کہ ایک زبردست تماشہ ہونے والا تھا۔ ایک مدینہ کے مسلمان خبیب بن عدی کو پھانسی دی جانے والی تھی۔

ایک زبردست ہجوم نعرے لگاتا اور گالیاں بکتا خبیب کو قید کر کے سولی تک لا رہا تھا جو خاص خبیب کے لئے بنائی گئی تھی۔ خبیب کو تختۂ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ خبیب کی باوقار آواز اس شور و شرابے اور گالی گلوج کے درمیان سے بلند ہوئی۔ ''اگر تم لوگ اجازت دو تو میں موت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اجازت مل گئی۔ خبیب نے نماز پڑھی (نمازِ عبادت محرابِ مسجد میں ادا ہوتی ہے مگر نمازِ عشق دار پر)

پھر نوجوان سعید بن جمی نے سنا اور دیکھا کہ خبیب نے مجمع سے کہا کہ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ مجھے خوف زدہ سمجھو گے تو میں نماز کو ذرا طول دیتا۔ پھر سعید نے دیکھا۔ اس کی پھٹی پھٹی حیرت زدہ آنکھوں نے دیکھا کہ وہ زندہ ہی خبیب کا مثلہ کر رہے ہیں (یہ بدن کے اعضا کو کاٹ کر لاش کو بدنما بنانے کا فعل انتہائی دشمنی اور انتہائی بربریت کا مظہر ہے)۔ وہ قاتل ساتھ ہی یہ کہتے جاتے تھے کہ کیا تم خبیب۔ اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ تمہارے نبی ہوتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے ہوتے۔ خبیب کے جسم سے بے تحاشا خون نکل چکا تھا اور ان کی آواز کو کمزور ہونا چاہئے تھا مگر انہوں نے مضبوط آواز میں کہا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مجھ کو بچانے کے لئے میرے رسول کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ مجمع کو اپنی شکست اور کمزوری کا علم ہو گیا۔ زور سے آوازیں آئیں۔ مار ڈالو اس کو۔ قتل کر دو۔ پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے دیکھا کہ خبیب نے تختہ دار سے اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور پیغام بھیجا۔

اللھم احصھم عددا. واقتلھم بلأ ولا تناو منھم احدا

(میرے اللہ ان سب کو ایک ایک کر کے گن لے انہیں منتشر کر کے ہلاک کر اور کسی کو نہ چھوڑ)

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جاں بازاں

ملامت می کند خلقے و من بردارمی رقصم

اس کے بعد قریش بڑے ''فتح مند'' لوٹ گئے لیکن وہ زبردست ڈیل ڈول کا نازک شیشۂ دل رکھنے والا سعید بن عامر جمی اپنے ذہن اور دماغ سے قریش کی اس بہیمت کو فراموش نہ کر سکا۔ پھر شہید خبیب نے سعید کو وہ باتیں بتا دیں جو کوئی زندہ شخص نہیں بتا سکتا تھا۔

خبیب نے سولی پر لٹکے ہوئے سعید بن عامر کو یہ بتایا کہ جس شخص سے اس کے ساتھی اس طرح ٹوٹ کر محبت

کرتے ہیں وہ واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے۔

محبت جھوٹی کبھی نہیں ہوسکتی۔ یا تو محبت ہے یا پھر ہے ہی نہیں۔

سعید بن عامر نے زوردار لہجے میں کہا کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ" "میں اپنے آقا کے پاس مدینہ جا رہا ہوں۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا کوئی شخص مجھے روکنا چاہتا ہے؟؟" ....کوئی نہیں سعید کوئی نہیں۔ یہ سب اپنے ٹھکانوں کی طرف مکہ بھاگے جا رہے ہیں۔

جنگ احد گرم ہے۔ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے بہت سے جاں نثار صحابہ نے ہتھیار پھینک دیئے۔ عمر بن خطاب دلیر نے تلوار زمین پر گرا دی اور سر جھکا کر غمگین بیٹھ گئے۔ یہ بڑا خطرناک لمحہ ہوتا ہے کہ دشمن دیکھ رہا ہے کہ تلوار زمین پر ہے۔ مجاہد نے سر جھکا دیا ہے۔ ایک وار کاری اور آخری ہو سکتا ہے۔ اس وقت ایک شہادت کا تمنائی ادھر سے لڑتا بھڑتا گزرتا ہے۔ ''عمر کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' عمر نے جواب دیا کہ جب حضور ہی شہید ہو گئے تو ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ انس بن نضر نے اس سوال کے جواب میں ایک سوال کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی شہید ہو گئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟۔ اور جواب سے پہلے عمر نے اپنی تلوار اٹھالی اور انس بن نضر تیز نکل گئے۔ لڑتے بھڑتے۔ شہید ہوئے۔ جنت کا راستہ مختصر کر لیا۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

حضور کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچ گئی۔ مدینے سے بیبیاں بے تابانہ میدان کی طرف دوڑیں۔ ایک مجاہد نے ایک خاتون سے کہا افسوس اے خاتون آپ کے بھائی شہید ہوئے۔ خاتون نے کہا انا للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ کوئی یقینی جواب نہیں ملا مگر دوسرے نے کہا کہ آپکا بیٹا شہید ہو گیا۔ انا للہ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ آپ کے شوہر شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ اس شیر کی قربانی قبول فرمائے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ وہ بخیریت ہیں۔ جواب ملا۔ وہ مشہور فقرہ یاد آیا۔ کل مصیبتہ بعدہٗ جلل (اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے)

عاشقوں کی باتیں

اس جنگ میں سعد بن ربیع شہید ہوئے تھے۔ جنگ فتح ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے (ان کی تلاش کیوں ضروری تھی؟) ایک نے دیکھا کہ زخموں سے چور ہیں۔ شاید صرف

چند سانسیں باقی ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا مجھے مردہ سمجھو مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام عرض کر دینا اور قوم سے کہہ دینا کہ جب تک ایک آنکھ بھی جھپکنے والی باقی ہے، اگر دشمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو اللہ کے حضور جواب دینے کی تیاری کرلو۔ شاید یہ مطلب تھا کہ جب تک آخری آدمی کی آنکھوں میں سے بھی دم نکل جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرض ہے۔

نازک ترین لمحہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کون جان دیتا ہے۔ زیادہ بن سکن انصاریؓ پانچ اور انصاریوں کے ساتھ اس خدمت کے لئے بڑھے اور ہر ایک نے جانبازی سے لڑ کر اپنی جان قربان کردی۔ زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ قریب لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اس طرح جان دے دی۔ یہ نصیب اللہ اکبر اللہ اکبر۔

اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

اس نیاز مند نے کس ناز سے جان دی کہ آخری سانس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سرہانے تھے۔

ایک اور صحابی عمارہ بن زیادؓ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب لمحۂ شہادت میں چند سانسوں کا فاصلہ ہے۔ کسی طرح گھسٹ کر، لڑھک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچ گئے اور اپنے رخسار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں سے لگا دے۔ یہی شہید کی معراج تھی۔ یا پھر رسول کا معجزہ۔

صلۂ شہید کیا ہے تب وتاب جاودانہ۔

خباب بن ارت

ام انمار خزاعیہ ایک بڑی چلتی ہوئی تاجرہ خاتون تھی۔ ایک روز مکہ میں غلام بیچنے خریدنے والوں کے بازار میں پہنچ گئی۔ ایک لڑکا اس کو صورت اور بدن سے کام کا محسوس ہوا۔ بلوغت کا سن نہیں تھا مگر ہاتھ پیر سے مضبوط لگتا تھا اور چہرے سے ذہین خرید لیا اس کو گھر لاتے ہوئے راستہ میں پوچھا۔

کیا نام ہے تمہارا؟ جواب ملا خباب۔ والد کا کیا نام ہے؟ جواب ملا ارت۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا نجد کا۔ گویا تم عربی النسل ہو۔ ہاں میرا تعلق بنی تیم سے ہے۔ پوچھا کہ تم ان بردہ فروشوں کے ہاتھ کیسے لگ گئے۔ جواب ملا۔ ایک قبیلے نے اچانک حملہ کیا۔ جانوروں کو چھین لیا۔ عورتوں بچوں کو گرفتار کیا۔ اور پھر ایک سے دوسرے کے ہاتھ بکتا اس وقت تمہارے سامنے ہوں۔

ام انمار نے اس لڑکے کو ایک آہن گر (لوھار) ہتھیار بنانے والے کے سپرد کیا۔ لڑکا بہت جلدی بڑا اچھا آہن گر بن گیا۔ اور اس درمیان میں قد بدن سے بھی اچھا نوجوان بن گیا۔ ام انمار نے ایک دکان کرایہ پر لے کر اس غلام کے حوالے کی اور اس کی کمائی کھانے لگی۔ ایک ذہین انسان کی طرح خباب مکہ کے جاہلیت کے معاشرہ سے برگشتہ تھے۔ وہ انتظار میں تھے کہ اس اندھیرے میں نور کی کرن کب جلوہ گر ہوگی اور دعا کرتے تھے کہ ان کی زندگی اتنی طویل تو ہو کہ وہ اندھیرے کو جاتے اور نور کو آتے دیکھیں اور ان کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انہوں نے سنا کہ بنو ہاشم کے ایک فرد کے دہن مبارک سے وہ کلمات ادا ہو رہے ہیں جو نور کی آمد کی خبر دے رہے ہیں۔ وہ سامنے آئے اور خود ہاتھ بڑھا کر ''روشنی'' میں ڈوب گئے۔ وہ کہا کرتے تھے ایک زمانے میں میں اسلام کا چھٹا حصہ تھا۔ شاید چھٹے مسلمان ان کا مطلب ہو اس زمانے میں مسلمان چھپ کر رہتے تھے اعلان کم ہوتا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ گنتی صحیح نہیں ہو مگر وہ سابقون الاولین میں سے

ضرور تھے۔

خباب نے اپنا اسلام چھپانے کی کسی سے کوشش نہیں کی ام انمار کو اپنے ''غلام'' کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلدی مل گئی اور وہ اپنے بھائی سباع بن عبدالعزا کے ساتھ خباب کی دکان پر پہنچ گئی۔ ''خباب سنا ہے کہ تم بے دین ہوگئے ہو''۔ ام انمار چنگھاڑی۔ ''نہیں اب میں دین دار ہوگیا ہوں'' خباب نے جواب دیا اور پھر ام انمار اور اس کے بھائی کے ساتھ آنے والے لفنگوں اور غنڈوں نے خباب سے دین دار ہونے کا تاوان نقد وصول کیا۔ جس کے ہاتھ میں جو چیز آئی۔ لکڑی، ڈنڈا، لوہا اس سے خباب کی تواضع کی۔ ام انمار نے بھٹی میں سے جلتے ہوئے لوہے کا ایک ٹکڑا خباب کے سر پر رکھ دیا۔ خباب نے اوپر نظر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور رپورٹ درج کروادی۔ **''اللہ اُمّ انمار سے میرا بدلہ آپ کے ذمہ''**

خباب کو ستانے کی ذمہ داری سباع بن عبدالعزیٰ کے سپرد تھی اور وہی ابوجہل کا طریقہ جو بعد میں بلال پر آزمایا گیا۔ لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں جلتی ریت پر اذیت۔

سوال جواب ہمیشہ یکساں رہے۔

محمد کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ وہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔

محمد کا دین چھوڑ سکتے ہو؟ اپنی زندگی میں کبھی نہیں۔ کبھی نہیں، کبھی نہیں، کبھی نہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دور سے بول رہا تھا مگر سب کو سنائی دے رہا تھا آج تک سنائی دیتا ہے۔

خباب بن ارت بھاگ کر مدینہ بھی پہنچ گئے۔ طویل عمر پائی۔ مکہ سے بھاگنے سے پہلے دیکھا کہ ام انمار سخت دردِ سر میں مبتلا ہوئی۔ ایسی کہ جانور کی طرح چیختی تھی۔ اطباً نے آخری علاج یہ تجویز کیا کہ سر کو گرم لوہے سے داغا جائے۔ ام انمار کے غلام خباب یہ گرم لوہا اپنی بھٹی سے شوق سے اور احترام سے پیش کرتے تھے۔ آخر وہ

ام انمار کے غلام تھے نا۔ اور سباع بن عبد العزیٰ کو جنگ احد میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں جہنم واصل ہوتے دیکھا۔ یہ سب کچھ تو ہوا مگر ام انمار اور عبد العزیٰ اور سارا محلّہ قبیلہ خباب بن ارت کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکا کہ وہ اپنے آقا سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی براءت کا اظہار کریں۔ جب سر پر گرم لوہے کا ٹکڑا رکھا ہوا ہو اس وقت محمد الرسول اللہ کہنا یقینی معجزہ تھا۔ کس کا؟ خباب کا؟ خباب کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ یہ فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

میں اس بات پر اصرار کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معجزہ وہ شائستہ۔ شریف۔ ایمان دار۔ سچے وفادار انسان تھے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تصرّف اپنے فیضان نظر سے پیدا کئے تھے۔ جن کا نظم وضبط (ڈسپلن) اور عشق رسول مثالی تھا۔ اور ایسا کسی اور معاشرہ میں اور کسی اور رہنما کے لئے نہیں ہوا۔ دوسرے رہنما اور خصوصی طور پر ہر زمانے میں فوج کے فضول نظم وضبط میں پیتل کے پھولوں کی قیمت سے انسان کی انسانیت اور قدر ناپی جاتی تھی اور جس دن سے کسی کے کندھے پر ایک پھول کا اضافہ ہو جاتا تھا اس کی گردن میں جیسے لکڑی لگ گئی ہے اور وہ اکڑ گئی ہے۔ میرے آقا کا لباس کسی عام مسلمان کے لباس سے ممتاز نہیں ہوتا تھا بلکہ اکثر اس میں پیوند زیادہ ہوتے تھے۔

میرے آقا گھر کا سارا کام کرتے تھے جوتے گانٹھ لیتے تھے اور بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کام میں حصہ لیتے تھے چاہے وہ مسجد کی تعمیر ہو یا جنگل میں کھانا پکانا ہو۔ (حضور جنگل سے جلانے کی لکڑی لاتے تھے شاید کھانا پکانا ان کو مشکل لگتا ہو)۔ وہ بچوں کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر مسجد سے باہر بھی جا سکتے تھے اور منبر پر خطبہ کے درمیان بٹھا لیتے تھے یا نماز میں کندھے پر۔ یہ ''ہٹو بچو'' والے بونے پروٹوکول نہیں ہوتے تھے۔ مگر صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ حدیبیہ کی صلح کے دن جو قریش کے نمائندے آئے تھے۔ ان میں

صلّی اللہ علیہ وسلم

سے ابن مسعود نے واپس جا کر قریش کو سمجھایا کہ اس آدمی سے بچو۔ وہ مافوق الفطرت انسان ہے اس طرح کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بغیر کچھ کہے ہوئے ان کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ جب کسی کو پکارتا ہے تو وہ دوڑ کر آتا ہے۔ جب وہ وضو کرتا ہے تو لوگ وضو کے پانی کے گرتے ہوئے قطروں پر اس طرح ٹوٹ کر گرتے ہیں کہ جیسے اب ان میں لڑائی چھڑ جائے گی۔ میں نے کسریٰ اور قیصر کے دربار دیکھے ہیں مگر ایسی محبت۔ اطاعت اور خدمت کا امتزاج کہیں اور نہیں دیکھا۔

ایک یوروپین (جرمن) مولّف نے حضور کی زندگی کا...... مطالعہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا۔ ''اس زمانے کے حالات اور ان کے ساتھیوں اور ماننے والوں کا ان پر انتہائی حد تک اعتقاد دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ سب سے بڑی معجزانہ بات یہ ہے کہ محمد نے کبھی معجزوں پر قادر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا (صلی اللہ علیہ وسلم) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معجزے بھی دیکھے گئے لیکن ان کا مقصد معجزوں سے دین کا پروپاگنڈا کرنا نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے معجزوں کو اللہ تعالیٰ کے فہم وادراک سے بالاتر طریقہ کار سے منسوب کیا۔''

(وہ مولّف ''**بشرٌ مثلکم**'' کی طرف اشارہ کرنا بھول گیا۔)

یہ شخص عروہ بن مسعود جو قریش کی جانب سے صلح نامۂ حدیبیہ کے لئے آیا تھا۔ اس نے قریش کو واپس جا کر کہا ''اے قوم مجھے بارہا نجاشی (بادشاہ حبشہ) قیصر (بادشاہِ قسطنطنیہ) کسریٰ (بادشاہ ایران) کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ مگر مجھے کوئی محمد جیسا نظر نہ آیا جس کی عظمت اس کے دربار والوں کے دل میں ایسی ہو جیسی اصحاب محمد کے دل میں محمد کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم۔ صلی اللہ علیہ وسلم) محمد تھوکتا ہے تو اس کا لعاب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے اور وہ شخص اس آب دہن کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے جب محمد کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے سب ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں جب وہ وضو کرتا ہے تو

استعمال شدہ پانی کے لئے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا ان میں لڑائی شروع ہو جائے گی۔ جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں محمد کا اتنا ادب ہے کہ وہ اس کے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ میری رائے ہے کہ اس سے صلح کر لو۔ جس طرح بھی بنے (صحیح بخاری)

اللھم صلی علی محمدو علی آل محمدا

(یہ عروہ جو حدیبیہ میں سفیر قریش تھے بعد میں مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے فرائض سنبھال لئے)

(اسکول میں پڑھا تھا کہ اگر لوہے کو مقناطیس کے قریب لائیں تو لوہا خود مقناطیس ہو جاتا ہے۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ بات سچ تھی۔ ایک بازار میں کچھ سوداگروں نے وقتی اثر پذیری کے ماتحت حضور کو چند اونٹ بغیر نام پوچھے ادھار پر دیئے پھر جب اونٹ لے کر حضور چلے گئے تو تشویش کرنے لگے۔ ایک عورت جھروکے سے یہ سودا دیکھ رہی تھی اس نے ان تاجروں سے کہا۔ فکر نہ کرو یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ یہ نظر اور یہ اثر پذیری بھی اللہ کے دین ہے۔)

کسی شاعر نے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ان کا آدھا معجزہ تھا ایک بیکس پجاری عاشق نے کراچی سے پکار کر کہا۔ ''چلو آدھا سچ بھی سچ مان لیتے ہیں۔ پورا سچ یہ ہے کہ حضور کا پورا وجود پورا معجزہ ہے۔ اور جس کو یہ وجود معجزہ نظر نہ آئے۔ وہ اللہ سے چشم بینا پہلے طلب کر لے۔ اندھے کو تو کچھ نظر نہیں آئے گا۔

اللھم صلی علی محمدو علی آل محمدا

حضور کے ایک موجودہ دور کے غلام جن کا پیشہ قانون سے ہے اور نام ان کا جسٹس شیخ عبدالمجید ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر قانون کے حوالے سے کتاب یا رسالہ لکھا ہے۔ مجھے تو قانون کی ہجے بھی نہیں آتی۔ میں نے وہ کتاب نہیں پڑھی۔ مگر اس میں سے دو جملے خلاصہ کے پیش خدمت ہیں۔ قرآن

کریم میں 227 آیات گیارہ قانونی معاملات سے متعلق ہیں۔ اور وہ ہیں میراث۔ شادی نکاح۔ جہیز۔ طلاق۔ تحائف وصیّت۔ خرید و فروخت۔ سرپرستی یا کفالت اور چند ارتکابات جرم۔

تمام احکام قرآنی کی شرح اور وضاحت حدیث رسول سے ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ ان سارے مسائل پر جو کچھ وضاحتیں ہیں ان کے لئے کتنے بڑے کتب خانوں کی ضرورت ہوگی۔ اگر تصور میں نہ آسکے تو کسی قانونی شخص کی کتابوں کا جائزہ لیجئے۔ ہمارے پرانے علماء نے پوری پوری عمر فقہی مسائل کے حل میں اور حدیث کی تدوین میں گزار دیں جن کا منبع حضور نبی کریم کا خزانہ علم تھا اور ہے۔ ایک امّی لقب۔ عالم۔ مدینۃ العلم کے تاجدار جنہوں نے کسی ایک انسان سے بھی ایک دن کے لئے بھی کوئی سبق نہیں لیا۔ انسانوں میں ٹاؤ Tao سے لے کر یونان تک ساری دنیا میں اگر کوئی قانون تھا تو اس کو لکھ لیجئے (اس کے لئے ایک صفحہ کافی ہوگا) اور آدھے صفحہ پر حضرت موسیٰ کے عہد نامہ عتیق (Old Testamant) سے وہ دس حکم بھی لے لیجئے۔ جس کو وہ Ten Commandments بھی کہتے ہیں۔ یہ دس لائنیں ہیں۔ اور پھر ان تمام قوانین کو میرے آقا کے ترتیب کردہ اور عمل میں لائے ہوئے قوانین سے ملا کر دیکھ لیجئے پھر آپ کہہ اٹھیں گے کہ یہ شخص ابن عبد اللہ العربی انسان نہیں معجزہ ہے۔ میں آپ سے کلی طور پر متفق تو نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے آقا اپنے آپ کو عام انسانوں کی طرح ایک انسان۔ بشر کہتے ہیں مگر میں اس حد تک بھی نہیں جا سکتا۔ میں حضور کو خیر البشر۔ فوق البشر مانوں گا۔ (اور اگر یہ جرم ہے تو خدا کی قسم اس کی سزا میں بڑی لذّت ہوگی۔ انشاءاللہ۔

اللھم صلی علی محمدوعلی آل محمدا

حضرت ابوالوقت صلی اللہ علیہ وسلم

جی ہاں اس عنوان کا مطلب ہے کہ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے مالک ہیں۔ وقت ان کا پابند ہے۔ وہ وقت کے پابند نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ''لی مع اللہ وقت''۔ عام معنی تو یہ ہوئے کہ حضور کے وقت کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کے لئے وقف ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر معراج کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ وقت کی قسم کھاتا ہے ''والعصر'' اور پھر یہ کہ ''لاتسبو الدھر'' زمانے کو برا نہ کہو۔ اور پھر یہ کہ حدیث قدسی ہے کہ ''میں خود زمانہ ہوں''۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ جس کا مفہوم ہے کہ ہمارے آقا اس وقت بھی نبی تھے جب آدم کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی وہ ''ماء'' اور ''طین'' (پانی اور گیلی مٹی) کے درمیان تھے اور صلصال کالفخّار تو بعد کی بات ہے۔ اور پھر ایک تخلیق کا نقطۂ صفر تھا جس کو طبعیات والے وقت صفر (Zero time) یا عظیم دھما کہ (Big Bang) کہتے ہیں اور مابعد الطبعیات اور مذہب والے اس کو کن فیکون کا نقطۂ کن کہتے ہیں اور وہی لمحہ شاید فیکون بھی تھا۔ مرشد فلاسفر علیہ الرحمۃ نے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر عام طور سے لوگ جب کسی بات کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں یا کچھ کچھ سمجھ تو جاتے ہیں مگر سمجھا نہیں سکتے تو شعر کا سہارا لیتے ہیں۔

اور اگر میرے جیسا نا اہل اس کو سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش کرے تو دوسروں کے لئے گم راہی اور خود اپنے لئے گناہِ عظیم۔ مختصر یہ کہ حضور پر زمانہ اور وقت حاوی نہیں تھا بلکہ حضور خود زمانے کے حاکم اعلیٰ تھے۔ حضور نے کس مختصر مدّت میں کتنے کام کئے اس کو سمجھنا چاہیں تو حیرت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

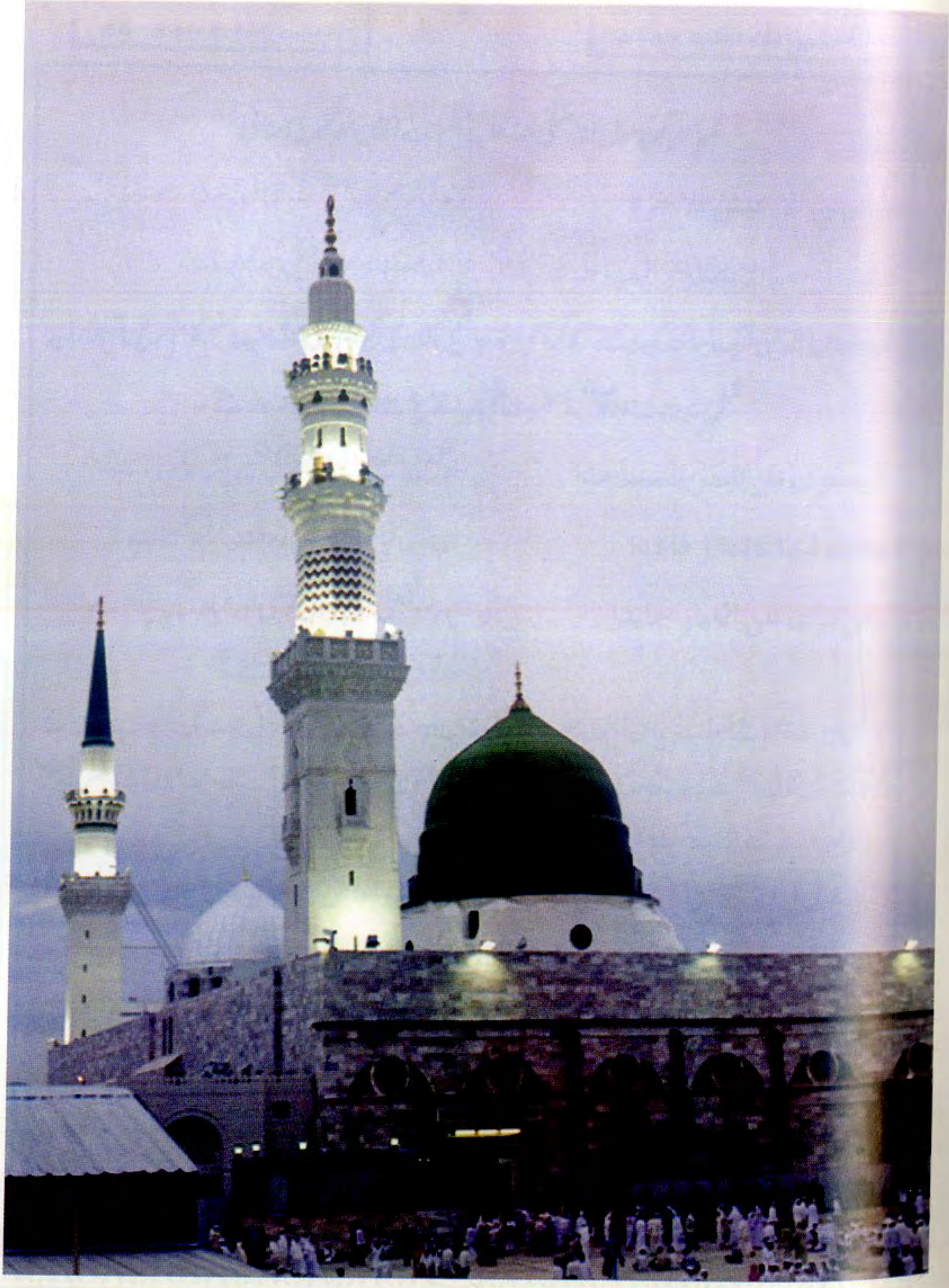
اگر ہم وقت کے عام روز مرّہ معنی کو سامنے رکھیں یعنی اس چیز کو وقت مانیں جس کو ہم گھنٹے منٹ۔ دن رات ہفتے مہینے میں تقسیم کر لیتے ہیں تو بھی ہم کو ایک حیرت زدگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضور نبی کریم نے مدینہ پہنچنے کے بعد پہلے لمحہ سے اس زمینی کام کا آغاز کردیا جس کو ہم دیکھ سکتے تھے۔ سمجھ سکتے تھے اور کچھ نہ کچھ اس پیغمبری کام میں اپنا حصہ ڈال کر سرخ رو بھی ہو سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی رات مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاری کے گھر گزاری تو فوراً ایک پہرہ داری نظام نافذ کردیا جس میں دن رات کے آٹھوں پہر چند صحابہ مدینہ کے گرد خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے گرد پہرہ دیتے تھے گھوم پھر کر گشت کر کے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تقریباً تنہا رہ گئے تھے تو کوئی ذاتی پہرہ کا نظام نہیں قائم کیا اور اب اندازاً 600 مسلمانوں کی جان اور املاک کے تحفظ کے لئے اجتماعی پہرہ کا انتظام نافذ ہوگیا۔ پہلے ہی دن سے دس بارہ مسلّح مسلمان پورے مدینہ کے گرد اور خصوصاً کاشانہ نبوت کے گرد پہرہ دیتے تھے۔ یہ انتظام بھی بڑی انتظامی صلاحیت اور وقت مانگتا تھا۔ اور یہ دونوں حضور کے پاس معجزاتی طور پر موجود تھیں۔ چند صحابہ کا آٹھوں پہر کے پہرہ داروں کی کارکردگی دیکھنے خوابگاہ سے نکلے تو دیکھا کہ فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص پہرہ پر ہیں۔ (ابن اثیر اسد الغابہ) ایک رات زیادہ دہشت ناک گزری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود قریب ترین گھوڑے پر سوار ہو کر اطلاع لینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ابن اثیر کے مطابق گھوڑا ابوطلحہ کا مندوب نامی تھا اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ حضور نے واپس آ کر کہا کہ آرام سے سو جاؤ۔ ڈر اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ شاید کوئی تجارتی قافلہ قریب میں ٹھہر گیا تھا۔ ان کے آدمیوں گھوڑوں اور اونٹوں کی آوازوں نے لوگوں کو چوکنا کردیا تھا۔ چونکہ ایک سال کے اندر بدر کے دن 313 مجاہدین موجود تھے اس لئے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت 300 اور 350 کے درمیان پہرہ داروں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہوگی۔ یہ پہرہ داری جس کو سیرت نگار طلایہ گردی کہتے ہیں کس طرح سے عمل کرتی تھی فرائض کیسے تقسیم ہوتے تھے اور یہ طلایہ گردی کب تک جاری رہی (شاید فتح مکہ کے بعد ختم کی گئی ہوگی) اس بارے میں تمام سیرت نگار خاموش ہیں۔ کچھ مجاہدین ہتھیار بند سوتے تھے یہ بات سیرت نگاروں نے لکھی ہے۔ یہ بات یہاں نوٹ کر لینی چاہئے کہ اس

طلایہ گردی میں کم از کم ایک رات سپریم کمانڈر صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ اور کسی فوج میں تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ رات کی طلایہ گردی سے دن کی مشقت پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ دن کی مشقت مسجد کی تعمیر تھی جس میں آ قا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے حصہ لیا۔

دو بچے سہل اور سہیل رافع بن عمرو کی زیر کفالت تھے اور یہ زمین ان کی ملکیت تھی۔ اور اس زمین پر حضرت اسعد بن زارہ حضور کی آمد سے پہلے جماعت سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان دونوں بچوں نے یہ زمین حضور کو نذر کرنے کی کوشش کی مگر حضور نے قیمت دینے پر اصرار کیا۔ آخر کار یہ زمین خرید لی گئی۔ امام زہری کے مطابق حضرت ابوبکر صدّیق نے دس دینار دیئے۔ دوسری روایت فتح الباری سے یہ ہے کہ حضرت ابوایّوب انصاری نے اس کی قیمت ادا کی اور تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے اپنا ایک باغ ان بچوں کو زمین کی قیمت کے عوض دے دیا۔ بہر حال یہ اسلامی روایت تھی کہ اس مسجد کی زمین کی قیمت کس نے ادا کی آج تک کسی کو نہیں معلوم۔ مسجد کی تعمیر کا کام ربیع الاوّل سن 1 ہجری مطابق اکتوبر 622 شروع ہوا۔ مسجد کا نقشہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا اور پھر ابتدا بھی اللہ کے نام سے کردی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کی تعمیر میں ایک مزدور کی حیثیت سے کبھی کبھی ہاتھ بٹایا۔ وہ مزدوروں کے رجز میں آواز ملاتے تھے۔ مزدور صحابہ کس قدر جوش میں آتے ہوں گے اس کا صرف اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اللھم لا خیر الا خیر الاخرہ	اے اللہ بھلائی تو بس آخرت کی بھلائی ہے۔
فانصر الانصار والمھاجرہ	بس اللہ انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔
اللھم ان الاجر اجرہ الاخرۃ	اے اللہ بے شک اجر تو آخرت کا اجر ہے۔
فاغفر الانصار والمھاجرۃ	بس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔



یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری سنائی

لا عیش الا عیش الاخرہ	زندگی تو صرف آخرت ہی کی زندگی ہے۔
اللھم ارحم الانصار والمھاجرہ	یا اللہ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

انصار و مہاجرین ایک ساتھ کہہ اٹھتے "اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کام کریں تو ہمارا یہ عمل بہت برا ہوگا"۔ حضرت علیؓ یہ رجز پڑھنے میں مصروف رہتے۔

لا یستوی من یعمر المساجدا	جو شخص اٹھتے بیٹھتے مسجد کی تعمیر میں لگا رہتا ہے۔
یداب فیھا قائما و قاعدا	ان میں قیام وقعود میں (وقت) بسر کرتا ہے۔
ومن یری عن الغبار حائدا	اور وہ شخص جو کپڑوں کو مٹی اور غبار سے بچاتا ہے
	دونوں برابر نہیں نہیں ہو سکتے۔

(کسی سیرت نگار نے لکھا ہے کہ اس آخری مصرعہ میں کسی خاص دوست صحابی پر ہنستی مسکراتی چوٹ تھی۔ جو اپنے لباس کے معاملے میں کافی نفاست پسند تھے۔ کسی نے ان کا نام عثمان بن مظعون لکھا ہے اور یہ بھی کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت علیؓ کو مزاحاً مارنے کے لئے مُکا دکھایا)

مسجد نبوی کی عمارت میں مستقل توسیع ہوتی رہی ہے اور تزئین و آرائش کا کام بھی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تعمیر اور اس کے بعد توسیع کے وقت مسجد کا رقبہ اندازاً 90 فٹ X105 فٹ یعنی 9000 مربع فٹ برابر 90 مربع میٹر تھا۔ آخری اضافہ کے بعد اس کا رقبہ 165000 مربع میٹر ہے۔ کہتے ہیں کہ اب 257000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ مدینہ کو حرم کا درجہ دے دیا۔

حرم مدینہ

شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہزاروں سال پہلے۔ (کعبہ کی تعمیر ابراہیمی اندازاً چار ہزار سال پرانی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حرم کعبہ کی تعمیر اول حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔) شہر مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حرم قرار دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو درج کرا دیا۔

''اے اللہ! میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا'' (صحیح بخاری)

مدینہ منورہ کے اردگرد بارہ میل حدود حرم میں شامل ہے۔ ان حدود میں خوں ریزی جانوروں کی ایذا رسانی ان کا شکار ممنوع ہے۔ درختوں کی قطع و برید ممنوع ہے۔ یہ جگہ ہر شخص کے لئے ہر زمانے میں مامن (دارالامان) ہے چاہے وہ کیسا ہی مجرم کیوں نہ ہو۔ (احد کی اور خندق کی دفاعی جنگ۔ خود شہر مدینہ کے دفاع کے لئے حدود حرم میں لڑی گئی۔) شہر مدینہ اور حرم مسجد نبوی کی کچھ فضیلتیں اسی جگہ بیان کر دینا بہتر ہے حالانکہ اس حصہ کتاب اس کا بیان ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے کم وقت میں کتنے کام کئے اور مسجد نبوی کی تعمیر اول و دوئم اس میں شامل ہے۔

1۔ مسجد الحرام کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے جبکہ مسجد نبوی میں ایک نماز ثواب میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ)

(کچھ لوگ پھر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ مدینہ پہنچ جائیں تو وہیں ساری عمر کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً امام مالک۔ یہ خسارے کا سودا وہ دانستہ کرتے ہیں۔ کیا یہ واقعی خسارہ کا سودا ہے؟)

2۔ مکہ میں کعبہ کی زیارت نماز وغیرہ حج اور عمرہ کی مناسک میں سے ہے مدینہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے

کہ جو اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے نکلا اور اس نے نماز پڑھی تو اس کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ۔ وفاء الوفا۔ جذب القلوب) جب کہ جو اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی نیت سے نکلا اور مسجد قبا میں دو رکعتیں پڑھیں۔ (یہاں شاید نفل نماز اسی حدیث میں شامل ہے کیونکہ تخصیص نہیں ہے) تو اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔

3۔ جس نے مدینہ میں چالیس نمازیں ادا کیں (جن میں حسب روایت طبرانی کوئی قضا نہ ہو) اس کو عذاب دوزخ اور مطلق عذاب اونفاق سے آزادی ہے۔ (حوالہ مسند احمد)

4۔ مدینہ میں رمضان کے روزے دوسرے شہروں کے ہزار رمضان کے برابر ہیں۔ (مسند احمد)

5۔ مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بارے میں ارشاد ہے کہ حضور کا منبر حوض کوثر پر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ (قبر) اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (صحیح بخاری) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے محبوب مجھے وہ حصہ زمین ہے جہاں میری قبر ہوگی اور دعا کی کہ اے اللہ تو نے مجھے میرے محبوب شہر مکہ سے نکالا ہے تو ایسی جگہ پہنچا دے جو تجھے محبوب تر ہے (وفا الوفا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مکہ سے نکال کر مدینہ پہنچایا تھا تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی اور کیوں قبول نہ ہوگی۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مدینہ۔ مکہ سے زیادہ محبوب ہے)

6۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک مدینہ میں قیام کرتے ہیں اور آپ کا جسم مطّہر اس حصہ زمین میں خزانہ ہے۔ قیامت کے دن حضور سب سے پہلے مدینہ والوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ (وفا الوفا)

7۔ حضرت ابراہیم نے مکہ کے لئے خیر و برکت کی دعا مانگی تھی۔ (سورۃ البقرہ آیت 126)

(اے اللہ اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

کہ یہ حرم کی زمین ہے۔ قبۃ الاسلام اور دارالایمان ہے اس کی مٹی کو بھی بڑی فضیلت ہے وہ بیماریوں کے لئے دوا ہے۔ طاعون اور دجال سے محفوظ ہے۔ یہاں کبھی شیطان کی پرستش نہیں ہوگی۔ یہ مقدس سرزمین برے آدمیوں کو اس طرح دور کردیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

ادب گاہِ محبت

اصحاب صفہ

قناعت کی شہنشاہی اور صبر کی معراج اور علم کے تاج کی تلاش کرنے والوں کو بھی ایک مقام چاہئے تھا۔ اور یہ مقام اور کہاں مل سکتا تھا سوائے اس در پر جو در تھا الفقرُ فَخری کہنے والے کا اور شہر علم کے شہر یار کا اور سرتاج مرسلاں خاتم النّبیّن رحمتُ اللعالمین کا۔

میرے آقا کے سامنے وقت ہاتھ باندھ کر غلام بن کر کھڑا ہوتا تھا۔ حضور کا عمل وقت کا تابع نہیں تھا۔ وقت خود حضور کے تابع تھا۔ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوالوقت صلی اللہ علیہ وسلم کہوں تو آپ مجھ سے اختلاف نہ کریں۔ سفر معراج پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر بھی جو اللہ تعالیٰ کہتے کہتے رک گئے ہیں (سورۃ نجم) مختلف بڑے بزرگ سیرت نگاروں نے جن کے قدموں کی خاک بھی مجھے مل جائے تو وہ میرے لئے اعزاز ہوگا۔ سفر معراج کا ذکر کرتے ہوئے ٹھوکر کھائی ہے۔ پچھلے دو سو سال میں یہ عام دستور ہو گیا تھا کہ مذہب کی حقیقت کو سائنسی حقائق کے تابع کر کے مذہب کی حقانیت کو ثابت کیا جائے اور یہ ہمارے علماء تک محدود نہیں تھا بلکہ یوروپ کچھ زیادہ ہی نرغے میں تھا۔ شیطان خود پردے میں بیٹھ گیا تھا اور ڈارون فرائڈ جیسے بندروں کو انسان پر مسلّط کر دیا تھا۔ حالانکہ مسلمان کے پاس زیادہ آسان وضاحت تھی۔ ''حضرت نیوٹن آپ کی تین جہات کا نظریہ ختم ہو چکا اور آپ ہی میں سے ایک سائنس دان (آئن سٹائن) نے ایک چوتھی جہت کا تخیل دیا جس کا نام ''وقت'' ہے اور ہمارے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نہ صرف تین جہات بلکہ چوتھی جہت وقت کا بھی قادر مطلق ہے۔ (اور تمام جہات اور ان پر قدرت کا بیان اس وقت غیر ضروری ہے) اور جب وقت کی طنابیں وقت کے خالق مطلق نے کھینچ لیں تو حبیب اور محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کے درمیان کی ظاہری دوریاں (بُعد) ختم ہوگئیں اور ''کن'' اور ''فیکون'' کے درمیانی وقفہ یعنی (وقفہ صفر میں) حبیب اور محبوب کے درمیان فاصلہ ''قاب قوسین'' کا تھا یا شاید اس سے بھی کم (او ادنیٰ)۔ اور وہاں حبیب نے محبوب کو کیا عطیہ دیا؟۔ حبیب ''عالم الغیب والشہادۃ'' ہے اور اس میں سے جس قدر علم چاہا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ اور یہاں یہ بحث ختم کہ حضور عالم الغیب تھے یا نہیں۔

اس علم کو جو اللہ نے حضور کو عطا کیا اس کی مقدار نوعیت اگر ہم متعین کرنے کی کوشش کریں تو پہلے شیطان کو سنایئے لاحول ولاقوۃ اور پھر اپنی حماقت پر افسوس کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب عطا کیا............ بالکل صحیح

اللہ نے حضور کو علم غیب نہیں عطا کیا............ یہ بھی بالکل صحیح ہے۔

ہجرت سے چند مہینے پہلے حبیب نے محبوب کو بلا کر چند تحفے دیئے تھے جس میں نماز شامل ہے دوسرا تحفہ جس کو ہم علم غیب کے بجائے اطمینان سے فراست نبوی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں فرق کیا ہے؟۔ شاید کوئی نہیں۔

اور تیسرا التحفہ ''وقت'' پر جزوی اقتدار کا حضور کو دیا اس کا نمونہ سامنے آجائے گا۔ حضور نے مدینہ پہنچ کر پہلا کام طلایہ گروی اور پہرہ داری کا رائج کیا۔ اندازاً 300 مسلمان مدینہ کے اندر اور اردگرد اپنے کھیتوں کھلیانوں باغات کی گھوم پھر کر حفاظت کرتے تھے اس طلایہ گردی کے اجتماعی نظام کو رائج اور منضبط کرنے میں 300 انسانوں کی باریاں لگانے کے لئے ایک دفتر چاہیئے تھا اور یہ کام وقت بھی مانگتا تھا۔

اس کے فوراً بعد تعمیر مسجد کا کام شروع ہوا۔ اور یہ کام ابھی جاری تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر ایک درسگاہ کی طرح ڈالی۔ مسجد نبوی کے شمالی حصہ میں ایک چبوترہ پر ایک درسگاہ قائم کی گئی۔ صفہ عربی زبان میں چبوترہ کو کہتے ہیں۔ یہ درسگاہ صفہ اسی نسبت سے کہلائی۔ اس پر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا۔ سایہ

''ظِل'' کے معنی میں ہے اس لئے قدیم کتابوں میں اسے ظلّہ بھی کہتے ہیں۔صوف اونی کپڑے کو کہتے ہیں۔ صوف گھریلو صنعت ہونے کی وجہ سے سستا تھا جو مقامی بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ فراہم کر دیتے تھے بہ نسبت سوتی کپڑے کی جو عربی میں قطن تھا۔(قطن کا لفظ شاید انگریزی کے کاٹن کا رشتہ دار ہے) یہ کپڑا مہنگا تھا اور مصر یا ہندوستان سے آتا تھا۔ اصحاب صفہ کو قطن کہاں نصیب تھا وہ صوف کا کپڑا پہننے کی وجہ سے صوفی کہلائے۔ کچھ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تزکیہ اور تصفیہ قلب کی کوششوں سے صوفیا کہلائے اس سب سے فرق کچھ نہیں پڑتا۔ صفہ کے چبوترہ پر غریب غرباء مساکین کو اکثر عصر اور مغرب کے درمیان میں حضور تعلیم دیتے تھے۔ یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ یہ بے آسرا مہاجر جو اس چبوترے پر شب بسری کرتے تھے اور ایک دوسرے سے گفتگو اور اسباق پر بحث کر کے علم حاصل کرتے تھے وہ صرف علم کے لئے آتے تھے یا حضور کے چہرہ انور کی زیارت کا پورے دن انتظار کرتے تھے۔

''پیش نظر ہے حسنِ دوست،۔ حسن کے ماسوا نہیں''

یہ ایک طرح سے تعلیم بالغان کا مرکز تھا۔ وفاء الوفا سیرت مصطفیٰ نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اس کے منتظم اعلیٰ اور نگران تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم نے ان کو طلباء صفہ مدرسہ کو لکھنے پڑھنے اور قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہ بیان سنن ابن داؤد میں بھی مرقوم ہے۔ اور اس جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک خوش نویس صحابی الحکم عبداللہ بن سعید بن العاص بھی لکھنا سکھانے پر مامور تھے مگران سب کام کرنے والوں کی نگرانی حضور نبی کریم خود فرماتے تھے۔

آقائے من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بہ یک نگہ سبق آموز صد مصنّف شد

یہ ابتدا تھی صفہ یونی ورسٹی کی اور اس کی شاخیں آنے والے وقتوں میں بغداد، بصرہ، قاہرہ، قرطبہ، دہلی، بخارا، سمرقند، دیوبند، لکھنؤ میں قائم ہوئیں۔ اور علم کا ''قلبی'' حصہ۔ مشائخ کا۔ ساری دنیا میں پھیلا۔ بغداد، بخارا، لاہوری ہجویرا جمیر دہلی، پاک پٹن، ناگپور پشاور میں روشنی کی کرنیں نظر آئیں۔ کہاں نظر نہیں آئیں؟ ہر جگہ نظر آئیں۔

اس مدرسہ میں طلباء معاشی مسائل سے دور رہتے تھے۔ شام کو مغرب کے بعد جو کچھ ہدیہ یا صدقہ کا کھانا آتا تھا وہ اصحاب صفہ کو مل جاتا تھا۔ صاحب حیثیت صحابہ اپنی استطاعت کے مطابق ایک دو سے لے کر دس پندرہ طلباء کو اپنے گھر مہمان لے جاتے تھے اور ان کو اپنے کھانے میں شریک کرتے تھے۔ انصار باغبان واپسی میں اپنے باغوں سے کھجور کے خوشے لے آتے تھے اور سائبان میں لٹکا دیتے تھے۔ طلبہ ان خوشوں کو ہلا کر کھجوریں گرا لیتے تھے اور جتنی گرتی وہ ان کا حصہ ہوتیں۔ کچھ طلبہ دن میں چھوٹا موٹا مشقت کا کام کر لیتے تھے مثلاً جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا اور فروخت کرنا۔ مسجد اور گھروں میں پانی بھرنا۔ اس سے جو کچھ اُجرت ملتی تھی وہ سب کا مشترکہ سرمایہ ہوتی تھی۔

ان طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مجموعی تعداد جو اس درس گاہِ محبت سے فارغ ہوئی ان کی تعداد کا اندازہ 400 سے لے کر 900 کیا گیا ہے۔ اصحاب صفہ کے جو طلباء زیادہ مشہور ہوئے ان میں حضرت ابوھریرہ امام المحدثین اور فقیہ الامت عبداللہ بن مسعود زیادہ مشہور ہیں۔

بعد میں اسلامی علوم۔ حدیث۔ فقہ۔ وغیرہ میں روشنی صفہ سے ہی آئی۔ **صفہ کے سارے ستارے ڈوب چکے ہیں۔ ستارے ڈوب جاتے ہیں مگر روشنی کبھی نہیں ڈوبتی۔**

(اصحاب صفہ کا مفصل حال حافظ سیوطی نے ایک دو صفحے کے رسالہ میں لکھا ہے، احمد بن محمد البصری نے بھی ایک تصنیف مفصل لکھی

ہے۔صحیح بخاری کے باب المغازی اور صحیح مسلم میں جستہ جستہ ہیں۔زرقنی نے ان کو جمع کیا ہے)

صفہ کے ستاروں نے دنیا کا سارا کاروبار چھوڑ کر براہِ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا اور پھر اس کو دنیا بھر میں تقسیم کر دیا۔

میرے آقا مدینۃ العلم ہیں۔علم کا شہر۔علم کا سمندر اور ان کا علم دنیا میں پھیلانے والے ان کے صحابہ خاص طور پر اصحاب صفہ ہیں۔

میرے آقا۔میرے آقا۔وہ امی بھی ہیں عالم بھی ہیں اور علم کی تفسیر بھی ہیں۔

☆ میرے آقا امی ہیں یعنی انہوں نے کسی انسان سے کوئی علم نہیں سیکھا۔

☆ وہ عالم ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ۔عالم الغیب والشہادۃ سے براہِ راست ہدایات پاتے ہیں جو کسی اور کے مقدر میں نہیں ہے۔نہ تھا۔نہ ہوگا۔نہ ہوسکتا ہے۔

☆ وہ علم کی تفسیر ہیں یعنی ایک خاکی انسان کے روپ میں وہ علمِ دنیاوی دینی لدّنی کی تصویر مکمل ہیں۔

خاکی بھی ہیں نوری بھی پیمبر بھی بشر بھی
ہے بھی کہیں یارب حد اِمکان محمد

مواخات

اخی کے معنی بھائی کے ہیں اور قرآن کریم کی آیت "انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقو اللہ لعلکم ترحمون" (آیت نمبر۱۰) (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات) ترجمہ: (مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم ہو۔) کہ تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ایک عمومی حیثیت کی آیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال میں خصوصی بھائیوں کی جوڑی۔ مدینہ میں بنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بڑا مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔ جب تمام مہاجرین مکہ سے آچکے تو ہجرت کے پانچویں مہینے رجب 1ھ حضرت انس بن مالک کے مکان پر تمام انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ ان جمع ہونے والوں میں 45 مہاجر اور 45 انصار تھے۔ (بعض مؤرخین 50-50 کی تعداد بتاتے ہیں) انصار عام طور پر کھاتے پیتے گھرانوں کے صاحب استطاعت افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جائیں۔

ہر شخص ایک مہاجر خاندان کو لے لے اور اپنے گھر کاروبار میں شریک کرے۔

تم بھائی بھائی ہو دونوں مل کر کام کرو، کماؤ اور مل کر کھاؤ۔

انصار نے یہ فرمان بڑی خوش دلی سے قبول کیا اور یہ شراکت وراثت تک بڑھادی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر روک لگادی۔ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھتھم. واولوالارحام بعضھم اولی ببعض فی کتب اللہ من المومنین والمھجرین الا ان تفعلوا الی اولیئکم معروفا. کان ذلک فی الکتب مسطورا." (آیت نمبر۶) (پارہ ۲۱، سورۃ الاحزاب) ترجمہ: (رسول مومنوں پر

ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اور رشتہ دار آپس میں اللہ کی کتاب کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے زیادہ حق دار ہیں، مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔)

"رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے مسلمانوں اور مہاجرین کے ترکے میں زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو۔ اور یہ حکم کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

سعد بن ربیع اور عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ تاریخ انسانی میں شاید یکتا ہے۔ سعد اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو لے کر اپنے گھر آئے۔ کھانا کھلایا۔ پھر فہرست سامنے رکھ دی کہ میرے اتنے باغ۔ اتنے کھیت اتنے مکان ہیں۔ ان میں سے آدھے تمہارے ہیں۔ دو بیویاں ہیں۔ ایک جو تم کو پسند ہو تمہاری نذر کرتا ہوں۔ میں طلاق دیتا ہوں۔ تم بعد عدّت شادی کرلو۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ بھائی تمہاری املاک تم کو مبارک ہو۔ تم کو اپنی بیویوں سے سکھ ملے۔ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو۔ پھر عبدالرحمٰن اپنی محنت سے بڑے تاجر ہوئے ایک وقت میں شاید مدینہ کے سب سے دولت مند فرد تھے۔ اور غزوہ تبوک کے وقت ان کی مالی مدد یا جہاد اپنی مثال آپ۔ ان کے علاوہ بھی زیادہ تر مہاجرین نے مضاربہ کے قانون کے مطابق انصار سے شراکت کرلی۔ ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت اور منافع میں برابر کی شرکت۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مواخات کا فارمولا فوری ضرورتوں کا فوری علاج بھی تھا اور آئندہ کی مسلم ریاست مدینہ کی بنیاد کا مضبوط پتھر۔ مہاجرین جو مکہ سے آئے تھے یا تو بالکل ہی غریب مظلوم تھے یا تجارت پیشہ لوگ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دعائے خیر مکہ کے لئے مانگی تھی اس میں

مکہ کے لئے طرح طرح کے پھل کی افراط مانگی تھی۔ یہ دعا تو قبول ہوئی مگر اس طرح کہ مکہ زمینی پیداوار کے لحاظ سے تو صفر تھا مگر ہمیشہ تجارتی مرکز رہا اور خوش حال رہا اور دنیا نے اپنی پیداوار کے سارے خزانے مکہ میں کھول دیئے اس طرح کہ مکہ کو تجارت کا ہنر دیا اور اسلام سے پہلے ہی مکہ عرب میں تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے برخلاف مدینہ نخلستانوں سے بھرا تھا اور زمینی پیداوار سے مالا مال تھا اس کی دولت کی تقسیم کچھ اس طرح تھی کہ زراعت اور پیداوار اور محنت مدینہ والوں کے لئے اور تجارت اور دولت یہود کے لئے جن کا پوری معیشت پر قبضہ تھا۔ ایسا ہمیشہ ہوا ہے (گزشتہ صدی ہندوستان کی ایسی کہ پیداوار ہندی لوگوں کے ہاتھ میں اور دولت ایسٹ انڈیا کمپنی یا پھر حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں) گزشتہ ایک سو (۱۰۰) برس سندھ کے ایسے کہ ہر ہاری کاشت کار مسلمان اور ہر آڑھتی۔ بیوپاری غلّہ کا تاجر غیر مسلم۔ دولت آڑھتی کو ڈھونڈ کر اس کے گھر آتی تھی اور محنت فاقہ بن کر غریب ہاری کے گھر قیام کرتی تھی۔ مدینہ کی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی۔ وہ انصار کی کمزوریوں سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ جب فصل بوئی جاتی تھی تو یہودی اجارہ داری اس کو اپنے مفاد کی نچلی ترین قیمت پر مجموعی طور پر خرید لیتے تھے۔ اس مرحلہ پر انصار کو نقد رقم کی ضرورت بھی پڑتی تھی جو یہودی برادری سود در سود کے حساب سے انصار کو بڑی فراخ دلی سے فراہم کرتی تھی۔ اور جب فصلیں تیار ہو جاتی تھیں اس وقت تک انصار زراعت پیشہ کی قوت برداشت بھی ختم ہو جاتی تھی۔ اور وہ پیداوار سستے داموں پر انہیں یہودیوں کو فروخت کر دیتے تھے جن کا سود در سود کا حساب چکا دینے کے بعد انصار اس ''اصول امداد باہمی'' سے بس اس قدر فائدہ اٹھاتے تھے کہ ''امداد باہمی'' یہودی مہاجن کے گھر جاتی اور بے چارے انصار ''اصول'' کی ڈھولک بجاتے ہوئے اگلے سال کا انتظار کرتے تھے۔

اس ساہوکاری کے جال میں اوس وخزرج کے قبیلے صدیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور یہودی چالا کا آخر

وار یہ تھا کہ اوس اور خزرج میں صدیوں سے خوں ریز جنگ جاری تھی اور افرادی قوت بھی ہمیشہ ایسی کم اور ایسی کم زور رہی کہ مہاجن بچہ پیدا ہوتے ہی ''سپر مہاجن'' کے ہدف کی طرف دوڑ پڑتا تھا۔ اس جال اور اس جنجال سے نکلنا ناممکن نظر آتا تھا۔ مگر معجزہ تو اس کو کہتے ہیں کہ ناممکن کو کہہ دے کہ ہو جا تو وہ ہو جائے۔ ایک دن انس بن مالک کے گھر میں چند لمحوں میں 50 انصار جو کاشت اور زراعت کے ماہرین اعلیٰ تھے وہ تو مہاجرین کے جو صدیوں سے تجارت کے سارے رموز سے آشنا تھے۔ ازلی دوست۔ جگری یار اور مزاجاً اور جوش و جذبہ سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ مہاجرین تجارت کے گر جانتے تھے اور تجارتی سوجھ بوجھ (جو اس وقت یہودیوں میں ایک شہر مدینہ میں محدود تھی) میں یہودیوں سے کہیں آگے تھے کیونکہ وہ ایام جاہلیت میں بھی تجارتی قافلہ لے کر شام یمن عراق تک دھاوے مارتے تھے اور ہتھیار میں (سیوف مہند) ہندوستان سے لوہے کے سامان اور (قطن) سوتی کپڑے منگاتے تھے۔ وہ یہودی جو محنت کے کام میں اہل مدینہ کے باسیوں کے مقابلہ میں کوڑھی کا درجہ رکھتے تھے تجارتی سوجھ بوجھ میں قریشی مہاجرین کے مقابل میں چوہے تھے اور اب ان کے پاس صرف ایک ذریعہ تھا کہ وہ مکہ کے کفار کی عصبیت اور اپنی جمع شدہ دولت کے ناپاک امتزاج سے مسلمانوں کو ختم کر دیں اور اسی امتزاج نے مدینہ پر بدر سے خندق تک کتنی ہی چھوٹی بڑی جنگیں مسلّط کی گئیں۔ ناکام رہیں۔ خرابی یہ تھی کہ مدینہ کے مسلمان جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر ہر روز نئی بلندیوں تک اوپر اڑ رہے تھے ان کو فرصت نہ تھی کہ یہود کو مشورہ دیں کہ اب بھول جاؤ اپنی قیادت و سیادت کو۔ ہاں اگر ظفر علی خان اس وقت پیدا ہوتے تو شاید وہ ان کو پیغام بھیج دیتے کہ اب بس کرو اپنی شرانگیزیوں کو ختم کرو۔ کیونکہ

''پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا''

مدینہ کی مواخات مسلمانوں کے درمیان حضور کے اس معجزے کی ابتدا تھی۔ انتہا نہیں۔ یہ معجزہ انشاء اللہ کبھی اتمام کو پہنچے گا۔ اس دن جب ساری ملت اسلامیہ ایک جسم واحد بن کر ملت واحدہ کی طرح دنیا کے سامنے آئے گی اور دنیا اپنا سر اس کے قدموں میں جھکا دے گی۔ عرب کئی صدیوں سے قبائلی عصبیت میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کو ایک جگہ جمع کرنا معجزہ تھا۔ مگر یہ رحمۃ اللعالمین کا دربار صفہ تھا۔ جہاں بالکل مختلف علاقہ نسل اور خاندان کے لوگ ایک دوسرے کے بھائی بیٹھے تھے۔

اس رحمتہ اللعالمین کے دربار میں۔

عداس نینوائی	بلال حبشی	سلمان فارسی
صہیب رومی	خماد ازدی	طفیل دوسی
ذوالکلاح حمیری	عدی طائی	اثامہ نجدی
ابوسفیان اموی	ابوذر غفاری	ابوعامر اشعری
کرز فہری	ابوحارث مصطلقی	سراقہ مدلجی

کی جگہیں پہلو بہ پہلو بغیر کسی تفریق کے اور بغیر کسی تخصیص کے موجود تھیں انصار نے اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں۔ مہاجر آ پہنچے تھے۔ کچھ دوسرے ابھی ایمان کے دروازے پر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے منتظر تھے مگر بارگاہ ایزدی میں ان کی جماعت میں نمائندگی کی اجازت آ چکی تھی۔ اتنی قوموں اور اتنے مختلف سرداروں کا مجمع کہیں اور نظر آتا ہے۔ یہاں ایران سے یہودیوں کے غلام سلمان کو منا اہل بیت کا خطاب ملتا ہے کہ وہ نبی کے خاندان کا فرد ہے اور بلال حبشی کو سرداران قریش اور صحابہ کرام ابوبکر اور عمر ''یا سیّدی'' ''یا سیّدی'' کہتے ہوئے نہیں تھکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحوں کی

ایک مرتب حکمت عملی نے صدیوں کی طاغوتی طاقت کو شکست دے لی۔ میں اس کو معجزہ مانتا ہوں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنے نبی کو **خود ایک معجزہ** کہنے پر قائم ہوں۔

میثاق مدینہ

میرے آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک لمحہ غافل تھے نہ ایک لمحہ فارغ تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی کہ مواخات قائم کی گئی حضور کی مدینہ آمد اور مہاجرین کی مدینہ آمد کے چھ مہینے کے اندر کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس برق رفتاری کا۔ **مومن** کے عمل کی رفتار تیز تھی اور وقت اس **مومن** کے عمل کے پیچھے تیز دوڑ رہا تھا۔

یثرب میں یہودیوں کے بیس سے زیادہ قبائل آباد تھے۔ جب یثرب مدینۃ النبی بنا تو مہاجرین نے بھی اپنی بستیاں بسالیں اور انصار کے دو قبیلے اوس وخزرج کے دو قبائل اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کی صدیوں کی جنگوں کے زخموں کے نشان جسموں پر بھی تھے اور دلوں میں بھی اس کے علاوہ چھوٹی بستیاں نصرانیوں یعنی عیسائیوں کی بھی تھیں۔ اور سب سے زیادہ خطرناک وہ گروہ منافقان تھا جو یہودی عیسائی تو نہیں تھے۔ مگر اپنے مسلمان انصار قبیلوں میں گھلے ملے تھے۔ دھوکہ مسلمان کا دیتے تھے مگر اندر سے دشمن منافقین۔ ان کا سرغنہ عبداللہ بن ابی جس کو اہل یثرب تاج پہنا کر بادشاہ بنانے والے تھے کہ مکہ میں، بیعت عقبہ شروع ہوئی اور یثرب کے قبیلے مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ یثرب کا نام مٹ گیا مدینہ قائم ہو گیا۔ اور عبداللہ بن ابی کی بادشاہی کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ مگر

خباثت نفس برقرار تھی۔(دوسال بعد احد کے میدان سے 300 افراد کے گروہ منافقین کے ساتھ لشکر مسلمین سے علیحدہ ہوکر واپس ہوگیا کیونکہ اس کے خیال میں احد کے دن مسلمان حتمی طور پر ختم کردیئے جانے والے تھے۔اس وقت حضور کے سامنے پانچ قسم کے گروہ تھے۔مسلمانوں کے گروہ انصار میں اوس اور خزرج جن کے دلوں پر ایک دوسرے کے لگائے ہوئے زخموں کے نشان تازہ تھے۔تیسرا گروہ مہاجرین کا جولٹ کے مکہ سے مدینہ آئے تھے۔اگرچہ یہ سب **انما المومنون اخوۃ** کی رو سے ایک دوسرے کے بھائی تھے اور ان میں مواخات مکی اور مواخات مدنی کے مرہم کے پھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگادیئے تھے مگر اس آبِ حیات کورگ وپے میں اترنے میں بھی کچھ وقت تو لگنا تھا۔چوتھا گروہ یہودیوں کا تھا۔جوخطرناک تھا۔عیسائیوں کا پانچواں گروہ اورسب سے خطرناک گروہ چھٹا گروہ منافقین کا تھا۔میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے خطرات ایک عمل سے دور کردیئے۔

پہلے تین گروہ مسلمانوں کے ایک لڑی میں پرودیئے گئے اور یہ کام آسان تھا۔مگر صرف پانچ مہینوں کی گفت و شنید سے ایک بڑے اندرونی خطرے کا(یہود کاازالہ) کردیا گیا۔(وقتی طور پر)

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد نامہ مرتّب کیا۔جس کا نام ''صحیفہ''۔''دستورالعمل''۔''فرائض نامہ'' اور ''کتاب یعنی لکھا ہوا'' مختلف وقتوں میں رہا۔اور پھر تاریخ نے اس کو میثاق مدینہ کا نام دیا۔یہ دنیا کا پہلا میثاق تھا۔(اس کے ایک ہزار سال بعد فرانس نے کوئی دستورالعمل بزور نافذ کرنے کی کوشش کی جس میں ہزاروں آدمیوں کے سر جسم سے سڑکوں پر گلوٹین مشین سے علیحدہ کردیئے گئے۔مگر یہ ایک علیحدہ انسانیت کی ناکامیابی کی داستان ہے)میثاق مدینہ کے نافذ ہونے سے پہلے مشرکین مکہ کی جانب سے عبداللہ بن ابی کو ایک خط ملا۔''تم نے ہمارے شخص کو اپنے یہاں ٹھہرالیا ہے اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا وہاں سے

نکال دو ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب یک بارگی تم پر حملہ کردیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں پر تصّرف کریں گے۔

منجانب! قریش مکہ

مہاجن کی دولت اور آمدنی پر حملہ کرو تو وہ جلدی زیر ہوگا۔ یہ بات میرے آقا سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ مواخات مدینہ کے بعد یہودی کو اپنی بازی مات نظر آنے لگی اور وہ اپنی دولت بچانے کے لئے سب کچھ کرسکتا تھا۔ یہودی مالی اعتبار سے مستحکم تھے۔ سود کا لین دین ان کو خوب راس تھا کسانوں کو کھیتی کے موقع پر قرض دے کر ان کا خون چوس لینا ان کا (اور تمام دنیا کے دوسرے سود خور۔ افراد اور قوم سب اس میں شامل ہیں) محبوب شغل تھا۔ مواخات مدینہ نے اس بازی کے ہارنے کی آواز سنوادی۔ قریش تو صرف جاہلی عصبیت کی وجہ سے خود اپنی نفرت کی آگ میں جل رہے تھے۔ خزرج کا سردار منافق تھا۔ عبداللہ بن ابی سلول چند دنوں کی تاخیر سے تاج شاہی سے محروم ہوگیا تھا۔ اس کا غصہ اس کو تھا مگر اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا قبیلہ خزرج مسلمان ہو چکا تھا۔ قبیلہ اوس کے چند گھرانے بنی خطمہ۔ بنی واقف۔ بنی دائیل اور بنی امیّہ ابھی شرک پر قائم تھے مگر ان قلعوں میں بھی دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی خبر ملی تو وہ منافقین سے ملنے خود گئے اور ان کی اُلٹی کھوپڑی میں ایک منطقی بات ڈالی۔ اگر تم یہاں مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں سے لڑو گے اور پھر ہم تمہارے ان بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ جو مسلمان ہو گئے ہیں تم سے لڑیں گے اور تمہارے لئے فرار کی کوئی راہ نہیں ہوگی اور اگر تم قریش کی اس چالاک دھمکی کو رد کردو گے تو اگر لڑائی ہوئی بھی تو تم بیرونی حملہ آوروں سے لڑو گے اور ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ فیصلہ خود کرو۔ یہ منطقی بات منافقین کی اُلٹی کھوپڑی میں آ گئی اور فتنہ ٹل گیا۔ وقتی طور پر۔

اب مواخات مدینہ کو نافذ کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نادر روزگار حکمت عملی یہ تھی کہ مدینہ کو ایک ریاست بنا دیا جائے اور تسلیم کرالیا جائے اور یہاں کی اس اقلیت کو جو مسلمان نہیں ہوئی تھی بیرونی حملہ کے خلاف مسلمان اکثریت کا شریک کار بنا دیا جائے۔ ساری مدینہ کی آبادی کو اسلام تو قبول کرنا ہی تھا۔ یہ تو قضاوقدر کا فیصلہ تھا۔ حضور عالم الغیب تھے یا نہیں اس بحث کو چھوڑ کر دیکھئے کہ اسلام مدینہ پر اور مدینہ والوں کے دلوں پر جس طرح قبضہ کر رہا تھا اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ اسلامی حکومت صرف چند سال کی دوری پر تھی۔

(مدنی مسلمانوں نے بغیر خون ریزی کے اندازاً چھ سال بعد 7 ہجری میں مکہ اور کعبہ پر اپنا قبضہ مستحکم کرلیا تھا۔ مگر یہ بات ابھی چھ سال کی دوری پر تھی۔ معاملہ آج کے عمل کا تھا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ ایسا کوئی معاہدہ جس میں یہودی اور منافق دونوں شامل ہوں زیادہ دن کے لئے نہیں ہوسکتا مگر دو ایک سال کا امن بھی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے کافی تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود چل کر عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس گئے۔

(ایک عام فوجی کمانڈر بھی کسی جاں نثار کو حکم دیتا کہ اس مشتبہ شخص کو گرفتار کرکے ایک گھنٹے کے اندر سامنے پیش کرو۔ اور جاں نثار اس کو پورا کر بھی دیتے۔ مگر یہاں پیغمبر رحمت کا معاملہ تھا۔)

عبداللہ بن ابی خبیث الفطرت ضرور تھا۔ مگر اس کی چالاک عقل اپنا برا بھلا پہچان سکتی تھی۔ حضور کی وضاحت نے اس کو چند لمحوں میں سمجھا دیا کہ

۱۔ چالاک یہودیوں اور قریش کے سفّاک موقع پرستوں سے کسی وفا کی امید عقل سے دور کی بات ہے اور قریش کی دھمکی سے ایک دفعہ بھی مرعوب ہوجانا اپنی موت اور ذلّت کو دعوت دینا ہے۔

۲۔ مکہ۔ مدینہ سے چار سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جی ایچ کیو صفّہ کے چبوترہ پر صرف دس منٹ کے راستے پر ہے۔

۳۔قریش نے مکہ میں مسلمان مہاجرین کا تیرہ سال مکی زندگی میں کیا بگاڑ لیا تھا کہ اب وہ چار سو کلومیٹر دور مسلمانوں کو کوئی سزا دے سکیں گے۔وہ سزا دینے آئیں گے یا ان کی قضا ان کو کھینچ کر لائے گی؟
یہودی تو خود کچھ تھوڑا سا امن چاہتے تھے کہ وہ روٹھی ہوئی لکشمی دیوی کو منا کر اپنی تجارت بحال کر سکیں۔ان کے لئے سیاست اور عزت صرف دو کھوکھلے الفاظ تھے۔اصل حقیقت دولت تھی۔اس کی حفاظت جس طرح ہو کرنی ہے۔

حضور کی مدینہ میں آمد کے چھ ماہ کے اندر ایک معاہدہ جس کو بعد میں میثاق مدینہ کا نام دیا گیا تیار ہو گیا۔دستخط حلف قسم کے سارے مرحلہ طئے ہو گئے۔آئین بن گیا۔کیا کسی اور حکومت نے اپنے قیام کے چھ مہینے کے اندر اپنا آئین مرتب کر کے نافذ کر لیا؟ یہ سوال ہی غلط ہے جس حکومت کا سربراہ پیغمبر اعظم و آخر ہو اس کا مقابلہ کہیں اور سے ڈھونڈھ کر نہ لاؤ۔کوئی پیغمبر کسی کا تابعدار تو ہو ہی نہیں سکتا۔اس دستور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ریاست مدینہ کے مقتدر اعلیٰ تھے۔اور اس حیثیت میں وہ فوج کے سپریم کمانڈر بھی تھے اور سارے مقدمات بھی فیصلہ کرتے تھے۔چیف جسٹس نہیں کیوں کہ جج خود قانون کا پابند ہوتا ہے۔وہ مقنّن تھے۔قانون بنانے والے۔یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ قانون الٰہی نافذ ہوتا ہے اوپر سے آتا ہے۔اپنے Messenger کے پاس بھیجا جاتا ہے اور Messenger کا ہی ترجمہ ہے پیغمبر۔
بہر حال آپ اس وقت یہ دیکھ لیں کہ میرے آقا حضرت ابوالوقت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ مہینے میں کیا کام کیا۔
۱۔پہرہ داری چوکیداری نظام دن رات کا قائم ہو گیا۔جس کی ڈیوٹی نہیں ہے وہ آرام سے سو سکتا ہے۔ اگر چاہے۔
۲۔مسجد کی تعمیر پہلے ہی مہینہ شروع کر دی گئی تھی اور وہ جاری ہے۔

۳۔مواخات بھائی چارہ کا نظام قائم ہوگیا۔جس کی وجہ سے مضاربت (سرمایہ اور محنت کا تعاون اور شراکت) کا نظام قائم ہوگیا۔کوئی شخص بیکار نہیں ہے اگر وہ کام کرنا چاہے۔

۴۔معلّم اعلیٰ واعظم مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفّہ میں یونی ورسٹی قائم کردی اور اب آئندہ آنے والی صدیوں میں اپنی ترقی مدینہ سے قرطبہ اور جکارتا تک جاری رکھے گی۔اس یونی ورسٹی میں عصر مغرب کے درمیان عام طور پر پیغمبر اعظم۔امّی لقب مدینۃ العلم کا درس ہوتا ہے۔

۴۔مدینہ کی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔جس میں ہر شہری کے لئے امن اور قانون کی حفاظت شامل ہے۔ کیونکہ اقلیت کے حقوق کا تعین بھی کر دیا گیا اور حفاظت فراہم بھی کی گئی۔کیا اس کے بعد ہزار سال تک عالم انسانیت نے ایسا آئین اور اقلیت کی حفاظت کا ایسا انتظام دیکھا۔نہیں دیکھا۔نہیں دیکھا۔کیسے دیکھتے؟ان کے آئین کسی پیغمبر اعظم نے ترتیب نہیں دیئے تھے۔

کیا اتنے بہت سے کارنامے اتنے قلیل وقت میں کوئی خاکی ...... عمل میں لاسکتا ہے۔ہرگز نہیں۔

علامہ اقبال بعض اوقات اپنے اشعار میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ قانونی طور پر کوئی قانونی مولوی ان پر حد نافذ کردے۔مگر آخر ان قانونی مولویوں کے پاس بھی تو دل ہوتا ہے۔وہ اقبال کے جوش جذبہ عشق کے پیش نظر آنکھوں کا سجدہ کر کے چپ ہوجاتے ہیں۔

اقبال کا پیغمبر "خاکی ونوری نہاد بندۂ مولا صفات"

"خاکی ہے مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند"۔

"ہمسایہ جبرئیل امیں بندۂ خاکی"۔

تفصیل میثاق مدینہ

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امی ناخواندہ رسول دنیا کو ایک ایسا دستور عنایت فرما رہے ہیں جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی لکھا ہوا دستور یعنی حقوق و فرائض کا محترم صحیفہ حضور کی ھجرت مدینہ کے کم از کم آٹھ سو یا نو سو سال تک دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ دستور پورے کا پورا دنیا میں موجود ہے۔ پچھلے سو سالوں میں عالم اسلام کے نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہ رہے ہیں۔

یہ مرحوم (اندازاً آج سے دو سال پہلے) اندازاً 55 سال تک اسلامی تحقیق پیرس (فرانس) میں رہ کر کرتے رہے۔ (وہ ساری زندگی پیرس میں کیوں مقیم رہے یہ کہانی لمبی ہے۔ حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے اور حیدر آباد پر ہندوستان کے حملہ اور تسلط کو قبول نہیں کیا۔ وہ پیرس کی اقوام متحدہ میں اپنا مقدمہ لے گئے اور کسی ملک کی قومیت قبول نہیں کی۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی تمام تحقیقات کی ساری یافت اور دریافت اس طرح پیرس کی علمی درسگاہوں کی ملکیت ہوگئیں)

دستور مملکت مدینہ میں کل 47 دفعات یا فقرات ہیں۔ پہلا فقرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ غور کیجئے کہ یہ پہلا فقرہ پانچ مختلف گروہوں نے مدینہ میں قبول کیا اور حضور نے منوایا۔ آج کل کے چند اجہل الجہلاء اس فقرہ کا ہم معنی اور مترادف ڈھونڈھ کر اپنی تحریر کا افتتاحیہ بناتے ہیں اور اپنی جہالت کا ثبوت لاتے ہیں سن لیجئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک قرانی آیت ہے اور اس میں تحریف گناہ عظیم ہے۔

پہلا فقرہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا فقرہ ہے ''یہ ایک حکم نامہ ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش اور اہل یثرب میں ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان کے مابین جو ان کے تابع ہوں۔ اور ان کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے ہم راہ جنگ میں حصہ لیں۔ تیسرا فقرہ ہے ''تمام دنیا کے لوگوں کے مقابل ان کی علیحدہ سیاسی وحدت ہوگی چوتھا فقرہ

ہے قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر ذمہ دار ہوں گے اور اپنا ''خوں بہا'' مل کر ادا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائیں گے تاکہ ایمان کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

سارا دستور نقل کر رہا ہوں مگر آج کل تمام لڑکے لڑکیاں یہ سارا میثاق انٹرنیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ فقرہ 1 اور 23 میں اللہ کی ذات کے منبع اقتدار Source of Power and Authority ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اقرار اور آخری فیصلہ ان ہی کا تسلیم کیا گیا۔

یہودیوں کے متعلق ایک دفعہ ہے کہ ''جو ہمارا اتباع کرے گا اسے ہماری مدد اور مساوات حاصل ہوگی'' (اقلیتی فرقہ کو مدد اور مساوات !!! کیا کسی دنیاوی دستور میں ایسی کوئی دفعہ دیکھی ہے۔ حضور کے دستور کے ایک ہزار سال بعد تک اقلیت کو کوئی حق دیا گیا؟؟)

اس معاہدے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حکم راں اور حکم (حَ کَ مْ) یعنی مقتدر اعلیٰ کی سی ہے۔ یہ بات آپ نے یہود جیسی شاطر عیار اور سیاست کی صدیوں سے ماہر قوم سے منوالی۔ یہ ایسی سیاسی فتح ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ مدینہ پہنچنے کے چھ مہینے کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین۔ منافقین اور یہود سے عہد نامۂ ہزیمت Document of Surrendar پر دستخط کروا لئے۔ میں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر اعظم و آخر۔ حبیب خدا مانوں تو اس کے بعد اور کیا کیا مانوں؟ اس دنیا کا سب سے عظیم انسان۔ سب سے بڑا مدبّر۔ سب سے بڑا مقنّن۔ سب سے بڑا فاتح اور اس کے بعد ''اُمّی'' بھی مانوں؟۔

خاکی بھی ہے نوری بھی پیمبر بھی بشر بھی　　ہے بھی کہیں یارب حدّ مکان محمد

اللھم صلی علی محمد نبی الامی وعلی آله وبارک وسلم

ماخوذ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابن ہشام

مصنفہٗ

محمد عبدالملک ابن ہشام

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تحریر جو آپ نے مہاجرین وانصار کے (باہمی تعلقات کی نسبت) اور یہود سے مصالحت (کے طور پر) لکھ دی)

ابن اسحٰق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک تحریر لکھ دی جس میں یہود سے مصالحت وعہد تھا اور انہیں ان کے دین اور مال پر برقرار رکھا اور ان پر بعض شرطیں عاید فرمائیں اور بعض شرطیں ان کے مفاد کی رکھیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا کتاب من محمد النبی بین المؤمنین والمسلمین من قریش و یثرب ومن تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم انهم امة واحدة من دون الناس

المهاجرون من قريش على ربعتهم يتعاقلون بينهم وهم يفدون عاينهم بالمعروف والقسط بين المؤمنين وبنوعوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى.

ابتداء رحمٰن ورحیم اللہ کے نام سے ہے یہ تحریر نبی محمد کی جانب سے ہے۔ ایمانداروں اور قریش اور یثرب کے اطاعت گزاروں کے درمیان اور ان کے پیروؤں کے درمیان جو ان سے مل گئے اور جنہوں نے ان کے ساتھ (رہ کر) جہاد کیا۔ غرض دوسروں کو چھوڑ کر یہ لوگ ایک (الگ) گروہ ہیں۔ قریش کے مہاجر اپنی اگلی حالت پر اپنے آپس کے خوں بہا کا لین دین کیا کریں گے اور ایمانداروں (کے معاملات) میں اپنے اسیروں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق دیا کریں گے اور بنوعوف اپنی اگلی حالت پر اپنے آپس کے خوں بہا کا لین دین حسب سابق کیا کریں گے اور (عام) مومنین کے درمیان ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق دیا کریگا اور بنوالحارث اپنی اگلی حالت پر اپنی دیتوں کا پہلے کی طرح لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق دیا کرے گا۔ اور بنو ساعدہ اپنی اگلی حالت پر اپنی دیتوں کا پہلے کی طرح لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق ادا کیا کریگا اور بنوجشم اپنی اگلی حالت پر دیتوں کا حسب سابق لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے لحاظ سے ادا کیا کرے گا اور بنوالنجار اپنی اگلی حالت پر اپنی دیتوں کا حسب سابق لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق ادا کیا کرے گا اور بنوعمرو بن عوف اپنی اگلی

حالت پر اپنی دیتوں کا پہلے کی طرح لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق ادا کیا کریگا اور بنوالنبیت اپنی گزشتہ حالت کے لحاظ سے اپنی دیتوں کا پہلے کی طرح لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق ادا کیا کرے گا اور بنوالاوس اپنی گزشتہ حالت کے لحاظ سے اپنی دیتوں کا پہلے کی طرح لین دین کیا کریں گے اور (عام) ایمانداروں (کے معاملات) میں ہر ایک جتھا اپنے قیدیوں کا فدیہ رواج اور انصاف کے موافق ادا کیا کرے گا اور مومنین اپنے درمیان کسی مفلس اور زیر بار شخص کو اس کا فدیہ یا خوں بہا رواج کے موافق دینا (کبھی) نہ چھوڑیں گے۔

وان لا يحالف مومن مولى مؤمن دونه وان المؤمنين المتقين على من بغى منهم او ابتغى دسيعة ظلم او اتم او عدوان اوفساد بين المؤمنين وان ايديهم عليه جميعا ولو كان ولد احدهم ولا يقتل مومن مومنا فى كافر ولا ينصر كافرا على مومن وان ذمة الله واحدة يجير علهم ادناهم وان المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس وانه من تبعنا من يهود فان له النصر والاسوة غير مظلومين ولا متناصرين عليهم وانه سلم المؤمنين واحدة لا يسالم مومن دون مؤمن فى قتال فى سبيل الله الا على سواء وعدل وان كل غازية غزت معنا يعقب بعضها بعضا وان المؤمنين يبى بعضهم عن بعض بما نال دماء هم فى سبيل اله وان المؤمنين المتقين على احسن هدى واقومة وانه لا يجير مشرک مالا لقريش ولا نفسا ولا يحول دونه على مؤمن وانه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فانه قود به الا ان يرضى ولى المقتول.

وان المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم الا قيام عليه وانه لا يحل لمؤمن اقربما فى هذا الصحيفة وآمن بالله واليوم الآخران ينصر محدثا ولا يوويه وانه من نصره او آواه فان عليه لعنة الله وغضبه يوم القيامة ولا يوخذ منه صرف ولا عدل وانكم مهما اختلفتم فيه من شئى فان مرده الى الله والى محمد عليه السلام وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ما دامو محاربين وان يهود بنى عوف امة مع المؤمنين لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وانفسهم الا من ظلم او اثم فانه لا يوتغ الا نفسه واهل بيته.

اور کوئی ایماندار کسی اور ایماندار کے غلام کا حلیف بغیر اس (کی اجازت) کے نہ بنے اور متقی ایماندار اپنے میں کے اس شخص کی مخالفت پر (مستعد اور کمر بستہ رہیں گے) جو بغاوت کرے یا ظلم ۔ زیادتی ۔ گناہ یا ایماندروں میں فساد پیدا کر کے کوئی چیز حاصل کرنا چاہے ۔ ان سب کے ہاتھ ایک ساتھ ایسے شخص کی مخالفت پر (اٹھیں گے) چاہے وہ کسی کا بیٹا (ہی کیوں نہ) ہو اور کوئی یماندار کسی ایماندار کو کافر کے عوض میں قتل نہیں کرے گا اور نہ ایماندار کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا اور اللہ کی ذمہ داری (پناہ دہی) ایک ہے ایمانداروں میں کے ادنیٰ شخص کی پناہ دہی بھی تمام ایمانداروں پر عائد ہوگی دوسرے لوگوں کے برعکس ایمانداروں میں کے ایک کو دوسرے پر تولیت حاصل رہے گی اور یہودیوں میں سے جو شخص ہمارا تابع ہو (ہماری جانب سے اس کی) مدد و معاونت اس کا حق ہوگا کہ وہ مظلوم نہ رہے اور نہ ان کے خلاف کوئی شخص مدد حاصل کرے اور ایمانداروں کی صلح ایک ہی ہوگی ۔ بجز آپس کی برابری اور مساوات کے ایک ایماندار دوسرے ایماندار کے بغیر جنگ راہِ خدا میں صلح نہ کرے اور ہر ایک جنگ کرنے والی جماعت جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کرے وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوگی اور ایماندار راہ خدا میں خون کے معاملات میں ایک کو دوسرے

کے برابر سمجھیں گے اور پرہیز گار ایماندار ہدایت کی بہترین حالت اور زیادہ سیدھی راہ پر رہیں گے اور کسی ایماندار کے خلاف کوئی مشرک قریش کو مال یا جان کی پناہ نہ دے گا اور نہ اس کے متعلق کوئی رکاوٹ ڈالے گا اور جو شخص کسی ایماندار کو بے سبب (ناحق) قتل کر لے (اور) گواہوں سے (اس کا) ثبوت (بھی بہم) ہو تو اس کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا بجز ایسی صورت کے کہ مقتول کی ولی راضی ہو جائے۔ اور ایماندار سب کے سب اس (کی مخالفت) پر (کمر بستہ رہیں گے) اور انہیں بجز اس (کی مخالفت) پر (رہنے) کے کوئی اور شکل جائز نہ ہوگی اور جس ایماندار نے اس مکتوب میں جو کچھ (لکھا) ہے اس کا اقرار کیا اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اسے جائز نہیں کہ وہ کسی نئی (رسم و راہ مذہب) ایجاد کرنے والے کی مدد کرے اور نہ (اس کو جائز ہے کہ) اس کو پناہ دے اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے اس کو مدد دی یا اس کو پناہ دی تو اس پر قیامت کے روز اللہ کی لعنت و غضب ہوگا اور نہ اس کا کوئی فریضہ قبول ہوگا اور نہ کوئی نفل۔ اور تم میں جس کسی چیز کے متعلق آپس میں اختلاف ہو تو اس کا مرجع اللہ اور محمد علیہ السلام کی جانب (ہونا چاہیئے) اور یہود بھی جب تک جنگ میں شریک رہیں تو ایمانداروں کے ساتھ اخراجات (جنگ میں) شریک رہیں گے اور بنی عوف کے یہود بھی ایمانداروں کا ہمراہی گروہ ہوگا۔ یہودیوں کیلئے ان کا دین اور مسلموں کے لئے ان کا دین۔ ان کی ذاتوں اور ان کے آزاد کردہ لونڈی غلام (دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا) بجز ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم و زیادتی کی کسی جرم کا ارتکاب کیا تو (اس کے خمیازے میں) وہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو برباد کریں گے۔

وان الیھود بنی النجار مثل ما یھود بنی عوف وان الیھود بنی الحارث مثل ما لیھود بنی عوف وان الیھود بنی ساعدۃ مثل ما یھود بنی عوف وان الیھود بنی حبشم مثل ما لیھود

بنی عوف وان الیھود بنی اوس مثل ما الیھود بنی عوف وان الیھود بنی ثعلبة مثل ما لیھود بنی عوف الا من ظلم واثم فانه لا یوتغ الا نفسه واھل بیتة وان جفنة بطن من ثعلبة کانفسھم.

اور بنی نجار کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں اور بنی حارث کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہیں اور بنی ساعدۃ کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں اور بنی جشم کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں اور بنی اوس کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہیں اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم وزیادتی کی یا کسی جرم کا ارتکاب کیا تو (اس کے عوض میں) وہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو برباد کریں گے اور بنی ثعلبہ کی کسی شاخ کا سردار بنی ثعلبہ کے افراد کے مثل (سمجھا جائے گا)۔

وان لبنی الشطیبة مثل ما لیھود بنی عوف وان البر دون الاثم وان موالی ثعلبة کانفسھم. وان بطانةیھود کانفسھم انه لا یخرج منھم احدا الا باذن محمد علیه السلام وان لا ینحجن علی ثار جرح وانه من فتک فنفسه واھل بیته الا من ظلم و ان الله علی ابر ھذا.

اور بنی شطیبہ ۔کے لئے (بھی) اسی طرح (کے حقوق ہوں گے) جس طرح بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں اور وفائے عہد ارتکاب جرم کے لئے مانع ہوگا۔ اور بنی ثعلبہ کے آزاد کردہ لونڈی غلام خود انہیں کے مثل (سمجھے جائیں گے) اور یہودیوں کے احباب اور مددگار انہیں کی طرح (سمجھے جائیں گے) اور محمد (رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ان میں کا کوئی شخص باہر نہ جائے اور کوئی شخص کسی جرم کا خمیازہ بھگتنے سے پہلوتہی نہ کرے۔ اور جو شخص (کسی سے بدلہ لینے کے لئے اس کی) غفلت کی حالت میں اچانک حملہ کردے یا جرات بیجا کا مرتکب ہو تو (اس کی ذمہ داری) اس کی ذات اور اس کے گھر والوں پر (ہوگی) بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو (کہ مظلوم کی مدد کی جائے گی) اور اللہ (اپنے عہد و ذمہ داریوں میں) اس سے بھی زیادہ باوفا ہے۔

وان علی الیهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم وان بينهم النصر عل يمن حارب اهل هذه الصحيفة وان بينهم النصح والنصيحة والبر دون الاثم.

اور یہود کے اخراجات (جنگ) کا بار یہود پر اور مسلمانوں کا مسلمانوں پر۔ یہود اور مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے معین اور مددگار رہ کر ان لوگوں کا مقابلہ کریں جو اس نوشتے کے موافق رہنے والوں کے مخالف ہوں گے۔ اور ان میں آپس میں خلوص اور خیر خواہی رہ یگی اور وفاداری بے وفائی سے روکے گی۔

وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ماداموا ماربين وان يثرب حرام جو فها لاهل هذه الصحيفة وان الجار كالنفس غير مضار ولا آثم.

اور یہودی جب تک مومنین کے ساتھ رہ کر جنگ کرتے رہیں اخراجات (جنگ) بھی مومنین کے ساتھ ادا کریں گے اور یثرب کے اندر (جنگ) اس نوشتے والوں کے لئے حرام ہے۔ اور پڑوسی۔ (کی حفاظت)

اپنی ذات کی طرح ہوگی۔ نہ اس کو (کوئی) نقصان پہنچایا جاسکے گا اور نہ (اس کے خلاف) (کوئی) جرم کیا جاسکے گا۔

وانہ لا تجار حرمة الا باذن اهلها وانہ ما کان بین اهل هذه الصحیفة من حدث اواشتجار یخاف فساده فان مرده الی الله والی محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم وان الله علی اتقی ما فی هذه الصحیفة وابره.

اور کسی عورت کو اس کے لوگوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی اور اس نوشتے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان کوئی حادثہ یا (ایسا) اختلاف ہو جس سے فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہی) کی جانب (سے) ہوگا۔ اور اس نوشتے میں جو کچھ ہے اللہ اس (عہد کو توڑنے) سے زیادہ پرہیز کرنے والا اور (اس کو پورا کرنے میں) زیادہ سچا ہے۔ یا اللہ اس کی امداد پر رہے گا جو اس کو توڑنے سے بہت بچنے والا اور (اس کو پورا کرنے میں) بڑا سچا ہو۔

وانہ لا تجار قریش ولا من نصرها وان بینهم النصر علی من دهم یثرب واذا دعوا الی صلح یصالحونه ویلبسونه فانهم یصالحونه ویلبسونه وانهم اذا دعوا الی مثل ذلک فانه لهم علی المؤمنین الا من حارب فی الدین. علی کل انسان حصتهم من جانب الذی قبلهم. وان یهود الاوس موالیهم وانفسهم عل یمثل ما لا هل هذه الصحیفة مع البر المحض من اهل هذه الصحیفة.

اور نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ (قریش) کے معاونوں کو۔ اور یثرب پر جو (دشمن) چھا جائے اس کے مقابلے میں ان (سب) میں امداد (باہمی) ہوگی اور جب کسی صلح کے لئے انہیں بلایا جائے کہ (یہ) صلح

کریں اوراس میں شریک ہوں تو یہ لوگ اس سے صلح کریں گے اور صلح میں شرکت کریں گے اور جب یہ لوگ اسی طرح کسی کو صلح کی خاطر بلائیں تو یہ بھی ان کو حق ہوگا ایمانداروں پر بھی (یہ صلح لازمی ہوگی) بجزان لوگوں (کی موافقت) کے جنہوں نے دین کے متعلق کوئی جنگ کی ہو۔ (اور) ہر شخص پر اس (آفت) کی ذمہ داری ہوگی جو خود اس کی جانب سے (اس پر نازل ہوئی) ہو۔ اوراس نوشتے کے شریکوں کے ساتھ مخلصانہ اچھا برتاؤ ہوتو (بنی) اوس والوں اوران کے آزاد کردہ لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ (بھی) وہی (رعایتیں) ہوں گی جو اس نوشتے والوں کے ساتھ ہوں گی۔

ابن ہشام نے کہا کہ بعضوں نے "مع البر المحسن من اهل هذه الصحيفة" بھی کہا ہے۔ یعنی اس نوشتے کے شریکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور احسان ہو۔

ابن اسحٰق نے کہا: (یعنی بعض روایتوں کے الفاظ حسب ذیل ہیں)

وان البر دون الاثم لايكسب كاسب الا على نفسه وان الله على اصدق ما في هذه الصحيفة وابره.

اور وفاداری عہد شکنی سے مانع ہوگی۔ ہر شخص کے کئے دھرے کا نقصان اسی پر ہوگا۔ اوراللہ اس شخص کی حمایت پر ہوگا جو اس نوشتے کے مشمولات پر زیادہ سچائی اور زیادہ وفاداری سے (قائم) ہو۔

وانه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم او آثم. وان من خرج آمن ومن قعد آمن بالمدينة الا من ظلم واثم.

اور یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم (کے بچانے) کے لئے رکاوٹ نہ ہوگا اور جو شخص مدینے سے نکل جائے اور جو مدینے میں رہنے لگے سب کے لئے امن ہے۔ اس شخص کے سوا جس نے (کوئی) ظلم یا جرم کیا۔

وان الله جار لمن بر والتقیٰ و محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم

اور اللہ حامی ہے اس شخص کا جو (عہد واقرار میں) باوفا اور پرہیز گار رہا اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی (اس کے حامی ہیں)۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہر مدینہ کی پانچ حصوں میں بٹی ہوئی آبادی کو مدینہ کی آمد کے چھ مہینے کے اندر ایک دستور پر جمع کر لیا۔ اگر اس کو معجزہ نہیں کہتے تو پھر معجزہ اور کیا ہے؟ جب یہود نے اس معاہدہ کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ کی وحدانیت رحمانیت اور رحیمیت کو تسلیم کر لیا اور تمام دنیاوی معاملات میں آخری فیصلہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا تو پھر باقی کیا رہ گیا کہ ہم ان کو مسلمان نہ سمجھیں۔ صرف ایک چیز باقی تھی وہ **صداقت شہادت** دلوں میں چور ضرور تھا۔ یقینی فراست نبوی کو اس کی خبر تھی کہ اس میثاق کی مدّت صرف ایک یا دو سال ہے۔ بعد میں بغاوت ہو جائے گی۔ اس میثاق کے فوراً بعد (چھ مہینے کے اندر) پہلا معرکہ پیش آیا جنگ بدر کا اور اس وقت یہود اور مشرکین نے مدینہ میں کوئی فساد نہیں پھیلایا جب کہ حضور اور مسلمانوں کو اسّی میل دور بدر میں مشرکوں سے مقابلہ تھا۔ اور مدینہ تقریباً خالی تھا۔ وہ اپنے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ اس امید میں تھے کہ قریش لشکر اسلامیّہ کو بدر میں بھون کر کھا جائیں اور انہیں کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ ایسا نہیں ہوا ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اس فوج پر تھا۔ (مگر معافی چاہتا ہے یہ مولّف۔ ترتیب اور سیرت نویسی کی کوئی تربیت نہیں ہے۔ کیا جس غلام کو تربیت نہ ملی ہو وہ خدمت بھی نہ کرے؟ معرکہ بدر پر پھر بعد میں رجوع کریں گے۔ اس وقت حضور کے معجزات کے متعلق جو خیالات ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے روز ہجرت سے مدینہ میں جن کاموں کو شروع کیا ان کی ایک جزوی فہرست پیش خدمت ہے۔

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سریات اور غزوات کی تعداد فتح مکہ (۷رہجری) تک یہ ہے کہ سریات ۷۳ اور غزوات ۲۷۔ کل جمع ۱۰۰۔ سریہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوں۔ ''سریات'' ''سریہ'' کی جمع ہے اس کا کچھ تعلق لفظ ''سیر'' سے نکلتا ہے۔ یہ چھوٹی موٹی مہمات اردگرد کے قبائلی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے ہوتی تھیں اور شہری حکومت مدینہ کے رعب اور امن قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھیں کہ لڑائی اور شورش مدینہ کے باہر رہے۔ ان تمام سریات کے منتظم اعلیٰ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ''غزوات'' ''غزوہ'' کی جمع ہے اور یہ ان جنگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن میں خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان اپنے ہاتھ میں رکھی اور بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ ۸ ہجری تک کے اگر دن گنے جائیں تو اندازاً ۲۴۰۰ دنوں میں یہ غزوات سریات برپا ہوئے اور اگر ہر غزوہ سریہ کے اوسطاً ۳ دن بھی لگائیں تو معلوم ہوگا کہ مدینہ کو اپنے بچاؤ کے لئے کم از کم اپنی عمر کا آٹھواں حصہ صرف ان دفاعی جنگوں میں خرچ ہوا۔ **حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت پر حکمران تھے۔**

(۲) اسی دوران میں حضور نے ۱۰ سال میں ہر روز پانچ وقتوں کی امامت بھی فرمائی۔

(۳) رمضان کے اعتکافات کا حساب کرلیں۔

(۴) صفہ کی تعلیمات کے دوران جو حدیثوں کی تعداد حضور نے ارشاد فرمائیں وہ ایسے ہے کہ آنے والے وقتوں میں صرف امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث سے اسناد کی کسوٹی پر پرکھ کر 7275 حدیثیں رقم کیں جس کی بنیاد پر آئندہ اماموں نے سیرت رسول سے استفادہ کرتے ہوئے سارے علم فقہ اور قانونِ اسلامی کی

صلّی اللہ علیہ وسلم

بنیاد رکھی۔ امام حنبل کی مسند (ثابت شدہ) میں چالیس ہزار احادیث ہیں جن میں سے اگر مکرّرات (Repeated) کو نکال دیں تو تیس ہزار بنتی ہیں۔ پھر

(۵) جب مدینہ ایک تسلیم شدہ برتر ریاست کی حیثیت حاصل کرتا رہا تو اردگرد کے قبائلی اور ریاستوں کے وفد نے آنے شروع ہوئے۔ ان میں سے خاص وفود کی تعداد جو خصوصی نوعیت کے حامل تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے 26۔ قسطلانی نے 34 اور سید سلیمان ندوی شبلی نعمانی نے 17 اور 18 مقرر کی ہے۔ سارے خاص اور عام وفود کی تعداد معہ فہرست طالب ہاشمی نے 109 دی ہے جو اس کتاب میں کہیں ہے۔

ان وفود میں کس قدر وقت خرچ ہوتا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔ پہلے تو ایک وفد آتا تھا۔ اس کے قیام و طعام کا انتظام ہوتا تھا معہ ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے طعام و قیام کے۔ پھر وہ وفد لباس فاخرہ پہن کر مسجد نبوی میں تشریف لاتا تھا اور اس کا شاعر غرّہ اپنا مفاخرہ پیش کرتا تھا۔ یہ اپنے آباواجداد کے کارناموں کی تعریف میں ایک قصیدہ ہوتا تھا۔ اس میں ان کے ہتھیاروں اونٹوں گھوڑوں شاعروں اور فتوحات کا ذکر اور اپنی شجاعت اور سخاوت کا خاص ذکر ہوتا تھا۔ پھر توقع کی جاتی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر اپنا مفاخرہ پیش کرے۔ یہ کام اکثر حسان بن ثابت کو کرنا ہوتا تھا جو شرعی بندشوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید جلال و جمال اور اسلام کی برتری اور حضور نبی کریم کی نبوت اور جلال و جمال کے بیان پر مشتمل ہوتا تھا۔ پھر معاہدات ہوتے تھے اور تحائف کا تبادلہ اور پھر وفد کی رخصتی۔ غرض ایک وفد کم از کم تین دن خرچ کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ان کا دفتر خارجہ بھی تھا۔ یہاں سے تمام سلاطین کو دعوت نامے گئے کہ وہ اسلام قبول کریں۔ ان دعوتی خطوط پر تبصرہ بعد میں ہوگا کہ یہ ہجری سن 1۔2 اور 3 وغیرہ کے بہت بعد کی بات ہے۔

۱ ھ کے ختم کے فوراً بعد اور ۲ ھ سے پہلے نظام زکوٰۃ نافذ ہوا۔ اس نظام کو نافذ کرنے میں کتنی انتظامی دشواریاں۔ محنت اور وقت خرچ ہوا ہوگا اس کا صرف اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ''لی مع اللہ وقت'' حضور کے شب و روز میں اس حدیث کی رو سے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام ''یا ایھا المزمل. قم الیل'' میں کتنا وقت خاموش خفیہ عبادتوں میں خرچ ہوتا تھا۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضور کے وقت کا کوئی میزانیہ کوئی نہیں بنا سکتا۔

وقت کی ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے اسی موقع پر

ایک وفد کی آمد استقبال اور اسلام قبول کرنے کے واقعات کو پیش کرتا ہوں۔ یہ وفد اگرچہ ۹ ھ میں فتح مکہ کے بعد آیا تھا مگر اس کو اوائل ۱ ھ اور ۲ ھ میں پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابھی قارئین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو طائف میں اذیت دی گئی تھی ذہن میں تازہ ہوگی اس وقت طائف کے ایک سردار عبد یالیل نے حضور سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی دانست میں بڑا منطقی جملہ کہا تھا کہ ''اگر تمہارا نبوت کا دعویٰ سچا ہے تو میں اس کا اہل نہیں کہ تم سے بات کروں اور اگر یہ دعویٰ جھوٹا ہے تو تم اس کے اہل نہیں ہو کہ تم مجھ سے بات کرو۔ اور پھر طائف کے اوباشوں اور غنڈوں کو اس پر لگا دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگ زنی کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا بھیجا ہوا پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا کہ حضور اجازت دیں تو وہ طائف کی بستی پر قریبی پہاڑ کو الٹ دے تا کہ وہ سب پس جائیں۔ حضور نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ اسی بستی میں ایسی نسل پیدا ہوگی جو اللہ کی اطاعت کرے گی اور مسلمان ہوگی۔ اب وہی رئیس طائف عبد یالیل حاضر خدمت ہے۔ اس واقعہ کی تفاصیل مشہور سیرت نگار جناب قاضی سلیمان سلمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ اللعالمین کی مدد سے ترتیب دی گئی ہے۔

اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کے لئے اپنے دل میں جگہ پاتے اور دلی شوق اور روحانی طلب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں کیا میں انہیں اپنے پاس اتارلوں اوران کی تواضع کروں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایالا امنعک ان تکرم قومک میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو۔ لیکن ان کوایسی جگہ اتارو۔ جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے۔

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگائے گئے۔ جہاں سے یہ قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کونماز پڑھتے بھی دیکھتے۔ اس تدبیر سے ان کے دلوں میں اسلام کی صداقت کا اثر پڑا۔ اورانہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کرلی۔ انہوں نے بیعت سے پہلے یہ اجازت چاہی کہ ہم کوترک نماز کی اجازت دی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع (جس مذہب میں نماز نہیں، اس میں کوئی بھی خوبی نہیں) پھرانہوں نے کہا۔ اچھا ہمیں جہاد کے لئے نہ بلایا جائے۔ اور نہ زکوۃ ہم سے لی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول فرمالی۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔

عبدیالیل نے جوان کا سردار تھا۔ مختلف اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

زنا حرام ہے...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زنا کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ہمارے قوم کے لوگ اکثر وطن سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے زنا کے بغیر کچھ چارہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زنا تو حرام ہے۔ اور اللہ پاک کا اس کے لئے یہ حکم ہے۔ لاتقربوالزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (بنی اسرائیل ع ۱۴) تم

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے۔

سود کا بیان

(۲) یارسول اللہ! سود کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔ یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
سود کا روپیہ لینا حرام ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقو اللہ وذروا ما بقی مان الربا (سورۃ البقرۃ:۲۸۷)

"اے ایمان والوں! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے، وہ بھی چھوڑ دو"۔

(۳) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمر (شراب) کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے۔ اور اس کے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے"۔

شراب کا استعمال حرام ہے...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ:۹۰)

اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب وازلام ناپاک اور گندے ہیں، شیطان کے کام ہیں ان سے بچا کرو۔ تا کہ فلاح پاؤ۔ دوسرے روز اس نے آ کر کہا۔ خیر ہم آپ کی باتیں مان لیں گے۔ لیکن (ربہ) کو کیا کریں، ربہ مؤنث ہے۔ لفظ رب کا۔ جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے، اسے ربہ کہا کرتے تھے۔) نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے گرادو۔ وفد کے لوگوں نے کہا۔ ہائے ہائے! اگر ربہ کو خبر ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے گرا دینا چاہتے ہیں۔ تو وہ ہم لوگوں کو تباہ ہی کر ڈالے گی۔

عمر بن خطابؓ نے کہا۔ افسوس ابن عبد یالیل۔ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف پتھر ہی ہے۔ ابن عبد یالیل نے کھسیانا ہو کر کہا۔ عمرؓ! ہم تجھ سے بات کرنے نہیں آئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

اسے گرانے کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لیں، کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیر میں گرا دینے والے کو بھیج دوں گا۔

ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اس شخص کو آپ ہمارے بعد روانہ کیجئے گا۔ وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔ الغرض یہ لوگ جتنے حاضر ہوئے تھے، وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے۔ انہوں نے چلتے وقت کہا کہ ہمارے لئے کوئی امام مقرر کر دیجئے۔

ان میں ایک شخص عثمان بن ابو العاصؓ تھا۔ جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ وہ قوم سے خفیہ خفیہ قرآن مجید اور احکام شریعت سیکھتا رہا تھا۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ابوبکرؓ سے سیکھ لیا کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ان کا امام مقرر فرما دیا۔

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہئے۔ جب یہ وطن پہنچ گئے تو قوم نے پوچھا۔ کہو۔ کیا حال ہوا۔

وفد نے کہا ہمیں ایک سخت خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں انہونی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً لات وعزیٰ کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ کو چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا قوم نے قسم کھا کر کہا۔ ہم ان باتوں کو کبھی نہیں مانیں گے۔

وفد نے کہا۔ اچھا ہتھیاروں کو درست کرو۔ اور جنگ کی تیاری کرو۔ قلعوں کی مرمت کرلو۔ دو دن تک ثقیف اسی ارادے پر جمے رہے۔ تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے۔

بھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہم کیونکر لڑ سکیں گے۔ سارا عرب تو ان کی اطاعت کر رہا ہے۔ پھر وفد کے لوگوں سے کہا۔ جاؤ جو کچھ بھی کہتے ہیں۔ قبول کرلو۔

وفد نے کہا۔ اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں۔ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تقوی میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں سب ہی سے بڑھ کر پایا۔ ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی۔

قوم نے کہا کہ تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم والم میں کیوں ڈالا۔ وفد نے کہا۔ ہمارا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے۔ اسکے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے اشخاص۔ خالد بن ولید کی ماتحتی میں پہنچ گئے۔ انہوں نے لات کے گرادینے کی کارروائی کا آغاز کرنا چاہا۔ ثقیف کے سب مرد و زن، بوڑھے بچے اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے۔ پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو توڑنے کے لئے تیر چلایا۔ مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے۔ یہ دیکھ کر ثقیف والے پکار اٹھے، خدا نے مغیرہ کو دھتکار دیا اور (ربہ) نے اسے قتل کر ڈالا۔ اب خوش ہو ہو کر کہنے لگے تم کچھ ہی کوشش کرو۔ مگر اسے نہیں گرا سکتے۔

مغیرہ بن شعبہؓ نے خفا ہو کر کہا۔ ثقیف والو! تم بہت ہی بیوقوف ہو۔ یہ پتھر کا ٹکڑا کر ہی کیا سکتا ہے۔ لوگو! خدا کی عافیت قبول کرو۔ اور اسی کی بندگی کرو۔

پھر مندر کا دروازہ بند کر کے مغیرہ نے اول اس بت کو توڑا اور پھر مندر کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ اور انہیں گرانا

شروع کر دیا۔ باقی مسلمان بھی دیواروں پر جا چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کے چھوڑا۔ مندر کا پجاری کہنے لگا کہ مندر کی بنیاد انہیں ضرور غرق کر دے گی۔ مغیرہ نے یہ سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح اس قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔

اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں ابوالوقت کہتا ہوں کہ وقت ان کا غلام تھا/تابع تھا/محکوم تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ناقابل تردید معجزہ تھا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود خود ایک معجزہ تھا۔ اور ہے۔

☆☆☆☆☆☆

تعدّ دازواج

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدّ دشادیاں

کون ہے یہ قریۂ جاں میں مقیم
دل سے آواز اذاں آنے لگی

ہاں ہاں دل سے آواز آئی تھی جس کے نتیجہ میں توبہ اور ندامت کی چند آہیں روانہ کیں۔اس گنہگار مولّف نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اپنی تحریروں کا مرکزی نقطہ بنالیا اور اندازاً چھ چھوٹی بڑی کتابیں اپنے غلامانہ خراج عقیدت کے طور پر پیش کیں۔لیکن ایک بڑا گناہ سرزد ہوا۔حیات طیبہ میں سے دو باب ہمیشہ خاموشی سے گزار دیئے۔ایک معجزات اور دوسرا تعدّ دازواج۔دل کو سمجھا دیا کہ معجزات پر منکرین کا ایک جملہ ''ہم نہیں مانتے'' اس کو ختم کردے گا۔اور تعدّ دازواج کے متعلق مختلف خیالات آتے رہے۔ماڈرن لوگ مضحکہ اور ہرزہ سرائیوں سے مدافعت اور مباحثوں پر مجبور کردیں گے۔اور میں (یا ہم سب) کیا چیز ہیں کہ حضور کے طرز عمل اور طرز زندگی کی مدافعت کریں۔ہمیں تو خود کل اس دن جو دور نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بھروسہ ہے آج ہم مچھر جیسی جان والے کو ہسار ایمان وایقان کی مدافعت کو اپنی ذمہ داری کیسے بنا لیتے ہیں۔(زور لفظ ذمہ داری پر ہے۔خدمت اور محبت ہمارے لئے فرض عین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی ذمہ داری ہماری نہیں ہے بلکہ ہم خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔جو ''رفعنا لک ذکرک'' کا اٹل وعدہ حال اور مستقبل جاریہ کے صیغے میں دے چکے ہیں) اللہ تعالیٰ جس انسان پر ذمہ داری (وقتی طور پر اور جزوی طور پر) ڈالیں گے اتنی طاقت ساتھ ہی ارسال فرمائیں گے۔پانچ سوسال صلیبی

جنگ سے شروع ہونے والی شرارت اور ایک سو سال ہندوستان کے شدّھی اور سنگھٹن کے فساد کو گزر گئے مگر ان بے وقوفوں کو اس سے ملا کیا۔ بس چاند پر تھوکنے کی کوشش کر لی۔ ہندوستان میں جہاں چند کتابیں توہین رسالت پر آئیں وہاں پر لاکھوں ہندوؤں نے نعتیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ ہندوستان سے سیرت رسول اور نعت کے مجموعے زیادہ شائع ہوتے ہیں بہ نسبت پاکستان کے امریکہ اور یوروپ اسلام اور فلاح کی تلاش میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحی الہام کشف وغیرہ اوپر سے برگزیدہ بندوں پر نازل ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا دوسرا عرش مومن کا دل ہوتا ہے اور کم زور گناہگار مگر مخلص بندوں کے لئے پیغام الٰہی دل سے ابھرتا ہے۔

ایسا ہی ایک پیغام آیا کہ ''دل میں چور ہے ایمان کمزور ہے اس لئے تم فرار اختیار کرتے ہو''۔

دل سے آواز اذاں آنے لگی۔

اس اندورنی اذاں کے جواب میں معجزہ کی ایک نسبتاً نئی تقسیم کر کے ایک باب رقم کیا جو شاید آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور اب ایک دشوار گزار مرحلہ پر قلم اٹھاتا ہوں۔ یہ مشکل مرحلہ ہے۔ صرف خود کو اپنے آپ کو یاددہانی کے لئے لکھے لیتا ہوں کہ ''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں'' اور اس راستہ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق کسی مرحلہ قلم کاری میں کسی معذرت خواہانہ رویّہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ **اگر یہ کفر نہیں ہے تو کفر سے بدتر ضرور ہے۔**

اپنے اعتقادات کے متعلق باہر کے لوگ جو مسلمان بھی نہ ہوں ان سے گواہی لینا کچھ احساس کم تری کی دلیل بن سکتا ہے۔ مگر آپ اگر ذرا سی فیاضی سے کام لے کر اجازت دیں تو عرض کروں۔ آج سے اندازاً پچاس سال پہلے ایک پاکستانی مسافر پجاری ایک جرمن یونی ورسٹی میں ایک مشہور جیّد نفسیات اور انسانیت کے

پروفیسر کے ساتھ وقت (دو گھنٹے) گزار سکا۔ ''پاکی'' نے شکایت کی کہ ہر کتب فروش کے پاس کافی سے زیادہ کتابیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نمایاں طور پر موجود ہوتی ہیں مگر زیادہ تر کافی دشمن انداز نگارش رکھتی ہیں اور زور صرف ''جسمانی لذّتیت'' پر تعدّد ازواج کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اتنی کتابیں تو وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر نہ لکھتے ہیں نہ رکھتے ہیں نہ فروخت کرتے ہیں۔

فرمایا اس جرمن پروفیسر نے

دیکھو میں مسلمان نہیں ہوں۔ اگر ضروری نہ ہوتا تو میں تم کو یہ بھی نہ بتاتا کہ میں کسی بھی مذہب کا پیرو نہیں ہوں۔ تو سنو! اسلام پر حملہ کو یوروپ نے ناکامیاب پایا اس لئے اس نے ذات رسول پر حملہ کیا۔ بجا طور پر یوروپ نے محسوس کرلیا کہ مسلمان اسلام پر حملہ کو برداشت کرسکتا ہے مگر اپنے پیغمبر کی ذات پر حملہ اس کے لئے زیادہ سخت ہوتا ہے اور بیشتر اوقات ناقابل برداشت۔ یہ حملے **صلیبی جنگوں کے پانچ سو سال میں** یوروپ کے تقریباً جاہل پادریوں نے جاری رکھے اور اس میں جہالت آمیز **تحقیقات** پر کافی زور دیا۔ اس میں ''لذّتیت'' اور جسمانی عیاشی کا چٹخارہ اس لئے ڈالا کہ اس طرح ان کو

(۱) یوروپ کے عام آدمی کی توجہ اور اسی نسبت سے زیادہ چندہ ملے اور زیادہ سپاہی بھرتی کئے جاسکیں۔

(۲) اور ان سپاہیوں کے دماغ کے لالچی گوشے میں یہ بھی خیال رہے کہ اس مذہبی جنگ (Crusade) کے فوری نتیجہ میں مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی خلافت وحکومت کے سونے چاندی کے خزانوں اور خواتین کی وافر تعداد کا فوری **عطیہ خداوندی** بھی موجود ہے۔

جرمن پروفیسر نے کہا کہ ''انسانی عادات وصفات میں نفسیاتی طور پر ایک مناسبت ہوتی ہے۔ ایک لذت

پرست جنسی لذت کوش شخص میں دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ طلب ہوتی ہے نرم بستروں آرام دہ ماحول ریشمی خوبصورت لباس خوش نما پردے قالین نرم خوشبودار مرغن غذا خواب آور مشروبات کی تم اپنے ہیرو کی عام زندگی کو اس پیمانے پر ناپ کر دیکھو تو جسمانی لذت کوشی۔ لذت پسندی کا درجہ خود متعین کر سکتے ہو۔

جرمن پروفیسر نے مزید کہا کہ ''ایک زوجگی Monogomy غیر فطری ہے اور تعدّد ازواج بقائے حیات کے لئے فطری ہے۔تم خود غور کرلو کہ بقائے حیات کی ضامن کونسی جماعت ہے 1 مرد اور 100 عورتیں یا 100 مرد اور 1 عورت اس نے مزید فرمایا کہ ''میرے ایک ہم عصر دوست پروفیسر Murdoch نے یک زوجگی اور تعدّد ازواج پر تحقیقاتی کام کیا ہے اور اس کی تحقیقات کے نتیجے کئی ممالک کی انسائیکلوپیڈیا میں چھپے ہیں۔تم اس رپورٹ کو خود پڑھ سکتے ہو۔

یہ گفتگو مسافر پجاری کے قیام جرمنی کے زمانے میں چالیس سال قبل ہوئی تھی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر انسانیات جارج مرڈاک کی رپورٹ 1949 کے مطابق دنیا کی 554 قوموں میں سے 415 میں تعدّد ازواج کا رواج پایا جاتا ہے۔اور اسی محقق کی دوسری رپورٹ میں دنیا کے 250 معاشروں میں سے 193 میں تعدّد ازواج کا رواج پایا جاتا ہے۔

حوالہ:انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا۔جلد 7 صفحہ 155 مطبوعہ 1983

Reference. Encyclo Paedia Britanica. Vol.7.Page # 155

تشکر

شکریہ پروفیسر ڈاکٹر Wutz ۔ پاکی مسافر پجاری کی طرف سے دوبارہ شکریہ

ہماری جو کچھ بھی وفاداری اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے جواز کے لئے غیر مسلموں سے سند اورسفارش لانا اس گناہگار مولّف کو سخت ناپسند ہے۔ مگر کچھ دستور دنیا ایسا ہی ہوگیا ہے۔ بڑی کراہت کے ساتھ تاریخ کی دنیا کے بڑے معتبر (غیر مسلم) ناموں کی گواہی لاتا ہوں۔ یہ کچھ ہمارے ایسے خاص دوست بھی نہیں ہیں۔ مجموعی طور پر اسلام کے لئے ان کے پاس بھی نرم کلمات نہیں ہیں۔ مگر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آجاتا ہے تو

''حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی''

فرماتے ہیں جیّد مورخ لین پول صاحب (Life of Muhammad by LanPole)

''یہ کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بندۂ ہوس تھے غلط ہے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی۔ ان کا تخت بوریا جس پر وہ سوتے تھے ان کی معمولی غذا۔ کمتر سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات سے بلند و بالا تھے۔''

نوٹ: (اس مولف کے علم کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تخت نہیں تھا۔ بستر چٹائی یا بوریا یا دری جو کچھ بھی اسے کہہ لیں فرش زمین پر ہوتا تھا)

انگلستان کے مشہور دانشور Thomas Carlyle اعتراف حقیقت کرتے ہیں اپنی کتاب

On Heroes and Hero-Worship میں۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیش وعشرت اور شہوانیت کے دل دادہ نہ تھے۔ یہ وہ الزام ہے جو آپ پر ان ناعاقبت اندیش افراد نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو ایک بندۂ ہوس تصور کیا جائے۔ آپ کا گھریلو ساز وسامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی رہا کہ مہینوں آپ کے گھر میں چولھا روشن نہ ہو سکا۔ وہ جو آپ کے جاں نثار پیروکار تھے آپ کو سچے دل سے خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے اس لئے آپ کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح۔ کوئی راز اور اسرار آپ کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔''

بہت شکر یہ کارلائل صاحب میرے آقا کی ذات کے ساتھ کوئی راز اسرار بہ معنی Scandal تو قریش مکہ کو تیرہ سال کی ایذا رسانی اور مخالفت میں بھی نہ مل سکا ورنہ ان کے شاعران تہمت نواز اس کو اپنی بدبودار شاعری سے جاہلیت کے زمانے کی عربی شاعری کا چٹخارہ دار حصہ بنا دیتے۔

کچھ جوابات اس مولّف کے لئے معترضین پر قرض ہیں۔ جواب وہ خود کو دے لیں۔

(۱) آپ نے دوبارہ بیوہ ہونے والی معمّر خاتون کو جو آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں اپنی زوجیت کے لئے کیوں پسند فرمایا؟

(۲) آپ نے اپنی پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کیوں کی جو اس وقت عرب معاشرہ میں کچھ زیادہ عمر تھی؟

(۳) آپ نے اپنی پہلی بیوی امّ المومنین خدیجہ پر پچیس سال تک اور حضرت خدیجہ کی حیات تک کس طرح

صلّی اللہ علیہ وسلم

قانع اور مطمئن تھے اور دوسری شادی کا خیال تک ذہن میں نہ لائے۔

(۴) آپ نے بے سہارا بیوہ مطلّقہ عورتوں سے جو کسی خاص دلکشی اور حسن کی حامل مشہور نہیں تھیں شادیاں کیوں کی جب کہ حضور مدینہ میں عرب کے بے تاج بادشاہ کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور اس وقت کے عرب میں تعدّد ازواج ایک دستور تھا۔ خود عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی بادشاہت بے انداز دولت اور حسین خواتین سے نکاح کی پیش کش اوائل نبوت میں کی تھی اگر حضور بتوں کو برا کہنے سے رک جائیں۔ یاد رکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیں تو میں اپنا پیغام سنانے سے باز نہیں آؤں گا۔

(۵) حضور نے اپنی ساری زندگی اتنی تنگی اور عسرت میں کیوں گزاری؟

(الف) جب وہ تاجرِ اعظم اور تاجر اعظم خاتون کے شوہر تھے؟

(ب) جب وہ مدینہ میں بارہ لاکھ مربع کلو میٹر اور ساری آبادی کے بادشاہ اور مقتدرِ اعلیٰ تھے؟

(۶) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی طور پر دنیاوی دولت میسر آئی تو انہوں نے ''محل'' میں آرام اور ''عیش'' کی زندگی گزارنے کے بجائے پہاڑ کے غاروں میں تنہائی میں عبادت اور غور وخوض کی زندگی کیوں گزاری اور پھر اتنی جلدی وہ ساری دولت صدقے خیرات، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں کی امداد اور غلاموں کو آزادی میں کیسے خرچ کر دی جب کہ شعب ابو طالب سے رہائی کے وقت ام المومنین خدیجہ کی وفات ہوئی تو پورا کفن میسر نہیں آیا اور جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت فرمایا تو (بقول امّ المومنین عائشہؓ کے) حجرہ میں تھوڑے سے جو کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی۔

(۷) آپ نے بیشتر نکاح زندگی کے آخری سالوں میں کیوں کئے؟ آٹھ کے آٹھ نکاح حضور نے اپنی

ظاہری زندگی کے 54 سال عمر اور 59 سال کی عمر کے درمیان کئے۔ (حضور کی ظاہری دنیاوی زندگی 63 سال تھی)۔

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کوئی رائے کیسے قائم کر سکتے ہیں۔ ہم کیا اور ہماری عقل کیا۔ سب محدود۔ لیکن اگر کبھی شیطان بہکائے اور ہم سوچنے لگیں تو ان سوالات کے جواب پہلے سے حاصل کر لیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ علیہ الرحمۃ نے پچاس سال سے زیادہ فرانس میں بیٹھ کر اسلامیات پر جو تحقیق کی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ انھوں نے قرآن کا فرنچ زبان میں ترجمہ کیا تھا جو کافی مقبول ہوا۔ ان کا بیان آسانی سے مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مولّف ان کا ایک اقتباس بغیر کسی رائے زنی اور قیاس آرائی کے پیش کرتا ہے۔ یہ حضرت کی کتاب سے اردو میں جناب نذیر حق نے ترجمہ کیا ہے۔ اور یہ ترجمہ مجلّہ نقوش کے رسول نمبر جلد دوئم کے صفحہ 640 پر چھپا ہے۔ نقوش کا یہ رسالہ شاید دستیاب مشکل سے ہو مگر یہ معتبر وقیع لائبریری میں مل جائے گا۔

اب تعدّدِ ازواج کو لیجئے۔ دنیا کے کسی مذہب حتّٰی کہ عیسائیت میں بھی تعدّدِ ازواج کی ممانعت نہیں کی گئی۔ انجیل مقدس کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں (۷۰۰ بیویاں اور ۳۰۰ کنیزیں) تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک سو بیویوں کے شوہر تھے۔ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور انسانی تاریخ کے دوسرے تمام برگزیدہ افراد ایک سے زیادہ بیویوں کے شوہر تھے۔ اسلام درحقیقت وہ پہلا دین ہے جس نے:

۱۔ تعدّدِ ازواج کی تحدید کی ہے (جو چار ہے)

۲۔ خلع کا حق تسلیم کیا ہے۔

اسلام کے مطابق شادی زندگی میں کئے جانے والے دوسرے معاہدوں کی مانند ایک معاہدہ ہے اور اس کے

جاری رہنے کا انحصار فریقین کی رضامندی پر ہے۔ اس معاہدہ میں حق مہر ہی نہیں بلکہ عائلی زندگی کے دوسرے پہلو بھی شامل ہیں۔ چنانچہ یک زوجگی (ایک وقت میں ایک بیوی) کی شرط شادی کی شرائط میں عین قانون کے مطابق ہے: کوئی خاتون شادی کے وقت یہ مطالبہ کرسکتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ شادی کے بندھن کے دوران دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اگر دولہا یہ شرط قبول کر لے تو پھر اسے اپنے وعدے پر پورا اترنا ہوگا۔ لیکن اگر دولہا یہ شرط قبول نہ کرے اور دلہن اسی پر مُصر ہو تو ان کی شادی جائز نہیں۔ اس سلسلے میں خاندان عباسیہ کے خلیفہ المنصور کا قصہ تاریخ میں بے حد مشہور ہے۔ خلیفہ المنصور نے اپنی اہلیہ کے ساتھ شادی کے وقت دوسری شادی نہ کرنے کی شرط منظور کی تھی۔ چنانچہ اس کے دور کا کوئی فقیہ اس شرط کو غیر قانونی یا غیر اسلامی قرار دینے کا فتویٰ جاری نہ کر سکا۔

ذکر امّہات المومنین کا

سیدہ خدیجہ:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی ام المومنین خدیجہ سے ہوئی۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال تھی اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ اس کے بعد 25 سال تک ان دونوں کا ساتھ رہا۔ جب سیدہ خدیجہ کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر 65 سال تھی اور وہ شعب ابو طالب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقاطعہ۔ قید اور بھوک کے دن گزار رہی تھیں۔ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اس عظیم خاتون کے لئے کفن پورا میسر نہیں آسکا اور پیر کو گھاس سے ڈھانکا گیا۔ اس سال حضرت ابو طالب کا بھی انتقال ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دنیاوی رفیق رخصت ہوئے اور اس سال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الحزن کہا یعنی غم کا سال۔ امّ المومنین عائشہؓ کے قول کے متعلق حضور سیدہ خدیجہ کو کبھی

بھولے نہیں۔ان کی پرانی سہیلیوں کو کبھی کبھی (کھانے کے) چھوٹے موٹے تحائف بھی بھیجتے تھے اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ ازواج رقابت یا ترشی کا اظہار بھی کرتی تھیں۔

سیدہ سودہ:

آپ کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت 55 سال کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد شاید زیادہ تنہائی محسوس کرتے ہوں گے اور ان کے پاس بیٹیاں بھی تھیں جن میں سے سب سے چھوٹی فاطمہ تھیں۔ان لڑکیوں کی نگرانی اور تربیت کے لئے ایک خاتون کی ضرورت تھی۔سیدہ سودہ سکران بن عمرو کی بیوی تھیں اور دونوں اول دور میں مسلمان ہوگئے۔اجازت اور حکم کے ماتحت حبشہ کی ہجرت کی۔واپس پر خاوند فوت ہو گئے۔سودہ اکیلی رہ گئیں دوبارہ اپنے خاندان میں جا نہیں سکتی تھیں کیونکہ وہ لوگ کفر پر قائم تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شادی کا پیغام دیتے ہیں اس وقت حضور کی عمر 53 سال سے اوپر ہے جب کہ سیدہ سودہ کی عمر 55 سال ہے۔سودہ فرماتی ہیں کہ عمر کے اس حصہ میں مجھے مرد کی خواہش نہیں ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے منسوب رہنا بڑے فخر کی بات ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کی باری باندھ رکھی تھی مگر سیدہ سودہ نے اپنی باری ام المومنین عائشہؓ کو ہبہ کردی۔

سیدہ عائشہ:

یہ واحد کنواری خاتون ہیں جن سے حضور نے نکاح فرمایا۔ایک خاص طبقے نے ان کی عمر جو نکاح کے وقت تھی اس قدر زور و شور سے اس قدر کم بتائی ہے کہ اس میں ان کا خبث باطن نظر آتا ہے۔مختصر یہ ہے کہ سیرۃ النبویہ

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت کی رو سے سابق الاسلام لوگوں کی فہرست ہے۔یعنی وہ لوگ جو پہلے ایمان لائے ان میں (حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیوں) عائشہ اور اسماء کا نام صاف لکھا ہے۔گویا جب حضور نے اپنی 40 سال کی عمر میں دعوائے نبوت کیا تو اس وقت عائشہ کم از کم ایمان لانے کی عمر کی تھیں (چاہے اپنے باپ ابوبکرؓ کی وجہ سے) اور اس طرح ان کی عمر پانچ چھ سال ہونی چاہئے اور اس طرح وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندازاً 35 سال چھوٹی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 53 سال کی عمر میں ہجرت فرمائی۔اس وقت ام المومنین عائشہؓ کی عمر 18 سال تک ہوسکتی ہے اور رخصتی مدینہ میں ہوئی اس طرح ام المومنین عائشہؓ کی عمر بوقت رخصتی 18 سال تک ہوسکتی ہے یا اس سے صرف ایک دو سال کم۔(ماخوذ۔کشف الغمۃ عن عمر ام الامتہ)۔

ام المومنین عائشہؓ کی عمر کم عمری کی داستان 145ھ میں پہلی دفعہ سامنے آئی اور بصرہ کے شیعہ حلقہ سے۔صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ کسی خاص مقصد سے کیا گیا جو تضحیک عائشہؓ کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے اور اس بیان کو کافی زور سے پھیلایا گیا۔ام المومنین عائشہ کو سابق الایمان لوگوں میں بیان کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس کا نام آتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے۔ظاہر ہے یہ گواہی زیادہ معتبر ہے۔

ام المومنین عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے خاتمہ کے بعد 48 (اڑتالیس) سال بیوگی کے گزارے مگر اس زمانے میں امت کے طالبان علم ام المومنین سے اکتساب علم کرتے تھے۔مسجد نبوی میں ایک ستون اسطوانہ عائشہ ہے۔یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ام المومنین لوگوں کو دین کی تعلیم دیتی تھیں۔آپ چاہیں تو تعجب کرلیں مگر دین کے معاملے میں ام المومنین عائشہ سے اپنا سوال کرنے اور جواب پانے والے لوگوں میں خود ام المومنین کے والد حضرت ابوبکرؓ۔حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ علیہم

اجمعین شامل تھے۔ام المومنین سے وہ مشہور جواب یادگار بن گیا ہے کہ جب کسی طالب علم نے ام المومنین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ بیان کرنے کو کہا تو ام المومنین نے (جوابی) سوال کیا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا (معنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن ہے)

سیدہ حفصہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھا نکاح حضرت عمر کی بیٹی حفصہ سے کیا۔ اندازہ لگانے والوں نے شاید اندازہ لگالیا ہو کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی بیٹی سے نکاح کیا تو پھر حضرت عمر کی بیٹی سے نکاح بھی دور نہیں ہے۔

حضرت عمر کی بیٹی حفصہ کی شادی حضرت خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی اور وہ بدر کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس زمانہ میں حضور کی بیٹی رقیہ جو حضرت عثمان کی منکوحہ تھیں بعارضہ چیچک انتقال کر گئیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی سے شادی کر لیں مگر عثمان نے کہا کہ ابھی میرا نکاح کا ارادہ نہیں ہے یہ ہی بات حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے کہی کہ آپ حفصہ سے شادی کر لیں۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے۔ یقینی حضرت عمر کے دل میں کدورت پیدا ہوئی ہوگی۔ حضور سے شکایت کی کہ آپ نے تو ہم سب کو یہاں بھائی بھائی بنا کر بٹھایا ہوا ہے۔ ہم اپنا وطن اور اپنا قبیلہ اس دینی رشتہ کے لئے چھوڑ آئے اور میرے قریب ترین بھائیوں کا یہ حال ہے۔ حضور نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں حفصہ کو عثمان اور ابوبکرؓ سے بہتر خاوند ملے گا۔ حضرت عمرؓ یہ بات سمجھ گئے اور انتظار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح کر کے اپنے صحابہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو ایک دوسرے کے اور زیادہ قریب کیا۔ واضح رہے کہ جنگ بدر کے بعد اس وقت حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی عمر 55 سال کی تھی۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ:

پانچویں شادی زینب بنت خزیمہ سے ہوئی یہ حضور کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی بیوہ تھیں۔ احد میں ان کے شوہر شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 60 سال سے زیادہ تھی۔ احد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بھی 55 سال سے زیادہ تھی۔ ان ام المومنین کا کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں تھا۔ ساٹھ سال کی بوڑھی عورت سے کون شادی کرتا۔ خاندان عبدالمطلب کی یہ بیوہ (نواسہ کی بیوہ) اور رسول کی رشتہ دار خیرات پر پلتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ غرض کفالت ان سے شادی کر لی۔

سیدہ ام سلمہ:

چھٹی شادی ام سلمہ سے ہوئی ان کے خاوند جو ابوسلمہ کے نام سے مشہور تھے غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ بوڑھی خاتون تھیں عمر اندازاً ساٹھ سال بنتی تھی۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام سلمہ اور عمر تھے اور بیٹیوں کے نام درّہ اور زینب تھے۔ بہت غیور خاتون تھیں خاوند کے شہید ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں پیغام بھیجا کہ میں بہت بوڑھی ہوں مجھے مرد کی حاجت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے پاس اولاد ہے جس کی تربیت مجھے کرنی ہے اور تیسری وجہ انکار یہ ہے کہ میں غیور خاتون ہوں۔ اپنے مرحوم شوہر کے بستر پر کسی اور کا بیٹھنا گوارا نہیں کرتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ آپ کی عمر کی زیادتی میرا مسئلہ Consideration ہے ہی نہیں اور یتیموں کی کفالت اور تربیت ہی تو میں کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی شدید الغیرتی کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تمہارے دل کو تمہارے قابو میں لے آئے۔ بعد میں خود سیدہ ام سلمہ نے رشتہ کی قبولیت کا پیغام بھیجا۔ اور

تاریخ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار یتیموں کی پرورش حقیقی باپ کی طرح کی۔ یہ بڑی عالمہ تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ایک فتویٰ کو کھلے الفاظ میں رد کر دیا تھا اور ام المومنین عائشہؓ ان کے ساتھ تھیں۔

"ابو ہریرہؓ آپ کو کیا معلوم یہ مسئلہ خالص عورتوں کا ہے۔فرمایا عائشہ اور ام سلمہ نے"

سیدہ زینب بنت جحش:

ساتویں شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہے جس پر غیر ملکیوں نے اور غیر مسلموں نے کچھ "حقائق" کو چھپا کر اور جھوٹ کو اچھال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جو مصداقِ رفعنا لک ذکرک ہیں) کو کوئی بدنام تو کیا کر سکتا تھا مگر چند شاتمان رسول کو ناموس رسالت کے چند شہدا نے جہنم کی طرف دھکا دے کر پہنچا دیا اور خود شہید ہو گئے۔

(چند شہدائے ناموس رسالت ہندوستان پاکستان کے علاقہ کے نام بطور تبرک لکھے دیتا ہوں۔ممکن ہے یہ باب اس کتاب کے آخر میں کہیں آ جائے۔ابھی خیالی ترتیب میں نہیں آیا۔

(۱) غازی علم الدین شہید (۲) غازی عبدالرشید شہید (۳) غازی عبدالقیوم شہید (۴) غازی محمد صدیق شہید (۵) غازی مرید حسین شہید (۶) غازی میاں محمد شہید (۷) غازی محمد عبداللہ شہید

ام المومنین زینب بنت جحش۔عبداللہ بن جحش کی حقیقی بہن۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی **حقیقی** پھوپھی زاد بہن عظیم سردار قریش عبدالمطلب کی نواسی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدالمطلب کے حقیقی پوتے تھے۔حضور نے ان کی شادی اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے کر دی مگر ان دونوں میاں بیوی کی آپس میں نہیں بنی۔انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے مگر وہ اپنے نفسیاتی چوکھٹے (فریم ورک) سے آسانی سے

نہیں نکل سکتا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی کے فیضان نظر سے تبدیل ہو جاتے ہیں مگر فقراء۔ صوفیا۔ علما۔ نیک سیرت لوگوں میں بھی کچھ حلیم نرم خو منکسر المزاج تمام تر شبنم صفت ہوتے ہیں اور کچھ شعلہ سامان آتش بجان جلالی گرما گرم ہوتے ہیں۔ تنقید کسی پر نہیں مگر عرضِ حالِ واقعی ہے۔ زینب بنت جحش خود کو اشراف قریش میں سمجھتی تھیں جو وہ تھیں بھی۔ اور حضرت زیدؓ کو ایک آزاد کردہ غلام ام المومنین خدیجہ کا۔ حضور سے طلاق کی اجازت لی گئی جو نہیں ملی۔ ہر کوشش کے باوجود صلح نہیں ہوئی اور طلاق ہو گئی۔

اس طلاق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ تبنیت کی اس رسم کو ختم کرنا ہے۔ منہ بولا بیٹا وراثت میں بھی شریک ہوتا تھا اور سارے حقوق حقیقی بیٹے والے ہوتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو منسوخ کر دیا اور حکم دے دیا کہ تبنیت کے سارے احکام کو ختم کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے متبنیٰ کی بیوی سے شادی بھی کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخمصے میں پڑ گئے کہ اب تو عرب ضرور اس بات پر فتنہ اٹھائیں گے کہ بیٹے کی مطلّقہ بیوی سے شادی کر لی۔ سورۃ الاحزاب میں اس بات پر کافی بحث ہے۔ میں ساری بحث میں نہیں پڑنا چاہتا لیکن اتنی سی بات ذہن میں رکھیں کہ ایسا مسئلہ جس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے خائف ہوں (اور قرآن اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اس بات سے خائف تھے) اور اس خوف کو دل میں چھپائے ہوئے ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کام جس کو کرتے ہوئے نبی ڈرتا ہے اور اگر نبی اس کو نہیں کرتا ہے تو پھر بعد میں آنے والا کون مائی کا لال اتنی جرأت کرتا کہ اس کام کو کرتا اور متبنیٰ کی جاہلانہ رسم کو کسی مضبوط عملی اقدام کے ذریعے ختم کر دیتا۔ کوئی بھی اس کام کو نہیں کر سکتا تھا اور تنبیت (منہ بولے بیٹے کے ناجائز حقوق) کا فتنہ اس امت میں کبھی ختم نہ ہو سکتا تھا۔

دیکھئے قرآن مجید میں یہ بات کتنی صراحت اور خوبصورتی سے بیان کی گئی ہے۔

ارشاد باری ہے:

واذتقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله وتخفی فی نفسک ماالله مبدیه وتخشی الناس والله احق ان تخشه فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطرا وکان امر الله مفعولا. ما کان علی النبی من حرج فیما فرض الله له سنة الله فی الذین خلوا من قبل وکان امر الله قدرا مقدورا. الذین یبلغون رسلت الله ویخشونه ولا یخشون احد الا الله وکفی بالله حسیبا. ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبین وکان الله بکل شئی علیما. (الاحزاب۔۳۷۔۴۰)

ترجمہ:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے تھا۔ نبی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس

کے لئے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے (اللہ کی سنت ان لوگوں کے لئے) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبہ کے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔
(لوگو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

ان آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ جب حضرت زید اپنی بیوی حضرت زینب کو طلاق دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت زینبؓ سے نکاح کریں اور عرب کی اس پرانی رسم کو توڑ دیں جس کی رو سے منہ بولے بیٹے (متبنٰی) کو حقیقی بیٹا سمجھا لیا جاتا تھا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل عرب اس اقدام پر سخت نکتہ چینیاں کریں گے اور یہ پروپیگنڈہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آزمائش میں پڑنے سے بچنا چاہتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کوشش فرمائی کہ حضرت زید اپنی بیوی کو طلاق نہ ہی دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب سے نکاح نہ کرنا پڑے۔ مگر اس رسم بد کو ختم کرانا ضروری تھا اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں ضروری تھا۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ یہ شادی حکماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا پڑی یہاں پر اہل مغرب جو فتنہ اٹھاتے ہیں اس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ لوگ کتنے بددیانت ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ زنب بنت جحش بہت حسین عورت تھیں اور ایک دن ایسا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے گھر گئے۔ زید گھر پر نہیں تھے اور زینب بنت جحش گھر پر موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زینب کو دیکھا تو کہا کہ سبحان اللہ کیسی حسین عورت ہے اور آپ فوراً واپس چلے گئے اور نعوذ باللہ

ان پر عاشق ہو گئے۔ زید کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے طلاق دے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی۔ مستشرقین ساری بات کرتے ہوئے احتیاط کے ساتھ دو باتیں لکھنا بھول جاتے ہیں بیسیوں صفحے اس بات پر سیاہ کریں گے مگر نہیں لکھیں گے تو صرف یہ دو باتیں نہیں لکھیں گے ایک یہ کہ حضرت زینبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں اور بچپن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں ہیں اور ان دنوں پردے کا کوئی رواج نہیں تھا اور نہ ابھی اس کے احکام آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے جوانی تک انہیں دیکھتے رہے۔ زید سے شادی کر دینے کے بعد پہلی مرتبہ دیکھنے اور ان کے حسن سے متاثر ہونے کی بات مضحکہ خیز ہے۔

دوسری بات یہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجبور کر کے زید کے ساتھ ان کی شادی کی تھی۔ نعوذ باللہ ان کے حسن پر آپ مر مٹے تھے تو زید کے ساتھ شادی کیوں کی۔ پہلے ہی سے اپنے ساتھ شادی کر سکتے تھے۔ کیا امر مانع تھا؟ گھر کا رشتہ تھا۔ غیروں سے رشتے ہو رہے تھے اپنوں سے کیوں انکار ہوتا لیکن مستشرقین کی اس صریح بد دیانتی کا ہمارے پاس کیا علاج کہ ان کی ہر تحریر میں ان دونوں باتوں کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں ہوتا۔

عظیم سردار عبد المطلب کا خیال کریں تو ہمارے تصور میں اپنے زمانے کے کسی خان اعظم یا سردار قبیلہ کے ڈیرے قلعہ حویلی کا تصور آتا ہے اور اس میں سارے خاندان اور بچے اس سردار کے سایہ میں رہتے ہوں۔ تعجب ہے کہ اس ڈیرے میں بسنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سردار کی حقیقی نواسی پر 55 سال کی عمر میں عاشق ہو جائیں جب کہ وہ خود اس کی شادی اپنے چہیتے غلام اور منہ بولے بیٹے سے کرا چکے ہوں۔ جب کہ اس زمانے میں پردہ کا کوئی حکم رواج طریقہ رائج نہ ہو۔

لوگ چاند پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہ بھی ایک کوشش تھی۔

نوٹ:

اتنا لکھنے کے بعد خیال آیا کہ بعض لوگ ''تنبیت'' کے لفظ کو نہ سمجھتے ہوں تو عرض یہ ہے کہ تنبیت کسی شخص کو بیٹا بنالینے اور اس کے اعلان کو کہتے ہیں۔ جو جاہلیت کے عرب اور گزشتہ دور کے ہندو ہندوستان میں رائج تھا۔ تنبیت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ آج کے دور میں اس ملک میں نوجوان مرد عورت ایک دوسرے کو بھائی یا بہن بھی بنالیتے ہیں۔ یہ سب فساد خون ہے اور فساد تیزی سے پھیلتا ہے۔

سیدہ جویریہ:

آٹھواں رشتہ سیدہ جویریہ سے ہوا جو قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں اس قبیلہ نے ہمیشہ کفار کا ساتھ دیا۔ آخر ان کو سزا دینا طے پایا۔ حضور کی سرکردگی میں مسلمانوں نے اس قبیلہ پر حملہ کر دیا تا کہ ہر وقت کا خدشہ اور خطرہ ختم ہوا قبیلہ نے مقابلہ کیا اور جم کر مقابلہ کیا مگر ان کو شکست ہوئی۔

ایک سو سے زیادہ جنگی قیدی مدینہ لائے گئے جن میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ یہ ایک صحابی ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ یہ بھی بڑے ''اونچے مزاج'' کی خاتون تھیں۔ انہوں نے ثابت بن قیس سے کہہ دیا کہ دیکھو میں سردار اعظم کی بیٹی ہوں کنیز باندی بن کر تو رہوں گی نہیں مجھے آزاد کرو مکاتبت کرلو۔ مکاتبت اس طریقہ کو کہتے ہیں جب قیدی ایک طے شدہ رقم ادا کر کے اپنی آزادی قید کرنے والے سے خریدے اور آزاد ہو جائے۔ ثابت بن قیس نے کہا کہ نو اوقیہ سونا دے کر آزاد ہو جاؤ۔ جویریہ کے پاس اونچا دماغ تو تھا مگر نو اوقیہ سونا کہاں۔ جرأت دیکھئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور کہا۔ ''یا رسول اللہ میری

مدد کیجئے اور نو اوقیہ سونا دیجئے تا کہ میں آزادی خرید سکوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا لے لو۔ آزاد ہو جاؤ اور چاہو تو میں تم سے نکاح بھی کر سکتا ہوں۔ اتنے میں جویریہ کا باپ حارث آ پہنچا۔ اس نے اپنی بیٹی کو ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاتون آزاد ہو چکی ہے اور ایک پیشکش میں اسے کر چکا ہوں۔ اس سے اجازت لے لو۔ لے جا سکتے ہو مگر جبراً نہیں۔ باپ نے کہا کہ بیٹی بات تم پر آئی ہے۔ میری عزت رکھنا۔ ام المومنین جویریہ نے فرمایا کہ ''باپ میں تمہاری عزت بڑھا رہی ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیوی بن کر رہوں گی۔ جویریہ بنت حارث۔ ام المومنین جویریہ زوجۂ گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن گئیں۔

صحابہ نے قبیلہ مصطلق کے قیدیوں سے کہا کہ تم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہمارے رشتہ دار ہو گئے ہو۔ تمہاری بیٹی ام المومنین ہماری ماں ہے۔ واپس لے جاؤ سارا فدیہ مال وزر جو ہم نے تم سے حاصل کیا ہے۔ اور پھر قبیلہ مصطلق یہ فیاضی حسن سلوک دیکھ کر سارے کا سارا ایک ایک بشر مسلمان ہو گیا اور ایک فتنہ خون خرابے کا در بند ہو گیا اور کفار قریش اپنے ایک حمایتی قبیلہ کی مدد سے محروم ہو گئے۔ اور پھر ادھر سے مدینہ پر حملہ نہیں ہوا بلکہ وہ مفت کے چوکیدار بن گئے۔ اس بات کو یوں بھی سوچئے کہ مصطلق قبیلہ سارے کا سارا قزاقوں کا تھا۔ یہ بات شاید ہر شخص کی سمجھ میں آ جائے کہ اگر ایک قزاق یا ڈاکو کو مارو گے تو دو چار اور پیدا ہو جائیں گے اور ایک قزاق آپ کا دوست بن جائے تو باقی سارے قزاق آپ کے مددگار ہو جائیں گے۔ یہ ہی ہوا۔ یہ فراست نبوی تھی یا ہدایت الٰہی؟۔ پھر کہوں گا کہ فراست نبوی اور ہدایت الٰہی میں فرق کیوں قائم کیا جائے۔

سیدہ ام حبیبہ:

نویں شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ام حبیبہ سے ہوئی۔ یہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو ابوجہل کے بعد اسلام کا

سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ خاتون مسلمان ہوگئیں تھیں اوران کی شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی۔ ابو سفیان کی بیٹی ہونا ان کوقریش کے ظلم سے نہیں بچاسکا اور یہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کرگئیں۔ وہاں عبداللہ بن جحش کا انتقال ہوگیا۔ اور یہ تنہا ہوگئیں۔ مکہ جانہیں سکتی تھیں۔ وہاں ظالم اسلام دشمن باپ ابو سفیان تھا جوحبشہ تک وفد لے گیا تھا کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلوائے۔ اور خاندان والوں کے پاس کیسے جاتیں کہ وہ کفر پر قائم تھے۔ حبشہ ایک غیر ملک میں ایک تنہا عورت کیسے رہے۔ مکہ جائیں تو کیا مظالم برداشت کریں یا شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ حضور کی طرف سے پیغام نکاح آیا۔ کچھ سیرت کی کتابوں میں ایسا لکھا ہے کہ ام حبیبہ ایسی خوش ہوئیں کہ اپنے ہاتھ گلے کے سارے زیور اتار کر اس عورت کو دے دیئے جوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو جونجاشی بادشاہ حبشہ کی معرفت آیا تھا ام حبیبہ تک لائی۔ اس وقت ام حبیبہ کی عمر 37 سال تھی اس شادی کے بعد ایک اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ ابوسفیان خود مدینہ آتا ہے صلح کی التجا کرتا ہوا اور اس شادی کے بعد ابوسفیان کوئی لشکر کشی نہیں کرسکا۔ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعلق نہ ہومگر واقعہ یہ ہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ابوسفیان مدینہ آیا اور بیٹی ام حبیبہ کے گھر ملنے گیا تو ام المومنین نے حضور کا بستر فوراً لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا کیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں اس کے لائق نہیں ہوں تو ام حبیبہ نے جواب فوراً دیا۔ ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم نجس کافر ہو''۔

سیدہ صفیہ:

دسویں شادی صفیہ سے ہوئی۔ یہ جنگ خیبر کے بعد ہوئی بنوقریظہ وہ قبیلہ یہودیوں کا تھا جس نے مدینہ میں مسلمانوں سے غدّاری کی۔ میثاق مدینہ سے غدّاری یعنی آئین سے غدّاری کی جنگ خندق میں انہوں

نے قریش کا صرف ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ وہ قریش کو چڑھا کر لائے۔ دولت خرچ کی جنگ کی کفالت کی۔ یہودی صرف پیسے کے لئے لڑتا ہے مگر لڑتا کم ہے دوسروں کو پیسہ دے کر لڑاتا ہے۔ صفیہ بنی قریظہ کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور ان کی ماں بنونضیر کے سردار سموئیل کی بیٹی تھیں۔ دونوں بڑے قبیلوں میں اس خاتون صفیہ کا بڑا مقام تھا۔ جنگ خیبر میں ان کا باپ بھائی اور خاوند قتل ہو جاتے ہیں۔ اب یہ گرفتار ہیں اور اگر گرفتار نہ بھی ہوں تو کہاں جائیں۔ بالکل ام المومنین جویریہ کی طرح لونڈی بنالیا گیا اور اونچی ناک والی اس خاتون کو باندی بننا ناپسند تھا۔ حضور کے سامنے پیش ہوئیں اور کہا کہ میں ایک اونچے گھرانے کی بیٹی ہوں۔ مجھے آزاد کردیجئے اور جو کچھ آپ اس کے عوض لینا چاہیں میں آپ کو منگوادوں گی۔ آپ نے فرمایا تم آزاد ہو۔ اگر تم مدینہ میں رہو تو میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ تم اسلام قبول کرلو۔ اس خاتون نے اسلام قبول کرلیا اور واپس یہود میں نہیں گئیں۔ اب صفیہ بن حی بن اخطب ام المومنین صفیہ بن گئیں۔ مومنین کی محترم ماں۔ ایک بات ذہن میں بار بار آتی ہے بحیثیت تاریخ نگار سیرت نگار کے کہ اس کے بعد یہودی حملہ کرتے اور سازش کرتے نظر نہیں آئے۔ فتنہ ختم نہیں ہوا تھا مگر فتنہ پیٹھ دکھا کر تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

سیدہ میمونہ:

گیارہویں شادی سیدہ میمونہ سے ہوئی۔ ان ام المومنین کی دوشادیاں پہلے سے ہو چکی تھیں ان کے دوسرے شوہر کا انتقال ۷ ہجری میں ہوا۔ یہ سردار نجد کی بہن تھیں۔ اسلام پر اس زمانے سے لے کر آج کے دن تک بہت سی مصیبتیں صوبہ نجد کے باسیوں سے آئی تھیں۔ حضور کے زمانے میں نجد کے لوگ ایک بہانہ سے ستر حفاظ قرآن۔ (قرآن کے حافظوں) کو اسلام سیکھنے کے لئے نجد لے گئے اور ان کو قتل کردیا۔ ان کی طرف سے فتنہ وفساد مستقل اٹھتا رہا صحابہ نے مشورہ دیا کہ حضور ''میمونہ'' سے نکاح کرلیں جو کافی بااثر خاتون ہیں

اور یہ نکاح صحابہ اور رشتہ داروں کی درخواست پر ہوا۔

(۱) ام المومنین میمونہ کی بہن ام الفضل لبابہ حضرت ابن عباس مفسر قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کی بیوی تھیں۔

(۲) اسماء بنت عمیس دوسری بہن حضرت جعفر طیار ابن ابو طالب حضرت علی کے بڑے بھائی کی زوجہ تھیں۔ جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے ان کا نکاح ہوا۔

(۳) سلمٰی بنت عمیس تیسری بہن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں۔

(۴) زینب بنت خزیمہ ان کی بہن تھیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں جن سے حضور نے اس وقت نکاح کیا جب ان کے دوسرے شوہر احد کی جنگ میں شہید ہو گئے مگر خود زینب بنت خزیمہ کا انتقال حضور سے نکاح کے دو مہینہ اور چند دنوں کے بعد ہو گیا۔

ان گیارہ نکاحوں میں ایک گندے ذہن کو بہت سا مواد جھوٹا مل جائے گا الزام تراشی کا بلکہ بہتان تراشی کا مگر ایک ایسا ذہن جو حسن اور شائستگی کو دیکھ اور پہچان سکتا ہے اس سے آگے بھی کچھ دیکھے گا۔ دیکھئے اس حسن عمل اور جمال دلکش کو۔ "مکہ کا حسین ترین جمیل ترین انسان جو نبوت سے بہت پہلے ہی صادق الوعد الامین کے لقب سے پکارا جاتا ہے جس سے کفار قریش حجر اسود کی تنصیب کا کام لیتے ہیں اور پچیس سال تک اس کنوارے مرد کے نام سے (اس گندے معاشرے میں بھی) کوئی افواہ (Scandal) منسوب نہیں ہوتا ہے ایک دو دفعہ کی بیوہ خاتون سے جس کی عمر چالیس سال ہے خود اسی تاجر خاتون (ام المومنین خدیجہؓ) کی درخواست پر نکاح کرتا ہے اور پورے پچیس سال سکون اور محبت کے اس کے ساتھ گزارتا ہے جب کہ اس ام المومنین کا 65 سال کی عمر

میں انتقال ہو جاتا ہے اور پھر یہ "صاحب الجمال" اس مرحومہ ساتھی کو بار بار یاد کرتا ہے"۔ پھولوں کی خوشبو اور رنگ کا حسن تو موجود ہوتا ہے مگر اس حسن کو محسوس کرنے والی حس اتنی عام نہیں ہے۔ ایسے لوگوں پر صرف ترس کھائیے۔ جو حسن جمال اور اس کے بعد خود "صاحب الحسن و الجمال" کے سامنے سجدے میں گر جانے کے آرزومند نہیں بن جائے۔ ٹھیک اس وقت (بلکہ صرف اسی وقت) جس وقت کہ عقل روشنی کی چکا چوند میں سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے اور اردگرد سوائے جمال کے اور کچھ نظر نہ آئے "تو سجدہ پیش حُسن" "سجدۂ فرض" بن جاتا ہے۔

وہ تمام ایک جلوہ ۔ میں تمام ایک سجدہ
مری بندگی میں حائل ۔ نہ جبیں نہ آستانہ

درود شریف

جہاد بالسّیف

اگر ہم کسی مرحلہ میں کسی کام میں کسی غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنائیں یا اس کا ذرا سا شبہ احتمال بھی ہونے دیں تو مشرک اور شرک کا گناہ کبھی معاف نہیں ہوگا۔ نہ کہیں کہ یہ "قدرت" کا کرشمہ ہے یا "مالک" کے کرم سے میرا یہ کام ہو گیا اگر لفظ "مالک" سے خیال کسی عبد المالک کی طرف جائے۔ ذو معنی الفاظ استعمال کرنا یہود اور مدینہ کے منافقوں کا خاص انداز تھا۔ مالک اور کسی بھی عبد المالک میں فرق ضرور رکھئے۔

لیکن جب اللہ خود بندہ کے کسی کام میں شریک ہو تو پھر کیا کہیں گے۔ یہ ان کی مرضی ہے۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے (فتح الباری) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم ۲ ھ میں نازل ہوا۔

ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنو صلو علیہ وسلمو تسلیما.

(سورۃ الاحزاب۔ آیت ۵۶)

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود بھیجا کرو۔"

یہ واحد عمل ہے جس میں اللہ اور اس کے مومن بندے ہم زبان ہو جاتے ہیں۔ صلوٰۃ کے معنی بڑے وسیع

ہیں۔ مفسرین نے اس پر اتنی بحث کی ہے کہ اس کو دماغ میں حاضر رکھنا ذرا مشکل کام ہے۔ جن مفسرین نے اس لفظ کی تفسیر کو آسان بنایا ہے۔ ان کے خیال میں جب صلوٰۃ کا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے معنی رحمت نازل کرنے کے ہیں اور ملائکہ اس رحمت کو عالم دنیا پر تقسیم کرتے ہیں اور مومنین کی طرف سے اس عمل کا مطلب طلبِ رحمت ہے۔

ترجمہ آیت: (اللہ اپنے رسول پر رحمت بھیجتا ہے۔ فرشتے آمین کہتے ہیں تم بھی اے مومنین درود بھیجا کرو) فیوض القران۔ حامد حسن بلگرامی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی چند صفات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حصہ دیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم خود ہمارے آقا کو رؤوف اور رحیم کے خطاب دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت صمدیت ہے (قل ھواللہ احد۔ اللہ الصمد) صمد بے نیازی کے معنی میں ہے۔ صمد کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی سے کوئی حاجت نہیں ہے شاید صمدیت کا کچھ حصہ رسول کو بھی ملا ہو۔

اللہ تعالیٰ مکہ کی نازل ہونے والی سورۃ (الم نشرح) میں فرماتا ہے کہ ''رفعنا لک ذکرک''۔ ''ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا'' آسمانوں میں ذکر بلند کرنا فوری ہوگیا۔ فرشتے حکم پاتے ہی عمل کرتے ہیں مگر انسان ظالم و جاہل ہے اس کو چند سال بعد (بعد ہجرت) یاد دلانا پڑا کہ مومنو درود پڑھا کرو۔ اور اس عمل کے ساتھ اتنے سارے ثواب شامل کئے اور بذریعہ حدیث رسول مومنوں میں عام کئے کہ وہ درود جو رسول کی ضرورت نہیں ہمارے لئے باعث سعادت ضرور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمارے درود وسلام مرصع کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔ فرشتے اس خدمت پر مامور ہیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود وسلام کو پا کر دیکھ کر سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر درود کا ذکر بھی آئے اور ہم ہدیہ درود وسلام روانہ نہ کریں تو حشر کے

دن حضور کو کیا منہ دکھائیں گے۔ثواب سے قطع نظر کیجئے مگر حضور کے سامنے روز حشر خفّت سے اللہ بچائے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

ہر نماز کے قعدہ آخر میں (التحیات کے بعد) درود پڑھنا واجب ہے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

درود دراصل اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر ممنونیت نیاز مندی وفاداری اور احسان شناسی کا نذرانہ ہے۔فائدہ سراسر ہمارا ہے۔حدیث شریف ہے۔

''جو بندہ مجھ پر (رسول پر) ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ (رحمت بھیجتا ہے۔ دس خطائیں معاف فرماتا ہے اور دس درجے بلند کرتا ہے۔''

دعا اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلّق رہتی ہے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔حضور نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ان کا کام یہ ہی ہے کہ وہ میرے امتیوں کا درود وسلام مجھ تک پہنچاتے رہیں''۔

واہ واہ کیا شان ہے درود خواں کی۔فرشتے خدمت پر لگے ہوئے ہیں کہ اس کی عرض اور اس کے نیاز کو حضوری نبی میں پہنچائیں۔

ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال کے درمیان آیات صلوٰۃ و درود سے شاید کچھ پہلے یا شاید کچھ بعد آیات جہاد نازل ہوئیں۔

جہاد بالسّیف۔تلوار سے جہاد یا طاقت سے جہاد کی اجازت ملی۔تلوار سے جہاد کو قرآن کریم قتال کا نام دیتا

ہے۔ کیونکہ جہاد تو مومن ہر سانس میں کرتا رہتا ہے۔ اپنے نفس سے شیطان سے (کیا نفس کا نام شیطان ہے یا شیطان کا ڈیرا نفس میں ہے؟) مگر تلوار سے باطل کے خلاف جہاد کو قتال کا نام دیتے ہیں۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی حضور نے مومنین کو روک رکھا تھا مگر پھر بھی ہمیشہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معاملہ قابو سے نکل جائے گا۔ حمزہ نے کعبہ میں ابوجہل کا سر پھاڑ دیا۔ خون بہا۔ مگر یہ اپنے بھتیجے دوست کی حمایت میں تھا۔ ایمان کا کلمہ کچھ دیر بعد پڑھا۔ عمر فاروق تلوار لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے نکلے مگر فاطمہ بنت خطّاب ان کی بہن نے ان کا رخ موڑ دیا وہ ایک غلام کی حیثیت سے خدمت رسول میں حاضر ہوئے کلمہ پڑھا مگر جنگی طبیعت کو سکون نہیں ملا رسول سے اجازت لئے بغیر ابوجہل کی تلاش میں اس کو آواز دیتے ہوئے نکلے۔ ہر جگہ للکارا۔ اس کے گھر پر بھی دستک دی مگر ابوجہل کی ''لومڑی عقل'' فاروق کے غصہ سے زیادہ تیز نکلی وہ کہیں نہیں ملا۔ پھر ذرا سا وقت گزرنے کے بعد آتش مزاج عمر فاروق بھی مدّھم ہو گئے۔ یثرب سے وفد آیا عقبہ میں بیعت ہوئی۔ دو یثربیوں کو اس بات پر غصہ آ گیا کہ قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیّت پہنچاتے ہیں ان کے ہاتھ تلوار کے دستہ تک پہنچ گئے کہ ''فیصلہ ابھی اسی وقت'' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت نگاہ نے ان کو روک دیا۔ ابوذر غفاری اپنے قبیلہ سے ''نور'' ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ حضور سے ملاقات ہوئی۔ مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے منع کیا کہ کعبہ میں جا کر اسلام کا اعلان نہ کرنا تم یہاں اپنے قبیلہ سے دور ہو کافر تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ابوذر نے جواب دیا میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میں ایمان کہیں سے چرا کے نہیں لایا۔ ان کو دکھاؤں گا۔ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ قریش نے اتنا مارا کہ جان جاتے جاتے بچی جب عباس نے پہچان کر ان کو بتلایا کہ یہ جوان غفاری ہے۔ اس کو مار ڈالو گے تو پھر تمہارا کوئی قافلہ اور کوئی کاروان تجارت غفاری ڈاکوؤں سے بچ کر واپس مکہ نہ آ سکے گا۔ یہ لڑائی کا موقع بھی ٹل گیا۔ اور 13 سال مکہ میں کسی قدر یک طرفہ امن امان

صلّی اللہ علیہ وسلم

سے گزر گئے کہ ہجرت کے بعد۔سن 2 ہجری صفر کے مہینہ کی 12 تاریخ کو بہ مطابق 14 اگست 623ء اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتال کی اجازت آئی۔سورہ حج کی آیت 39۔

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر.

اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے۔اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔"

قتال کے متعلق پہلی آیت کی توثیق کے لئے سورہ بقرۃ کی 190 آیت نازل ہوئی۔

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین.

"اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔اور زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ان آیات کے نزول کے بعد یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ اب کفار سے جنگ ناگزیر ہے اور اسلام کا دور اولین یعنی صلح ہر قیمت پر قریب الختم ہے۔

اسی دوران میں ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔اگر چہ یہ نکاح غزوہ بدر کے بعد ہوا تھا مگر مولف کو چونکہ ترتیب قائم کرنے میں (کم تجربہ کی وجہ سے) مشکل ہو رہی ہے اس لئے تین چار مرحلوں کو بغیر ترتیب پہلے پیش کرتا ہے کہ بدر کو مؤخر کر کے اس کا سلسلہ دوسرے غزوات اُحد خندق وغیرہ سے قریب کر دے۔فرضیت صیام وزکوٰۃ (روزے اور زکوٰۃ کا فرض ہونا اور قبلہ کے رخ کی تبدیلی یعنی بیت المقدس سے حرم کعبہ کی طرف اور اس کے بعد وہ خوبصورت عظیم لمحہ جب

سیدہ فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ان سب کو پیش کرنے کے بعد بدر کی طرف چلیں۔

تبدیلیِ قبلہ

پہلے سال ہجری اور دوسرے سال ہجری کے اہم واقعات میں سے ایک اہم واقعہ ہے قبلہ کے رخ کی تبدیلی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جن معاملات میں کوئی صریح حکم نازل نہیں ہوتا تھا وہ قدیمی اسلام یعنی دین موسوی (یہود) کی پیروی کرتے تھے۔مکہ میں قبلہ کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔حضور مکہ میں مسجد حرام میں اس طرح نماز ادا فرماتے تھے کہ داہنی طرف حجر اسود اور بائیں طرف رُکن ایمانی ہوتا تھا۔ اس طرح دونوں قبلہ حضور کے سامنے ہوتے تھے۔عربوں کے خون میں اور خصوصاً قریش کے خون میں کعبہ کی عظمت رچی بسی تھی۔انہوں نے اپنی فطری خواہش کے برخلاف حضور کے ساتھ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنالیا۔لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تعمیر ابراہیمی کعبہ کی محبت اور احترام تھا۔اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر کے حال جانتے ہیں انہوں نے نہ صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پوری کی بلکہ ان کو جتلا دیا کہ وہ اپنے محبوب کی خواہش کو پہچانتے ہیں۔قبلہ کا رخ بدل دیا گیا۔یا یہود کی سیادت کا رخ بدل دیا گیا۔سورۃ بقرۃ کی آیت 144 کا نزول ہوا۔

قد نری تقلب وجهک فی السمآء فلنولینک قبلة ترضها فول وجهک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولو وجوهکم شطره وان الذین اوتو الکتب لا یعلمون انه الحق من ربهم وما الله بغافل عما یعملون.

”(اے میرے محبوب) ہم تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے تھے تو ہم اس قبلہ کی طرف

تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو نماز کے وقت اسی کی طرف اپنا رخ کر کے نماز ادا کرو۔''

اس وقت حضور تبلیغ کے سلسلے میں محلّہ بنوسلمہ میں تھے۔ بنوسواد میں غنم بن کعب کی مسجد میں حضور کی امامت میں ظہر کی نماز ہو رہی تھی کہ قبلہ کے تبدیل ہونے کا حکم اجازت آ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ہی میں رخ تبدیل کر لیا اور مقتدیوں نے بھی ساتھ ہی رخ تبدیل کر لیا۔ ایک صحابی جنہوں نے حضور کے ساتھ اس وقت بیت الحرام کی مسجد کی طرف نماز پڑھی تھی باہر نکلے تو راستہ میں ایک جماعت پر گزر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے آواز لگائی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے'' یہ سنتے ہی امام اور نمازیوں نے بھی اپنا رخ کعبہ کی طرف کر لیا۔ (صحیح بخاری) (شاید اس عمل میں تنظیم یا ڈسپلن کا کوئی سبق بھی ہو۔) اور اس کے بعد نماز عصر تک ہر ایک کو قبلہ کا نیا رخ معلوم ہو گیا۔

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ۔

جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو زیادہ تر مسلمان خود بخود جمع ہو جاتے تھے مگر مدینہ کھیتوں اور باغات کا شہر تھا جہاں نمازی مسجد سے دور بھی ہوتے تھے۔ ان کو جمع کرنے کی بہت سی ترکیبیں سوچی گئیں۔ آگ جلانے کا خیال آیا مگر اس میں مجوسیوں (پارسیوں) کی تقلید کا شائبہ تھا اور یہ عمل مشکل اور گندا بھی تھا۔ پھر بگل بجانے کی بات آئی۔ یہ یہودیوں کا طریقہ تھا اور تقلید نا منظور قرار ہوئی۔ جھنڈا بلند کرنے کا خیال آیا مگر رات کو جھنڈا کیسے نظر آئے گا پھر طے ہوا کہ نماز کے وقت کوئی شخص گلیوں اور بازاروں میں آواز لگائے مگر کتنے کھیت باغ نخلستان کو جائے گا اور کتنے افراد اس کام پر لگائے جائیں؟

ابن ماجہ سے روایت ہے کہ ایک رات عبداللہ بن زید صحابی نے خواب میں کسی سبز پوش شخص کی زیارت کی جو اذان کے الفاظ پکار رہا تھا۔ اسی طرح فجر کی اذان دی گئی۔ تو حضرت عمر دوڑے بھاگے اپنی چادر گھسیٹتے آئے اور تصدیق کی کہ بالکل ایسا ہی خواب انہوں نے بھی دیکھا (مشکوٰۃ شریف)۔ اس دن سے حضرت بلالؓ کا ان کے فرض منصبی پر تقررّ ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اب امت مسلمہ میں

"رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی"

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی کہ اذان سننے والے الفاظ کو دہرائیں اور حیَّ علی الصلوٰۃ اور حیَّ علی الفلاح پر لاحول ولا قوۃ پڑھیں۔ اور پھر اذان کی وہ مخصوص دعا۔ التجا بھی حضور کی تعلیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ شفاعت۔ درجہ رفعت اور مقام محمود پر قائم کرے۔

(حضور کو درجہ شفاعت پر قائم کرنے کی دعا خود امت کی خودغرضی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن شفاعت ملے گا تو یہ صاف صاف امت کی بخشش کا عنوان ہوگا۔ حضور تو معراج میں قاب قوسین پر امت کو نہیں بھولے تو پھر کیا قیامت میں......)

پہلے اور دوسرے سال ہجری کے درمیان میں ہی ماہ صیام کے روزے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے۔ لیکن ان کا بیان کسی فقہ کی کتاب میں زیادہ مناسب ہوگا بہ نسبت سیرت کی کتاب کے۔

حجرۂ فاطمہؓ

ادب! ادب! ادب۔ حضور نبی کریم ﷺ کی چہیتی بیٹی کا ذکر ہے۔ اقبال عاشقِ رسول ﷺ نے کہا تھا کہ کاش شریعتِ رسول اجازت دیتی تو میں بنتِ رسول حضرت بی بی فاطمہؓ کی قبر کا طواف کرتا اور ان کی خاک پر سجدہ کرتا۔

ایک بندہ ءنااہل ''وسلموتسلیما'' کا ایک حصّہ ختم کر چکا تھا تو صبح کو طلوع سحر سے پہلے جگا کر چشم نمائی ہوئی کہ وسلموتسلیما کے ایک باب کو راحت قلب رسول سید فاطمۃ الزہرا کے حجرہ کے طواف کے بغیر ختم کرنے کا خیال کیسے آیا؟ ٹھیک ہے۔ حضور نبی ءپاک ﷺ کے خانوادے کی خلوت خاص میں داخل ہونا گناہ عظیم ہے مگر ہر قدم پر اگر آنکھیں سجدہ کریں اور دل درود پڑھے تو شاید معافی مل جائے۔

(متشدّ دشریعت معاف کرے نہ کرے **اگر کسی رقیق قلب** میں ارتعاش پیدا ہو جائے تو مزدوری مل گئی)

اللّھم صلِّ علی محمدٍ وعلی آلِ محمدٍوبارِک وسلّم

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
حضرت مریم ایک نسبت سے باعزت ہیں یعنی وہ حضرت عیسی کی والدہ ہیں۔

از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
بی بی فاطمہ تو تین نسبتوں سے باعزت ہیں۔

نورِ چشم رحمۃٌ للعالمین ﷺ
وہ حضور رحمت للعالمین کی نور چشم ہیں۔

آں امام اولیں و آخریں
جو کہ امام اولین بھی ہیں اور نبی آخر بھی وہ حضور نبی کریم ﷺ

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید	جواس دنیا کی روح ہیں
روزگار تازہ آئیں آفرید	جنھوں نے نیا زمانہ پیدا کیا
بانوے آں تاجدار ھل اتی	وہ اس بادشاہ عظیم کی بانوئے محترم ہیں
مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا	جن کا لقب مشکل کشا شیر خدا ہے.
پادشاہ وکلبۂ ایوان او	وہ جو بادشاہ تھے اور جن کا دربار ایک بوسیدہ کونا تھا
یک حسام و یک زرہ سامان او	جن کی کل ملکیت ایک تلوار اور ایک زرہ تھی
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق	وہ ''مرکزِ عشق'' کی والدہ محترمہ تھیں
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق	وہ کارواں سالارِ عشق کی والدہ تھیں
آں یکے شمع شبستانِ حرم	وہ ایک جو حرم کے شبستان کی شمع تھے
حافظِ جمعیتِ خیر الامم	جو امت افضلین امت محمدیہ کی جمعیت کے محافظ تھے (امام حسنؓ)
تانشیند آتش پیکارکیں	جنھوں نے جھگڑے ختم کرنے کیلئے
پشتِ پازد بر سر تاج و نگیں	خلافت کے تاج کو ٹھکرا دیا
واں دگر مولائے ابرار جہاں	وہ دوسرے جو سردار تھے تمام آزاد بندوں کے (امام حسینؓ)
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں	جن کی ذات سے تمام آزاد بندوں کو تقویت ملی
درنوائے زندگی سوز از حسینؓ	زندگی کے ساز میں سوز حسین سے ہے۔
اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ	آزادی حق پرستوں نے حسینؓ سے سیکھی
سیرتِ فرزند ہا از امہات	اولاد کی سیرت ماؤں پر منحصر ہے
جوہر صدق وصفا از امہات	صدق وصفا کا جوہر ماؤں سے ملتا ہے

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ	اسلام کی کھیتی کا حاصل بتول ہیں (بی بی فاطمہؓ)
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ	ماؤں کے لئے کامل ترین مثال بتولؓ ہیں
بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت	ایک محتاج کیلئے ان کا دل ایسا نرم ہوا کہ اس کو خیرات دینے کیلئے
با یہودے چادرِ خود را فروخت	اپنی چادر ایک یہودی کو فروخت کر دی
آں ادب پروردۂ صبر و رضا	وہ صبر و رضا کی ادب پروردہ تھیں
آسیا گردان و لب قرآں سرا	ہاتھ چکی چلاتے تھے اور زبان تلاوت قرآن کرتی تھی
گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز	ان کی آنکھ کو رونے کے لئے کسی تکیہ کی ضرورت نہیں تھی۔
گوہر افشاندے بدامانِ نماز	وہ نماز میں یہ گوہر لٹاتی تھیں۔ (آنسو)
اشکِ او بر چید جبریل از زمیں	ان کے آنسو جبریل زمین سے چن کر لے جاتے تھے
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں	عرش پر شبنم کی طرح بکھیر دیتے تھے
رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست	میرے لئے شریعت کی پابندی کی زنجیر ہے
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است	حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کا پاس ہے
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے	ورنہ میں ان کی تربت کے گرد طواف کرتا
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے	اور انکی خاک پر سجدہ کرتا۔

علی کرم اللہ وجہٗ۔ اکیس سال کے نوجوان ہیں۔ ہاشمی شان اور آغوشِ نبوّت کی پرورش کے جلال و جمال کا امتزاج چہرہ پر روشن ہے ابھی اسی سال بدر کے میدان میں زوردست وضربت کاری کا امتحان بھی ہو چکا ہے اور اعلان بھی۔ بدر کے میدان میں پہلے تین مجاہدِ اسلام جو نکلے ان میں سے ایک کا نام تھا علیؓ بن ابی طالب

صلّی اللہ علیہ وسلم

پروردہ رسول اور پہلی اینٹ جو کفر کے ایوان سے بدر میں گری تھی وہ تھی لاش۔ ولید بن عتبہ سردار ابن سردار کی اور اسکو خاک پر گرایا تھا علیؓ بن ابی طالب نے۔ اس شرف کے علاوہ دوسرا شرف یہ تھا کہ علیؓ ''محنت کش'' مہاجر تھے۔ دام و درہم پاس نہیں تھا۔ لوگوں کے کھیتوں میں اجرت پر کام کرتے تھے۔ دوستوں نے کہا کہ ''حضور نبی ءکریم ﷺ میں جاؤ اور بنتِ رسول کے لئے درخواست کرو''۔ ''میرے پاس ہے کیا وہ مجھے کیوں قبول کرینگے؟'' - ''تمھیں خود پتہ نہیں کہ تمہارے پاس کیا ہے''۔ ''تم جاؤ درخواست کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری درخواست کے ہی منتظر ہوں''۔ علیؓ کے دوستوں کا اندازہ صحیح تھا۔

حضور نبی ءکریم ﷺ امّ المومنین امّ سلمہ کے حجرہ میں آرام کرر ہے ہیں۔ اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ''امّ سلمہ دروازہ کھول دو میرا ایک عزیز مہمان آرہا ہے''۔

امّ المومنین امّ سلمہ نے دروازہ کھولا تو باہر علیؓ کھڑے تھے۔

ایک گھبرایا ہوا نوجوان شرمندہ سا۔ ''علیؓ کیسے آئے؟'' حضور ﷺ نے ایک فہمیدہ مسکراہٹ سے پوچھا۔ جنھیں سب کچھ معلوم ہوتا ہے وہ ایسے ہی پوچھتے ہیں۔ فصیح البیان علیؓ کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔ کچھ وقت کے بعد عرضی پیش خدمت ہوئی۔ حضور ﷺ نے دوبارہ تبسّم عطا فرمایا۔ پندرہ سالہ فاطمہؓ بلائی گئیں۔ ''یہ علیؓ ہیں تمہارے لئے میرے پاس درخواست لائے ہیں تم منظور کرتی ہو''۔ خوبصورت چہرہ شرم وحیا سے اور زیادہ سرخ مگر جواب کوئی نہیں۔ تین دفعہ کا استفسار جواب کوئی نہیں۔ ''کیا تمہاری خاموشی کو قبولیت سمجھا جائے۔ جواب کوئی نہیں مگر شاید بیٹی کی آنکھ نے باپ کو پیغام دیا کہ

''جومیرے باپ کی مرضی''۔
یہ بھی مرحلہ طئے ہوا۔

''علیؓ تمہارے پاس اخراجات کیلئے کیا ہے؟'' شہنشاہِ کونین نے ہونے والے داماد سے پوچھا۔ اثاثوں کی فہرست بڑی مختصر تھی۔
''ایک تلوار ہے اور ایک زرہ ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تلوار ضروری چیز ہے مگر زرہ کی تم کو کیا ضرورت ہے۔ تمہارا محافظ اللہ ہے۔ زرہ فروخت کردو''۔

زرہ بیچی علیؓ نے چار سو اسّی دراہم میں
(بقول شبلی مرحوم اس سے بھی بہت کم میں)
تھی شادی فاطمہؓ کی سادگی کا طرفہ نظّارہ
ولیمہ بھی اسی میں اور اس مہر بھی سارا
جہیز ان کو مِلا جو کچھ شہنشاہِ دو عالم سے
مِلا ہے درس ہم کو سادگی کا فخرِ آدم سے
متاعِ دُنیوی جو حصّہء زہراؓ میں آئی تھی
کھجوری کھُردرے سے بان کی اک چارپائی تھی
مشقّت عمر بھر کرنا جو لکھّا تھا مقدّر میں

ملی تھیں چکّیاں دو تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں
گھڑے مٹّی کے دو تھے اور اک چمڑے کا گدّا تھا
نہ ایسا خوشنما یہ تھا نہ بدزیب اور بھدّا تھا
بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتّے کھجوروں کے
یہ وہ ساماں تھا جن پر جان و دل قربان حوروں کے
وہ زہراؓ جن کے گھر تسنیم وکوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک اُن کو تاکہ خود لایا کریں پانی
مِلا تھا فقروفاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو
کہ بخشی تھی خدا نے اِک جبینِ سجدہ ریز ان کو
چلی تھی باپ کے گھر سے نبیؑ کی لاڈلیؓ پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے
رِدائے صبر بھی حاصل تھی توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اسے سرتاجِ خاتونانِ جنّت بھی
اسی کی تربیت میں اُسوَہ تھا یُمن وسعادت کا
اسی کی گود سے دریا اُبلنا تھا شہادت کا
وہی غیرت جو مُہرِ خاتمِ حق کا نگینہ تھی
امینؐ کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی

صلّی اللہ علیہ وسلم

علی المرتضیٰؓ نے آج تاجِ ھَلْ اَتیٰ پایا
دلہن کی شکل میں اِک پیکرِ صدق وصفا پایا
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہراؓ اپنے گھر آئی
توکّل کے خزانے دولتِ مہر و وفا لائی

(حفیظ جالندھری)

حضور نبیءکریم ﷺ نے علیؓ کو حکم دیا کہ مدینہ والوں کو دعوتِ ولیمہ تو دے آؤ۔ علیؓ کے پیروں سے زمین نکل گئی کہ اتنا تھوڑا کھانا کیسے پورا ہوگا۔ حکم پورا کرنا تھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر آہستہ سے آواز دی کہ مدینہ والو علیؓ دعوتِ ولیمہ میں بلاتا ہے خیال تھا کہ کم لوگ سنیں گے اور کم آئیں گے تو کھانا پورا پڑے گا۔ مدینہ کی ہوا کو شرارت سوجھی۔ علیؓ کا پیغام علیؓ کی آواز میں گھر گھر پہنچا آئی۔ کون بدبخت گھر بیٹھا رہتا۔ سب چلے آرہے تھے دعوتِ ولیمہ میں شرکت کیلئے۔ علیؓ گھبرائے ہوئے حضور رحمت اللعالمین کے پاس پہنچتے ہیں۔ حضور ﷺ کھانا پورا کیسے پڑے گا سارا مدینہ ٹوٹ پڑا ہے۔ حضور ﷺ کی وہی مشفقانہ مسکراہٹ۔ فرمایا۔

''علیؓ کھانا پورا پڑے گا''۔ سب نے کھایا اور کھانا ختم نہیں ہوا۔

عورت کی آواز کا پردہ ہوتا ہے۔ ابھی پردے کے احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ مگر دخترِ رحمت

اللعالمین کی عفّت کا معاملہ دوسرا تھا۔ سیّدہ فاطمہؓ کو خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ گھر بھی چھوٹا تھا۔ آواز باہر جا سکتی تھی۔ رستہ چلنے والے رک کر ٹھٹھک کر سن بھی سکتے تھے۔ گھر کا کام کاج بھی اکیلے کرنا ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے جہیز میں دو چکیاں بھی عطا کی تھیں۔ کفایت کے لئے آٹا گھر میں پیس لینا بھی ضروری تھا۔ سیّدہؓ اپنی قرآنی خوش الحانی کو چکّی کی گھر گھراہٹ میں چھپا دیتی تھیں۔

"آسیا گرداں ولب قرآں سرا"۔

قرآن کریم کی مترنم تلاوت آواز اور چکّی کی گھر گھراہٹ ساز۔

عشق۔ سوز۔ جذبہ کسی انسان کو جلا دینے کے لئے کافی ہے اگر وقتاً فوقتاً بلکہ دائماً آنکھوں کے پانی سے اس آگ کو ٹھنڈا نہ کیا جائے۔

سیّدہ فاطمہؓ کے پاس چمڑے کا گدّا بستر بنا ہوا تھا مگر تکیہ ایک تکلّف تھا۔ جو موجود نہیں تھا۔ لوگ اپنے تکیہ پر روتے ہیں۔ سیّدہؓ نماز میں اپنے آنچل کو سرشار کرتی تھیں۔

"گریہ ہائے او زِ بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بہ دامان نماز"

اور آنسو کے یہ قطرے جبرئیل حضورِ حق میں شبنم کے قطروں کی طرح بکھیر دیتے تھے۔

"اشک او برچید جبرئیل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں"

اٹھو ابوتراب

حضرت علیؓ کی سخاوت مشہور تھی۔ ہر فقیر کو معلوم تھا۔ کہ اس در سے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ سخاوت اور درویشی اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کچھ مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حجرہ میں چکّی چل رہی ہے۔ قرآن کی قراءت کا نغمہ بھی ہے۔ ایک سائل آواز لگاتا ہے۔ اگر آٹا پس گیا ہوتا روٹی پک گئی ہوتی تو اس سائل کی نذر کر دی جاتی۔ بچّوں کیلئے ایک ٹکڑا کافی ہوتا اور سیّدؓ اور سیدہؓ رات بھی روزہ کر لیتے مگر ابھی تو روٹی بھی نہیں تھی۔ سیدہؓ نے چادر عطا کر دی کہ یہودی کے ہاں بیچ آؤ۔ اپنا کام چلاؤ۔ چادر زہراؓ سائل کو عطا!!۔ چادر زہراؓ ان تین استعاروں میں سے ایک ہے جس پر ملّت کی اساس ہے۔ دوسرے دو ابوذرؓ کا کمبل اور اویسؓ کی گدڑی۔ شاعر اقبالؒ نے کس قدر دردناک شعر کہا تھا۔

یہ ہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ۔

سیّدؓ کو مزدوری سے فرصت ملتی تو بیٹھ کر قرآن کی ترتیب کرتے۔ سیّد کے پاس بہت سے مہمان آئے۔ گھر کا کھانا ختم ہوا۔ بچے بھوک سے بے حال ہوئے سیّدہؓ نے شاید پہلی دفعہ سیّدؓ کا دامن پکڑ کر کھینچا۔ ''معلوم ہے! کتنے وقت کا فاقہ ہو چکا ہے۔ کیا مجھے اور بچوں کو بھوکا مارنے کا ارادہ ہے''۔ کوئی بھی عورت ہوا پنے بچوں کو بھوکا سلانے کے بعد کم از کم اتنا تو کہے گی چاہے وہ سیّدہؓ بنتِ رسول ہی کیوں نہ ہو۔ سیّدؓ اٹھے کہ وہ باغ جو بڑی محنت سے لگایا تھا جسکی آب پاشی کی تھی اسکو رہن رکھ آئیں یا فروخت کر آئیں۔ باہر نکلے سودا ہو گیا۔ رقم ہاتھ آئی بازار چلے کہ کچھ جنس تو لے لیں۔ ایک شخص روتا ہوا قدموں میں گر گیا۔

''کیا ہوا بھائی؟''۔ سیّد ہاشمی علیؓ نے پوچھا۔

''بیوپار میں گھاٹا ہوگیا۔ بالکل محتاج ہوگیا۔ قرض خواہ نے مکان پر قبضہ کرلیا۔ شام تک رقم نہ دی تو گھر والوں کو باہر نکال دے گا۔ بیوی کے بچّہ ہونے والا ہے۔ اسے نکالا تو وہ مرجائیگی''۔ یہ تھی داستانِ غم اس کی۔

علی ابن ابی طالبؓ نے ساری رقم اسکے حوالے کردی۔ ''اتنی ہی رقم ہے قرض خواہ کو اس سے ٹالو۔ باقی رقم کا بندوبست بھی اللہ کردے گا''۔ وہ شخص پیروں پر گر پڑا۔ ''اے علیؓ تم دستِ خدا ہو۔ جیسے ہی کچھ کام چلا قرض ادا کردونگا''۔

علیؓ نے ملائمت سے کہا کہ ''بھائی ادائیگی کی فکر نہ کرو یہ رقم قرض نہیں ہے''۔

اس شخص کا مرحلہ تو طئے ہوا مگر گھر میں سیّدہ فاطمہ زہراؓ انتظار کررہی تھیں کہ اناج آئے تو پیس کر روٹی پکائیں اب تو ننّھی بھوکی زینبؓ بھی نیند میں سسکیاں لے رہی تھی۔

علیؓ کو کچھ نہیں سوجھا تو مسجد جا کر زمینی فرش پر سوگئے۔

کچھ دیر بعد دیکھا کے رسول خدا ﷺ روشنی ہاتھ میں لے کر مسجد کے فرش پر کچھ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ''اُٹھو ابوتراب (مٹّی کے باپ) گرد جھاڑ واپنی۔ کیا ہوا؟''۔ علی ابن ابی طالبؓ نے سارا قصّہ سنایا رسول خدا ﷺ کے ہونٹوں کے گوشے میں ضرور کوئی مسکراہٹ ہوگی۔ یہ فاتح بدر و احد خیبر شکن حیدرِ کرّار بیوی کے ڈر سے مسجد میں چھپے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کے کسی حجرہ سے کچھ کھانا مل گیا۔ حضور ﷺ کھانا لیکر نورِ نظر علی ابن ابی طالبؓ کے ساتھ سیّدہ کے حجرہ میں گئے۔ سیّدہ نے شاید فوراً ہی علیؓ کی ''سخاوت'' معاف کردی۔ سب نے ساتھ کھانا

صلّی اللہ علیہ وسلم

کھایا اور شاید کچھ خوش گوار باتیں بھی ہوئیں۔ اور یقینی رسول ﷺ کی دعائیں تقسیم ہوئیں۔

حضور نبیء کریم ﷺ کا منبر تیار ہو گیا۔ اس منبر سے علم اور عرفان کے خزانے تقسیم ہونے لگے مگر چھوٹے چھوٹے حسنؓ حسینؓ اور کبھی چھوٹی زینبؓ بھی آس پاس پہنچ جاتے۔ اور نانا (ان پر صلوٰۃ و درود) منبر سے اتر کر ان میں سے کسی کو گود میں اٹھا لیتے اور خطبہ جہاں سے ٹوٹا تھا وہیں سے دوبارہ جاری ہو جاتا۔ اگر ان میں سے کوئی سو جاتا تو اصحاب صفّہ کے کوئی بزرگ یا عام طور پر سیّدنا بلالؓ گود میں لیکر ان کو حجرہ میں پہنچا دیتے۔

آج عید کا موقعہ ہے لوگ عید گاہ کی طرف جا رہے ہیں اتنی عام خوشحالی تو نہیں ہے کہ سب کے کپڑے زرق برق ہوتے مگر بچوں کو کچھ خوش نما کپڑے مل گئے تھے۔ حسنؓ حسینؓ کچھ اداس ہو گئے۔ ''ہمارے کپڑے پرانے اور پیوند لگے ہیں'' رسول اللہ ﷺ نے وہ پیوند چوم لیئے۔

مجھے تو یہ پیوند ستارے لگتے ہیں چمک دار۔ یہ کپڑے تمہارے باپ کی محنت کی کمائی سے آئے ہیں۔ بچوں کو بھی پیوند میں ستارے نظر آنے لگے۔ ''آپ کے لباس پر بھی تو پیوند ہے''۔ بچوں کے پاس ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہنے کو ہوتا ہے۔ ''کپڑوں پر پیوند ہو تو کوئی حرج نہیں ہے''۔ ''روح داغ دار نہیں ہونا چاہیئے''۔ یہ بات شاید اس لئے نہیں کہی گئی کہ انکی سمجھ میں نہیں آتی یا پھر شاید اس لئے کہ اس ماحول میں پلنے والے بچے یہ بات بے کہے سمجھ لیں گے۔ اپنے وقت پر۔ ان بچوں نے واقعی روح پر کوئی دھبہ لگنے نہیں دیا۔ پھر کچھ آزردگی قوم بچگاں میں نظر آئی۔ ''اب کیا بات ہوئی''۔ لوگ ''سواریوں پر اونٹوں پر جا رہے ہیں۔ ہم پیدل جائیں گے''۔

''تم کو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ دونوں میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ''۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے نواسوں کو کندھے پر بٹھایا ہوا ہے تو سب سواریوں سے اتر گئے اور انھوں نے بچوں کو کاندھے پر بٹھالیا۔ سارے بچے اس تماشے پر خوش تھے۔ قہقہے اور کلکاریاں عام تھیں لوگ بھی بچوں کے ساتھ بچہ بنے ہوئے ہنس رہے تھے۔

ایک بزرگ کی آنکھ سے مسلسل آنسو رواں تھے۔

داڑھی بھیگ گئی تھی۔ پاس آکر حسنؓ حسینؓ سے کہا۔ ''بچو تمہاری سواری تو لاجواب ہے''۔

نانا (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) نے فوراً جواب دیا ''سوار بھی تو لاجواب ہیں''۔

جنگ بدر

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ.

(تم اور تمہارا رب جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) (سورۃ المائدہ۔ آیت 24)

یارسول اللہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ہم تو کہتے ہیں چلئے جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اس طرف چلئے اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں ہماری جان ہے اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ہم آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے اور آگے پیچھے لڑیں گے۔ واللہ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی پلک جھپکنے کے قابل ہے ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

یہ آواز کہاں سے آئی کس سعید انسان کی ہے وہ آگے ملے گا۔ وہ میدان بدر میں ملے گا۔

''مجھے تو سر چاہئے......ابو جہل کا سر...... ہر قیمت پر......تمہارے سر کی قیمت پر بھی''۔
یہ کس بوڑھی مجاہد خاتون کی آواز ہے جو اپنے گھر میں بیٹھی جہاد میں شریک ہے۔اس کے آواز بھی بدر کے نعرہ اللہ اکبر میں شامل ہے۔

جنگ کی اجازت تو بارگاہ رب العزت سے نازل ہوگئی۔مگر جنگی حکمت عملی کا ترتیب دینا خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔مدینہ ایک چھوٹا سا شہر چھوٹی سی بستی اور اس کے اردگرد بے شمار قبائل چھوٹے چھوٹے بکھرے ہوئے جو صدیوں سے جنگ میں گھرے ہوئے تھے اور ہر جنگ میں اپنا مفاد دیکھتے تھے بیشتر مالی مفاد۔ اور مدینہ کی بستی (جو میثاق مدینہ کے بعد) اب مدینہ ریاست بن گئی تھی اس کے پاس اور اس کے باسیوں کے پاس خود اپنے دو وقت کے کھانے کے وسائل نہیں تھے وہ ایسے ڈاکو یا لڑاکا قبیلوں کی وفاداری کیسے خرید سکتے تھے۔صرف ایک طریقہ تھا کہ اردگرد کے قبیلوں پر اپنا رعب داب قائم رکھا جائے یہ دکھایا جائے مدینہ اسٹیٹ والے ہردم تیار چوکنے تھے اور ان قبیلوں کے سر پر ناگہانی طور پر کسی رات یا کسی صبح بغیر اطلاع کے نازل ہو سکتے تھے۔خود مدینہ کے مشرکین اور آس پاس کے بدو قبیلوں کو یقین دلایا جائے کہ اب معاملہ صرف قریش (جو چار سو کلومیٹر دور ہیں) اور مدینہ ریاست (جو سر پر نازل ہو سکتی ہے جب چاہے) کے درمیان ہے اور یہود اور مشرکین مکہ اس حتمی مقابلہ (فائنل راؤنڈ) سے باہر ہیں۔

سریہ سیف البحر

رمضان ۱ ھ مطابق مارچ 623ء

پہلے تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیجئے کہ مدینہ میں آنے کے بعد چند مہینوں میں جو فراست نبوی نے پیہم اقدامات کئے تھے وہ کتنے بروقت تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ بن

عبدالمطلب کو اس سریہ کا امیر بنایا اور ان کی قیادت میں 30 مہاجرین (انصار نہیں تھے اس سریہ میں) کو ایک قریش قافلہ کا پتہ لگانے کے لئے روانہ کیا۔ قریش قافلہ میں ابوجہل بھی تھا۔ مسلمان عیص کے اطراف میں ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو قافلہ کا سامنا ہوگیا۔ 30 مہاجر مجاہد 300 قریش کے مقابل صف آرا ہوگئے مگر قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے بیچ میں پڑ کر لڑائی رکوادی۔

اس کو پہلی جنگ بندی سمجھئے۔ حضرت حمزہ کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا اس کو حضور نے باندھا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور علم بردار ابومرثد کناز غنوی تھے۔ مقام سیف کو س کے زیر سے پڑھئے (یعنی س ی ف) اس کے معنی ساحل سمندر کے ہوئے اور عیص بھی ع کے زیر کے ساتھ ہے (یعنی ع ی ص)

سریہ رابغ

شوال ۱ھ مطابق مارچ 623ء

سریہ سیف البحر کے ایک مہینے کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کی سرکردگی میں 60 سواروں کا ایک دستہ وادی رابغ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔ مڈبھیڑ ہوگئی ابوسفیان کے دستہ سے جس میں دوسو آدمی تھے۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے پر تیر چلائے مگر بات جنگ تک نہیں پہنچی۔ ابوعبیدہ کے جھنڈے کا رنگ بھی سفید تھا اور علم بردار تھے مسطح بن اثاثہ۔

عجیب بات یہ ہے کہ سیف البحر میں ملاقات کرائی گئی حضرت حمزہ کی ابوجہل سے۔

رابغ میں ملاقات کرائی گئی ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی ابوسفیان سے۔

قریش کے دونوں سرکردہ افراد کو مہاجرین کے لشکر ہی سے ملایا گیا جس میں ایک کے سردار حضرت حمزہ حضور کے چچا تھے اور دوسرے میں سردار حضور کے حقیقی چچازاد بھائی ابوعبیدہ بن حارث تھے۔

سریہ رابغ میں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ مکی لشکر سے دو افراد سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور لشکر اسلام میں مل گئے۔ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے اور ان کو لشکر اسلام میں مل جانے کا موقع مل گیا ایک تھے حضرت مقداد بن عمرو اور دوسرے عتبہ بن غزوان المازنی۔ حضرت مقداد کی تقریر کا ایک ٹکڑا اس بیانیہ کا عنوان بنا ہے۔ ان کا ذکر اس بیانیہ میں دوبارہ آئے گا۔

سریہ خرار

ذیقعدہ ۱ ھ مطابق مئی 623ء

امیر سعد بن وقاص علم بردار مقداد بن عمرو۔ جھنڈے کا رنگ سفید۔

غزوہ ابوا۔ صفر ۲ ھ۔ اگست 623ء۔

ستر مہاجرین قیادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ قریش کا قافلہ زد سے نکل گیا۔ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلیفانہ معاہدہ کیا بنو ضمرہ کے قبیلہ سے جس کا سردار اس وقت تھا عمرو بن مخشی الضمری۔ معاہدہ کی عبارت تھی۔

''یہ بنو ضمرہ کے لئے محمد رسول اللہ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنے جان و مال کے مامون رہیں گے اور جو ان کے خلاف یورش کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ الا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔

یہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سمندر سیپیوں کو بھگوتا رہے (یعنی ہمیشہ کے لئے) اور جب نبی ان کو اپنی مدد کے لئے آواز دیں گے انہیں آنا پڑے گا۔

یہ پہلی مہم تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود باہر گئے۔ اس میں بھی صرف مہاجرین ساتھ تھے جن کی تعداد ستر تھی۔ حضور پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔ مدینہ میں حاکم بنائے گئے حضرت سعد بن عبادہ۔ اور علم بردار

تھے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب جھنڈا سفید تھا۔غور فرمائیے کہ

ا۔مدینہ کے اردگرد تقریباً ہر مہینہ ایک مہم ہوئی۔

۲۔ ہمیشہ جھنڈا سفید۔

۳۔ابواء میں چونکہ پہلا دفاعی معاہدہ ہونا اس لئے سربراہ مملکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے۔(کیا حضور کو اس کا پیشگی علم تھا؟۔کیا حضور کو علم غیب تھا؟)

۴۔قریش کو تقریباً ہر مہینہ ۱ھ میں یہ اطلاع ملتی رہی کہ مدینہ کی قیادت چست چوکنی۔بیدار۔بے خطر ہے۔اور وہ اندرونی حفاظت رات دن کے پہرے اور طلایہ گردی تک محدود نہیں ہیں۔وہ اگر جنگ ہو تو مدینہ شہر سے دور تک باہر آ کر لڑنا پسند کریں گے۔

اس کے بعد بھی جنگ بدر کے دن سے پہلے اور سریہ اور غزوے ہوتے رہے۔

غزوہ بواط۔ربیع الاول ۲ھ ستمبر 623ء

غزوہ سفوان۔ربیع الاول ۲ھ ستمبر 623ء

غزوہ ذوالعشیر۔جمادی الاول......نومبر دسمبر 623ء

سریہ نخلہ رجب ۲ھ۔جنوری 624ء

مدینہ میں سردی مکہ سے بہت زیادہ پڑتی ہے۔اور یہ سارے لشکر مہاجرین کے تھے جن کے پاس کپڑے جوتے بھی کم ہی تھے اور سواریاں بہت کم۔اس کے باوجود سارے لشکر مہاجرین کے ہی تھے۔بغیر کسی استثناء Exception کے۔اس کی ایک وجہ اس مولف کو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ انصار زراعت پیشہ تھے اور اگر ان کو ہر مہینہ کھیت باغ سے دور کر دیا جاتا تو غلہ۔غذا کی قلت ہو جاتی۔اور یہ خسارہ پوری مملکت کا ہوتا۔ہر مہینہ

کسی سریہ یا کسی غزوہ میں حصہ لینا شاید مسلم فوج کی تربیت کا ایک حصہ تھی۔ حضور نے جب بھی غزوہ میں حصہ لیا تو علم بردار حضرت حمزہ ہوتے تھے اور جھنڈا ہر غزوہ اور سریہ میں سفید ہی کیوں تھا۔ کیوں نہ اس کو اسلامی جنگ کے جھنڈے کا رنگ بنایا جائے۔

اس گناہ گار مولف نے ایک لفظ مامون پڑھا جو بنوضمرہ سے دفاعی معاہدہ (ڈیفنس پیکٹ) میں موجود ہے۔ وہ مہاجرین جو مکہ سے چند مہینے پہلے امن کی تلاش میں مدینہ آئے تھے وہ اب ایک قبیلہ کو حفاظت اور امن کی ضمانت دے رہے ہیں۔ یہ صرف دس مہینے بعد جب میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم !''ابوالوقت'' تھے اور وقت ان کا خادم غلام تھا تو آپ کو ماننا پڑے گا۔ میں معجزے ڈھونڈھنے کہاں جاؤں۔ معجزہ میرے سامنے ہے۔ وہ ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

قریش اور مسلمان حالت جنگ سے گزر رہے تھے مگر ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ نور نبوی کی بصیرت پر تو یہ یقیناً روشن تھا کہ گرم بلکہ گرما گرم جنگیں اب بہت قریب ہیں۔ مسلمان لشکر کی حالت تو اتنی غیر تھی کہ صرف مثال کے طور پر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ تین سو سے زیادہ افراد کے درمیان گھوڑے صرف دو تھے۔ اور دو تین افراد کے ساجھے میں ایک اونٹ۔ اس حالت میں کھانا اور زادِ راہ (ستو۔ کھجور اور پانی) صرف اس قدر جو

آدمی خود اٹھا سکے اور پیدل چل سکے۔ جاسوسوں نے مدینہ میں خبر بھیجی کہ شام سے قافلہ قریش واپس آرہا ہے۔اس تجارت کا سارا منافع مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا جانا تھا۔مکہ کی کل آبادی نے اپنا کچھ نہ کچھ سرمایہ اس قافلہ کے ساتھ روانہ کیا تھا (بحوالہ محقق محترم شبلی نعمانی) عورتوں نے اپنے سارے زیور حوالے کردیئے تھے۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کی تلاش اسلامی لشکر نے ذوالعشیر تک صرف تین ماہ قبل کی تھی۔ پچاس ہزار سرخ دینار (اشرفیوں) کا مال لے کر قافلہ چلا تھا۔کثیر منافع متوقع تھا۔اور سارا جنگ کے لئے وقف تھا۔(طبقات ابن سعد کا بیان)

اگر اس قافلہ کو روک کر جنگ میں استعمال ہونے والے سرمایہ پر مسلمان قابض ہوجائیں تو یہ جنگی اخلاقیات سے قطعی دفاع خود اختیاری کی شکل ہوگی۔کیونکہ جارحیت کرنے والے اس سرمایہ سے محروم ہوکر جارحیت کی طاقت سے محروم ہوں گے اور مظلوم مسلمان اپنا دفاع کرنے پر زیادہ بہتر طور پر قادر ہوں گے۔

حضور کو معلوم ہوگیا کہ قافلہ سرزمین حجاز میں داخل ہوچکا ہے اور بہت جلدی ہی وہ ریاست مدینہ کی پہنچ سے دور جائے گا۔حضور نے فرمایا۔"دیکھو یہ قریش کا قافلہ مال سے لدا جارہا ہے۔تم ادھر آجاؤ۔شاید اللہ تمہیں یہ غنیمت دلوادے۔" (حوالہ ابن اسحاق اور روایت ابن عباس) فراست نبوی کو یہ بھی یہ معلوم تھا کہ اتنے بڑے قافلہ اور اتنے زیادہ مال کے حصول میں دشمن کی فوجی نفری سے بھی مڈبھیڑ کا خطرہ تھا۔عجلت میں لوگ تیار ہوئے معاملہ فرض جہاد کا نہیں تھا۔جو پیچھے رہ گئے ان پر کوئی ملامت نہیں کی گئی۔(طبقات ابن سعد)
حضور نے عجلت پر زور دیا اور جن کی سواریاں (اونٹ) مدینہ سے باہر تھے ان کا اتنا بھی انتظار نہیں کیا کہ وہ اپنی سواریاں منگا سکیں۔

حضرت کعب بن مالک کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنیادی طور پر تجارتی مال (مال

غنیمت) پر قبضہ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ جو کچھ فوجی نفری ساتھ تھی وہ احتیاطی تدبیر کے طور پر تھی۔ قافلہ کو پکڑنے کی عجلت کی وجہ سے مسلمان لشکر کی تعداد کم رہ گئی یہ کم ازکم دس فیصد زیادہ ہوسکتی تھی۔

ابوسفیان اپنے قبیلہ کا سرداراور چالاک مدبّر تھا۔ وہ ایک کنویں اور ایک بوڑھے سے راستہ میں ملاتو اس سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے سوالات کئے۔ معلوم ہوا کہ سب حالات ٹھیک ہیں مگر کل دوسوار اس کنویں پر آئے تھے اپنی سواری بٹھا کر پانی پیا اور چلے گئے۔ ابوسفیان کنویں پر پہنچا اور اونٹوں کی سوکھی مینگنیاں دیکھی۔ ایک دو کو توڑ کر دیکھا تو ان میں کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں یہ مدینہ کا چارہ تھا۔ اس کو معلوم ہوگیا کہ اس کے قافلے کی نقل وحرکت تلاش کی جارہی ہے۔ اس نے ایک منزل پہلے ہی زرقہ سے ایک سوار مکہ بھیج دیا تھا۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ بھیج دیا تھا کہ وہ وہاں جاکر قریش میں عام ڈگڈگی بجائے۔ ضمضم تیز رفتاری سے مکہ آیا۔ عرب دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیر دی کجاوہ الٹا۔ کرتا پھاڑا۔ اور ہائے ہائے کرتا رہا۔ ''اے قریش قافلہ۔ قافلہ۔ لٹ گیا۔ ابوسفیان کے ساتھ ہے اس پر محمد اور اس کے ساتھیوں نے دھاوا بول دیا ہے۔ مدد۔ مدد۔ یہ آوازسن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے چنانچہ سارے مکہ میں صرف میں دو ہی طرح کے آدمی تھے۔ یا تو وہ خود نکل رہے تھے یا کسی اور کو بھیج رہے تھے۔ ابولہب میں حد درجہ کی خباثت تھی مگر میدان میں جانے سے کانپتا تھا۔ اس نے ایک قرض دار کا چار سو درہم کا قرضہ معاف کر کے اس کو روانہ کیا۔

مکی لشکر تیار ہوا۔ تعداد تیرہ سو تھی۔ اس میں 100 گھوڑے تھے اونٹ کثرت سے تھے۔ یہ تو سواری کے کام بھی آتے ہیں اور کھانے کے کام بھی آتے ہیں۔

ابوسفیان بچ نکلا:۔

جب ابوسفیان کو مدینہ کے جاسوسوں کے وقت اور مقام کا تعین ہو گیا تو اس نے اپنے قافلہ کا رخ بدل دیا۔ ذرا داہنے طرف یعنی مغرب کی طرف جھک کر بحراحمر کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اور ہر لمحہ مدینہ اور لشکر مسلمین سے دور ہوتا گیا اگر چہ قافلہ کا راستہ کچھ طویل ہو گیا۔ اس نے مکہ میں قافلہ کے بچ نکلنے کی اطلاع بھی دے دی۔ اب مکہ کے لشکر کفار میں دورائے سامنے آئی۔ زیادہ تر نے چاہا کہ مکہ واپس جائیں مگر بدبخت ابوجہل مصر تھا کہ اب چل نکلے ہیں تو کچھ کر کے جائیں۔ اس کی تقریر کا لب لباب تھا۔ ''لات منات کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ بدر جا کر وہاں تین روز قیام کریں گے۔ اور اس دوران اونٹ ذبح کریں گے۔ لوگوں کو کھانے کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ لونڈیاں ہمارے لئے گانے گائیں گی اور سارا عرب ہمارا اور ہمارے دھاوے کا حال سنے گا اور اس طرح سارے عرب پر ہمیشہ کے لئے دھاک بیٹھ جائے گی۔ مگر بنوزہرہ واپس چلے گئے اور لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی۔

اسلامی لشکر کے حالات:

مدینہ کے محکمہ جاسوسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وہ راستہ میں ہی تھے اطلاع دے دی کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور فوجی لشکر مکہ سے چل نکلا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گہرائی سے اطلاعات کا جائزہ لیا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اب خونی ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے۔ حضور کے سامنے جو سوالات تھے وہ یوں تھے۔

ا۔ جب تک فوجیں آمنے سامنے نہیں آئیں اس وقت تک اسلامی لشکر کا موقع سے ہٹ جانا کیا ''فرار'' کہلائے گا یا صرف ''گریز'' شاید یہ عام فوج (چاہے وہ اسلامی ہی کیوں نہ ہو) کے لئے فرار نہیں کہلائے گا مگر رسول کی فوج کے لئے شاید یہ رعایت نہ ہو۔

۲۔اس وقت مقام جنگ سے ہٹ جانا عام عرب علاقوں میں اسلام کی شکست اور قریش کی فتح نہیں سمجھا جائے گا؟ وہ دھاک اور رعب جو ایک سال کے سریات اور غزوات سے قائم ہوا ہے دھوئیں کی طرح اڑ جائے گا کیونکہ قریش کی ایک سو سال سے فوجی برتری کی جو دھاک ہے اس میں صرف اضافہ ہی ہوگا۔

۳۔آخری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر کفار سے مدینہ کے باہر (80 کلو میٹر دور) نہیں لڑا جائے گا تو وہ دوڑتے اور دوڑاتے مدینہ تک نہیں آجائیں گے اور اس وقت وہ چار پانچ مختلف قومیں جو میثاق مدینہ سے بندھی ہوئی ہیں اور اردگرد کے بدو قبائل جن کو ابھی جیتنے والے فریق کا علم نہیں۔ وہ کفار کو فاتح فریق سمجھ کر اس کے ساتھ منسلک نہیں ہو جائیں گے۔ پھر اس نوزائیدہ ریاست مدینہ کا کیا بنے گا۔ نبی کا فیصلہ فراست نبوی سے بھی ہوتا ہے اور وحی الٰہی سے بھی۔ اور شاید فراست نبوی اور وحی الٰہی میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی ہیں۔

مجلس مشاورت

حالات کی پرخطر تبدیلی کی اطلاع فوجی کمانڈروں کو دینے اور مشورہ کرنے کی ضرورت سمجھی گئی۔ (حالانکہ مشورت کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسل کا فیصلہ بہتر ہوتا)

حالات مشاورت میں سامنے رکھے گئے۔ شاید چند دل مسلمان فوج کے بھی لرز گئے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقامن المومنین لکرھون. یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون. (سورۃ 8 آیات 5اور 6)

(جیسا کہ تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنین کا ایک گروہ ناگوار سمجھ رہا تھا۔

وہ تم سے حق کے بارے میں اس کے واضح ہونے کے بعد جھگڑ رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔)

لیکن قائد لشکر مستعد اور مطمئن اور پر جوش تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نہایت اچھی بات کہی۔

''ہم لڑیں گے۔ اگر اللہ کے سہارے اور رسول کے سامنے نہیں لڑیں گے تو پھر کب لڑیں گے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا کہ ''ہم ان سے ڈرتے نہیں ہیں۔ انہیں ہم سے ڈرنا چاہئے''۔

پھر مقداد بن عمرو الاسود اٹھے۔ یہ صاحب دراز قد تنومند۔ گھنے بال زیادہ بال زیادہ کالے شاید اس لئے الاسود کہلاتے تھے)

مضبوط تن وتوش اور قوی ہاتھ پیر والے اور گہری آواز والے اٹھے اور انہوں نے کہا۔

''یارسول اللہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں ''فاذهب انت وربک فقاتلا انا هٰهُنا قاعدون. (جاؤ تم اور تمہارا رب لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں) ہم تو کہتے ہیں کہ چلئے جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے اس طرف چلئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جان ہے اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ہم آپ کے دائیں لڑیں گے۔ آپ کے بائیں لڑیں گے۔ آگے پیچھے لڑیں گے واللہ جب تک ہماری ایک آنکھ میں بھی دم ہوگا ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

دیکھنے والوں نے دیکھا اور پھر بعد میں روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ فرط مسرت سے چمک رہا تھا جب مقداد جوش سے اپنی گہری اور زوردار اور مستحکم آواز سے اعلان وفاداری کر رہے تھے۔ حضور نے ان

کے لئے دعائے خیر کی اور بہت دوسروں نے مقداد کی قسمت پر رشک کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور مفسر قران صحابی جو کم سنی کی وجہ سے مدینہ واپس بھیج دیئے گئے تھے انہوں نے کہا کہ "کاش میں بدر میں شریک ہونے کی عمر کا ہوتا اور کاش یہ الفاظ میں نے کہے ہوتے۔"

مگر حضور نے پھر فرمایا کہ لوگو مجھ کو مشورہ دو تینوں کمانڈر جنہوں نے رائے دی تھی وہ مہاجر تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ حضرت سعد بن معاذ نے بھانپ لیا کہ حضور انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سعد بن معاذ وہی ہیں جو تین چار سال پہلے بیعت عقبہ کی رات میں قریش کو اپنی تلوار کی تیزی کا مظاہرہ کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے تھے مگر حضور نے خاموش بٹھا دیا تھا۔ اب ان کی باری تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ حضور نے فرمایا "ہاں"۔

سعد بن معاذ بولے "ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے۔ اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ سب برحق ہے۔ اے اللہ کے رسول جو آپ کا ارادہ ہے اس پر پیش قدمی فرمائیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ پامرد اور لڑنے والے جواں مرد ہیں اور انشاء اللہ۔ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

حضور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ فرمایا۔ چلو۔ خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک پر فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ یا دولت کا قافلہ یا قریش کا لشکر۔ واللہ میں اس وقت گویا ان کی قتل گاہ دکھا رہا ہوں۔

اور پھر بارش ہوئی۔ پانی کی بارش نظر آئی اور رحمت کی بارش دل وجان اور رگوں میں نشاط اور سرخوشی بھر گئی۔

یہ بارش مشرکین پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی۔ لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی شیطان کی گندگی (بزدلی) اگر کہیں بھی تھی تو وہ پاک کرگئی۔ ریت میں سختی آ گئی۔ ثابت قدمی تو تھی ہی اب ریت نے بھی قدم کو ٹکنے والا بنا دیا۔ قیام خوش گوار دل مضبوط۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو آگے بڑھایا کہ چشمے پر مشرکین سے پہلے پہنچ جائیں اور ان کو اپنے پر مسلط ہونے نہ دیں۔ عشاء کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔ حضرت حباب بن منذر ایک ماہر فوجی تھے انہوں نے دریافت کی کہ یا رسول اللہ آپ نے وحی پر یہ جگہ منتخب کی ہے کیا؟ یا اپنی رائے سے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وحی نہیں ہے۔ پھر حباب بن منذر نے اجازت لے کر متبادل جگہ بتائی۔ قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہو اس پر پڑاؤ ڈالیں اور پھر ہم بقیہ چشمے کو پاٹ دیں گے۔ اور اپنے چشمہ پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے اس کے بعد ہم قریش سے جنگ کریں گے تو پانی پیتے رہیں گے اور انہیں پانی نہ ملے گا۔ حضور نے مشورہ قبول کیا اور کیمپ کو آگے بڑھا دیا اور تقریباً آدھی رات میں اس جگہ کیمپ بنایا جو حباب بن منذر نے تجویز کی تھی۔

مجھے سر چاہیے ابوجہل کا

وہ ایک خاتون تھی۔ عفراء نام تھا اس کا۔ وہ گھر میں بیٹھی خاتون تھی اس کو کیسے معلوم تھا کہ یہ لشکر اسلام جو جا رہا ہے ابوسفیان کے قافلۂ تجارت سے ٹکرائے گا یا مکہ کے لشکر کفار سے؟ اسے کیسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کی۔ ملاقات ابوجہل سے ہوگی جو مکہ میں بیٹھا ہوا ہے؟ یہ سوال پوچھنے کا نہیں بس سوچتے رہیے۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

عفرا بنت عبید انصاری وہ خوش قسمت صحابیہ تھیں جن کے سات بیٹے ۔ (جی ہاں سات بیٹے) جنگ بدر میں شریک تھے۔ حارث ان کی پہلے شوہر کا نام تھا ان سے ان کی تین بیٹے تھے۔ (۱) عوف بن حارث بن سواد (۲) معوذ بن حارث بن سواد (۳) معاذ بن حارث بن سواد۔ حارث کے انتقال کے بعد ان کے دوسرے شوہر بکر بن عبد یالیل سے چار بیٹے تھے۔ (۱) ایاس (۲) عاقل (۳) خالد (۴) عامر۔ یہ سب بدر میں حاضر تھے۔ عفراء نے شوہر اور پانچ بیٹوں کے جسم پر خود ہتھیار سجائے (جتنے کچھ ہتھیار میسر تھے) مگر دو بیٹوں معاذ اور معوّذ کو ہتھیار سجانے کے لعد ایک طرف لے گئیں اور فرمایا ''مجھے ابو جہل کا سر چاہئے ہر قیمت پر۔ تمہارے سر کی قیمت پر بھی'' یہ لڑکے سعادت مند لڑکے۔ دلیر لڑکے ماں کی فرمائش کو اپنے قلب پر لکھ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔

مسلمان لشکر کی تعداد (روایت حضرت عمر صحیح مسلم میں)319 تھی۔ ابن اسحاق 314 اور عہد حاضر کے محقق باشمیل نے 317 لکھی ہے۔ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری جو اسماء الرجال کے علم کے ماہر مانے جاتے ہیں اپنی تصنیف (اصحاب بدر) میں نام بہ نام فہرست دی ہے 335 مجاہدین کی۔ چلئے مان لیتے ہیں کہ کل مجاہدین کی تعداد 320 سے کچھ زیادہ یا کچھ کم تھی۔ ان مجاہدین میں صرف چھ زرہ پوش تھے۔ آٹھ کے پاس تلواریں تھیں بقیہ کے پاس صرف نیزے اور تیر کمان تھے۔

کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

ایک حساب کا سوال یہ بنتا ہے کہ کتنے تھے جو ایسے تھے کہ نہ ان کے جسم پر زرہ تھی اور نہ ہاتھ میں تلوار مگر ایک

بڑا حربہ تھا۔ سینہ میں دل اور دل میں عشق رسول۔

صرف دو گھوڑے تھے ایک زبیر بن العوام کے پاس اور ایک حضرت مقداد بن اسود کے پاس۔ ان دونوں کو لشکر کے دائیں اور بائیں بازو میمنہ اور میسرہ پر تعینات کیا گیا چونکہ ان دونوں مقامات پر بھاگ دوڑ اور فاصلے زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک اور گھوڑے کا حوالہ صاحب اصحاب بدر حضرت سلمان منصور پوری نے دیا ہے جس کا نام سبحہ تھا یا بعزجہ اور سوار کا نام مرثد ابن غنوی۔

---

16 ر رمضان کی شام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکابر صحابہ کے ساتھ میدان کا دورہ کیا اور ان کی بصیرت اور بند دور بین آنکھیں جو دیکھ رہی تھیں وہ انہوں نے صحابہ کو دکھائی۔ ''کل یہاں عتبہ کا لاشہ پڑا ہوگا''۔ ''یہاں ابوجہل مارا جائے گا''۔ ادھر امیہ بن خلف خاک وخون میں لتھڑا پڑا ہوگا''۔ مانتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں مگر ان کا حبیب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو دکھا رہا تھا وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم (بہ اجازت) بول رہے تھے۔ حضور نے ایک ایک کا نام لے کر کفار کے مقتل کی نشان دہی کی اور یہ بات ایک زبان سے دوسرے کان تک ہوتی ہوئی عام مجاہدین میں پہنچی تو پھر ان کی خوشی بے انتہا تھی اور عزم آسمانوں سے بھی اوپر۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ بخدا دوسرے دن اس کے خلاف نہیں ہوا۔ آپ نے جس کا قتل جہاں بتایا تھا وہیں پڑا ملا۔ اور یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اور واقدی کے مغازی الرسول میں بیان ہے۔

شہدائے بدر کی تعداد 14 گنی گئی جن میں 6 مہاجر اور 8 انصار تھے۔ شاید ہی کسی اور معرکہ میں ایسا ہوا ہو کہ قریبی اعزّا ایک دوسرے کے خلاف جنگ کر رہے ہوں۔ یہاں رنگ نسب خاندان قبیلہ خونی رشتہ کی

صلّی اللہ علیہ وسلم

کوئی تفریق نہیں تھی۔ایک طرف ایمان اوردوسری طرف کفر۔ یہ ہے ایک چھوٹی سی فہرست رشتہ داروں کی۔ یہ نامکمل ہے اس لئے کہ سارے مہاجرین کسی نہ کسی طرح کسی واسطے سے کفار قریش کے عزیز تھے اور بہت سے انصار دور جاہلیت میں ان کفار کے دوست اور حلیف تھے۔

	مجاہدوں میں		کفار میں
خسر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم	داماد	ابوالعاص بن ربیع
بیٹا	ابوحذیفہ بن عتبہ	باپ	عتبہ بن ربیعہ
باپ	ابوبکر بن قحافہ	بیٹا	عبدالرحمٰن بن ابوبکر
بیٹا	ابوعبیدہ بن الجراح	باپ	عبداللہ بن جراح
بھتیجا	طلحہ بن عبیداللہ	چچا	عمیر بن عثمان
بھائی	حمزہ بن عبدالمطلب	بھائی	عباس بن عبدالمطلب
بھائی	علی بن ابوطالب	بھائی	عقیل بن ابی طالب
بھائی	ابوحذیفہ بن عتبہ	بھائی	ولید بن عتبہ
بھائی	مصعب بن عمیر	بھائی	ابوعزیز بن عمیر
بھائی	عیاش بن ابی ربیعہ	بھائی	ابوجہل ابن ہشام
بھانجا	عمر ابن خطاب	ماموں	عاص بن ہاشم بن مغیرہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حباب بن منذر کی ترمیم کیمپ قائم کرنے کی منظور کرلی اور چشمہ کے شروع حصہ پر قبضہ کرلیا تو حباب بن منذر رصائب الرائے یا صاحب الرائے کہلانے لگے۔ یہ پہلا ٹائٹل تھایا

تمغہ تھا جو جنگ شروع ہونے سے قبل حباب بن منذر کو مل گیا اور حباب اس پر بجا طور پر ناز کر سکتے تھے۔

اور اس کے بعد مشہور انصاری سردار سعد بن معاذ (وہی بیعت عقبہ والے جو قریش سے جنگ کرنے کے لئے تین سال پہلے ہی مکہ میں ہی تیار ہو گئے تھے اور حضور نے ان کو فوراً بٹھا دیا تھا) انہیں سعد بن معاذ نے ایک تجویز پیش کی بلکہ فوراً اس پر عمل شروع کروا دیا۔ تجویز تھی کہ کیوں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرکز قیادت ذرا اونچی جگہ پر قائم کر دیا جائے ایسے مرکز کو سنا ہے کہ آج کل کی زبان میں کنٹرول روم کہتے ہیں۔ اس جگہ کو اونچائی پر ہونا چاہئے کیونکہ اوپر کی سطح تک تیر اندازی میں نشانہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ ایک چھپر ذرا اونچائی پر قائم کر دیا گیا۔ اور آپ کے پاس پانی بھی فراہم کیا گیا اور آپ کے لئے سواری بھی میسر رہے گی ہمہ وقت حاضر اور اے میرے آقا جن کو آپ مدینہ میں پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہ ہم سے کم عاشق آپ کے نہیں ہیں۔ اگر حالات بگڑیں تو آپ مدینہ واپس جا کر اپنا مشن دوبارہ شروع کریں۔ ہماری خیر ہے۔ آپ کی سلامتی ہی اسلام کی سلامتی ہے۔ اور پھر اس مرکز قیادت کے لئے سعد بن معاذ نے خود ایک حفاظتی دستہ انصار میں سے چنا۔ (آپ ان کو پرسنل باڈی گارڈ کہہ لیں) اس کم عقل مولف کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ کی انتظامی کارروائیوں پر ضرور مسکرا دیئے ہوں گے اور دل میں کہا ہو گا:۔

”تو اور اندیشہ ہائے دور و دراز“

مگر سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حضور نے سعد بن معاذ کی تشویش اور کاروائی کو سراہا اور بہت سی دعاؤں سے نوازا۔ لیجئے سعد بن معاذ کو جنگ بدر کا پہلا خوبصورت ثمرہ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میدان کے شمال مشرق حصہ میں ایک اونچے ٹیلے پر ایک چھپر ڈالا گیا اور اس کا نام ”عریش“ رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے تخت کو عرش کہتے ہیں۔ کوئی مطابقت اور تقابل کا گناہ نہیں کر رہا ہوں صرف ایک صوتی مناسبت سے خوش ہو رہا ہوں۔

اس جھوٹ پر سو سچ قربان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی پر بہت زور دیتے تھے جنگ میں بھی اور نماز میں بھی۔ بدر میں فوج مسلمین کی صف بندی ہو رہی تھی۔ ایک مجاہد صف سے باہر نظر آیا حضور نے ایک تیر سے اس کو پیچھے ہٹایا۔ فرمایا اپنی صف میں رہو۔ کچھ دیر بعد وہ پھر آگے نظر آیا۔ دوسری دفعہ اس کو پھر تیر سے اندر کیا وہ زور سے چلایا جیسے اس کو بہت تکلیف ہوئی۔ عرض کی حضور آپ نے مجھے تکلیف دی۔ حضور نے کہا کہ بدلہ لے لو۔ مجاہد نے کہا کہ میں ننگے بدن ہوں آپ کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کرتے کا دامن اٹھادیا۔ سواد بن غزیہ مجاہد آگے بڑھے تیر ایک طرف پھینک دیا۔ بے اختیار جسم اطہر کو بار بار بوسہ دینے لگے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں میدان جنگ میں کھڑا ہوں۔ کہاں کا بدلہ کہاں کا انتقام؟ نہ جانے کس طرف سے کوئی تیر آئے اور تیر قضا بن جائے۔ میرا شوق شہادت تو پورا ہو جائے مگر اس دنیا میں جو میری آخری خواہش ہے وہ پوری ہونے سے رہ جائے میری آخری خواہش حضور کے جسم اطہر کا بوسہ ہے اور سواد بن غزیہ پھر جسم اطہر سے لپٹ گیا۔ کسی دوسرے مجاہد نے نرمی اور محبت سے سواد کو دونو کاندھے پکڑ کر ان کو صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ کسی سیرت نگار نے نہیں لکھا کہ کیا کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں نمی دیکھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عاشق پروانے کو بھی دعائے خیر سے نوازا۔ لیجئے یہ تیسرا تمغہ دعا کا اس جنگ کی صبح کو عطا ہو گیا۔

معائنہ مکمل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ساتھ ''عریش'' میں چلے گئے۔ سعد بن معاذ نے حفاظتی دستہ کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلب مطمئنہ لے کر کچھ دیر کے لئے سو گئے صرف تھوڑی سی دیر کے لئے۔ (مگر نگران دستہ کے سعد بن معاذ اور ان کے دستہ کو چوکنا رہنا ضروری تھا۔ یہ

ڈیوٹی سعد نے خود اپنے اوپر لگائی تھی۔اب ان کو نیند نہیں تو دوسری طرح سکینہ دینا اوپر والے کے ذمہ تھا۔ جہاں صبح معرکہ ہونے والا ہو اور وہ بھی ایسا سخت کہ ایک مجاہد کے سامنے تین کفار ہوں تو یہ احساس نیند اڑانے کے لئے کافی ہے۔مگر سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ فوج پر غنودگی ایسی طاری ہوئی کہ ان کو ذہنی سکون اور جسمانی تروتازگی بھی ملی۔ایک ذات رسول کی تھی کہ تمام رات بارگاہ حق میں سجدہ ریز تھی۔

فجر کا وقت آیا۔موذن نے اذان دی۔فوج نے وضو کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو ایک خطبہ دیا۔(یہ خطبہ سیرۃ اطلبیہ میں عزلی میں موجود ہے محمد صادق سیالکوٹی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اپنی کتاب سید الکونین میں شائع کیا ہے)۔

خطبہ

مسلمانو! بے شک میں تمہیں رغبت دلاتا ہوں اس چیز کی طرف جس کی رغبت اللہ بزرگ و برتر نے دلائی سنو! سچائی کی منزلوں میں سے ایک منزل پر تم آ گئے ہو۔یہاں جو کام تم صرف اللہ کی خوشنودی کی نیت سے کرو گے وہی مقبول ہوگا۔لڑائی کے وقت تمہارا ارادہ صرف اعلائے کلمۃ الحق ہی کا ہو سختیوں اور مایوسی میں صبر و ثابت قدمی اختیار کرو تمام رنج و غم دور ہو جائیں گے۔مشکلیں آسان ہوں گی اور آخرت میں نجات حاصل ہوگی۔تم میں اللہ کا نبی موجود ہے جو تم کو عذاب سے ڈراتا ہے اور نیکی کا حکم کرتا ہے۔خبردار آج کوئی ایسی غلطی نہ کرنا جس سے اللہ تم سے ناراض ہو جائے۔اب جہاد کا موقعہ ہے اس وقت اللہ تعالیٰ سے ایسی پرخلوص دعائیں مانگو اور ایسے اچھے عمل کرو کہ اس نے جو تم سے وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو جائے۔اور اس کی رحمت اور بخشش تم کو اپنی آغوش میں لے لے۔بے شک اللہ تعالیٰ وعدے کے سچے ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے سخت ہیں۔

سنو میں خود بھی اور تم سب بھی اس حیّ القیوم کی ذات کی مدد سے یہاں بس سکتے ہیں۔ اور اسی پاک ذات سے ہم قوت پاتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو بخش دے۔

الحمد اللہ رب العالمین۔

اجل پکارتی پھرتی تھی آج میداں میں

کفار کے لشکر میں ایک پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ سردار عتبہ کسی طرح سے لڑائی سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ جب وہ مکہ سے چلا تھا تو غلام عداس نے رو رو کر اس کے پیر پکڑے تھے کہ نہ جاؤ۔ نہ جاؤ تم موت کی طرف جا رہے ہو۔ (یاد ہے آپ کو طائف کا عداس نینوائی جس نے حضور کو انگور کے خوشے پیش کئے تھے؟)

عتبہ نے صف آرائی سے پہلے اپنے جاسوس عمیر ابن وہب کو جاسوسی مشن پر روانہ کیا تھا اور مشورہ مانگا تھا۔ عمیر بن وہب نے رپورٹ دی کہ تعداد تو مسلمانوں کی تین سو سے زیادہ نہیں ہے۔ ہتھیار بھی ناکافی ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں مگر ہر اونٹ پر میں نے اجل کو بیٹھے دیکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک جب تک اپنے مقابل کو قتل نہیں کرے گا میدان سے ہٹے گا نہیں۔ تم شاید تین سو کو مار لو مگر تمہارے بھی کم از کم تین سو ہی مارے جائیں گے۔ واقدی نے تاریخ المغازی الرسول میں لکھا ہے کہ اس موقع پر ایمان بن رنصہ نے بھی سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کو سمجھایا کہ اپنے لشکر کو پھیر لو۔ حکیم بن حزام تو خیر مکہ میں حضور کے مداحوں میں سے تھے۔ انہوں نے ابو جہل کو عتبہ کا پیغام دیا کہ لشکر کو واپس پھیر لیا جائے۔ ابو جہل کا سب سے بڑا ہتھیار گندی زبان اور طعنہ تھا۔ اس نے کہا کہ ایک نامرد کو نامرد ہی پیغام رسانی کے لئے ملا۔ واقدی نے تاریخ المغازی

میں ابواسامہ الجیشی کا بیان بھی دیا ہے جس کو عتبہ نے دوبارہ جاسوسی اور تحقیق کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس نے واپس آ کر کہا کہ قوم اگرچہ بے سروسامان ہے مگر یہ مسلمان اپنے بیوی بچوں میں دوبارہ لوٹ کر جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ فیصلہ یہیں ہوگا۔ یہ سب موت کے طالب ہیں۔ مگر ابوجہل نے زنان بازاری کا وہ لشکر جو وہ ساتھ لایا تھا کام پر لگا دیا۔ وہ عورتیں عتبہ کو نامردی کا طعنہ دیتی تھیں سرمہ دانی کنگھی چوٹی پیش کرتی تھیں اور طنزیہ اشعار گاتی تھیں۔ عتبہ تنگ آ گیا ابوجہل کی چالوں سے آخر نامردی کا طعنہ کا جواب تو دینا تھا۔ اس کا لشکر آگے بڑھا۔

حضرت ابوبکر نے عریش سے دیکھ کر حضور کو جگا کر بتایا کہ جنگ شروع ہوگئی۔

جمعہ ۱۷ رمضان۔ ۲ ھ۔ مطابق 13 مارچ 624ء

قرآن نے اس دن کو یوم الفرقان کہا ہے کہ جس دن حق و باطل ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میدان کو گرم ہوتے دیکھا۔ تو پھر دعا کی۔

اے احکم الحاکمین یہ گروہ قریش جو غرور و تکبر کے ساتھ تجھے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے مقابلہ پر آیا ہے۔ اے اللہ نہیں ہلاک کر دے اے اللہ اپنی نصرت نازل فرما۔

(اس کم علم مولف کے خیال میں دشمن کی ہلاکت کی دعا رحمت اللعالمین نے اس سے پہلے اور بعد میں کبھی نہیں مانگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک دن پہلے حضور مسلمانوں کو فتح کی بشارت دے چکے ہیں اور قریش کے سرداروں کو ہلاک ہونے کی جگہ بھی دکھا چکے ہیں۔ پھر یہ بار بار دعا کس لئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اب دعائیں لذت دعا کے لئے ہیں۔ یہاں یہ یاد رکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن میں بار بار استغفار پڑھتے تھے یعنی اپنی مغفرت کی دعا۔ عجیب بات ہے۔ کسی ام المومنین غالباً عائشہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں معصوم ہیں گناہوں سے پاک ہیں۔آپ ''مغفرت'' کی دعا کیوں مانگتے ہیں۔ حضور نے سوال کیا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ بڑا باریک اور خوبصورت نکتہ ہے۔ دعا کاربراری یعنی کسی مقصد کے حصول کے لئے بھی ہوتی ہے اور دعا شکر گزاری کی علامت بھی ہے۔ حضرت موسیٰ سے بھی قرآن کریم میں ایک دعا کروائی گئی۔

ربِّ انّی لما انزلت الیَّ من خیرٍ فقیر

''اے اللہ جو خیر آپ نے مجھ پر نازل کیا ہے میں اسی کا فقیر ہوں۔ یہ ہے'' دعا بعد عطا''

وہ مقدرات جنہیں اللہ نے نہ پلٹنے والی تقدیر بنا دیا ہے اسی کی دعا مانگنا عبودیت کی شان ہے اور عطا کو اپنے لئے جزا بنانا ہے تا کہ ثواب میں اضافہ در اضافہ ہو)۔

اور جب کفار کے سارے ارادے ظاہر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا مانگی

''اے بار الٰہ اگر یہ مٹھی بھر مسلمان آج ہلاک ہو گئے تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اے اللہ تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔''

اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدے ہمیشہ پورے کرتا ہے مگر ہمارے رسول کو مانگ کر لینا اچھا لگتا ہے۔ یہی عبودیت کی شان ہے۔

جنگ شروع ہوئی تو پہلے تو مبارزت ہوئی۔

مشرکوں کا سپہ سالار عتبہ تلوار تول کر آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید تھا۔

للکار ہوئی۔ ''کون آتا ہے ہم سے لڑنے کو

کون آتا ہے آج مرنے کو''

اس للکار کو سن کر ابو حذیفہ آگے بڑھے مگر نبی رحمت نے ان کو روک دیا وہ عتبہ کے بیٹے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو باپ سے لڑنے نہیں بھیجا۔ اس کے بعد تین انصار آگے آئے۔ واقدی نے تین بھائیوں کے نام دیئے۔ عفرا کے بیٹے (۱) عوف (۲) معاذ (۳) اور معوذ (ان کے چار بھائی اور ایک سوتیلا باپ اور میدان میں حاضر تھے)

ان مجاہدین سے عتبہ نے نام ونسب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ انصار مدینہ ہیں تو اس غرور کے پتلے نے کہا کہ ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ محمد سے کہو کہ نام ونسب والے بھیجیں۔ (یہ شاید انصار کو مہاجرین سے توڑنے کی کوشش رہی ہو) حضور نے انصار کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور حمزہ بن عبد المطلب علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث (حضور کے چچا) باہر نکلے۔ لشکر اسلام سے نعرہ آیا۔ یا حیّ یا قیوم۔ عتبہ نے ان سے بھی نام ونسب پوچھا تو حمزہ نے کہا کہ میں اسد اللہ اسد الرسول حمزہ بن عبد المطلب ہوں۔ مزید تعارف تم سے ابھی ہو جائے گا۔ یہ میرے چچا زاد بھائی حارث بن عبد المطلب ہیں اور یہ بھتیجا علی بن ابی طالب ہے۔ عتبہ نے کہا کہ ہاں تم ہم مرتبہ ہو۔

حمزہ عتبہ کے سامنے آئے مگر انہوں نے تماشا ہونے نہ دیا۔ پہلے وار میں عتبہ دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ علی نے ولید کو اس کے باپ عتبہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اس درمیان میں لشکر کفار سے طعیمہ بن عدی بن نوفل تلوار لہراتا ہوا آیا اس کو عتبہ کے قتل پر غصہ تھا مگر حمزہ نے اس کو دخل در معقولات کرنے نہیں دیا۔ ایک ہی وار میں اس کو عتبہ کے پاس ہی دو ٹکڑوں میں لٹا دیا۔ ابو عبیدہ ابن حارث عمر رسیدہ آدمی تھے مگر شیبہ سے مصروف پیکار تھے۔ شیبہ نے ابو عبیدہ کی پنڈلی پر ایسا وار کیا کہ گودا تک نکل آیا۔ حمزہ اور علی نے شیبہ کو بھی جہنم کی طرف روانہ کر دیا۔ اور ابو عبیدہ بن حارث کو لے کر لشکر اسلام میں واپس آ گئے۔ (ابو عبیدہ نے میدان جنگ میں نہیں مگر واپسی کے سفر

میں شہادت پائی)۔ابوعبیدہ نے کہا کہ کاش میرے بھائی ابوطالب زندہ ہوتے تو میں ان کوانہیں کا قصیدہ لامیّہ سناتا کہ ہم تلواروں سے محمدؐ کی حفاظت کریں گے اوران کے گرد مارے جائیں گے یہاں تک کہ اپنے بیوی بچوں کو بھی بھول جائیں گے۔

چند منٹوں میں چار سرداران قریش خاک میں لوٹ گئے مگر ابوجہل کا غروراورخبث باطن قائم تھا۔نعرے لگا رہا تھالات وعزیٰ کو مدد کیلئے پکار رہا تھا۔لات وعزیٰ تو نہیں آئے مگر ایک جوش غضب سے بھرا ہوا مست ہاتھی عبیدہ ابن سعید بن عاص صف اعدا سے نکلا۔پورے کا پورا لوہے کا زرہ (جال) میں ڈھکا ہوا تھا۔خود سے صرف دو آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح جھانک رہی تھیں۔غصہ میں منہ سے جھاگ نکال رہا تھا۔اول فول بک رہا تھا۔مسلمانوں کو للکار رہا تھا میں ابوکرش ہوں۔ابوکرش۔اس مست ہاتھی کو گرانے کے لئے حضرت زبیر نکلے۔ہاتھ میں نیزہ تھا فاصلہ سے دشمن کا جائزہ لے کر دیکھا کہ آنکھ کے علاوہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔آنکھوں کا نشانہ لیا۔نیزہ ایک آنکھ میں گھسا تو ایسا گھسا مغز سر کو چکھتا ہوا گدی میں پیوست ہوگیا۔مست ہاتھی زور سے گرا اور پھر آواز نہیں نکالی۔حضرت زبیر نے پیر سے دبا کر زور سے نیزہ نکال تو لیا مگر اس کا پھل ٹیڑھا ہوگیا۔بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیزے کو حضرت زبیر سے یادگار کے طور پر لیا اور وہ نیزہ پھر مختلف خلفاء کے پاس رہا۔سیرت نگار کہتے ہیں کہ حضرت زبیر نے نیزہ جسے حبشی سانگ کہتے ہیں (چھوٹا سا نیزہ) کے پھینکنے کا فن حبشیوں سے ہجرت حبشہ کے دوران سیکھا تھا۔ہوسکتا ہے یہ بات حضرت زبیر کے نشانہ پر منحصر ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی فرشتہ نے راستہ میں اس نیزے کو پکڑ کر ابوکرش کی گدی میں پیوست کر دیا ہو۔آخر قرآن کریم کی گواہی ہے کہ فرشتہ مدد کے لئے بھیجے گئے تھے۔کسی فرشتہ نے یہ کارنامہ زبیر رضی اللہ عنہ کے کھاتے میں لکھا دیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر فرماتے تھے۔

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

اے زندہ قائم رہنے والے اپنی رحمت سے مدد فرما۔

اے اللہ تو نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔

اے اللہ میں تجھ سے تیرے وعدے اور عہد کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر کبھی زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔

(ابن سعد اور نسائی کی حدیثیں یہ گوہی دیتی ہے کہ جنگ بدر کے دوران یا حی یا قیوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ورد تھا۔)

حضور کی گریہ وزاری میں کندھے کی چادر ڈھلک جاتی تھی جسے حضرت ابوبکر برابر کرتے تھے۔ابوبکر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول بس کیجئے۔حضور کا ذوق عبودیت۔زاری اور تضرع کی طرف لے جاتا تھا اور صدیق اکبر کا اعتماد اور بھروسہ اللہ اور اس کے رسول پر ان کو پرامید رکھتا تھا۔انہیں صرف یہ فکر تھی کہ حضور اپنے کو ہلکان نہ کریں۔یہ باتیں صحیح مسلم میں باب مغازی میں درج ہیں۔

آخر اللہ تعالیٰ کو ایک خوش خبری اپنے محبوب کو بھیجنی پڑی

سیھزم الجمع ویولون الدبر. (سورۃ قمر۔آیت 45)

عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ دکھا دکھا کر بھاگ جائیں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے طلوع ہوئے اور یہ بشارت سنائی اور فرمایا۔

شدّ و

چڑھ دوڑو۔ مارو۔ کاٹو۔ بھگاؤ۔ اوراب مسلمانوں نے دفاعی صف بندی توڑ کر مارو۔ بھگاؤ پر عمل شرع کیا۔
پھر اللہ کے رسول نے ایک مٹھی ریت کفار پر پھینکی۔

شاھت الوجوہ

پھر گئے ان کے چہرہ۔ سب نے دیکھا کہ یہ مٹھی ریت رسول نے پھینکی ہے مگر اللہ کا پیغام پہنچا۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

''وہ (خاک) جو آپ نے پھینکی وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی''۔ چلئے وہ اللہ نے پھینکی یا رسول نے پھینکی کیا فرق ہے اس میں۔ کفار کے منہ تو پھر گئے ہر صورت۔''

مرشد اقبال فرماتو گئے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

اور کچھ لوگ بندۂ مومن کا استعارہ حضور نبی کریم کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ اور جو حبیب نے کیا وہ محبوب نے کیا یا جو محبوب نے کیا وہ حبیب نے کیا۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد و بارک وسلم

مگر ایک مرحلہ تو ابھی باقی ہے۔ اگر ابوجہل بھاگ گیا تو معاذ اور معوّذ اپنی ماں عفرا کو کیا منہ دکھائیں گے۔
''کہاں ہے وہ ابوجہل کا سر''؟ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کا بیان ہے کہ جب جنگ مغلوبہ زور پکڑ رہی تھی تو

صلّی اللہ علیہ وسلم

میں صف میں کھڑا تھا۔ میں نے اپنے داہنے اور بائیں دیکھا کہ دونوں بازو مضبوط ہوں تو جنگ مغلوبہ آسان ہو جاتی ہے۔ مجھے دونوں طرف نو آموز انصاری نوجوان نظر آئے۔ کسی قدر مایوسی ہوئی۔ داہنی طرف والے نوجوان نے جھک کر راز داری سے مجھ سے پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں ابھی میدان میں نظر دوڑا ہی رہا تھا کہ دوسری طرف سے دوسرے نوجوان نے یہ ہی سوال پوچھا۔ مجھے ابوجہل نظر آیا۔ وہ اپنے حفاظتی دستہ میں گھرا ہوا تھا۔ درجنوں جنگجو کفار کے گروہ کو چیر کر اس تک پہنچنا تقریباً ناممکن تھا۔ مگر وہ جیالے شہباز اس طرح اڑے جس طرح کہ ایک عقاب چڑیوں پر گرتا ہے۔ راستے میں کسی کافر سے خود کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ جو سامنے آیا اس کو مارتے کاٹتے یا راستہ سے ہٹاتے ابوجہل تک پہنچ ہی گئے۔ یہاں مجھے اجازت دیجئے کہ چچا حفیظ جالندھری مرحوم کے الفاظ استعمال کروں کیونکہ میں صحیح الفاظ کے استعمال میں بڑا کمزور ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کیونکہ داہنے اور بائیں ہاتھ کی مدد شامل ہو تو جنگ آسان ہو جاتی ہے مگر وہ دو نوعمر ناتجربہ کار انصاری لڑکے نظر آئے۔ ایک نے پوچھا کہ چچا! ابوجہل کہاں ہے؟ اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا دوسرا آیا اور کہا کہ چچا ذرا ابوجہل کی شکل تو دکھا دیجئے!

یہ استفسار سن کر میں نے پوچھا فرط حیرت سے
بھتیجو کام کیا ہے تم کو اس بدخواہ ملت سے
پتہ اس دشمن دیں کا بتا دیتا ہوں میں تم کو
کہو تو اس کی صورت بھی دکھا دیتا ہوں میں تم کو
وہ دیکھو اک ہجوم عام قرشی پہلوانوں کا
گرانڈیل اور موٹے تازے دیداری جوانوں کا
وہ جن کے ساتھ تنہا لڑ رہے ہیں حضرت حمزہؓ
خدا حمزہؓ کا ناصر دیکھتے ہو جرأت حمزہؓ
ادھر پہلو کی جانب کس قدر گھمسان کا رن ہے
مسلماں کس قدر کم اور کتنی فوج دشمن ہے

گھرے ہیں بوڑجانہ جس جگہ قرشی سواروں میں
فقط تلوار لے کر لڑ رہے ہیں نیزہ داروں میں

عمرؓ دوڑے ہوئے ان کی مدد کرنے کو آتے ہیں
وہ دیکھو ایک مہلک وار سے ان کو بچاتے ہیں

پلے پڑتے ہیں دشمن جس جگہ انصار کے اوپر
ہوئے ہیں حملہ آور سینکڑوں دوچار کے اوپر

دما دم گر رہی ہے برق شمشیر علیؓ دیکھو
وہ دیکھو ہٹ چلی اب فوج دشمن ہٹ چلی دیکھو

وہ دیکھو چڑھ رہا ہے، بھاگ کر مٹی کے تودے پر
وہ کیا ہے کلغی والا، سامنے پہنے ہوئے مغفر!

وہی بوجہل ہے جو پے بہ پے بازو ہلاتا ہے
یہ اپنے بھاگنے والوں کو پھر واپس بلاتا ہے

حفاظت کر رہا ہے گرد اس کے فوج کا دستہ
یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ

غیرت مند نوجوان

یہ سن کر بول اٹھے وہ دونوں لڑکے بیقراری سے
بتادیں اب ہمیں کیا کام ہے بے دین ناری سے

قسم کھائی ہے ہم دونوں نے اس کو قتل کرنے کی
کہ اس سے بڑھ کے ہوسکتی نہیں اب عمر بھر نیکی

نہیں ہے اس سے بڑھ کر دشمن دین مبیں کوئی
کوئی زیر زمیں ہے اور نہ بالائے زمیں کوئی

قسم کھائی ہے مرجائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب ﷺ باری کو

یہ کہتے کہتے غیرت سے ہوئے منہ لال دونوں کے
شہادت کے لہو سے تمتمائے گال دونوں کے

خدا حافظ کہا اور کھینچ لیں دونوں نے شمشیریں
بڑھے یکبارگی کہتے ہوئے پر جوش تکبیریں

میں کہتا رہ گیا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں
چلو بحر شہادت کے کنارے ساتھ چلتا ہوں

مگر وہ کس کی سنتے تھے غیور و شیر دل لڑکے
ہلاکت گاہ میں ان کے قدم اٹکے نہ دل دھڑکے

میں ان کے پیچھے پیچھے دشمنوں کی فوج پر لپکا
نہ ساتھی بن سکا لیکن غزالوں کی تگ و تپ کا

جہاں چاروں طرف خنجر تھے تلواریں تھیں بھالے تھے
جہاں دشمن تھے جن کے منہ بھی کالے دل بھی کالے تھے

جہاں اللہ کے بندے جہاں اسلام کے غازی
برابر کھیلتے تھے جان سے ایمان کی بازی

صلّی اللہ علیہ وسلم

جہاں ہر سو تنور دشت سے شعلے بھڑکتے تھے
جہاں سرکٹ کے گرتے تھے جہاں لاشے پھڑکتے تھے

وہیں پہنچے یہ دو جانباز لڑکے باوفا لڑکے
یہ الھڑ یہ فنون جنگ سے ناآشنا لڑکے

گھرے فولاد پوشوں، قاتلوں جنگ آزماؤں میں
مگر دو بجلیاں تھیں جو چمک اٹھیں گھٹاؤں میں

ابوجہل سیہ رو پر نگاہیں گاڑ کر نکلے
قریشی فوج کے دل بادلوں کو پھاڑ کر نکلے

انصاری نوجوانوں کا حملہ اور ابوجہل کا حشر

گرا اس طرح کنڈے جوڑ کر شہباز کا جوڑا
کہ اک دم میں صف زاغ و زغن کا سلسلہ توڑا

جوانوں کے مقابل پہلوانوں کی طرح اڑتے
برابر وار کرتے وار سہتے چومکھے لڑتے

ہٹاتے مارتے اور کاٹتے بڑھتے گئے دونوں
بسان موج اوج ریگ پر چڑھتے گئے دونوں

ادھر بوجہل بھی کرنے لگا بچنے کی تدبیریں
نہ اس کی دھمکیاں کام آسکیں لیکن نہ تقریریں

بروئے بازوئے تقدیر تدبیریں نہیں چلتیں
جہاں شمشیر چل جاتی ہے تقریریں نہیں چلتیں

ہٹا وہ دیکھ کر ان کو یہ پھر اس کے قریں پہنچے
جہاں بوجہل پہنچا دونوں لڑکے بھی وہیں پہنچے

نہ بھاگا جا سکا تو ان کو دھمکانے لگا کافر
سپر کے آسرے پر تیغ چمکانے لگا کافر

وہ پختہ کار یہ کمسن ، یہ پیدل اور وہ گھوڑے پر
لگا مرکب کدانے خشمگیں شیروں کے جوڑے پر

مگر عشاق اپنی جان کی پروا نہیں کرتے
خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے

ہوئے خائف نہ دھمکی اور نمائش سے نڈر لڑکے
جھپٹ کر جا پڑے یہ شیر لڑکے بے جگر لڑکے

ہوا میں گونج اٹھیں رعد کی مانند تکبیریں
گریں بوجہل پر دو تیز خون آشام شمشیریں

دہن سے آہ نکلی ہاتھ سے تیغ و سپر چھوٹی
گرا گھوڑا بھی کھا کر زخم دونوں کی کمر ٹوٹی

تڑپتا لوٹتا آدھا زمیں میں دب گیا مرکب
کسی نے یہ نہیں دیکھا مگر مرکب گیا مرکب

لکھی تھی راکب و مرکب کی قسمت میں نگونساری
زمیں پر لوٹتے تھے اس طرف حیواں ادھر ناری

ابوجہل لعین یعنی رسول اللہ کا دشمن
ازل سے تاابد سب سے بڑا اللہ کا دشمن

 صلّی اللہ علیہ وسلم

زمیں دھنستی تھی جس بدبخت کی ادنیٰ سی ٹھوکر پر
پڑا تھا خون میں لتھڑا ہوا مٹی کی چادر پر

وہ ہڈی اور خوں جس پر ہمیشہ ناز رہتا ہے
وہی ہڈی شکستہ تھی وہی اب خون بہتا تھا

زباں سے چیختا اور کفر بکتا ہی رہا کافر
مددگاروں کو چاروں سمت تکتا ہی رہا کافر

وہ جنگ آور رسالہ جس کے بل پر زور تھا سارا
اسی میں گھس کے دو کمزور لڑکوں نے اسے مارا

سسکتا چھوڑ کر بدبخت کو جس وقت رخ پھیرا
تو ہر جانب سے قرشی فوج نے دونوں کو آ گھیرا

سپاہی اپنے افسر کو تڑپتا دیکھ کر دوڑے
زباں سے گالیاں بکتے ہوئے سب خیرہ سر دوڑے

بچانے کے لئے خاطی کو دوڑے خانداں والے
زمیں بدر پر دو چاند تھے اس وقت دوہالے

ایک نوجوان کی شہادت

لگے ہونے پیاپے انتقامی وار دونوں پر
برستی میں نے دیکھی کفر کی تلوار دونوں پر

مگر تھے کس قدر جی دار عفرا کے پسر دونوں
پیاپے وار کرتے ہی رہے کفار پر دونوں

میں دوڑا ، اور بھی مسلم مجاہد اس طرف دوڑے
ابوبکرؓ و عمرؓ، حمزہؓ، علیؓ سب سربکف دوڑے

بیک ساعت مجاہد جا پڑے ان پہلوانوں پر
جنہیں مشق ستم سوجھی تھی دو ننھی سی جانوں پر

ادھر گرز اور خنجر اور بھالے اور شمشیریں
ادھر لب پہ تبسم اور دو پر جوش تکبیریں

وہ غازی تھے شہادت کے لئے لڑتے رہے دونوں
مثال شیر روباہوں پہ جا پڑتے رہے دونوں

رخوں پر مسکراہٹ زخم تھے دونوں کے سینوں پر
فلک کرنوں کی بارش کر رہا تھا مہ جبینوں پر

بالآخر اک جواں نے پالیا دامن شہادت کا
فرشتوں نے کیا نظارہ اس یمن و سعادت کا

زمیں پر قبلہ رو ہو کر گرا وہ پارسا لڑکا
ہوا قربان دین مصطفیٰ ﷺ پر باوفا لڑکا

خوشا قسمت کہ نیک آغاز نیک انجام تھا اس کا
خدا کا پاک بندہ تھا معوذؓ نام تھا اس کا

دوسرے نوجوان پر ابوجہل کے بیٹے کا وار

نبردآرا تھا اب تک دوسرا انبوہ باطل سے
نظر آتا تھا ٹکراتا ہوا اس کوہ باطل سے

صلّی اللہ علیہ وسلم

اتر آئے تھے قرشی پہلواں روباہ بازی پر — عقب سے عکرمہ نے ہاتھ مارا مرد غازی پر

ہوا اس ضرب سے شانہ نشانہ کٹ گیا بازو — مثال شاخ نخل بار آور چھٹ گیا بازو

مگر پروا نہ کی بحر شجاعت کے شناور نے — کیا مڑکر تعاقب عکرمہ کا اس دلاور نے

نظر آئی جو یہ شان بسالت عکرمہ بھاگا — اڑا یوں سامنے سے جس طرح گھوڑا ہو بے باگا

رہائی عکرمہ نے موت کے پنجے سے یوں پائی — کہ شیر زخم خوردہ کو بھی اک دقت تھی پیش آئی

جو بازو کٹ چکا تھا اب وہ رہ رہ کر اٹکتا تھا — کہ اک تسمہ ابھی باقی تھا شانے سے لٹکتا تھا

نظر آئی جو یہ وقت وفا کے نوردیدہ کو — خمیدہ ہو کے رکھا زیر پا دست بریدہ کو

دبا کر زور سے کھینچا تو ٹوٹا ہاتھ کا رشتہ — نہ تھا درکار وحدت کو دوئی کے ساتھ کا رشتہ

معاذؓ اب تیغ زن تھا ایک ہی بازو سے میدان میں — مگر اس طرح جیسے شیر انبوہ غزالاں میں

جوانو! قابل تقلید ہے اقدام دونوں کا — جبین لوح غیرت پر لکھا ہے نام دونوں کا

وہ غازی تھے مئے حب نبی ﷺ کا جوش تھا ان کو — لب کوثر پہنچ کر شوق نوشانوش تھا ان کو

اختتام جنگ پر جب حضور مقتولوں کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا ابوجہل کی لاش نظر نہیں آئی۔ کون ہے جو ابوجہل کی خبر لائے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حامی بھری۔ اس جگہ گئے جہاں حضور نے نشان دہی کی تھی وہاں ابوجہل نیم مردہ پڑا تھا۔ داڑھی پکڑ کر پوچھا کہ ”تو کیا ابوجہل ہے؟“ کہا ”ہاں“ صحیح بخاری کی ابوجہل کے آخری لمحوں کے غرور کے متعلق گواہی ہے کہ ابوجہل نے پوچھا کہ ”تو نے مجھ سے بڑا بھی کوئی آدمی قتل کیا ہے“۔ ”کیا ہوا اگر میری قوم نے مجھ کو قتل کیا“۔ عبداللہ بن مسعود نے اطلاع دی کہ تجھے انصاریوں نے قتل کیا۔ پھر اس کے سینہ پر چڑھ کر اس کا سر کاٹ کر حضور کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تعریف اللہ تعالیٰ کی جس نے اس دشمن خدا کو ذلیل کیا۔

تعریف اللہ کی جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اپنے دین کو قوت دی۔ پھر سجدہ شکر بجالائے۔ اور ارشاد فرمایا۔

''یہ اس امت کا فرعون تھا''

یہ سارا بیان عروہ ابن زبیر کے مغازی رسول اللہ اور ابن قیم کے زاد المعاد حصہ دوم اور محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت مصطفیٰ میں اس طرح درج ہے۔

کتاب کا حجم کم رکھنے کی کوشش میں بعد از جنگ تین دن بدر کے قیام اور مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر چھوڑتا ہوں۔ صرف یہ کہ بدر سے کفار کا لشکر اس طرح بھاگا کہ اپنا سامان پھینکتا گیا۔ لوہے کی زرہ خود وغیرہ نیزے بھالے اور اونٹ اور غلہ۔ وہ بس اپنی لنگوٹی لے کر بھاگے ان کے علاوہ جو قید ہوئے۔ بدر سے جب مجاہدین لوٹے تو ایک ایک مجاہد کے پاس تین تین اونٹ سواری کے لئے تھے (جاتے وقت تین کے درمیان ایک اونٹ تھا)۔ قیدی اتنے تھے کہ ان کے فدیہ سے مدینہ میں ڈھائی لاکھ درہم وصول ہوئے۔ یہ باب ختم ہوا۔ دو چھوٹے واقعات کے بیان کے بعد۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مشہور صحابی اور امیّہ بن خلف میں ایام جاہلیت میں دوستی تھی۔ جنگ بدر کے بعد امیّہ بن خلف (جس نے حضرت بلال کو کئی سال ایذا دی تھی جب تک کہ حضرت ابوبکر نے ان کو خرید کر آزاد نہیں کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو مال غنیمت میں دو زرہیں ملیں (لوہے کی زرہیں کافی بھاری ہوتی ہیں) وہ ان کو لے کر جا رہے تھے کہ ایک جگہ امیّہ بن خلف دبکا ہوا نظر آیا۔ اس نے درخواست کی کہ مجھے گرفتار کر لو بھاری فدیہ دوں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے زرہیں پھینک دیں اور امیّہ بن خلف کو باندھ کر لے چلے۔ امیّہ نے گرفتاری اس لئے پیش کی تھی کو کوئی مجاہد اس کو جان سے مار نہ دے۔ راستہ میں حضرت بلال

صلّی اللہ علیہ وسلم

روٹی پکانے کے لئے آٹا گوندھ رہے تھے۔انہوں نے جوامیّہ کو دیکھا تو شور مچادیا۔ یہ امیّہ بن خلف ہے جس نے مجھے مکہ میں سخت ایذا پہنچائی تھی۔ چند انصاری نوجوانوں نے جب یہ سنا کہ ''دادا بلال'' کواذیت پہنچانے والا امیّہ سامنے ہے تو پھر امیّہ کو اس انصاری لڑکوں سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ امیّہ بلال کے قدموں میں ہلاک ہوا۔عبدالرحمٰن بن عوف نے بلال سے کہا'' بھائی بلال اللہ تمہارا بھلا کرے۔تمہاری وجہ سے میری زرہیں بھی گئیں اور فدیہ بھی گیا''۔

دوسرا واقعہ حضرت سعد بن خثیمہ کا ہے۔ یہ دوسری بیعت عقبہ میں ایمان لائے تھے۔قبا ان کا شہر تھا۔ان کے گھر کا نام تھا۔منزل العزاب یعنی کنواروں کا گھر۔اس گھر کے لمبے چوڑے برآمدوں اور صحن کو مکہ کے ان مہاجروں نے جو خاندان کے بغیر تھے اپنا گھر بنالیا تھا۔اور اس طرح پڑے رہے جس طرح لوگ ریلوے پلیٹ فارم پر پڑے رہتے ہیں۔سعد بن خثمیہ ان کے ساتھ جشن مناتے تھے اور مہمان داری کرتے تھے۔بدر میں شرکت کیلئے ان کے والد اور ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی۔قرعہ سعد کے نام نکلا۔ان کے والد نے ان کی لاکھوں خوشامدیں کیں کہ'' مجھے جانے دو تم گھر سنبھالو'' سعد نے کہا کہ ''نہیں باپ! کچھ اور مانگ لو دوں گا۔مگر یہ جنت کا سودا نہیں دے سکتا'' سعد جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے۔ان کے والد کو بھی شہادت کا موقعہ اگلے سال احد میں ملا۔

ایک خوبصورت بات یہ ہے کہ بدر کی جنگ ۱۷رمضان المبارک ۲ھ میں ہوئی تھی اور مسلمانوں نے اپنی پہلی عید مدینہ منورہ میں یکم شوال ۲ھ کو اندازاً 13 دن بعد منائی۔ ہر عید کے دن خیال رکھیں کہ اس دن سے دو ہفتہ پہلے مجاہدین اسلام کی بقا کی جنگ بدر میں لڑ رہے تھے۔

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

نصر من الله وفتح قريب

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد و بارک وسلم

فتح احد

ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی۔

جی ہاں۔ میں فتح احد کی داستان لکھ رہا ہوں۔ اگر شکست احد کی داستان پڑھنی ہے تو بہت سے سیرت نگار موجود ہیں۔ پچھلے پندرہ سو سال کے سو فیصد نہیں تم کم از کم 99 فیصد سیرت نگار آپ کو شکست احد کی داستان غم سنانے کے لئے تیار ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے کلام سے یعنی قرآنی آیت سے

ولاتھنو فی ابتغاء القوم ان تکونو تعلمون فانھم یالمون کما تالمون وترجون من الله مالا یرجون و کان الله علیما حکیما. (سورۃ النساء آیت 104)

''اور کفار کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ اگر تم کو (جنگ میں) تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی ویسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسی کہ تم کو پہنچتی ہے لیکن تمہاری کامیابی یہ ہے کہ تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہیں جو وہ نہیں رکھتے۔'' اور اللہ تعالیٰ تمہارا رنج والم سب کچھ جانتا ہے اور بڑی حکمت والا ہے''۔

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ شکست خوردہ لوگوں کو حکم دے رہا ہے کہ دشمنوں کا تعاقب کرو؟۔

ہوسکتا ہے کہ ہم جو کچھ سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہو۔ بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صاف کردی ہے کہ ''علیم اور حکیم'' ذات اللہ تعالیٰ کی ہے (ہماری نہیں)۔ اور جہاں تک امید کا سوال ہے یہ تفسیر تو علامہ صاحب نے

کردی ہے۔

نہ ہو نو مید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے۔
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

یہ موقع نہیں کہ زیادہ بحث کی جائے مرد مومن کے استعارہ پر کہ یہ کون مرد مومن ہے (صرف درود پڑھ لینا کافی ہوگا۔صلی اللہ علیہ وسلم۔اور خدا کے کون سے راز ہیں جو "مومن" کے آئینہ دل پر عیاں ہیں صرف یہ کہہ لیں کہ "راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں"

اللہ تعالیٰ سے گواہی لینے کے بعد اجازت دیجئے کہ زمینی حقائق کا جائزہ لیا جائے۔(اللہ تعالیٰ سے گواہی!! ہم دن میں سو دفعہ اللہ کی گواہی دیتے ہیں تو چند گواہیاں ہمیں بھی تو ادھر سے ملنی چاہئے۔ملی ہیں۔ملی ہیں۔ایک تو وہی ہے جو "کنتم خیر امة" سے شروع ہو کے اشارہ دیتی ہیں۔

"کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں"

اور یہ کہ "لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔"

زمینی حقائق:

بدر کی جنگ سے پہلے عرب کی سوچ یہ تھی کہ قریش کی صدیوں سے قائم ریاست مسلمانوں کی ریاست مدینہ سے جس کی زمینی عمر صرف ایک سال ہے۔ برسر پیکار ہے۔ جھگڑا صرف قریش کے خبث باطن کی وجہ سے ہے۔ قریش نے مسلمانوں کو مار بھگایا ہے انہوں نے مدینہ میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔ قریش برتر ہیں۔ اپنی برتری قائم رکھیں۔ لڑائی کی کیا ضرورت ہے۔

پھر بدر کی جنگ ہوتی ہے جس میں عددی پلہ قریش کا بھاری تھا اور اسلحہ تو ریاست مدینہ کے پاس تھے ہی نہیں۔ معلوم نہیں کیا ہوا کہ آدھے دن کی جنگ کے بعد ہی قریش بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو نہیں بھاگ سکے انہوں نے قید ہو جانے میں اپنی عافیت سمجھی کہ موت سے تو بچے اور بھاگنے والے اپنا بھاری سامان مثلاً زرہیں اور اسلحہ اور غلّہ راستہ میں پھینک پھینک کر بھاگے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے تین دن تک بدر میں ہی قیام کرنا مناسب سمجھا۔ ٹھیک ہے۔ عام دستور کے مطابق کوئی محفل رقص وسرود اور نوشانوش تو نہیں ہوئی۔ مگر وہ اپنے شہید احترام سے دفن کر رہے ہیں۔ اذانوں کی آواز گونج رہی ہے۔ بلاخوف باجماعت نمازیں ہورہی ہیں۔ کھانے بھی پکا رہے ہیں۔ (کفار کئی ہفتوں کے لئے کافی خوراک کا ذخیرہ رخصتی تحفہ کے طور پر چھوڑ گئے تھے) اور ٹھنڈے میٹھے بدر کے چشمے میں نہا رہے ہیں۔ (ایک عرب کے لئے نخلستان میں چشمہ پر نہانا بڑی لذت ہے) اور یہ لشکر تین دن بدر میں پک نک منا کر واپس مدینہ جا رہا ہے۔

اب اردگرد کے بدّو قبائل کو سوچنا پڑتا ہے کہ ان کی وفاداری کس طرف کا رخ کرے۔ ان کا مفاد کہاں ہے۔ اور یہ دھکا قریش کو زیادہ سخت لگا۔ اب وہ اکیلے سپر پاور نہیں ہیں۔ اب ایک دوسری سپر پاور بھی طلوع ہو رہی

ہے۔اور سود خواروں اور لکشمی دیوی کے پجاریوں کو ایک اور بھی تشویش ہے اور بجا تشویش ہے۔اگر مدینہ کی ریاست کے چھاپہ مار دستے ہر مہینہ کسی نہ کسی تجارتی شاہراہ پر اپنی مہر چسپاں کر کے اپنا جھنڈا گاڑتے رہے تو مکہ والے تو بھوکے مر جائیں گے۔مکہ کی ساری دولت بیرونی تجارت سے آتی ہے۔اور اب تو یورپ اور ہندوستان تک ان کی دسترس میں ہے۔اور دوسرا ذریعہ ان کے پاس سیاحت کی آمدنی کا ہے۔سارے عرب قبائل کم از کم سال میں ایک دفعہ (حج) اور اکثر بار بار (عمرہ زیارت) مکہ آکر اپنی دولت خرچ کرتے ہیں۔اگر یہ دو ذرائع بند ہو گئے تو مکہ والے بھوکے مر جائیں گے۔ایک دانہ غلہ کا تو مکہ پیدا نہیں کرتا آخر زمزم کے پانی پر کب تک گزارہ ہوگا۔

اب مکہ کا مسئلہ صرف اپنی ضد اور خبث باطن کی تسکین نہیں تھا بلکہ مسئلہ وجود۔زندگی کا تھا۔اب تو مدینہ کی ریاست کو ختم کرنا ہی تھا۔اب تو بقا کے لئے ایک جنگ اور لڑنی ہی ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ حقائق پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن نہیں تھے۔بالکل تھے۔مدینہ ریاست کی زندگی عام دستور کے مطابق چل رہی تھی مگر فراست نبوی آنے والے وقت کو صاف دیکھ رہی تھی کہ مکہ کی آہوں میں کالا دھواں ہے۔اور سینوں میں نفرت کا الاؤ جل رہا ہے۔

یہ بات یہ گنہگار مولف ہی کہہ رہا ہے کوئی اور گواہی قرآن حدیث اور سیرت نگاروں سے نہیں ملتی۔وہ معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہا گیا اور جس کی عمر ابھی ایک سال ہے اس میں شگاف پڑ گیا۔یہود اور منافقین مدینہ نے اس معاہدہ پر دستخط نہ حضور کی محبت میں کئے تھے اور نہ مسلمانوں کی محبت میں۔معاہدہ مواخات اور مضاربت

صلّی اللہ علیہ وسلم

کی وجہ سے یہود کی سودخواری اور منافع اندوزی خطرہ میں پڑ گئی تھی اور یہودی ذہانت مدینہ میں اپنی سیادت (لیڈرشپ) کو سرنگوں ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اور یہود معاشی نفع نقصان کو سو سال پہلے سونگھ لیتے ہیں۔ مکہ کے قریش کو بھی افق پر فاقوں بھری زندگی نظر آ رہی تھی۔ اور منافقین مدینہ کو اپنی ناؤ ڈوبتی نظر آتی تھی کہ ان کی امید انصار کے اوس خزرج کے تنازعہ اور مہاجر انصار تنازعہ پر منحصر تھی۔ اب وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ سب مل کر ایک ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک ہیں مسجد میں ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں عام زندگی میں نظام مواخات کی وجہ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور جنگ میں ان سب کا خون ایک ساتھ بہہ رہا ہے۔ اور وہ مواخات جو خون سے سینچی جاتی ہے بڑی مستحکم ہوتی ہے۔ اور اگر جڑوں میں ایمان باللہ اور حب رسول رچ بس جائے تو پھر یہ ناقابل تسخیر ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق جس کی بادشاہت کا تاج بھی تیار ہو گیا تھا وہ اپنی اس امید کو دھواں بن کر اڑتے دیکھ رہا تھا۔ نئے معرکہ کی تیاری شروع ہو چکی ہے۔

(۱) مکہ میں ابوسفیان نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے سے پہلے غسل نہیں کرے گا۔ (کفر کی بدبو ویسے ہی بہت کافی تھی۔ تھوڑی سے اور سہی)۔

(۲) یہود نے مکہ جا جا کر سازشوں کا جال بچھا دیا اور چوہوں کی طرح مدینہ میں بل کھودنے شروع کر دیئے۔ یہود کے پاس حربہ تھا سرمایہ کا جو وہ مکہ کو جنگ کے عوض فراہم کرنے پر تیار تھے اور منافقین کو اندرونی انتشار کے عوض۔ (دیکھئے میں نے آج کے دور کی کسی ''پاور'' کا نام نہیں لیا ہے جن کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے مجھے پس دیوار نہ ڈھکیل دیا جائے نہ سرِ دار کھینچا جائے۔ کاش کہ میں کوئی ایسا جرم کر سکتا جس کی سزا تختہ دار مقرر ہوئی ہے۔)

(۳) منافقین تو مسجد نبوی میں بھی جا کر بیٹھتے تھے۔ وہ برقعہ پہن کر خنجر چلا رہے تھے۔

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام ابلتے ہوئے خطرات سے واقف تھے صرف فراست نبوی سے مگر حضور کا قائم کردہ نظام مخبری بھی دشمنوں کے نظام مخبری سے کم نہیں تھا بلکہ آگے تھا۔ٹھیک ہے کہ مکہ میں آہوں کالا دھواں نظر آتا تھااور سینے میں ہانڈی ابل رہی تھی مگر مدینہ (تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم) بالکل پرسکون نظر آتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔حضور کے پاس سپریم ہیڈ کواٹر سے جس کو علی کل شئی قدیر کہتے ہیں پیغام آرہے تھے۔

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنو الیھود والذین اشر کو. (سورۃ المائدہ۔آیت۸۲)

''تم اہل ایمان کا سب سے بڑا دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ چار دشمنوں (۱) منافقین (۲) یہود (۳) مشرکین (۴) اردگرد کے بدو قبائل میں سے سب سے بڑے دشمن مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین ہیں۔صفہ کے ہیڈ کواٹر نے یہ پیغام نوٹ کرلیا۔مگر خود صفہ کے شعبۂ اطلاعات نے خبر فراہم کی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کے لئے فوج جمع کر رہے ہیں۔(ہوسکتا ہے سرمایہ کا وعدہ یہود نے فراہم کیا ہومگر اس کی تفتیش غیر ضروری سمجھی گئی) حضور نے خود ان پر دھاوا بول دیا۔یہ غزوہ شوال ۲ ھ میں بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد پیش آیا۔اور عید منا کر دوسرے یا تیسرے دن روانگی ہوئی اور مقام کدر پر پہنچ گئے۔اتنی دھمکی بنو سلیم کے لئے کافی تھی۔وہ پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔یہ ہی مال غنیمت ملا۔مگر یہود کو اور مکہ کے مشرکین کو بھی پیغام ملا کہ مجاہد ''ہر دم تیار ہیں''۔عید کی چھٹی بھی دو دن کی ہوتی ہے اور رات کا پہرہ قائم ہے۔

قتل کی سازش:

صفوان بن امیّہ مشہور دشمن رسول نے عمیر بن وہب جمجی کو تیار کیا کہ مدینہ جا کر حضور کو قتل کر دے۔ (عمیر کا بیٹا مدینہ میں قیدی تھا) یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ کس قدر معاوضہ کی پیش کش ہوئی تھی۔ عمیر نے اپنی تلوار پر دھار رکھوائی اس کو زہر میں بجھایا۔ گردن میں حمایل کر کے مدینہ پہنچا حضور سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عمر نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ یہ کتاّ۔ اللہ کا دشمن کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ حضرت عمر نے اس کی گردن میں حمایل تلوار پر اپنی گرفت مضبوط کردی۔ حضور نے پوچھا کہ عمیر کیوں آئے ہو؟ عمیر بولا اپنے بیٹے کی رہائی کی درخواست کرنے آیا ہوں۔ حضور نے پوچھا کہ یہ تلوار کس لئے ہے۔ کچھ انصار کو حضرت عمر نے اشارہ کیا اور انہوں نے فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے دائیں بائیں نشست قائم کرلی۔ حضور نے حضرت عمر سے کہا کہ اس کی گردن چھوڑ دو۔ پھر پوچھا کہ عمیر تم کس لئے آئے ہو۔ وہ بولا صرف اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے۔ حضرت نے کہا کہ عمیر سچ بولو۔ عمیر نے پھر کہا کہ اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ عمیر میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ''تم اور صفوان بن امیّہ حطیم میں بیٹھے تھے قریش کے جو مقتولین کنوئیں میں پھینکے گئے ان کا تذکرہ کیا۔ پھر تم نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور میرے اہل وعیال نہ ہوتے تو میں یہاں سے جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا۔ صفوان بن امیّہ نے تم سے کہا کہ وہ تمہارے قرض کا بھی اور اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے تم یہ کام کر ڈالو۔ مگر یاد رکھو کہ میرے اور تمہارے درمیان میں ایک دیوار حایل ہے۔ عمیر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کے پاس اللہ کی وحی آتی ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد الرسول اللہ۔ حضور نے صحابہ سے کہا کہ اپنے بھائی کو قرآن سکھاؤ۔ عمیر نے کچھ قرآن سیکھا اور پھر سیدھے مکہ کا رخ کیا اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ اور عمیر کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے اور یہ

روایت ابن ہشام کی ہے۔

یہودی کی ایک چال:

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی شاش بن قیس ایک زبردست شیطان یہودی تھا کسی نے کہا کہ وہ شاید نوے سال کے قریب تھا۔ (کیا بوڑھا شیطان زیادہ شریر شیطان ہوتا ہے؟) وہ ایک دفعہ ایک مجلس سے گزرا جہاں اوس وخزرج قبایل کے لوگ مل جل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑھی راکھ میں پھر دھواں اٹھا۔ اس یہودی کو مسلمان قبایل کا بھائی چارا بالکل پسند نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر بعاث کی جنگ جو دونوں قبیلوں میں پچاس سال سے چل رہی تھی اس کے زخم مندمل ہوئے تھے۔ یاد ہے وہ دن جب قبا میں حضور سے ملنے دونوں قبیلوں کے سردار ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے آئے تھے اور حضور کو اپنے اس عمل سے خوش کر گئے تھے۔ ابھی چند دن پہلے رمضان ۲ھ میں بدر میں اوس اور خزرج کا خون مہاجروں کا خون مل کر بہا تھا۔ اور یہ تینوں دوسرے کا وار اپنے اوپر لیتے تھے اور مل کر دفاع کرتے تھے اور ابھی شوال ۲ھ میں چند دن کے بعد یہودی کی عیاری کا شکار ہو گئے۔ شاش بن قیس بڈھے شیطان نے اپنے ایک چیلے کو حکم دیا کہ دونوں قبیلوں کی محفلوں میں باری باری بیٹھے اور قبائلی عصبیت سے بھرپور شعر پڑھے۔ عرب میں شعر کی بڑی طاقت ہے۔ جب یہودی نے ایسا کیا تو اوس خزرج قبایل کے لوگ اپنے اپنے قصیدے پڑھنے لگے اور اس جنگ بعاث کے واقعات بڑھا چڑھا کر بیان کئے۔ جو پچاس سال تک لڑی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے کچھ پہلے ختم ہوئی تھی۔ دونوں فریق گرم ہو گئے۔

آوازیں آئیں۔ ہتھیار ہتھیار۔

مقام حرہ جو پتھریلا میدان ہے وہ میدان جنگ ہو گیا۔

حضور فوراً اپنے مہاجرین صحابہ کو لے کر وہاں پہنچے۔اور فرمایا۔''اے مسلمانو کی جماعت۔اللہ اللہ۔کیا میری زندگی میں یہ جاہلیت کی پکار جب کہ اللہ تم کو ہدایت دے چکا ہے۔اور تمہارے دلوں کو جوڑ چکا ہے۔صحابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔اوس وخزرج دونوں رونے لگے۔ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور معافی کے طلب گار ہوئے۔مگر یہ نسل پرستی کا کینسر اسلامی جسم سے خارج نہیں ہوا۔دور قرطبہ تک کیوں جائیں۔ترک وعرب کی آویزش میں خلافت عثمانیہ ٹوٹ گئی۔اور حجاز کی مٹی کی اینٹ بنا کر کلیسا کی بنیاد بھر دی گئی۔اور اسرائیل کا خنجر عرب کے قلب میں پیوست ہوگیا۔اور یہودی عرب ایران دونوں کا کئی ٹریلین ڈالر کا تیل پی گیا ''کوکوکولا'' پلا کے اور سرمایہ اپنے پاس ''محفوظ'' کیا۔ایران کا سرمایہ ''محفوظ'' ہے اس کو نہیں ملا اور عرب کا بھی محفوظ ہے اس کو نہیں ملے گا۔یہ یہود کا حق ہے پڑھیں۔

Zionist Protocols اور انگریز کا Balfour Declaration

عربوں کو ترکوں سے لڑا دیا۔خلافت عثمانیہ ٹوٹ گئی۔اسرائیل قائم ہوگیا۔ایران عرق کو لڑا دیا دونوں طرف کے لاکھوں جوان مارے گئے۔تیل کی دولت دونوں کی ضائع ہوگئی۔سعودی عرب سے دوستی کی ان کی دولت اپنے تحویل میں لے لی۔افغانستان کو کچل دیا اور پاکستان میں پٹھان کو پنجابی سے لڑایا، سندھی کو مہاجر اور بلوچ سے لڑایا۔اللہ رحم آگے صرف اندھیر انظر آ رہا ہے پاکستان کو کھنڈر بنانے کے لئے ہندوستان تیار کیا جا رہا ہے۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

(علامہ اقبال)

مفسرین نے سورۃ آل عمران کی تفسیر میں یہودی کی حرکات اور خدشات کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال یہ ان کی تفسیر ہے قرآنی حروف یا ان کا ترجمہ نہیں ہے اور نہ حدیث۔ مگر پڑھ لینا شاید مناسب ہو۔

یہودیوں کے تین قبیلہ مدینہ میں آباد تھے۔ بنی قریظہ۔ بنی نضیر اور بنی قینقاع۔ بنی قینقاع سب سے زیادہ دولت مند تھے اور سب زیادہ فسادی بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بدر میں ہی تھے یعنی ۱۷ رمضان ۲ ھ کے فوراً بعد جب بازار قینقاع میں ایک فساد ہوگیا۔ قین کے معنی پرانی عربی میں لوھار کے تھے اور قینقاع والے لوھار اور سنار تھے اور خاصے متمول۔ ایک مسلمان خاتون انصاری کاشت کار دودھ بیچنے والی یہودیوں کے محلّہ میں گئی۔ لوٹتے ہوئے ایک یہودی زرگر (سنار) کی دکان پر رک کر کوئی زیور دیکھنے لگی (سونے کے زیور کی محبت نے مسلمان عورتوں کو اور ان کے ذریعہ سے مردوں کو ہمیشہ تباہ کیا۔ اگر ساری مسلمان عورتوں کے سارے زیور لے کر سمندر میں ڈال دیں تو مسلمان قوم خالص فولاد بن جائے گی) وہ عورت زیور دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ کسی شرارتی یہودی نے اس کے لباس کو پیچھے سے کہیں باندھ دیا۔ وہ جب اٹھی تو تقریباً برہنہ ہوگئی۔ اس عورت نے رونا اور چیخنا شروع کر دیا اور یہودی اوباش ٹھٹھے مار کر ہنستے رہے۔ ایک مسلمان کا ادھر سے گزر ہوا اور اس نے غیرت ملی میں اس یہودی کو قتل کر دیا۔ سارا یہودی گروہ اس مسلمان مرد پر ٹوٹ پڑا اور ایک بلوہ ہوگیا۔

اس واقعہ کو امام ابوداوٗد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے اور ابن اثیر نے اسے سیرت رسول کریم میں نقل کیا ہے اور ابن ہشام نے ابوعون سے۔ جب شور زیادہ مچا تو مسلمان گھرانے بھی مستعد ہو گئے اور ایک بلوہ برپا ہوگیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح بدر کے بعد مدینہ تشریف لائے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور کہا "اے جماعت یہود اسلام قبول کر لو اس سے پہلے کہ تم پر بھی ویسی ہی مار پڑے جیسی قریش پر پڑ چکی ہے"۔ وہ بولے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فریبی میں مبتلا نہ ہو۔ تمہاری مڈبھیڑ قریش کے اناڑیوں سے ہوئی تھی اور تم نے ان کو مار

لیا۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہوگئی تو پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے تمہیں پالا نہ پڑا ہوگا۔
جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جھنم وبئس المھاد. قد کان لکم ایۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونھم مثلیھم رای العین واللہ یوید بنصرہ من یشاء ان فی ذالک لعبرۃ لا ولی الابصار (سورۃ آل عمران۔ آیت 12 اور 13)

''ان کافروں سے کہہ دو کہ عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ جن دو گروہوں میں ٹکر ہوئی ان میں تمہارے لئے نشانی ہے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ یہ ان کو دیکھنے میں اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد کے ذریعہ جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے اس کے اندر یقیناً نظر والوں کے لئے عبرت ہے۔''

مگر بنو قینقاع کو نشہ کچھ زیادہ چڑھ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ بن منذر کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا اور شوال ۲ ھ کی پندرہویں تاریخ تھی کہ بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے (ملاحظہ فرمایئے معرکہ بدر ۱۷ رمضان ۲ ھ سے ۱۵ شوال ۲ ھ تک ہر حساب سے تیس دن بھی پورے نہیں ہوتے۔ اور اس درمیان میں غزوہ بنو سلیم بھی نمٹایا جا چکا تھا۔ یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت کا عالم)۔ حضور بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے وانہ ہوئے تو جھنڈا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہودی اپنی گڑھیوں (چھوٹے قلعوں) میں قلعہ بند ہو گئے مگر مسلمانوں کا محاصرہ شکنجہ کی طرح سخت تھا آخر پندرہ دن کے بعد یہودی ٹوٹ کر رہ گئے۔ ہتھیار ڈال دیئے۔ حضور نے منذر بن قدامہ کو حکم دیا کہ ان سب کو باندھ لیا جائے۔ یہود نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ سب کے سب قید ہو گئے۔ (اس طرح وقتی طور پر جان بچ جاتی ہے) ایسے فسادیوں کی سزا ہر قانون سے موت تھی مگر عبداللہ بن سلول جو بظاہر مسلمان تھا (مگر اس وقت اور احد کے بعد منافق اول سمجھا گیا) آڑے آ گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا کہ

اس کے حلیفوں یعنی یہودیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضور نے حضرت عبداللہ بن صامت کو فیصلہ کا اختیار دے دیا۔ عبداللہ بن صامت نے فیصلہ دیا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ گھریلو اشیاء وہ جس قدر لے جاسکتے ہیں لے جائیں مگر ہتھیار نہیں۔ بنو قینقاع میں چار سو سپاہی بے زرہ کے تھے اور تین سو زرہ والے۔ بہر حال زرہیں بھی اتروالیں گئیں مگر یہودی اپنا سارا گھر اٹھا کے لے گئے۔ گھروں کے دروازے بھی نکال کر اونٹوں پر لاد لے گئے۔ ان کی زمین بھی مسلمانوں میں بانٹ دی گئی۔ یہودیوں کا یہ پہلا غدر تھا۔ (مگر یہ گناہ گار مولف کچھ اور دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے حبیب کا دیار یہودیوں سے اور غیر مسلموں سے پاک کروا رہے تھے۔ الزام یہود پر آتا تھا اللہ تعالیٰ میرے اس دماغی فساد کو معاف کر دے)

عبداللہ بن صامت انہیں مدینہ سے باہر ذباب نامی پہاڑ تک خود پہنچا کر آئے جہاں سے وہ شام اذرعات کے علاقے میں چلے گئے اور روایت ہے کہ زیادہ دن نہیں گزرے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

اس موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم ہے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان میں سے بعض، بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا۔''

اس آیت کی روشنی میں یہ سارے پیکٹ سیٹو۔ سنٹو۔ بغداد پیکٹ اور امریکہ کا (قابل اعتماد رفیق) Most Trusted Ally ہونا حرام ہے۔ اللہ ہی جانے مولا ہی جانے۔

جب کم زور مار کھاتا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا ہے تو گالی ضرور دیتا ہے۔ اور جب مضبوط کمزور کو برانگیختہ کرنا چاہتا ہے تو گالی دیتا ہے کہ کمزور سامنے آجائے اور بعض مالی مفاد کے لئے گالیاں بکتے ہیں جیسے رشدی اور تسلیمہ نسرین وغیرہ۔ اس زمانے میں یہودی اور کچھ نہیں کر سکے تو ہجویہ اشعار اور گالی بھرے اشعار لکھ کر عام کرنے شروع کر دیئے۔ کعب بن اشرف ایک زبان دراز شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجویات لکھ لکھ کر عام کرنا شروع کر دیں اور پرانی جاہلیت

کے زمانے کی شاعری کی روایت پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کی ازواج کے نام لے کر فحشیات کا انبار لگا دیا۔ حضور نے صرف یہ کہا ''اس شخص نے میرا کلیجہ چھید دیا ہے)'' حضور کا اتنا کہنا کافی تھا۔ محمد بن مسلمہ اتنا سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور سے پوچھا کیا میں ''اس کی زبان بند کر دوں؟'' حضور نے سر ہلا دیا کہ ''ہاں'' مسلمہ نے اپنی اسکیم ترتیب دی۔ محمد بن مسلمہ عباد بن بشیر۔ ابو نائلہ جن کا نام سلکان بن سلامہ تھے نے اپنے رول اس تھیٹر ڈرامہ میں ترتیب دیئے اور آدھی رات کو کعب بن اشرف کو اس کی گڑھی سے اس کی بیوی کے بستر سے اٹھا کر قتل کر دیا۔ اور زور دار نعرے لگائے جس سے خوف زدہ ہو کے یہودی گھروں کی کھڑکیاں تک تڑاتڑ بند ہو گئیں۔ محمد بن مسلمہ قبیلہ خزرج کے تھے اور عبداللہ بن عتیک کو (اوس کے قبیلہ کے) پرانی فخر و مباہات کی دوڑ میں شرکت کا خیال آیا اور انہوں نے اپنا نشانہ ابو رافع یہودی شاعر کو چنا جو کعب بن اشرف کا دست راست تھا۔ ابو رافع کو بھی عبداللہ بن عتیک نے اکیلے جہنم پہنچا دیا کہ کعب بن اشرف اکیلا نہ رہے۔ اب باری آئی صحابی عمیر بن عدی نابینا کی۔ ایک فاحشہ عورت تھی۔ ''عصماء'' جو توہین آمیز اشعار لکھتی تھی اور وہ اکر سناتی تھی۔ شاید یہودی سرپرستی حاصل تھی جہاں سے اسے اس ''خدمت'' کے بدلے چند درہم دینار ملتے تھے۔ دوسرے نابینا لوگوں کی طرح عمیر بن عدی نابینا کو اس کی آواز کی مکمل پہچان تھی اور دوسرے نابینا افراد کی طرح سے وہ آواز کی سمت اور فاصلہ کا اندازہ کرنے میں ماہر تھے۔ ایک رات کو وہ فاحشہ کے دروازہ میں داخل ہو گئے اور اس نے چونک کر کہا ''کون ہے؟'' اتنا کافی تھا۔ نابینا عمیر نے اس کے بستر اور فاصلہ کا اندازہ کر لیا اور پھر وہ دوسری آواز نہ دے سکی۔ عمیر اپنی آمد کی نشانی کے طور پر ایک خنجر اس کے عین وسط قلب میں بطور رسید کے پیوست چھوڑ آئے۔

گویا یہ طے ہو گیا کہ توہین رسالت کی کم سے کم سزا موت ہے۔ اس میں کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی۔

پرانے ہندوستان یعنی ہندوستان پاکستان کے علاقہ میں ایک زمانے میں توہین رسالت کا زور چل پڑا تھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ غازی علم الدین شہید غازی عبدالقیوم شہید۔ غازی محمد صدیق شہید۔ غازی مرید حسین شہید۔

غازی میاں محمد شہید اور غازی محمد عبداللہ شہید نے اس فقہ میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی تھی جس کے اعلیٰ پروفیسر دور نبوی میں محمد بن مسلمہ عبداللہ بن عتیک اور نابینا عمیر بن عدی تھے تمام توہین کرنے والوں کو جہنم رسید کیا گیا۔ انٹل کیچول قانوں داں قانون بناتے رہ گئے۔ لعنت بھیجئے اس قانون پر جہاں غیرت کا خانہ خالی ہے۔

سریہ زید بن حارثہ:

"رحلة الشتاء والصيف"

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ قریش میں قریش کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام ضروریات دو تجارتی سفروں سے پوری کردی تھیں (صدیوں سے) ایک سفر گرمی کا اور ایک جاڑے کا۔ اب جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کی تھی تو ان کے تجارتی سفر کے درمیان مدینہ کے مسلمان حایل ہوگئے تھے، تجارتی راستے شمال کی طرف جاتے تھے (خصوصاً شام) اور مکہ جنوب میں تھا اور مدینہ شمال میں۔　جنگ احد سے پہلے لشکر مدینہ کی یہ آخری اور کامیاب ترین مہم تھی اور اس کا راستہ ایک شراب خانے سے نکلا۔

۲ھ میں رمضان میں بدر کی جنگ ہوئی تھی اور اب جمادی الاخر ۳ھ تھا صرف پانچ چھ مہینے گزرے تھے۔ گرمی کا موسم آ گیا تھا۔ تجارتی سفر شروع کرنے کا وقت تھا۔ امیر کارواں چن لیا گیا تھا۔ صفوان بن امیہ۔ ہوسکتا ہے کہ صفوان اپنے انتخاب پر مسرت بھرا جشن منا رہا ہو۔ ایک محفل شراب نوشی خوشی میں ترتیب دی۔ صفوان نے اپنی مشکل کا اظہار کردیا۔ "محمد نے ہمارے تجارتی اسفار کو کس قدر مخدوش بنادیا ہے۔ سارے راستے مدینہ کے قریب سے گزرتے ہیں۔ محمد کا جاسوسی نظام کامل اکمل قسم کا ہے۔ اب تو راستہ کے بدوی قبائل بھی محمد کی خوشنودی ڈھونڈھتے ہیں۔ قریش کا انعام ان کے لئے اہم نہیں ہے۔ محمد کا ڈر زیادہ اہم ہے۔ اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہے تو کھائیں گے کہاں سے اور کیا کھائیں گے۔ بدر سے ابوسفیان جو قافلہ بچالیا تھا اس کا راس المال اور ممکنہ منافع موجود ہے مگر آئندہ کی امیدیں موہوم ہیں"۔ غور وخوض تو ہوا مگر ایک ہی راستہ سمجھ میں آیا جو اسود بن عبدالمطلب نے پیش کیا "تم مدینہ کے مغرب

سے کیوں گزرو۔ مشرق کی طرف سفر کرو ساحل کو چھوڑ و عراق کی طرف سفر کرو اور مدینہ کو دو سو میل کا فاصلہ دے کر مشرق سے نکل جاؤ۔ قریش تو اس راستہ سے ناواقف ہیں مگر ایک شخص ہے۔ فرات بن حیان اس کو ملازم رکھو۔ یہ قبیلہ بکر بن وایل میں ملے گا۔ وہ اس سفر میں راہ نمائی کر سکتا ہے (عرب راہ نما کو دلیل راہ کہتے ہیں)۔

اس محفل شراب نوشی میں دو دوست بیٹھے تھے سلیط بن نعمان جو مسلمان ہو چکے تھے اور نعیم بن مسعود جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور سلیط مسلمان غیر مسلم نعیم کے مہمان کی طرح شریک محفل تھے۔ محفل ختم ہوئی تو سلیط نے اس سفر کا سارا منصوبہ اور راستہ لے کر مدینہ کی طرف دوڑ پڑے۔ جب تک کہ صفوان بن امیہ دلیل راہ کا اتا پتہ ڈھونڈھنے مدینہ میں ایک مسلح استقبالیہ دستہ تیار ہو چکا تھا کہ صفوان کا شایان شان استقبال چمکتی تلواروں کیساتھ کیا جائے۔ دو سو سواروں کا ایک دستہ (تیز رفتاری کے خیال سے) دن رات دوڑتا ہوا قروہ نامی ایک چشمہ پر پہنچ گیا۔ اس چشمہ پر قریش قافلہ پڑاؤ ڈالنے پانی پینے کا متمنی تھا۔ ان کو پانی پینے سے پہلے بھاگنا پڑا۔ قریش کی یہ فتح تھی کہ سارے قافلے کی جان بچ گئی صرف فرات بن حیان جغرافیہ دان دلیل راہ پکڑا گیا اور دو مزدور اور مسلمان لشکر کی فتح یہ تھی کہ ان کو چاندی سونے کے برتن اس تعداد میں ملے کہ ان کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور بدر کے ابوسفیان قافلہ کی بچت جو اسی قافلے پر لگادی گئی تھی وہ بھی ملی (کوئی مثل سنی تھی کہ مالِ موذی نصیب غازی) چاندی سونے کے برتن جن کو شام میں بکنا تھا وہیں بکے کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے بیکار تھے) مگر قیمت قریش تک نہ پہنچ سکی مدینہ میں رہ گئی فرات بن حیان دلیل راہ بھی مسلمان ہو گیا۔ وہ دو مزدور جو ایک طرف سہمے کھڑے تھے ان سے کہہ دیا گیا کہ ''جاؤ دوڑ جاؤ اپنے گھروں کو'' کسی طرف سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ مگر مکہ میں ماتم پڑ گیا بدر کے جانی نقصان اور سویق کے ستو کے بعد یہ سخت مالی نقصان اور پھر مستقبل سخت تاریک۔ مکہ کے ہر بشر کی سانس سے کالا دھواں نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے صرف اندھیرا۔

''اب تو احد کا معرکہ ہونا ہی تھا''

غزوہ احد

بدر کی جنگ ۱۷ رمضان ۲ھ کو اور صرف ۱۳ مہینے بعد ۶ شوال ۳ھ کو مجاہدین نے کوہ احد کے قریب عینین نامی مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

یہ جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ سرداران قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل۔ صفوان بن امیہ ابوسفیان بن حرب اور عبداللہ بن ربیعہ زیادہ پرجوش تھے۔ انہوں نے سارے مکہ والوں سے یہ بات منوائی کہ قافلہ جو جنگ بدر کا باعث بنا تھا جسے ابوسفیان بچا کر نکال لایا تھا اس کا سارا مال جنگی اخراجات کے لئے روک لیا جائے اور قریش نے اسے منظور کرلیا۔ (واقدی مغازی الرسول اللہ)

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون والذین کفروا الی جھنم یحشرون (سورۃ الانفال۔آیت ۳۶)

جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کریں گے تو یہ خرچ تو کریں گے لیکن یہ پھر ان کے لئے باعث حسرت ہوگا۔ پھر مغلوب کئے جائیں گے۔

سامان جنگ جمع کرنے کے بعد افرادی قوت بھی فراہم کرنی تھی۔ مدینہ مکہ شاہ راہ پر بسنے والے کچھ حبشی قبیلہ بھی تھے جو لڑنے جھگڑنے اور ڈاکہ زنی کے لئے مشہور تھے ان کے سپاہی کرایہ پر بھی مل سکتے تھے اور بصورت فتح مال غنیمت کا لالچ تو تھا ہی۔ دنیاوی تدبر اور بصیرت ابوسفیان میں کافی تھی۔ وہ قریش میں مدبر کہلاتا تھا۔ اس نے بااثر لوگوں کو اور شاعروں کو شعر سنا کر جوش دلانے اور غنیمت کا لالچ دلانے کے لئے جمع کیا اور ارد گرد پھیلا دیا (ڈاکٹر حمید اللہ)

اس ٹیم میں شامل وفد تھا عمرو بن العاص۔ مسافع بن عبد مناف۔ ہبیرہ وہب عبداللہ بن العزۃ الجمحی۔ اس میں عبداللہ بن العزّۃ وہ آتش بیان شاعر تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کر کے بغیر فدیہ کے جنگی قیدی کی حیثیت سے رہائی دی اس شرط پر کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف اپنی شاعری استعمال نہیں کرے گا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ عبداللہ بن العزۃ نے لاکھ انکار کیا مگر ابوسفیان سردار مکہ کے سامنے اسے جھکنا پڑا۔ اور آخر کار قریش کا لشکر جرار تیار ہو گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی اسلامی جنگوں کی تاریخ میں ہے کہ اتنا بڑا لشکر عربوں کی جاہلیت کے زمانے کی کسی جنگ میں تیار نہیں ہوا۔ وہ لڑائیاں صرف قبیلوں کی لڑائیاں ہوتی تھیں دو تین سو آدمی دوسری طرف کے دو تین آدمیوں کے خلاف۔

قریش کا لشکر تھا۔

تین ہزار افراد جن میں 100 آدمی بنی ثقیف کے زرہ پوش مسلّح حبشیوں کی تعداد پانچ سو کے قریب۔

دو سو گھوڑے کوتل۔ تین ہزار اونٹ لڑائی اور بار برداری کے لئے اور (بوقت ضرورت غذا کے لئے) سات سو زرہ پوش قریش کے سپاہی۔

ابوسفیان کو سپہ سالار بنایا گیا۔ رسالہ یعنی گھڑ سوار دستہ خالد بن ولید کی کمان میں تھا اور مددگار عمرو بن العاص حمیت اور جوش بڑھانے کے لئے (یا آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے) قریش کی 15 ''معزّز'' عورتیں بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئیں۔ تاریخ خلدون نے صرف 7 کے نام دیئے ہیں۔

(۱) ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان۔ اپنے باپ عتبہ بھائی ولید اور چچا شیبہ کا انتقام لینے آئی تھی۔

(۲) فاطمہ بنت ولید۔ یہ حضرت خالد بن ولید کی بہن تھی۔ خالد بن ولید خود اس لشکر میں تھے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام کی بیوی تھی اور اپنے باپ (خالد کے باپ) ولید کے انتقام

کے لئے آئی تھی۔

(۳) ام حکیم بنت حارث۔ یہ عکرمہ کی بیوی ابوجہل کی بہواور بھتیجی تھی اپنے خسر کا انتقام لینے آئی تھی۔

(۴) ریطہ بنت منبہ۔ یہ عمرو بن العاص کی بیوی تھی جواس لشکر میں شریک تھا اپنے باپ کا بدلہ لینے آئی تھی۔

(۵) خناس بنت مالک یہ مشہور صحابی مصعب بن عمیر کی ماں تھی مگر مشرکہ تھی۔

(۶) برزہ بنت مسعود ثقفی اپنے خسر امیّہ بن خلف کے بدلے کے لئے آئی تھی۔ امیّہ بن خلف وہ تھا جس نے مکہ میں بلال رضی اللہ عنہ کو ایذا پہنچائی تھی۔ یہ صفوان بن امیّہ کی زوجہ تھی۔

(۷) سلاقہ بنت سعد۔ یہ طلحہ بن ابی طلحہ علم بردار کی بیوی تھی اس کے چار بیٹے مارے گئے تھے۔

ان کے گانے بجانے کا ترجمہ منظوم جناب حفیظ جالندھری نے کیا ہے آگے دیا جائے گا۔

حضور کے چچا حضرت عباس خفیہ طور پر مسلمان تھے جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو ان کو دوران جنگ میں قتل کرنے سے روک دیا تھا اور یہ باقاعدہ فدیہ دے کر رہا ہوئے اور واپس مکہ گئے۔

چچا عباس کا پیغام آیا خفیہ۔ بنی غفار کے ایک تیز رفتار قاصد کو تاکید کے ساتھ ہر صورت میں تین دن کے اندر مدینہ پہنچنا ہے۔ (بھلا سوچئے چار سو کلومیٹر سے زیادہ تین دن میں!!) وہ قاصد قبا پہنچا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقیم تھے۔ حضرت ابی بن کعب ساتھ تھے ان کو حکم ہوا کہ خط کو پڑھ کر سنائیں اور پھر سب کچھ بھول جائیں یہ خفیہ ہے۔ حضرت عباس نے ساری تفصیل قریش کے لشکر کے متوقع روانگی کے دن سے آگاہ کیا۔ حضور کے جاسوس انس مونس مقام عقیق میں قریش کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بالوط کے مقام پر ان سے جدا ہو گئے اور ساری تفصیلات حضور کے گوش گزار کر دیں۔ تیسرے جاسوس حضور کے

حباب بن منذر بھی چکر لگا کر آئے اور انہوں نے حضرت عباس کی فراہم کردہ معلومات کی تصدیق کی۔
انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر رات بھر کاشانۂ رسول اور مسجد پر پہرہ دیتے رہے۔ یہ دونوں سعد وہی بیعت عقبہ والے ''گرم سعدین'' ہیں ادھر جبیر ابن مطعم نے اپنے حبشی غلام ''وحشی'' کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا اگر وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو قتل کردے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اس کو کافی سونا دیا اور کافی اور سونا دینے کا وعدہ کیا اور نہ جانے کیا اور وعدے کئے اگر وہ حضرت حمزہ کا دل کلیجہ نکال لائے۔
جب مکہ کا لشکر مقام ابواء پہنچا تو ایک تجویز آئی کہ حضرت بی بی آمنہ کی قبر کو کھود کر ہڈیاں نکال کر ان کی توہین کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزار پہنچانے کے لئے مگر پھر وہی بات ہوئی ''سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا'' ابوسفیان نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو بنو بکر اور بنوخزاعہ ہمارے مردوں کی ہڈیاں کھود نکالیں گے بلکہ انہیں جلا ڈالیں گے۔ یہ بات ٹل گئی۔
اب صرف ایک بات رہ گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر میدان میں لڑنا پسند کریں گے یا مدینہ میں قلعہ بند ہوں گے۔
یہ فیصلہ تو بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کرنا تھا مگر مدینہ میں ایک عام جنگی تیاری شروع ہوگئی۔ ہمیشہ کی طرح سعد بن معاذ سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر نے اپنے آپ کو خود ہی حضور کا حفاظتی دستہ بنالیا۔ یہ لوگ ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ سوتے تھے تو ہاتھ تلوار پر اور ایک ساتھی ہوشیار اور نماز باجماعت میں ہوں تو دوسروں کو دھکا دے کر ایک حضور کے دائیں ایک بائیں ایک پیچھے اور ایک ذرا زیادہ پیچھے۔ (یہ لوگ نماز پڑھتے تھے تو دائیں بائیں نظریں دوڑاتے رہتے تھے **کوئی فقیہ بتائے کہ کیا ایسے نماز ہوتی ہے؟**

عاشق تو کہے گا کہ اصل طریقہ تو نماز کا یہ ہی ہے) کچھ اور دستوں نے مدینہ کے ہر اس راستے پر پہرہ چوکی قائم کر دی جو باہر سے آتا تھا اور کچھ اور دستوں نے مدینہ کے گرد طلایہ گردی شروع کر دی تھی۔ یہ طلایہ گردی کا نظام تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نافذ کردہ تھا۔

مگر ابھی تک کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ جنگ کب ہوگی کہاں ہوگی مدینہ کے اندر یا مدینہ کے باہر۔

مکی لشکر اندازاً پانچ سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ کے دامن میں پہنچ گیا پہلے وادی عقیق سے گزرا پھر کسی قدر داہنی طرف جھک گیا اور کوہ احد کے قریب عینین نامی مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جمعہ ۳ھ ۶ رشوال ہے۔

مدینہ میں مجلس شوریٰ کا اجلاس:

مدینہ کے ذرائع اطلاعات ایک ایک لمحہ کی خبر مدینہ کے جنرل ہیڈ کواٹر پہنچا رہے تھے اور یہ آخری خبر پڑاؤ کی بھی آ گئی۔ کتاب سیرۃ حلبیہ ۱۴/۲ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے دونوں متبادل راستے بتائے کہ باہر نکل کر چشمۂ عینین پر لڑیں یا مدینہ میں قلعہ بند ہو جائیں۔ بالکل واضح تھا کہ حضور مدینہ میں قلعہ بندی چاہتے ہیں۔ مگر نوجوان گرم خون جوشیلے مجاہد آگے بڑھ کر تلواروں کے ٹکراؤ کی جھنکار سننا چاہتے تھے۔ ''آپ بڑھ کر دشمن کے سامنے آ جایئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے خوف زدہ ہیں'' یہ خیال تھا نوجوان دلیروں کا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی مدینہ میں رہ کر قلعہ بند جنگ کا مشورہ دیا۔ یہ گناہ گار مولف اس چال کو سمجھتا ہے۔ چونکہ سارے مکی لشکر کو اس کی غداری اور منافقت کا پتہ تھا اس لئے وہ مدینہ کے اندر زیادہ محفوظ تھا۔ جب چاہتا اپنے گھر میں گھس کر بیٹھا رہتا اور جب اس کی امید کے مطابق قریش فتح یاب ہوتے تو وہ شاہانہ طریقہ سے ان میں شامل ہو جاتا۔ مگر باہر میدان میں اس کا تحفظ اتنا یقینی نہیں تھا۔ اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ یہ شخص جنگ شروع

ہونے سے پہلے ہی ننگا ہو کر مسلمانوں کے سامنے آ جائے اور اس کی منافقت پر مہر لگ جائے۔

شوریٰ کے زیادہ لوگوں نے رائے دی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ وعظ و نصیحت کی جدوجہد کی ترغیب دلائی اور صبر استقامت پامردی کی تعلیم دی اس کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر نکلے اور اعلان کر دیا کہ ہم باہر نکل کر مقابلہ کریں گے۔ اس دوران سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے اوپر اپنی رائے دی۔ لوگ پشیمان ہوئے اور کہا کہ حضور آپ جیسا چاہیں کریں مگر حضور نے فرمایا کہ نبی کو زیب نہیں دیتا کہ جب وہ ہتھیار پہن لے تو پھر ارادہ بدل کر اسے اتار دے۔ (یہ بات مسند احمد نے بھی لکھی اور حاکم اور ابن اسحٰق نے روایت کی)۔ اب کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو تین حصہ میں تقسیم کیا۔ مہاجرین کے دستہ کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر کو عطا ہوا اور اوس انصار کا پرچم حضرت اسید بن حضیر کو ملا۔ خزرج کا علم حباب بن منذر کو ملا۔ پورا لشکر (اس وقت) ایک ہزار جنگی مردوں پر مشتمل تھا جس میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ لشکر چل پڑا۔ مغرب کی نماز کا وقت احد اور مدینہ کے درمیان ہوا اور وہاں قیام ہوا اور عشاء کی نماز بھی وہیں ہوئی۔ پہرے کے لئے پچاس صحابہ چنے گئے اور ان کی قیادت محمد بن مسلمہ کر رہے تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے چند دن پہلے گستاخ سازشی یہودی کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا۔

طلوعِ فجر سے پہلے ہی پیش قدمی شروع کی اور آگے بڑھ کر مقام شوط پر نماز پڑھی گئی۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

مگر سانپ نے اس وقت پھن پھیلائے۔ عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا مدینہ کی طرف۔ کہا کہ "یہ سراسر خودکشی ہے"۔ "سرِ میدان قریش سے لڑائی ہو نہیں سکتی"۔ "محمد نوجوانوں کے جوش میں بہہ گئے"۔ "محمد نے میری بات نہیں مانی"۔ کم از کم دو سیرت نگاروں نے الفاظ یہ لکھے ہیں کہ "محمد نے میری نافرمانی کی باہر میدان میں نکل آئے"۔ غور فرمایئے اس لفظ نافرمانی پر۔ بہرحال عبداللہ بن ابی مدینہ کی طرف چل دیا تین سو ساتھیوں کے ساتھ اور اس بات سے موجود اوس و خزرج کے قبایل میں بھی اضطراب پیدا ہوا۔ کئی سیرت نگاروں نے اُبیّ کی یہ چال سمجھ لی۔ اگر اس کو اختلاف ہی تھا تو مدینہ میں اپنے موقف کو زیادہ پرزور طریقہ پر پیش کر سکتا تھا اور یہ بھی نہ سہی وہ مدینہ سے باہر نکلتا ہی نہیں۔ یہاں دشمن کے لشکر کے سامنے "بغاوت" کرنا۔ اپنے لشکر کی تعداد کم کرنے کے علاوہ لشکر میں اضطراب پیدا کرنا اور ان کی ہمت کو پست کرنے کی ایک سازش تھی اور ساتھ ہی قریش کے لشکر کی ہمت کو بلند کرنا مقصود تھا۔

اب مقابلہ تین ہزار لشکر قریش کا 700 لشکر اسلام سے تھا۔ جب کہ قریش کے پاس گھوڑ ا دستہ بھی تھا اور زرہ پوش دستہ بھی بڑا تھا۔

خیر

کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مسلمانوں میں سے ہی اوس وخزرج قبایل کے چندلوگوں میں اضطراب دیکھا گیا اوریقین کامل کی کمی تواللہ کا پیغام آیا۔

اذھمت طائفتن منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون.

(سورۃ آل عمران۔آیت122)

جب تم میں سے دو جماعتوں نے بزدلی اختیار کرنے کا قصد کیا۔تو اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔اللہ کے ولی یعنی دوست ہونے کی بات سن کر مضطرب دل ٹھہر گئے۔

ابوخیثمہ نے رہنمائی کی اور ایک پیچیدہ راستے سے لشکر کو ایسی جگہ لاکر کھڑا کردیا کہ وادی کے آخری سرے پر احد کی گھاٹی تھی جہاں لشکر نے پڑاؤ کیا اور پشت پر احد کا بلند سنگلاخ پہاڑ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست تھا۔(حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں احد سے محبت کرتا ہوں اور احد مجھ سے محبت کرتا ہے) اس احد میں ایک درّہ ہے جو مسلمان لشکر کی پشت پر اندازاً ڈیڑھ سو میٹر دور ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست نے دیکھ لیا تھا کہ زمینی اعتبار سے فتح وشکست کا دارومدار اس درّے کے کنٹرول پر ہے۔یہ درّہ اب جبل رماۃ کہلاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر ایک دستہ تیراندازوں کا متعین فرمایا۔یہ پچاس تھے اور ان کی کمان عبداللہ بن جبیر نعمان انصاری دوسی کے ہاتھ میں تھی۔

اب جنگ شروع ہوگئی اور جنگ کا پہلا ایندھن ایک مینڈھا تھا۔جنگ کا پہلا ایندھن مشرکین کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری تھا۔اس شخص کے جسم کی ساخت ایسی تھی کہ یہ دونوں طرف کے لشکروں میں کبش الکتیبہ کے لقب سے مشہور تھے جس کے معنی ہیں لشکر کا مینڈھا۔یہ لڑنے بھی اونٹ پر سوار ہوکر آیا تھا۔عام صحابہ کی

سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کس طرح لڑیں۔ مسلم لشکر میں زبیر بن العوام پھرتیلے کرتب باز (Acrobat) تھے۔ وہ نکلے دوڑتے ہوئے اور ایک جست میں ہوا میں اڑے اور پھر جب گرے تو ان کی نشست اونٹ کی پشت پر کبشہ کے پیچھے قائم ہوگئی۔ زبیر کبشہ کی پشت پر تھے اور کبشہ کی گرفت سے قدرے محفوظ اور کبشہ زبیر کے بازوں کے حلقہ میں اور پھر لشکروں نے دیکھا کہ دونوں اونٹ کے پشت سے نیچے گرے۔ بھاری بھرکم کبشہ بھی اور پھرتیلے زبیر بھی۔ اوراب معاملہ تھا قضیہ زمین برسرِ زمین کا۔ زبیر نے خنجر نکال کر کبشہ کو ذبح کر دیا۔ چونکہ حرام جانور کی قربانی قبول نہیں ہے اس لئے اس کالاشہ چھوڑ کر اپنے لشکر میں آگئے۔ سیرت المغازی نے لکھا ہے کہ حضور بہت خوش ہوئے اور زبیر کو حواری رسول کا خطاب دیا۔

قریشی عورتیں

قریش اپنی عورتوں کو لائے تھے کہ ساتھ ساتھ کچھ راگ رنگ ہو جائے اور یہ عورتیں اپنے گانوں سے لشکر میں جوش و جذبہ پیدا کریں۔ کئی سیرت نگاروں نے ان کے گانے ریکارڈ کئے۔ آپ بھی سنیے میڈم ہندہ زوجہ ابوسفیان کی قیادت میں انداز اًپندرہ گانے والیاں اپنی آواز اور ''کرتب'' سے لشکر کا دل بہلا رہی تھیں۔

دیھا بنی عبدالدار	ویھا حماۃ الادبار	فربابکل بتار
دیکھو بنی عبدالدار	دیکھو پشت کے پاسدار	خوب کرو شمشیر کاوار

ان تقبلو نعانق	ونفرش انّمارق
اگر پیش قدمی کروگے تو گلے لگائیں گے	اور قالین بچھائیں گے
اوتدبر ونفارق	فراق و امق
اور اگر پیچھے ہٹو گے	تو روٹھ جائیں گے

صلّی اللہ علیہ وسلم

ہمارے محترم بزرگ حفیظ جالندھری مرحوم اپنی جوانی میں بڑے اچھے ''جوان'' گیت لکھتے تھے۔ ان کا ایک ترجمہ بھی سن لیں۔

ہم بجلیاں انوار کی ہم ناریاں ہیں نار کی
ہم دختریں ہیں نور کی ہم مشعلیں ہیں طور کی
ہم پیاریاں ہیں پیار کی
ہم ناریاں ہیں نار کی
چلتی ہیں قالینوں پہ ہم جیسے چلیں کبک دری
رکھتی ہیں سر سینوں پہ ہم باصد ادائے دلبری
ہم ہیں طلسم رنگ وبو
حُسنِ نظر کی آبرو
مانگیں ہماری مشک بو
شعلے ہیں یا زیب گلو لڑیاں درشہوار کی
رکھے جو بستر کی طلب وہ جنگ کی سختی سہے
سینے پہ چرکے کھاؤ گے ہم سے گلے مل جاؤ گے
گر بزدلی دکھلاؤ گے آغوش بستر پاؤ گے
اجڑی ہوئی آبادیاں
افلاک کی شہزادیاں
ہم ہیں ستارہ زادیاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب درّہ کے تیرانداز دستے سے دوبارہ ہوا۔

حضور کی ہدایات (چند لفظوں کے اختلاف سے جب کہ معنی میں کوئی فرق نہیں ہے) ابن ہشام نے

66-65-2۔مسند احمد۔طبرانی۔حاکم عن ابن عباس۔فتح الباری 7/350 اور حدیث کی کتاب صحیح البخاری کی کتاب الجہاد 1/426 میں درج ہیں یعنی سو فیصد متفق علیہ ہیں۔

ارشاد ہوا

شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا۔اور اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔صحیح بخاری کے الفاظ یوں ہیں ''اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے قریش کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔

قریش کا ابوسفیان سپہ سالار بڑا چالاک مدبّر تھا۔اس نے انصار کو ایک ذاتی پیغام بھیجا۔''آپ لوگ ہمارے اور ہمارے چچازاد بھائی کے درمیان سے ہٹ جائیں تو ہمارا رخ بھی آپ کی طرف نہ ہوگا کیونکہ ہم کو آپ سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔انصار نے وہی جواب دیا جو وفاداروں میں سرفہرست انصار کے لئے موزوں تھا۔سخت نفرت کا اظہار یہ حربہ تفریق پھیلانے کا ناکامیاب ہوا۔

ظہو صبح صادق نے جہاں میں نور پھیلایا
اٹھایا دامن کوہ احد سے رات کا سایہ

مسلمانوں کی جانب صبر کوشی تھی خموشی تھی — قریشی فوج میں لیکن بلا کی گرم جوشی تھی
محمد کا مصلّٰی عرش کا فرش مکانی تھا — ابوسفیاں کا خیمہ مرکز ریشہ دوانی تھا
ادھر سجدہ گزاری امت محبوب داور کی — ادھر بادہ گساری رات بھر باطل کے لشکر کی
کیا اس سمت اعلانِ سحر لحن بلالی نے — ادھر دف کی چھاتی پیٹ ڈالی ہر دفالی نے
ادھر الحمد کے نغمے دعائیں اور مناجاتیں — ادھر ڈھول اور تاشے غل غپاڑہ شرک کی باتیں
جبینوں کا ہجوم اور آستان حق تعالیٰ تھا — گزارش کرنے والے تھے گزارش سننے والا تھا

(حفیظ جالندھری)

سجدہ میں تھا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

محمد

یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا. وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا.

(سورۃ الاحزاب۔ آیت ۴۵۔۴۶)

''اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

احد میں سورج طلوع ہونے کے بعد دونوں طرف کی فوجیں صف آرا تھیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

لشکر اسلام کے سامنے آئے اور اپنی تلوار کو تولتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''کون ہے جو اسے لے اور اس کا حق ادا کرے''

یہ سن کر ہر مجاہد کو ہوئی شمشیر کی حسرت ہویدا تھی نگاہوں سے جوان و پیر کی حسرت
زبس بے تاب تھی حسرت دل فاروق اعظم میں کہ آئے سر جھکائے خدمت سالار عالم میں
گزارش کی کہ یہ تلوار فدوی کو عنایت ہو ہمیشہ بندۂ احساں ہوں میں مجھ سے رعایت ہو
مگر سرکار نے انکار کے الفاظ فرمائے تو یہ حسرت لئے خدمت میں اکثر نامدار آئے

حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت فاروقؓ۔ حضرت علی مرتضیٰؓ۔ حضرت زبیرؓ اور بہت سے کبار صحابہ نے حضرت سے اس تلوار کی خواہش کی مگر آپ نے انکار فرمایا۔ (ارشاد الحکمۃ)

بندھی تھیں اہل جرأت کی امیدیں دست اشرف سے
یہ عالم تھا کہ نکلے بود جانہ آخری صف سے

کہا سرکار اس تلوار کا حق جانتا ہوں میں فقط حق ہی اسے مطلوب ہے پہچانتا ہوں میں
میں اس کا حق ادا کردوں گا دین و جان و ایماں سے کہ داغ خون ناحق لے کے آؤں گا نہ میدان سے
مقدر ڈھونڈتا تھا اس ادائے والہانہ کو عطا کردی گئی یہ تیغ برّاں بود جانہ کو

اللہ رے نصیب بود جانہ کے ہاتھ میں تلوار سرور عالم کی

سر پر لال کپڑا لپیٹا یہ دوستوں کو فخر و مباہات کا اور شکر گزاری کا پیغام تھا اور دشمنوں کو ایک دعوت مبازرت ''آؤ میرے سامنے میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میرے ہاتھ میں تلوار رسول کی ہے۔ اور میری جان رہن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی۔ شہادت مانگتا ہوں میں اور تمہاری موت کا سامان میں ہوں''۔

اس وقت ابو دجانہ دیکھنے کی چیز بھی تھے اور سننے کی چیز بھی تھے ان کا رجز سننے والا تھا۔ چال میں وہ اکڑفوں جیسے وہ سارے کفار کو قتل کر کے ہی واپس ہوں گے۔ کیوں نہ ہو یہ اکڑ۔ معمولی بات نہیں تھی۔ رسول کی تلوار ہاتھ میں تھی دلیری اور تیزی سے صف اعدا میں گھستے اور مار بھگا کے واپس نکل آتے جیسے بادل سے چاند۔ حضور نے ان کی چال دیکھی تو تبسم فرمایا کہ ''یہ چال پہلوانوں اور مغروروں کی اللہ کو ناپسند ہے مگر آج کے دن اجازت ہے۔ حضرت ابو دجانہ نے سر پر سرخ پٹی باندھی ہوئی تھی۔ اسداللہ واسد الرسول حمزہ کے مغفر پر ہمیشہ کی طرف شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔ حضرت علی کا عمامہ سفید تھا اور حضرت زبیر کا عمامہ زرد تھا: کس کے ہاتھ سے جہنم کا ٹکٹ لینا ہے یہ انتخاب کفار کا اپنا تھا۔

ابو دجانہ کے رجز کے کا ترجمہ کیا ہے کسی نے ''اس نخلستان کے دامن میں میں نے اپنے خلیل سے عہد کیا ہے کہ کبھی پیچھے نہ رہوں گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی تلوار آگے بڑھ کر چلاؤں گا آخری صف تک پہنچ گئے تو دیکھا کہ کوئی کفار کو قتال پر ابھار رہا ہے تیزی سے لپک کر اس کے سر پر جا پہنچے۔ تلوار لہراتی دیکھی تو چیخ اٹھی۔ میں تو عورت ہوں۔

پڑی کچھ فاصلے سے بود جانہ کی نظر اس پر — وہ سمجھے فوج دشمن کا اسے کوئی بڑا افسر
جو پیچھے فوج کے تاریں لڑائی کی ہلاتا ہو — بجھی چنگاریوں کو اپنی پھونکوں سے جگاتا ہو
وہ لشکر کو ہٹاتے مارتے اس کی طرف نکلے — بزور دست و بازو توڑ کر ہر ایک صف نکلے
قریب ''ہند'' پہنچے تیغ کھینچی اور للکارا — کہ آ میرے مقابل او فسادی او فریب آرا
کہاں چھپ کے کھڑا ہے دیکھ عزرائیل آ پہنچا — یہ تیرے ذبح کو فرزند اسمٰعیل آ پہنچا
یہ سن کر ہند کے ہوش اڑ گئے لرزہ ہوا طاری — قضا کو سامنے دیکھا تو بھولی ہیکڑی ساری

پکاری میں تو عورت ہوں مجھے مارو نہ اے بھائی
یہاں چپکی کھڑی ہوں میں تو لڑنے کو نہیں آئی
یہ کہہ کر کانپتے ہاتھوں سے اپنی زلف سرکائی
حنائی ہاتھوں کی سرخی بھی ہاتھوں ہاتھ دکھلائی
جناب بود جانہ پر کھلا سب آنکھ کا دھوکا
کیا ہی چاہتے تھے وار لیکن ہاتھ کو روکا
طرح بہر شفیع دو جہاں دیتا ہوں میں تجھ کو
تو کوئی بھی ہوا ے عورت امان دیتا ہوں میں تجھ کو
یہ شمشیر رسالت ہے ستودہ اور محمودہ
کروں گا میں نہ عورت کے لہو سے اس کو آلودہ

سیرت النبی شبلی نعمانی۔ نظم حفیظ جالندھری

احد کا سارا معرکہ ہو رہا تھا مگر خالد کے گھڑ سوار دستہ نے ابھی تک کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ خالد عقابی آنکھ سے اپنے ہدف کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھ درّے پر اور درّے کے حفاظتی دستہ پر تھی۔ تین دفعہ خالد نے اپنے رسالہ کو حرکت دی مگر جیسے ہی جبل رماۃ پر متعین تیر اندازوں نے پہلی باڑھ ماری خالد کا دستہ واپس ہو گیا۔ (فتح الباری) خالد کو معلوم تھا کہ گھوڑے تیروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے جیسے ہی سب سے آگے والا گھوڑا منہ پھیرے گا یا زخمی ہو کر گرے گا پیچھے والے گھوڑے بھی منہ پھیر لیں گے اور راستہ مسدود ہو جائے گا۔ مگر یہ بات بھی تھی کہ اگر ایک گھوڑا بھی نکل گیا تو اس کے پیچھے سب نکل جائیں گے۔ اور پیدل تیر انداز سب روند دیئے جائیں گے۔ خالد نے پورا انتظار کیا اور اپنا کوئی گھوڑا ضائع ہونے نہیں دیا۔

ادھر بود جانہ آگے بڑھ کر حملہ کر رہے تھے ادھر حمزہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح قتل عام پر آمادہ تھے۔ وہ قلب لشکر کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے سے بڑے بڑے بہادر اس طرح بکھر جاتے تھے جس طرح آندھی میں سوکھے پتے اتنے میں سباع بن عبدالعزیٰ حضرت حمزہ کے سامنے آ گیا۔ حمزہ نے اسے

للکارا کے اے ختنہ کرنے والے یہ وار اٹھا۔ (اسی دوران ٹیلے کی اوٹ میں چھپے ہوئے وحشی کو سباع بن عبدالعزی کی آڑ مل گئی) حمزہ نے جب سباع پر وار کیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کہ اس کا سر تھا ہی نہیں۔ دور جا پڑا سر۔ مگر وحشی نے بھی اپنا نیزہ پھینکا اور وہ حمزہ کی ناف کے نیچے لگا۔ انہوں نے وحشی کی طرف اٹھنا چاہا مگر وہ اٹھ نہ سکے اور وحشی جا چکا تھا۔ پھر وحشی غائب ہو گیا۔ ہندہ کو خبر کر دی اور اس ڈائین نے حمزہ کا دل جگر کلیجہ چبا ڈالا مگر وحشی پھر مکہ ہی میں نظر آیا۔ اپنا انعام لینے۔

شیر خدا شیر رسول حمزہ بن ابی طالب کی شہادت سے مسلمانوں کو زک پہنچی مگر جنگ کی تیزی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ابوبکر۔ عمر۔ علی زبیر۔ مصعب بن عمیر۔ نضر بن انس۔ طلحہ بن عبید۔ عبداللہ بن جحش۔ سعد بن معاذ۔ سعد بن عبادہ۔ سعد بن ربیع نے ایسی تیزی تندی اور پامردی دکھائی کہ ایک وقت میں مسلمانوں کی فتح یقینی نظر آنے لگی۔

عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار تک

حنظلہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ حجلہ عروسی میں تھے۔ صبح کو معمول سے کچھ دیر ہوئی۔ جنگ کا اعلان ہوا کود کر اٹھے اور دوڑ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ مثالی بہادری دکھائی۔ صفیں چیرتے پھاڑتے ابوسفیان سپہ سالار تک جا پہنچے ابوسفیان پر تلورا کا ہاتھ اٹھایا تھا کہ ایک بازو سے شداد بن اوس نے خود حنظلہ پر وار کر دیا۔ حنظلہ شہید ہو گئے۔ ایک لمحہ میں جنگ کا رخ یا اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اندازہ ہو گیا۔ اگر حنظلہ کا وار ایک لمحہ پہلے ہوتا یا شدّاد بن اوس کو ایک لمحہ کی تاخیر ہو جاتی تو ...... یہ اگر مگر غیر ضروری ہے۔ ہوا وہ جو اللہ کی مرضی تھی۔ شہادت

کے بعد لوگوں نے جب مسلمان شہیدوں کی لاشوں کی تلاش کی تو حنظلہ کی لاش ذرا اوپر کی سطح پر پائی گئی۔ بدن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بال گیلے تھے۔ ''کیا حنظلہ نے شہادت کے بعد غسل کیا؟'' یا ملایکہ نے حنظلہ کو غسل دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچائی گئی تو حضور نے فرمایا کہ اس ''غسیل الملایکہ'' کا حال اس کی زوجہ سے پوچھ لینا بعد میں شہید کی بیوہ نے کہا کہ ''ہاں حنظلہ تیزی سے دوڑتے ہوئے تلوار لے کر جنگ میں شریک ہو گئے ......ان پر غسل واجب تھا جو انہوں نے نہیں کیا''۔

جبل رماۃ پر تیز اندازوں نے تین دفعہ خالد کے دستہ کے حملہ کو ناکامیاب بنا دیا (یہ بیان ہے ''فتح الباری'' میں) یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ خالد نے اپنے دستہ کے کسی گھوڑے یا سوار کو خطرے میں نہیں ڈالا۔ سب کو محفوظ رکھا کسی خاص موقع کے لئے۔

مشرکین کی شکست:

مسلمانوں کی ثابت قدمی سے ایسا وقت بھی آیا کہ مشرکین میں کمزوری کے آثار نظر آئے۔ اور ایمان و یقین کی مضبوطی مسلمانوں میں واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ کچھ بیانات یہ ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور مسلمانوں نے تلوار سے مشرکین کی اتنی کٹائی کی کہ وہ بھاگ نکلے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے والد زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ''واللہ میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان اور اس کی ساتھی عورتیں پنڈلیوں تک اپنے کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی ہیں ان کی

گرفتاری میں کوئی چیز حایل نہیں تھی'' اور اب ایک روایت صحیح بخاری سے جو ظاہر ہے لفظاً صحیح ہے ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عورتیں پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے پہاڑ میں تیزی سے بھاگ رہی ہیں۔ان کی پازیبیں دکھائی پڑ رہی تھیں۔(صحیح بخاری2-579)

اور پھر بازی پلٹ گئی:

جس وقت کہ مسلمانوں کا لشکر اپنے سے پانچ گنا دشمن پر حاوی تھا۔مسلط تھا اور مشرکین بھاگ کر پناہ کی تلاش میں تھے۔اور جب کہ چند لمحوں کی بات رہ گئی تھی کہ لشکر اسلام ایک اور فتح تاریخ عالم کے صفحات پر لکھ دے جو فتح بدر سے زیادہ عظیم اور تابناک ہو اس وقت ایک خوفناک غلطی ہوئی تیر انداز دستے سے۔ غلطی کی جڑ۔ بنیاد۔ کافی گہری ہے۔انسانی طبیعت میں اور اس زمانے کے عربوں کی سرشت میں۔انسان میں دولت دنیا کی حرص اتنی زیادہ ہے کہ دولت دنیا کی لذت ہر لذت سے زیادہ ہے۔جنس کی لذت اور ذائقہ کی لذت سے زیادہ۔اور ایک غلطی ہوئی اس کا نام ''تاویل'' ہے۔ہم قرآن کے حکم میں اور رسول کے حکم میں وجہ ڈھونڈ ھتے ہیں مصلحت ڈھونڈ ھتے ہیں اور اس تلاش میں اپنی خواہش کا عنصر ملا کر ایک زہریلا مادہ بنا کر نوش کرتے ہیں۔ جب مشرکین سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے تھے وہ اپنا مال جو چند اسلحہ اور کھانے پینے کی چیزوں سے زیادہ کیا رہا ہوگا؟ چھوڑ کر بھاگے۔وہ مجاہد جو صرف اللہ کے لئے مشرکوں سے لڑ رہے تھے اب انہوں نے مشرکوں کی جانوں کے شکار سے ہاتھ اٹھا کر ''مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔مشرک تو بچ کر بھاگ نکلے اور تیر اندازوں کے دستہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں ''تاویل'' ڈھونڈ ھ لی۔ان کی تاویل یہ تھی

کہ یقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مال غنیمت سے محروم کرنا پسند نہیں کیا ہوگا۔ جب سب مال غنیمت جمع کر رہے ہیں اور مشرکین کی فوجیں بھاگ رہی ہیں ہمیں جلد سے جلد اپنا حصہ وصول کرنا چاہئے۔ دوڑ پڑے تیر انداز محافظین درہ اور دیکھ لیا اس کو پیدائشی جنرل خالد نے دور سے اپنی عقابی آنکھوں سے۔

عبداللہ بن جبیر اور ان کے نو ساتھی مورچہ میں ڈٹے رہے۔ پکارتے رہے اپنے رفیقوں کو کہ واپس آ جاؤ اپنی جاء فرض پر نہیں آئے وہ جب جنرل خالد نے دیکھا کہ اب دس محافظ جانے والے نہیں اور بقیہ چالیس آنے والے نہیں تو انہوں نے شہسواروں کو حملہ کا اشارہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر اپنے نو ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ کوئی دنیاوی فائدہ ان کو نہیں ہوا۔ یہ بھی نہیں کہ ایک مجاہد اپنے ساتھ ایک مشرک کو بھی موت تک لے جائے۔

جاں بیچنے پہ آئے تو بے دام بیچ دی

خالد کے شہسواروں نے مسلمانوں کے لشکر پر جب پشت سے حملہ کر دیا تو ایک ایسی بھگدڑ مچی کا جیسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لشکری ترتیب ضائع ہو گئی۔ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کدھر جانا ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک گروہ نے مدینہ کا رستہ لیا (مدینہ تین کلومیٹر) ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا فرار ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے دل میں خیال ہو کہ مدینہ میں جمع ہو کر ایک دفعہ پھر سے افراتفری کو ختم کر کے کوئی نئی جنگی ترتیب قائم کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ نے وقتی طور پر عبداللہ بن ابی کی قیادت کی طرف رجوع کرنے کا خیال کیا ہو کہ اس کے تعلقات قریش سے اچھے ہیں۔ وہ قریش سے ان کے لئے امان طلب کرے۔ دلوں کا حال اللہ جانے۔ زمینی حقیقت یہ تھی کہ مسلمانوں کی یک جہتی اور تنظیم ختم ہو چکی تھی۔

اس درمیان میں مشرکین نے حضرت مصعب بن عمیر علم بردار اسلامی لشکر کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ان کی شکل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی اور قاتل کو دھوکا ہوا یا اس نے دھوکا دیا۔ نعرہ لگا دیا کہ ”میں نے محمد کو

قتل کردیا'' اب مسلمان لشکر میں انتشار نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ انس بن نضر لڑتے ہوئے گزرے تو دیکھا کہ عمر زمین پر سر جھکائے بیٹھے ہیں تلوار زمین پر ہے۔ پوچھا ''عمر کیا ہوا'' عمر نے کہا کہ حضور شہید ہو گئے ہم لڑ کر کیا کریں گے۔ ابن نضر نے کہا کہ اگر حضور شہید ہو گئے تو ہم جی کر کیا کریں گے۔ ابن نضر لڑتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے (اور شہید ہوئے) اور عمر نے تلوار اٹھالی۔ اس طرح ثابت بن وحداح نے اپنی قوم کو پکار کر کہا ''اگر محمد قتل کر دیئے گئے تو اللہ تو زندہ ہے۔ تم اس کے لئے لڑو'' کچھ لوگوں نے ایسی دل بڑھانے کی بات کہی۔ کچھ انتشار کم تو ہوا مگر حضور کے جاں نثار تو حضور کو مانگتے تھے۔ اب بھی حضور کو مانگتے ہیں۔

جس وقت کہ اس جنگ کا مسلمانوں کے لئے سب سے خطرناک لمحہ تھا اس وقت حضور کے سامنے صرف نو صحابہ کی نفری تھی۔ جس میں سے سات انصار اور دو قریش تھے۔ (صحیح مسلم کی روایت 107/2) اس وقت میرے آقا کے سامنے دو متبادل راستے تھے۔ یا تو وہ میدان جنگ سے ''غائب'' ہو جاتے اپنے 9 ساتھیوں کے ساتھ اور پھر کسی دوسرے وقت یا دوسری جگہ سے اپنے مشن کا آغاز کرتے جیسا کہ تاریخ میں بہت سے انقلابی رہنماؤں نے کیا ہے بعض بھیس بدل کر غائب ہوئے اور حضور اپنے ان جاں نثار مجاہدین کو جو میدان میں تھے دشمن کے رحم و کرم پر یا ان کی اپنی تقدیر یا تدبیر پر چھوڑ دیتے یا پھر حضور خود اپنے کو نقطۂ جاذب بنا لیتے۔ اپنے بچے کھچے ساتھیوں کی قیادت خود کرتے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے۔ حضور نے وہی کیا جو ایک بہادر رہنما کرتا۔ حضور نے خود آواز لگائی کہ ''اللہ کے بندو......ادھر'' اللہ تعالیٰ نے گواہی دی (والرسول یدعوکم فی اخرام) یعنی رسول تم کو پیچھے سے آواز دے رہے تھے۔ ظاہر تھا۔ یقینی ظاہر تھا۔ ہر ایک پر ظاہر تھا کہ اس آواز پر مسلمان تو آئیں گے ہی مگر شاید ان سے پہلے مشرکین کے جلاد آ جائیں اور اس وقفہ میں جب مسلمان اور کفار برابر کی طاقت میں ہوں سارا خطرہ حضور کی ذات کو ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی ذات کو خطرہ میں ڈالنا پسند کیا (اور شاید اپنے قریب کے رفقا کے) بہ نسبت کئی سو صحابہ کی جان کے جو سارے میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔

رسول کے گرد خوں ریز لڑائی:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز لگائی کہ ''میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ مشرکین اس آواز پر دوڑ پڑے اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے اپنا پورا بوجھ ڈال دیا۔ اس وقت حضور کے گرد صرف نو صحابہ تھے۔ سات انصار اور دو مہاجر یہاں سے روایت حضرت انس کی ہے جو صحیح مسلم باب غزوۃ احد 107/2 میں بیان ہے۔ ''جب حملہ آور بالکل آپ کے قریب پہنچ گئے تو حضور نے پکارا کون ہے جو مجھ پر جان دیتا ہے۔ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اس کے بعد مشرکین کچھ اور قریب آئے تو دوسرے انصاری نے اس جتھے کو روکا پیچھے دھکیلا مگر وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور اسی طرح ساتوں انصار صحابی شہید ہو گئے۔ حضور نے قریشی صحابیوں سے کہا کہ ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا''۔ آیئے ہم ان بے جگری سے لڑنے والوں کو سلام کریں جنہوں نے اس خاص وقت میں حضور پر اپنی جان نچھاور کی۔ اس محبت کا اور اس جذبۂ سرفروشی کا اندازہ کیا نہیں جا سکتا جب کہ انصاری صحابی پہلے بڑھنے والے اور اس کے بعد کے بڑھنے والوں کی موت (شہادت) کو دیکھ چکا ہے اور حضور کی محبت میں آگے بڑھ کر دشمن اور حضور کے درمیان میں دیوار بن جاتا ہے جب کہ یہ یقینی ہے کہ چند لمحے کے بعد وہ بھی شہید ہو جائے گا۔ ایسا نبی ایسا سالار اور ایسے صحابی ایسے جاں نثار تاریخ میں کہیں نظر آتے ہیں؟؟۔ ڈھونڈھیئے ساری توریت۔ انجیل۔ زبور۔ مہابھارت رامائین اور جب کوئی دوسری مثال نہ ملے تو اس بے مثال نبی کی

ذات کو **زندہ معجزہ** مانئے اور ان شہدا کو اس معجزہ کے بے مثال گواہ مانئے۔ (شہید کے معنی گواہ کے ہیں)۔

ان ساتوں انصاری جاں نثاروں میں آخری جاں نثار کا نام تھا عمارۃ بن یزید بن السکن۔ جب وہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گرے تو اس وقت تک صحابہ کی ایک جماعت کفار کا گھیرا توڑتے ہوئے رسول کی آواز کی سمت لڑتی بھڑتی پہنچ گئی۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے والوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ **یہ تھا نقطۂ انقلاب** چند لمحوں پہلے تک یہ معلوم ہو رہا تھا کہ حضور کی زندگی کا چراغ گل ہو رہا ہے۔ ایک تیر یا ایک تلوار کا زخم تاریخ کا رخ بدل سکتا تھا۔ مشرکوں نے کوشش بھی کی تھی مگر اللہ کا رحم شامل حال رہا۔
جب صحابہ کی جماعت آئی اور انہوں نے مشرکین قاتلوں کو ڈھکیلا تو آخری شہید انصاری صحابی عمارہ کی سانس ابھی چل رہی تھی ان کو آرام اور احترام سے سہارا دیا وہ گھسٹ گھسٹ کر حضور کے قدموں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ انہیں حضور کے پاس لٹا دیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے رخسار کو حضور کے قدموں پر رکھ دیا اور جنت کی طرف سفر کیا۔ اللہ اللہ۔ یہ سعادت یہ نصیب۔ یہ عمارہ کا حق تھا۔ یہ سارا واقعہ تفصیل سے ابن ہشام (2-81) نے بیان کیا ہے۔

اب دو قریشی صحابہ حضور کے سامنے رہ گئے تھے۔ دشمنوں کے پہلے حملہ کا رخ سات انصاریوں نے پھیر دیا تھا۔ مگر وہ پھر پلٹ کر حملہ کر رہے تھے۔ سعد بن وقاص ماہر تیر انداز تھے۔ یوم بدر اور اس سے پہلے ایام جاہلیت میں ان کی ماہرانہ تیر اندازی کا چرچا تھا۔ ظاہر ہے کہ تیر اندازی کے لئے کچھ فاصلہ چاہئے تھا جو کسی قدر انصاریوں نے فراہم کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ترکش کے سارے تیر سعد

کے سامنے بکھیرے دیئے تھے۔اور فرمایا ''چلاؤ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں''۔ یہ فقرہ ''فداک ابی وامی'' عرب میں محبت کے لئے عام تھا مگر حضور نے اس کو اس موقعہ سے پہلے اور بعد میں کبھی کسی کے لئے استعمال نہیں کیا۔مگر یہ بات مستند ہے صحیح بخاری کی حدیث 1-407 اور 2-581,582 میں روایت ہے۔

اور پھر جو بھی دشمن قریب آتا گیا تلوار کی زد میں آتا گیا اس کے لئے ملک الموت بنے طلحہ بن عبید اللہ۔ حضرت جابر نے حضور کی حفاظت کی وہ تفصیل بیان کی جو سات انصار کی شہادت پر مشتمل ہے اور پھر طلحہ آگے بڑھے اور بقول جابر ایسی لڑائی لڑی جو گیارہ آدمیوں کی لڑائی کے برابر تھی۔ان کے ہاتھ کی انگلیاں بے شک کٹ گئیں اور ہاتھ شل (بے جان) ہو گیا مگر بقول جابر طلحہ سے لڑائی کے دوران ہی مشرکین پیچھے ہٹا دیئے گئے۔امام بخاری نے قیس بن حازم سے روایت کی کہ انہوں نے طلحہ کا شل بے جان ہاتھ دیکھا تھا۔اور یہ حدیث ہے 1-527 صحیح بخاری کی۔ترمذی کی روایت ہے کہ حضور نے طلحہ کو چلتا پھرتا شہید کہا۔

''جو شخص چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے (مشکوٰۃ اور ابن ہشام)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو آواز دی تو سب سے پہلے صدیق صادق ابو بکر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک مجاہد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آڑ دے رکھی ہے اور آپ کی طرف سے لڑ رہا ہے۔ابو بکر نے کہا کہ تم طلحہ ہو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔اتنے میں ابو عبیدہ بن الجراح میرے سامنے آ گئے۔وہ دوڑ رہے تھے یا اڑ رہے تھے۔جب ہم دونوں حضور کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ طلحہ حضور کے سامنے بچھے پڑے ہیں حضور نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو سنبھالو اس نے جنت واجب کر لی۔ابو بکر کا کہنا ہے کہ جب ہم پہنچے تو حضور کا چہرہ زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں۔میں نے (یعنی ابو بکر نے) ان کڑیوں کو نکالنا چاہا تو ابو عبیدہ نے کہا کہ خدا کا واسطہ دیتا ہوں یہ کام مجھے کرنے دیجئے۔ابو عبیدہ نے بجائے کسی تیر کی انی یا لوہے کی کسی

چیز کے کڑی کو اپنے دانت کی گرفت میں لے کر آہستہ آہستہ کھینچنا شروع کیا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف کم سے کم ہو) مگر اس قدر زور لگایا کہ خود اپنے زور میں پیچھے گرے۔ کڑی بھی نکل گئی اور ایک دانت بھی سامنے گرا۔ جب میں نے دوسری کڑی کھینچنی چاہی تو ابوعبیدہ نے پھر یہی کہا کہ ابوبکر خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے کھینچنے دیجئے۔ وہ بھی آہستہ آہستہ کھینچی۔ کڑی نکل آئی اور ایک دانت اور شہید ہوا۔

شمع کو روشن دیکھ کے آئے چاروں طرف سے پروانے

جاں نثاروں میں سے کچھ پہنچے۔ ابودجانہ۔ علی ابن طالب۔ سہل بن حنیف مالک بن سنان ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازینہ قتادہ بن نعمان۔ عمر بن الخطاب۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور ابوطلحہ۔ انہوں نے اپنے جسموں کا اور ہتھیاروں کا حصار باندھ دیا حضور کے گرد۔ ابودجانہ حضور کے آگے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی پیٹھ کو حضور کی ڈھال بنالیا۔ ان پر تیر پڑتے تھے مگر وہ ہلتے نہ تھے۔ تیر کے چالیس زخم پیٹھ پر کھائے۔ ام عمار چوڑی چکلی خاتون تھیں وہ کافر ابن قمیہ سے بھڑ گئیں۔ اگر وہ دو زرہیں نہ پہنے ہوتا تو قتل ہو چکا ہوتا۔ پھر ام عمارہ کی چوڑی پیٹھ بھی حضور کی ڈھال بن گئی۔ پھر تیں کے قریب صحابہ جمع ہو گئے تو حضور نے اقدام کیا اور بیچ کے کفار کو بھگا کر اپنے لشکر سے رابطہ قائم کر لیا۔ گویا خالد کی پیش قدمی اور درّہ کے محافظوں کے قتل کے بعد بھی کچھ سکون کی صورت نکل آئی۔ ادھر ابوسفیان اور خالد کو بھی یہ معلوم ہو گیا کہ سوائے اعداد کی برتری کے کفار کے لشکر کو مسلمان لشکر پر اور کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اور انہوں نے بھی جلد از جلد اندھیرا ہونے سے پہلے نکل بھاگنے کی تیاری کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی سیدۃ النساء فاطمہ اور حضرت علی نے کی۔ مگر ویسے امّ سلیم نے خود اپنے آپ کو نرسنگ بریگیڈ کا کمانڈر بنالیا تھا۔ اور مستقل مدینہ اور احد کے درمیان میں خواتین دوڑ رہی تھیں۔ مرہم پٹی اور ٹھنڈا میٹھا پانی زخمیوں کو فراہم کیا جارہا تھا۔ اب حالات قابو میں نظر آتے تھے اور لشکر ابوسفیان روانہ ہورہا تھا۔ انہوں نے جانے سے پہلے پکار کر یہ تصدیق چاہی کہ حضور اور ابوبکر اور عمر زندہ ہیں؟۔ حضرت عمر نے ابوسفیان کی تشویش دور کردی اور اپنی سب کی خیریت کی خبر دے دی۔

دونوں فوجیں علیحدہ ہوئیں۔ تو جس فوج کو ہارا سمجھا جاتا ہے۔ اسنے میدان میں شہیدوں کو دفن کیا تمام شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ جن شہداء کی لاشیں وارثین مدینہ لے گئے تھے وہ منگائی گئیں اور احد میں ہی دفن ہوئیں۔
غرض ایک فوج نے میدان پہلے چھوڑا اور گھر بھاگی۔ اور دوسری میدان میں ڈٹی رہی۔ فتح یاب کون تھا؟
جب فوجِ کفّار اُحد سے رخصت ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ انکے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کدھر جاتے ہیں۔ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہانک کر لے جارہے ہوں تو انکا مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے اور اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑے ساتھ لے جارہے ہیں تو وہ واپس جارہے ہیں۔ علیؓ بلا خوف روانہ ہوئے اور بعد میں خبر لائے کہ وہ اونٹوں پر بھاگے جارہے ہیں۔
غور فرمایئے یہ ہاری ہوئی فوج تعاقب کررہی ہے جیتی ہوئی فوج کا۔ اسی روز یعنی شنبہ سات شوّال کو حضور ﷺ مدینہ میں پہنچ گئے اور یہ ہاری ہوئی فوج بھاگ کر گھر نہیں آئی تھی۔
اگرچہ مسلمان جنگ سے چُور چُور تھے بلکہ زخمی تھے اور خود حضور ﷺ بھی زخمی تھے مگر اب بھی قلعہ بندی اور تلاش عافیت نہیں تھی بلکہ تاریخ کی ایک غلط فہمی دور کرنی تھی۔

حکم ہوا کہ کل ہم پھر جنگ پر جا رہے ہیں۔ صرف وہی آدمی ہمارے ساتھ چل سکتا ہے جو آج ہمارے ساتھ تھا یعنی ہم کوئی کمک لینے نہیں آئے۔ عبداللہ بن ابی کو کچھ اندازے ہو رہے تھے کہ اُحد کا میدان ایک نقطۂ تقلیب تھا۔ اب یہاں سے تاریخ بدل رہی ہے۔ مگر عبداللہ بن ابی (بے غیرت) کو اجازت نہیں ملی۔ مسلمان تھکے ہوئے تھے، زخمی بھی تھے، دن بھر کے بھوکے پیاسے بھی تھے۔ مگر ہر ایک بغیر کسی استثناء کے دوسرے دن صف میں موجود تھا۔

حضور ﷺ کا یہ لشکر روانہ ہوا۔ آٹھ میل دور تک حمراء الاسد تک جا کے خیمہ زن ہوئے۔ اس دن ایک شخص معبد بن ابی معبد خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا۔ اس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے اسلام کی کسی کو خبر نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں آگے جا کے ابوسفیان کو دھمکا دوں۔ وہ صاحب آگے چلے گئے اور جا کے ابوسفیان سے ملے اور کہا کہ وقت ہے جلدی بھاگو محمدؐ حمرالاسد تک آگئے ہیں۔ مدینہ سے آرہے ہیں تو ظاہر ہے کہ بڑی کمک بڑی تعداد ہوگی۔ اور جوش اور جذبہ تو تم جانتے ہی ہو۔ اب تو وہ غصّہ میں جل کر کباب ہو رہے ہیں۔ اگر تم ہاتھ لگ گئے تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارا ابھی کباب بنا کر کھا جائیں گے۔ اپنی فتح کا سہرا سجا کر جلدی روانہ ہو جاؤ۔

ابوسفیان بھاگ تو رہا ہی تھا، معبد بن ابی معبد نے اسکو اور تیز بھگا دیا۔ حضور ﷺ کا یہ غزوہ حمراۃ الاسد کہلاتا ہے جو غزوہ اُحد سے دوسرے دن ہوا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر یہ فہرستِ غزوات میں شامل ہے۔

عجیب غزوہ ہے کہ جس میں ایک شکست خوردہ فوج نے فاتح فوج کو بھگا دیا۔

غزوہ احد میں ۷۵ مسلمان شہید ہوئے اور ۳۷ کفار۔ مسلمان افراتفری، گھڑسوار دستے کے پشت سے حملہ کی وجہ سے زیادہ مارے گئے۔ اصل بات یہ تھی کہ درّے کے پشتی بان دستے کے زیادہ تر افراد نے

حضور ﷺ کے حکم میں "تاویل" ڈھونڈی کہ جب فتح ہو چکی ہے تو ہمارا یہاں قائم رہنا ضروری نہیں۔ اور پھر لُوٹ کا مال کئی موقعوں پر مسلمانوں کی کمزوری بنا ہے۔ اسکے باوجود میں دوبارہ کہتا ہوں کہ احد میں اسلامی فوج کو شکست نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں اسلامی فوج کو کبھی شکست نہیں ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاضی سلیماں سلمان منصور پوری اردو کے عظیم سیرت نگار ہیں۔ جناب شبلی نعمانی اور سیّد سلیمان ندوی کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

''سیرت کی تمام کتابوں میں ایک صحابیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنگ احد میں ان کے شوہر۔ بھائی اور بیٹے نے شہادت پائی۔ "زوجھا اخوھا و ابنھا'' اور انھوں نے سب کی شہادت کی خبر سن کر بھی نبی ﷺ کی خیریت دریافت کی حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ مشہور فقرہ کہا۔ ''کل مصیبتہ بعدک جلل'۔ ''حضور ﷺ آپ ہیں تو سب مصیبتیں آسان ہیں''۔ مجھے کسی کتاب میں ان خاتون کا نام نہ مل سکا۔ آخر شہداء احد کی قرابت مندی کے سلسلہ پر نظر ڈالی اور پھر صحابیات میں انکا نام تلاش کیا۔ وہ خاتون ''ہندؓ'' ہیں۔ شوہر شہید کا نام عمرو بن جموحؓ انصار سردار۔ فرزند کا نام خلاءؓ (بدری مجاہد)۔ عبداللہ (بدری مجاہد اور نقیب رسول) انکا بھائی یہ خاتون ان تینوں شہداء کی لاشیں ایک اونٹ پر لاد کر خود مدینہ لے گئیں اور جب دفن کا فیصلہ احد کے میدان کے لئے آیا تو احد واپس لائیں۔''

عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ احد میں مسلمانوں کو سخت شکست ہوئی۔ یہ اس حد تک تو صحیح ہے کہ اردگرد کے قبائل پر جو جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی اس میں کمی ہوئی اور وہ قریش کے بعد دوسرے درجہ کی طاقت سمجھے گئے۔ لیکن کچھ غیر مسلم سیرت نگار بھی یہ سوالات اٹھاتے ہیں کہ جنگ احد کے نتیجہ سے۔

ا۔ کیا فاتح نے اپنی فتح سے کوئی فائدہ اٹھایا۔

۲۔ کتنا مال غنیمت ملا۔ بدر میں تو مدنی لشکر اونٹوں کے کارواں مال غنیمت لاد کر لے گیا تھا۔ تم کو کچھ نہیں ملا؟

۳۔ کتنے مجاہد اسیر ہوئے؟ کوئی نہیں؟ ایسا کیسے ہوا؟ صرف یہ کہ تم نے بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی قتل تو کر دی مگر کسی نے ہتھیار نہیں ڈالے اور تم کسی کو جنگی قیدی نہ بنا سکے۔ بدر میں تو ڈھائی لاکھ درہم مجموعی طور پر فدیہ دے کر آئے تھے۔ وہ بھی واپس نہیں ملا؟۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان قتل تو ہو گئے مگر قید نہیں ہوئے۔

۴۔ کیا تم نے مسلمانوں کی جنگی طاقت توڑ دی۔ شاید تم مان لو گے کہ تم ایسا نہیں کر سکے۔ وہ تو دوسرے ہی دن تم کو دوڑاتے ہوئے حمرالاسد تک آ گئے۔ تم ہی نے مکہ کی سمت اپنی رفتار تیز کر دی۔

۵۔ کیا تم نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ اگر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے تو وہ مدینہ میں اپنے گھروں میں چھپ کر کیوں نہیں بیٹھ گئے؟۔

۶۔ کیا کبھی اس سے پہلے فاتح فوج اس طرح میدان چھوڑ کر بھاگی ہے؟

۷۔ کیا کبھی مفتوح نے فاتح کا اس طرح تعاقب کیا ہے؟

ایک بات یہ بتا دو کہ وہ تین چار کلومیٹر کا راستہ مدینہ اور احد کے درمیان جس پر مسلمان عورتیں پانی کے مشکیزہ۔ کچھ کھانا۔ کچھ مرہم پٹی کا سامان لے کر بار بار دوڑ رہی تھیں اسی راستہ کو تم نے کاٹ کیوں نہیں دیا؟ تم وہ تین کلومیٹر کا راستہ طے کر کے مدینہ میں کیوں داخل نہیں ہو گئے؟ آخر تم چار سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے آئے تھے کیا صرف احد پہاڑ کی زیارت کرنے۔ اور وہ تجارتی قافلہ کا منافع جو تم نے اس مہم پر خرچ کیا اس کا حساب مکہ والوں کو کس طرح دیا؟

آخر میں اس مولف کی عرض ہے کہ سورہ آل عمران میں شامل آیات تقریباً 60 عدد ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا لہجہ شاید مشفقانہ نہیں ہے بلکہ اس میں شاید کچھ سختی ہے۔ مولّف کو قرآنی آیت کی تفسیر کا کوئی حق اس کی بے علمی

کی وجہ سے نہیں ہے۔اس لئے آیت اور ترجمہ بغیر کسی رائے زنی کے۔

﴿سورۃ آل عمران﴾

ان الذین کفروا لن تغنی عنهم اموالهم ولا اولادهم من الله شیئا واولئک هم وقود النار. (آیت۔۱۰)

''بے شک کافروں کو (اس روز) نہ تو ان کا مال اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ ان کی اولاد ان کے کسی کام آئے گی۔ یہ کافر تو بس دوزخ کی آگ کے ایندھن ہی بن کر رہیں گے۔''

کداب ال فرعون والذین من قبلهم کذبو بایتنا فاخذهم الله بذنوبهم والله شدید العقاب. (آیت۔۱۱)

''ان کا حال بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آل فرعون کا اور ان سے پہلے لوگوں کا ہوا، وہ بھی ہماری آیات کو نہ مانتے تھے تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا تھا۔اور اللہ تو سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جهنم وبئس المهاد. (آیت۔۱۲)

''اے رسول! آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف لے جائے جاؤ گے، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔''

لا یتخذ المؤ منون الکفرین اولیآء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شئی الا ان تتقوا منهم تقة ویحذرکم الله نفسه والی الله المصیر.. (آیت۔۲۸)

''مسلمانوں کو مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنانا چاہئے، اور جو ایسا کرے گا تو اللہ سے اس کا کوئی عہد نہیں مگر ایسی صورت میں کہ جب تم کو ان سے کسی قسم کا قوی اندیشہ ہو، اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے

اور (تم کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

واذ غدوت من اھلک تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم. (آیت۔۱۲۱)

''اور جب تم صبح کو اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوئے اور مومنین کو لڑائی کے لئے مورچوں پر متعین کر رہے تھے، اور اللہ تو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

اذ ھمت طآئفتن منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون. (آیت۔۱۲۲)

''جس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا مگر اللہ ان کا مددگار تھا، اور مومنین کو اپنے اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔''

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون. (آیت۔۱۲۳)

''اور اللہ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی، اس وقت تم بے سروسامان تھے، پس تم اللہ ہی سے ڈرو، تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

ھذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین. (آیت۔۱۳۸)

''یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے، اور ہدایت اور نصیحت ہے صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے۔''

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین. (آیت۔۱۳۹)

''اور تم ہمت نہیں ہارو، اور رنج نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہو۔''

ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولھا بین الناس ولیعلم اللہ الذین امنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لا یحب الظلمین. (آیت۔۱۴۰)

''اگر تم کو زخم لگ جائے، تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے، اور ہم ان ایام کو ان کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تا کہ اللہ ان ایمان والوں کو جان لے، اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا، اور ظالموں سے اللہ محبت نہیں کرتا۔''

ولیمحص الله الذین امنوا ویمحق الکفرین. (آیت۔۱۴۱)

''اور تا کہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔''

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جاهدو منکم ویعلم الصبرین. (آیت۔۱۴۲)

''ہاں! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے جب کہ اللہ نے ان کو دیکھا نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہے۔''

ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوه فقد رایتموه وانتم تنظرون. (آیت۔۱۴۳)

''اور تم تو مرنے کی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے سے پہلے، سو اس کو تو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔''

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشکرین. (آیت۔۱۴۴)

''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں اور آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، جو الٹے پاؤں پھر بھی جائے تو اللہ کا کوئی نقصان نہ کرے گا، اور اللہ جلد ہی شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔''

وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله كتبا مؤجلا ومن يرد ثواب الدنيا نؤته منها ومن يرد ثواب الاخرة نؤته منها وسنجزی الشكرين. (آیت۔۱۴۵)

''اور کسی کو موت آنا ممکن ہی نہیں بغیر اللہ کے حکم کے، اس طرح کہ موت کا وقت معین ہے، اور جو دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا دے دیتے ہیں، اور جو اُخروی حصہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ دیں گے، اور ہم بہت جلد شکرگزاروں کو بدلہ دیں گے۔''

وكاين من نبی قتل معه ربيون كثير فما وهنوا لما اصابهم فی سبيل الله وما قعفوا وماستكانو والله يحب الصبرين. (آیت۔۱۴۶)

''اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں۔ سو نہ تو انہوں نے ہمت ہاری ان مصائب کی وجہ سے جو اللہ کی راہ میں پیش آئے، نہ ان کا زور گھٹا، اور نہ وہ دبے، اور اللہ تو صبر والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

وما كان قولهم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكفرين. (آیت۔۱۴۷)

''اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہ نکلا کہ انہوں نے کہا، اے ہمارے رب! آپ ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں اپنی حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے، اور ہم کو ثابت قدم رکھئے، اور ہم کو کافروں پر غالب کیجئے۔''

فاتهم الله ثواب الدنيا وحسن ثواب الاخرة والله يحب المحسنين. (آیت۔۱۴۸)

''سو ان کو اللہ نے دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا، اور اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا

ہے۔"

یایھا الذین امنوآ ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبو خسرین.
(آیت۔۱۴۹)

"مومنو! اگر تم کافروں کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے، پھر تم ناکام ہوجاؤ گے۔"

بل اللہ مولکم وھو خیر النصرین. (آیت۔۱۵۰)

"بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔"

سنلقی فی قلوب الذین کفرو الرعب بما اشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطنا وماوھم النار وبئس مثوی الظلمین. (آیت۔۱۵۱)

"ہم کافروں کے دلوں میں بھی خوف اور ہول ڈالے دیتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو بنایا ہے جس پر اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی، اور ان کی جگہ دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے ظالموں کے لئے۔"

ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا واولئک ھم وقود النار. (آیت۔۱۰)

بے شک کافروں کے کام اس دن نہ مال آئے گا نہ اولاد۔ یہ تو دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین. (آیت۔۱۵۲)

''بے شک اللہ نے تو تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، جب تم کفار کو اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور پڑ گئے اور حکم میں باہم اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے جب کہ ہم نے تمہاری دلی خواہش دکھا دی تھی بعض تم میں دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں آخرت، پھر اللہ نے تم کو کفار سے ہٹا دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے، اور یقین جانو اللہ نے تم کو معاف کر دیا، اور مؤمنین پر اللہ بڑا فضل والا ہے۔''

اذتصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخرکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم والله خبیر ما تعملون. (آیت۔۱۵۳)

''جب تم بڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے سے تم کو آواز دے رہے تھے، سو اللہ نے اس پاداش میں تم کو غم دیا، تا کہ مغموم نہ ہو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی، اور نہ اس مصیبت کے آنے پر، اور اللہ تو تمہارے سارے کاموں کی خبر رکھتا ہے۔''

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طآئفة منکم وطآئفة قد اهمتهم انفسهم یظنون بالله غیر الحق ظن الجاهلیة یقولون هل لنا من الامر من شئی قل ان الامر کله لله یخفون فی انفسهم مالا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر شئی ما قتلنا ههنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علهم القتل الی مضاجعهم ولیبتلی الله ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم والله علیم بذات الصدور. (آیت۔۱۵۴)

''پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم کو چین بخشا، یعنی اونگھ تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت کو اپنی جان ہی کی فکر پڑ رہی تھی، وہ خلاف واقعہ اللہ کے ساتھ بدگمانیاں کر رہے تھے جو محض حماقت ہی کا خیال تھا، وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارا کوئی اختیار چلتا ہے، کہہ دو کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے، وہ اپنے

دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو وہ آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے، کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے مقدر میں قتل لکھا ہے وہ خود ان مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گرے پڑے ہیں، اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی بات کو آزمائے، اور تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے، اور اللہ تو دلوں کی بات بھی خوب جانتا ہے۔"

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلھم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان غفور حلیم (آیت۔۱۵۵)

"بلاشبہ اس روز جو تم میں سے پشت پھیر چکے تھے جب کہ وہ دو فریق آپس میں مقابلہ کر رہے تھے اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے لغزش دے دی، اور یقین جانو کہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بے شک اللہ تو بڑا بخشنے والا اور بڑا حلم والا ہے۔"

یایھا الذین امنوا لا تکونوا کالذین کفروا وقالوا لاخوانھم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزی لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم واللہ یحیی یمیت واللہ بما تعملون بصیر. (آیت۔۱۵۶)

"مومنو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کافر ہیں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت، جب کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں، یا وہ غازی ہوتے ہیں، اگر یہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، تاکہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں موجب حسرت کر دے اور اللہ ہی تو زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، اور اللہ تو خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون. (آیت۔۱۵۷)

''اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو ضرور اللہ کی مغفرت اور رحمت بہتر ہے ان سے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔'' (آیت۔۱۵۷)

ولئن متم او قتلتم لا الی الله تحشرون. (آیت۔۱۵۸)

''اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو ضرور تم اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ (آیت۔۱۵۸)

اولما اصابتکم مصیبة قد اصبتم مثلیها قلتم انی هذا قل هو من عند انفسکم ان الله علی کل شئی قدیر. (آیت۔۱۶۵)

''اور جب تم کو ہار ہوئی جس سے دو حصے تم جیت چکے تھے تو تم کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی، آپ فرما دیجئے کہ یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی ہے، بیشک اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (آیت۔۱۶۵)

وما اصابکم یوم التقی الجمعن فباذن الله ولیعلم المؤمنین. (آیت۔۱۶۶)

''اور جو مصیبت تم پر آپڑی اس روز جب دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے اللہ ہی کی مشیت سے ہوئی اور تا کہ اللہ مومنین کو بھی دیکھ لے۔'' (آیت۔۱۶۶)

ولیعلم الذین نافقوا وقیل لهم تعالوا قاتلوا فی سبیل الله اوادفعوا قالو لو نعلم قتالا لا تبعنکم هم للکفر یومئذ اقرب منهم للایمان یقولون بافواههم ما لیس فی قلوبهم والله اعلم بما یکتمون. (آیت۔۱۶۷)

''اور نیز منافقین کا حال بھی معلوم ہو جائے، اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمنوں کا دفاع کرو، وہ بولے، اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، یہ منافقین کفر سے زیادہ قریب تھے اس روز (خصوصا) بہ نسبت اسلام کے، یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں

نہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے وہ جو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔" (آیت۔۱۶۷)

الذین قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرء وا عن انفسکم الموت ان کنتم صدقین. (آیت۔۱۶۸)

"یہ وہی ہیں جو اپنے بھائیوں کی نسبت بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر یہ ہماری باتیں مانتے تو قتل نہ ہوتے، آپ فرما دیجئے کہ اچھا! تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹا دو، اگر تم سچے ہو۔ (آیت۔۱۶۸)

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیآء عند ربهم یرزقون. (آیت۔۱۶۹)

"اے مخاطب! تم ان کو مردہ خیال نہ کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔" (آیت۔۱۶۹)

الذین استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم. (آیت۔۱۷۲)

"اور جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا، ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے بڑا ہی ثواب اور صلہ ہے۔" (آیت۔۱۷۲)

ذلک بما قدمت ایدیکم وان الله لیس بظلام للعبید. (آیت۔۱۸۲)

"یہ سب کچھ تمہارے اعمال کی بدولت ہو رہا ہے، اور بلا شبہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں۔ (آیت۔۱۸۲)

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور. (آیت۔۱۸۶)

صلّی اللہ علیہ وسلم

''تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں، اپنی جانوں میں، اوران لوگوں سے جوتم سے پہلے کتاب دیئے گئے، تم بہت سی باتیں بھی سنو گے، اوران سے بھی جو مشرک ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور پرہیز کرو گے، تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہیں۔'' (آیت۔۱۸۶)

اللہ کا حکم

ان الله وملئكة يصلون على النبى يا ايها الذين امنو صلو عليه وسلمو تسليما.

حدیث محمد

جنگ احد کے بعد دوسرے دن مدینہ لوٹنے سے پہلے حضور نے حکم دیا لشکر اسلام کو کہ کشتگان راہِ حق ''شہدائے احد کی آخری زیارت کر کے ان پر سلام بھیجو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تا قیامت جو بھی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔''

اس کتاب کا عنوان اللہ کے حکم اور حدیث محمد کی اطاعت میں رکھا گیا ہے، اس آیت کریمہ کے آخری دو الفاظ

﴿وسلمو تسليما﴾

معجزہ حمراء الاسد

حمراء الاسد کا غزوہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبقری ذہانت کا عکاس ہے دوسری طرف ایک عظیم معجزہ ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ کسی اور سیرت نگار نے یہاں کوئی معجزہ نہیں دیکھا اور یہ گناہ گار مولّف حیران ہے کہ ان کو یہ زبردست معجزہ کیوں نہیں نظر آیا۔ پہلے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری (فوجی) ذہانت۔ عرب میں یہ عام دستور تھا اور دنیا میں بھی یہ دستور ہے کہ فتح یاب فوج مقام فتح پر کچھ وقت قیام کرتی ہے تا کہ ساری دنیا دیکھ لے کہ وہ فاتح ہیں۔ قریش کا لشکر پوری تیزی سے احد سے بھاگا اس سے ان کی فتح کا رنگ مدھم ہو گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردگرد کے عرب بدّو قبائل کو یہ علم ہو گیا کہ انہوں نے پچھلے سال جو **بدر** میں شکست کھائی تھی ویسی شکست نہیں کھائی۔ اس معرکہ کو برابر چھوٹنے والا معرکہ کہہ سکتے ہیں مگر یہ بات بھی ہے کہ مسلمان لشکر کا قریش سے تقریباً دوگنا جانی نقصان ہوا یا اس سے زیادہ مگر یہ نہ بھولئے کہ قریش کی تعداد بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں چار گنا تھی۔ (سات سو مسلمان تین ہزار قریش کے مقابلے میں) اس لئے احد سے باہر کی دنیا میں یہ مسلمانوں کی شکست تھی۔ حتمی۔ آخری۔ مکمل فتح قریش کو نہیں ملی مگر وہ دوسروں کی نظر میں فتح مند تھے حضور کی ذہانت نے ان کی فتح کی عزت کو تھوڑا سا کم کر دیا کیونکہ مسلمان قریش کا تعاقب کر رہے تھے اور مسلمانوں کی ذلت کو بھی (دوسروں کی نظر میں ذلت) کم کر دیا کیونکہ وہ کفار کا تعاقب کر رہے تھے جب کہ کفار ممکنہ تیزی سے گھر بھاگ گئے۔ اس ذہانت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ یہ کوئی دھوم دھڑکے کا فیصلہ نہیں تھا۔ کافی امکان اس کا تھا کہ قریش جب اپنی بدحواسی پر قابو پائیں تو وہ پلٹ پڑیں اور مدینہ شہر پر حملہ کر دیں۔ ایسے وقت میں جب منافقین عبداللہ بن ابیٔ کے ساتھ تین سو جنگ سے ہتھیار بند ہو کے مدینہ میں واپس ہو چکے ہیں۔ اختلاف سامنے آ چکا ہے اور یہودی قبائل اپنے چھوٹے

قلعوں اور گڑھیوں میں مدینہ کے اندر ہیں اور اردگرد یہودیوں کے نسبتاً بڑے قبیلہ اور قلعہ مدینہ سے چند گھنٹوں کے فاصلے پر ہیں اور سب کے سب شکار کی تلاش میں ہیں۔ یہودیوں کے برسر پیکار ہونے کا جواز ہے۔ مہاجرین کی آمد سے ان کے سودی کاروبار پر بہت برا اثر پڑا ہے۔

شیر جب تک کہ اپنے پیروں پر کھڑا نظر آتا ہے چاہے وہ کتنا ہی زخمی اور کمزور کیوں نہ ہو۔ گیدڑ دور سے اسے دیکھتے رہتے ہیں لیکن شیر اگر ایک دفعہ گر جائے تو اردگرد کے سارے گیدڑ دوڑ کر حملہ کر دیتے ہیں اور اتنا شور مچاتے ہیں کہ وہ گیدڑ جو موجود نہیں تھے دور دور سے آ جاتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ فوراً تعاقب کرنا چاہیے فوجی ذہانت کا تقاضہ تھا۔ مقصد اولین دوبارہ جنگ شروع کرنا نہیں تھا مقصد صرف یہ تھا کہ پیغام پہنچ جائے کہ ہم دوبارہ لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

معجزہ

یہ معرکہ حمراء الاسد معجزہ کیسے تھا جب کہ دونوں حریفوں کی ملاقات تک نہیں ہوئی۔ تلوار کا کھینچنا تو دور کی بات ہے۔ آنکھ بند کر کے سوچئے۔ جو منظر میں پیش کرتا ہوں ہو دیکھئے۔ سات سو مجاہد دو دن کے تھکے ہوئے ہیں جس میں سے ایک پورا دن وہ احد کے میدان میں کھڑے رہے ہیں۔ بیٹھنے کی فرصت بھی نہیں ملی۔ وہ شام کو اپنے ستر ساتھیوں کو دفن کر کے لوٹے ہیں۔ یعنی ذہنی طور پر پژمردگی اور اضمحلال کی آخری حد پر۔ یہ پورے دن بھوکے اور پیاسے رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر زخمی ہیں۔ ان کا سردار پیغمبر اعظم و آخر زخمی چہرہ لئے ہوئے اس میں چٹائی جلا کر راکھ بھر دی ہے بیٹی فاطمہ زہرا نے۔

حضور کی پیشانی اور رخسار زخمی جن سے خون نہیں تھمتا تھا۔ بیٹی فاطمہ زہرا نے چٹائی جلا کر راکھ زخم میں بھر دی

تو خون بند ہوا۔ حضور کو ایک پتھر لگا تھا تو ہونٹ زخمی اور دو دانت گر گئے۔ مغفر کی کڑیاں پیشانی دھنس گئیں تو ابوعبیدہ بن جراح نے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں اور اپنے دو دانتوں کا نذرانہ دیا۔ طلحہ نے اس دن ایک ہزار تیر چلائے۔ کمان ٹوٹ گئی۔ ایک مشرک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار کا وار کیا طلحہ نے ہاتھ پر روکا۔ انگلیاں کٹ گئیں۔ ایک بازو شل ہوگیا۔ مجاہد میں ایک بازو اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی کمی تھی۔ بقیہ مجاہد اسی طرح میدان میں ڈٹا تھا۔ ابودجانہ جن کی ڈیوٹی آگے بڑھ کر حملہ کرنا تھی۔ جنگ کا رخ بدلتے دیکھ کر حضور کے دفاع کے لئے آگئے۔ اپنی پشت کو ڈھال بنالیا۔ حضور کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے کہ کوئی تیر حضور تک نہ جاسکے۔ کسی نے لکھا ہے کہ ابودجانہ کی پشت پر تیر کے اڑتیس زخم تھے اور کسی نے کہا کہ چالیس تیران کی پشت پر لگے یہ شمار غیر اہم ہے۔ اہم یہ بات ہے کہ کوئی تیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ دیکھئے سامنے مدینہ کی ایک گلی میں ابودجانہ اوندھے پڑے ہیں اور چند خواتین ان کی پشت کے گہرے زخموں میں روئی چپکا رہی ہیں۔ کہ آواز آتی ہے کہ حضور نے فیصلہ کیا ہے کہ صبح فجر سے پہلے ہم سب آگے قریش کے تعاقب میں جائیں گے۔ ابودجانہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب زخم پشت کے بجائے سینہ پر کھانے کا وقت ہے۔ معجزہ کہاں ہے؟ معجزہ یہ ہے کہ ہر وہ مجاہد جو اُحد سے واپس آیا تھا چاہے وہ کتنا ہی زخمی کیوں نہ ہو صف بند ہوگیا آ کے فجر سے پہلے۔ **نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں۔**

کوئی غیر حاضر نہیں تھا۔ دو (۲) وہ زخمی جو اُٹھ بھی نہیں سکتے تھے اور چند لمحوں کے مہمان معلوم ہوتے تھے ان کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا کہ جب ان کی سانس بند ہو جائے تو ان کو لے جا کر اُحد میں دفن کیا جائے۔ کوئی نئی کمک نہیں لی گئی۔ جو کل لشکر میں شامل تھے وہی جائیں گے۔ اور سب جائیں گے جو کل شریک تھے۔ اور سب گئے جو کل شریک تھے۔ یہ ہے معجزہ جس کی مثال دنیا میں دوسری نہ ہو وہ ہی معجزہ ہے۔ کسی

پیغمبر کو کسی لیڈر کو کسی فوجی کمانڈر کو ایسے عاشق مجاہد نہیں ملے۔ کبھی نہیں ملے۔ کہیں نہیں ملے۔ یہ معجزہ تھا اس کا جس نے دلوں کو فتح کر لیا تھا زمین کی فتح سے پہلے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

اُحد کے بعد

اُحد کی جنگ نے قبائل عرب پر اگر منفی اثر نہ بھی ڈالے تو کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ریاست مدینہ کے رعب اور دبدبہ کو ٹھیس پہنچائی۔ یہ کسی نے غور نہیں کیا کہ قریش والے آئے اور واپس بھگا دیئے گئے۔ ہر ایک یوں سوچتا تھا کہ قریش والے آئے اور سزا دے کر چلے گئے۔ اب قبیلوں نے سر اٹھایا۔ نجد نے پہلے سر اٹھایا۔ ہر سیرت نگار اور مورخ کو نظر آ رہا ہے کہ ریاست مدینہ کا مخبری کا نظام کامل اکمل قسم کا ہے۔ قبیلہ طےؔ (جو حاتم طائی کے نام کی وجہ سے اردو والوں میں بھی پہچانا جاتا ہے) کے ایک مخبر نے خبر دی طلحہ بن خویلہ اور سلمہ بن خویلد اپنے پیروں کے ساتھ بنی اسد بن خزیمہ کو بغاوت پر ابھار رہے ہیں۔ انہوں نے قطن میں تین سو آدمیوں کا لشکر تیار کیا ہے (طبقات ابن سعد جلد اول) محرم ۴ھ کی پہلی تاریخ تھی۔ حضرت ابی سلمہ کی سرکردگی میں 150 افراد کا ایک لشکر تیار ہوا جن میں مہاجرین اور انصار برابر کے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (Master Strategist) جنگی حکمت عملی کے ماہر نے ان کو ہدایت دی کہ غیر معروف راستہ اختیار کرو۔ دن کو پہاڑیوں اور ٹیلوں کے سائے میں چھپے رہو اور رات کو سفر کرو۔ (اس مولف کا یہ گمان ہے کہ وہ گرمی کے دن اور چاندنی راتیں ہوں گی۔ یہ صرف گمان ہے) اچانک دشمن کو پکڑو۔ جب تک ان کے سر پر نہ پہنچ جاؤ ان کو نظر نہ آؤ۔ اس دستہ میں جید صحابہ اور جنگ آشنا مجاہد شامل تھے مثلاً عبیدہ بن جراح۔ (یہ وہی ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جنہوں

نے چار مہینہ پہلے احد میں حضور کی زخمی پیشانی سے مغفر کی کڑیاں نکالنے میں اپنے دو دانت کا نذرانہ پیش کیا تھا اور شوال کی پہلی چھ راتوں میں حمراء الاسد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باڈی گارڈ دستے میں تھے) سعد بن ابی وقاص احد کے تیرانداز۔ اسید بن حضیر۔ عبادہ بن بشر وغیرہ تھے۔ یہ دستہ حضور کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا جب قطن کے چشمے پر پہنچا تو دشمن کے مویشی آرام اور فراغت سے چر رہے تھے۔ لشکری سوتے جاگتے بیٹھے تھے اور تین غلام پانی بھر رہے تھے۔ غلام گرفتار ہوئے دشمن کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اسلامی لشکر کتنا بڑا ہے (تعداد میں حریف کے آدھے تھے) وہ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کے امیر نے دستے کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ دشمن کو مار بھگا دوڑا رہا تھا۔ دوسرا مال غنیمت کی حفاظت کر رہا تھا اور ایک مورچہ بنا کر دشمن کے جوابی حملہ کو ناکام بنانے کے لئے تیار کھڑا رہا۔ (دیکھا آپ نے احد کی ابتلا کے بعد چار مہینے میں اسلامی لشکر نے یہ سبق یاد کرلیا تھا کہ سارے لشکر کو ایک ساتھ مال غنیمت پر نہیں ٹوٹ پڑنا چاہئے) مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ خون نہیں بہا۔ رعب قائم ہوا۔ غنیمت میں بہت سے اونٹ بکری ملے۔ خمس نکالا گیا۔ (ریاست مدینہ کے لئے پانچواں حصہ۔ بیس فیصد) اور پھر مخبر اور دلیل راہ (راہنما) کو دل کھول کر عطیہ اور مزدوری دی کہ مخبری کے نظام میں رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ ہر مجاہد کے حصہ میں سات سات اونٹ آئے اور اس سے بہت زیادہ بکریاں۔ حضرت ابی سلمہ دس دن کے بعد کامیاب واپس آئے......مگر۔ انہیں احد کے دن ایک کاری زخم لگا تھا جو اس دوڑ دھوپ میں پھر کھل گیا۔ اور پھر انہوں نے اسی زخم کے اثر سے بیمار رہ کر 27 جمادی الثانی کو انتقال فرمایا۔ حضرت ابوسلمہ کا انتقال ان کے بستر پر ہوا لیکن فقہا نے ان کو شہید مانا۔

(اس شخص طلحہ بن اسد نے حضور کے پردہ فرمانے کے بعد دعویٰ نبوت کیا تھا)

7 شوال ۳ھ ایک نقطہ وسطی ہے۔ 6 شوال ۳ھ کو مکہ کے حملہ آور اپنے خیال میں کامیاب و کامران

(کونسی کامیابی؟ کونسی کامرانی؟) مکہ واپس ہوئے اور جاتے جاتے ایک چیلنج دے گئے کہ اگلے سال بدر میں پھر "ملاقات" ہوگی۔ مسلمان اس چیلنج سے بھاگ نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے 7 شوال ۳ھ کو حمرء الاسد میں ابوسفیان کا انتظار کیا۔ مگر

دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اب 7 شوال ۴ھ قریب آ رہا تھا جہاں عزّت اور حمیت کا تقاضا تھا کہ ابوسفیان سے۔ مکہ کے لشکر سے بھرپور "ملاقات" کی جائے۔ اور اس سے پہلے کی تیاریوں میں یہ ضروری تھا کہ آس پاس کے قبائل سے دو چار معرکے جیتے جائیں کہ جس وقت مسلمان بدر میں (80 کلومیٹر دور ہوں) اس وقت مدینہ کی کچھ تو حفاظت مجاہدین کریں اور کچھ ان کا رعب داب کرے۔ یہودی فتنہ گروں سے بھی بڑا خطرہ تھا مگر سپہ سالار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی یہ ساری صورت حال آئینہ کی طرح روشن تھی۔

ماہ محرم ۴ھ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے (حضور کا مخبری کا نظام!!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ عبداللہ بن انیس مدینہ سے 18 دن باہر رہنے کے بعد واپس مدینہ آئے ایک تھیلا ہاتھ میں تھا۔ حضور کے قدموں میں ڈال دیا۔ کھولا گیا تو اس میں خالد بن سفیان ہذلی کا سر تھا۔ کیا ہوا کیسے ہوا اس کا تو کسی کو علم نہیں ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اپنا عصائے مبارک عبداللہ بن انیس کو عطا کیا کہ "یہ میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز نشانی ہے۔" زادالمعاد کی روایت کے مطابق عبداللہ نے وصیت کی کہ یہ عصا ان کے انتقال کے بعد کفن کے ساتھ قبر میں رکھ دیا جائے۔

خالد بن سفیان تو قتل ہو گیا مگر جو سازش اس نے تیار کی تھی وہ چل نکلی۔ کئی اطراف سے اس شبہ کا اظہار کیا گیا

ہے کہ اس سازش میں یہودی سرمایہ کا ہاتھ تھا۔

رجیع کا حادثہ:

۴ھ کے ماہ صفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آئے کہ "ہمارے یہاں اسلام کا کچھ چرچا ہے۔ حضور کچھ لوگ دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لئے بھیج دیں۔ آپ نے کچھ صحابہ ساتھ روانہ کر دیئے۔ ابن اسحاق سیرت نگار کے قول کے مطابق چھ اور صحیح بخاری کے مطابق دس صحابی۔ اس جماعت پر امیر تھے عاصم بن ثابت۔ یہ حضرت عمر فاروق کے خسر تھے۔ جب یہ گروہ ہدہ اور رابغ کے درمیان رجیع نامی چشمے پر پہنچا تو عضل اور قارہ کے دھوکے باز تو ایک طرف ہو گئے اور ان کے پیچھے بنولحیان کے ایک سو تیر انداز لگا دیئے۔ یہ صحابی ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور تیر اندازی شروع ہو گئی۔ سات صحابی شہید ہو گئے جس میں عاصم امیر جماعت شامل تھے۔ خبیب بن عدی زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق ٹیلے پر رہے۔ ان کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا گیا کہ ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ ٹیلے سے اترے تو ان کو باندھنے کی کوشش کی گئی۔ عبداللہ بن طارق نے کہا کہ یہ پہلی بد عہدی ہے اور پھر لڑ پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ بقیہ دو کو مکہ کے بازار میں فروخت کیا گیا۔ خبیب کو حارث بن عامر کی بیٹی نے سو اونٹوں کے بدلے اور زید بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں کے بدلے خریدا اور اپنے باپ امیہ بن خلف کے انتقام میں قتل کیا۔ خبیب کا قاتل عقبہ بن حارث تھا حضرت خبیب نے اس کے باپ کو بدر میں قتل کیا تھا۔

حضرت خبیب کو پھانسی پر لٹکا کر مثلہ کرنے کے واقعہ کو اس کتاب کے شروع میں بیان کیا ہے۔ وہ حضرت خبیب کے ایک ایک عضو کو کاٹتے تھے اور پوچھتے تھے کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہاں تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور تم اپنے گھر میں ہوتے۔ خبیب کا ایک ہی جواب تھا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مجھے

بچانے کے لئے حضور کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔کوئی حد ہے اس ''محبت'' کی۔

حضرت خبیب کی لاش سولی پر لٹکی رہی۔ایک پہرہ دار مقرر ہوا مگر عمرو بن امیہ ضمری رات کو وہ لاش نکال لے گئے اور اسے صحیح طور پر دفن کیا۔

اس سارے حادثے میں ایک کردار عاصم بن ثابت تھے جو حضرت عمر خطاب کے نواسے تھے۔انہوں نے بدر میں قریش کے دو علم برداروں کو قتل کیا تھا۔سلاقہ بنت سعد علم بردار کی بیٹی نے قسم کھائی تھی کہ وہ سر میں تیل نہیں ڈالے گی جب تک وہ عاصم کے کاسۂ سر (کھوپڑی) میں شراب نہیں پیے گی۔قاتلوں نے جو خونی ڈرامہ رجیع میں کھلا تھا اس میں یہودی سرمایہ کے ساتھ سلاقہ کے سو اونٹوں کا لالچ بھی تھا۔مگر وہ اونٹ ان کو نہیں مل سکے کیونکہ جب عاصم شہید ہو کر گرے تو بھڑوں یا شہد کی مکھیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔لحیانیوں نے سوچا کہ لاش رات کو اٹھا لیں گے جب تک یہ مکھیاں بھی سو جائیں گی۔مگر رات کو ایسی تیز بارش ہوئی کہ عاصم کی لاش کہاں بہہ گئی یہ پتہ ہی نہیں چلا قاتلوں کو سو اونٹ دینے سے سلاقہ نے انکار کر دیا۔

بیر معونہ کا حادثہ:

صفر ۴ھ کے دن تھے کہ ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا غمگین کیا۔عرب کا مشہور نیزہ باز ابو براء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ آیا اور اس نے حضور کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا جسے حضور نے قبول نہیں کیا۔اس نے حضور سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت نجد روانہ فرمائیں تو مجھے امید ہے کہ لوگ اسلام قبول کریں گے۔خود اس نے مسجد نبوی میں نہ اسلام قبول کیا نہ انکار کیا۔حضور نے فرمایا کہ میں نجد کے لوگوں کی بدعہدی سے خائف ہوں۔ابو براء عامر نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔حضور نے

اصحاب صفہ میں سے 70 قراء یعنی صاحب علم صحابہ کو روانہ کیا (صفہ کے فارغ التحصیل طلباء کو قاری کہتے تھے جمع قراء) اس جماعت کا امیر حضرت منذر بن عمرو کو بنایا گیا۔ اس جماعت میں حرام بن ملحان (سیدہ اُمّ سلیم کے بھائی انس بن مالک خادم رسول کے ماموں) کو حضور نے ایک خط دیا کہ اسے قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل تک پہنچا دو۔ عامر بن طفیل نے خط لیا پڑھنے سے پہلے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے صحابی حرام بن ملحان کو پیچھے سے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد یہ سب معونہ کے کنویں بیر معونہ پر پہنچے۔ عامر نے اپنے قبیلہ سے کہا کہ وہ تمام صحابہ کو قتل کر دیں مگر انہوں نے کہا کہ وہ ابو براء کا ذمہ توڑنا پسند نہیں کرتے۔ عامر نے دوسرے قبائل سے مدد چاہی تو بنی سلیم کے لوگ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ صحابہ نے بھی جنگ کی مگر یہ لکھنے پڑھنے والے کم زور حافظ تھے برسوں فاقے کئے تھے۔ انہوں نے سخت مقابلہ کیا مگر سب مارے گئے ان میں سے ایک کعب بن زید سخت زخمی حالت میں بچ گئے لاشوں کے نیچے جنہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ اونٹوں کے چرانے والے دو صحابی اتفاقاً وہاں پہنچے تو وہ بھاگنے کے بجائے شہادت کی تلاش میں قاتلوں سے بھڑ گئے۔ ان میں سے حارث نے تاج شہادت پہنا۔ اور عمرو گرفتار ہوئے یہ عمرو ضمری قبیلہ کے تھے اور قاتلوں نے کسی گزشتہ احسان کے بدلے ایک ضمری کی جان بچانے کی منت مانی تھی۔ اس لئے ان کی ایک انگلی کاٹ کر ان کو آزاد کر دیا۔

یاد ہوگا کہ ایک حبشی غلام حضرت ابوبکر کے عامر بن فہیرہ تھے جنہوں نے سفر ہجرت میں اونٹوں کی نگہداشت کی تھی اور ساتھ سفر کیا تھا اور سراقہ کو حضور کے حکم سے پروانۂ امن دیا تھا۔ وہ سراقہ جن کو کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے تھے۔

جب حضرت عامر بن فہیرہ حبشی غلام ابوبکر صحابی رسول کو قتل کیا تو انہوں نے وہ مشہور نعرہ لگایا۔ فزت واللہ۔

واللہ میں کامیاب ہوگیا۔ ان کی تلاش کی گئی مگر لاش نہیں ملی۔ کسی زخمی نے بتایا کہ کچھ دیر کے بعد لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوگئی۔ حضور نے سن کر فرمایا۔ ''ملائکہ نے انہیں دفن کیا۔ روح کو اعلیٰ علّیین پہنچایا۔

ان دونوں حادثوں کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی دن ملی اور روایت ہے کہ حضور پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ منہ پر کپڑا ڈال کر دیر تک چت لیٹے رہے آسمان کی طرف چہرہ کر کے۔ (یہ روایت حضرت انس بن مالک خادم رسول کی ہے)۔ تفتیش سے اندازہ ہے کہ اس میں بھی یہود کے سرمایہ کا ہاتھ تھا کیونکہ یہ سارا خون رائیگاں تھا۔ نہ کوئی جنگ تھی نہ کوئی مالی مفاد تھا۔

حضرت عمرو بن امیہ نے واپسی کے راستہ میں دو بنی کلاب کے آدمی قتل کر دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں حالانکہ مقتولین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد ملا تھا۔ حضور نے کہا کہ ہم اس کی دیت دیں گے۔

اور چونکہ اس دیت میں ان کے حلفاء یہود بنونضیر کی بھی شراکت تھی اس لئے حضور بنی نضیر سے ملاقات کرنے خود بنی نضیر کے پاس گئے۔

غزوہ بنی نضیر:

بنی نضیر میثاق مدینہ کی رو سے مسلمانوں کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ اور یہ معاہدہ ابھی توڑا نہیں گیا تھا۔ بدر اور احد کے وقت بنی نضیر خاموش رہے تھے اور مدینہ کی شہری آبادی سے کوئی لڑائی نہیں مول لی تھی۔ لیکن غزوہ احد کے بعد ان کو ذرا خود اعتمادی مل گئی تھی (کہ مسلمان کمزور پڑ رہے ہیں) بنونضیر کو چونکہ پیمان کی رو سے

صلّی اللہ علیہ وسلم

دیت (کی رقم) میں حصہ لینا تھا اس لئے حضور خود چل کر بنونضیر کے قلعہ پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے خالص یہودی مکاری سے میٹھی باتیں کی اور ایک دیوار کے سایہ میں بٹھایا۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت علی شریک جماعت تھے اور نظر یہ آیا کہ وہ ضیافت کی تیاری کر رہے ہیں مگر انہوں نے سازش کی کہ حضور کے سر پر دیوار کے اوپر سے چکی کا ایک پاٹ گرا کر ان کو (معاذ اللہ) شہید کر دیا جائے اور ایک بدبخت یہودی عمرو بن حجاش چکی کا پاٹ لے کر پیچھے سے دیوار پر چڑھ بھی گیا۔ حضرت جبرئیل آئے اور حضور کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور حضور یک لخت بغیر کسی مزید گفتگو کے اور بغیر کچھ بتائے ہوئے اٹھ کر چل دیئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ حضور قضائے حاجت کے لئے جا رہے ہیں۔ صحابہ بھی کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر حضور واپس نہیں آئے۔ صحابہ کو مارنے سے یہود کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ صحابہ واپس مدینہ آ گئے۔ حضور نے صحابہ کو بتا دیا کہ معاملہ کیا تھا۔ بنونضیر کا سردار حی بن اخطب تھا اسے چند دن پہلے قریش مکہ کی طرف سے خط ملا تھا جس میں یہود کو مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کیا گیا تھا وہ خط اس طرح تھا۔

"تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں۔ تم حریف سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور پھر کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے نہیں روک سکے گی"۔ (سیرت النبی۔ شبلی نعمانی)

صحابہ صرف اس بات پر ہی غصہ میں آگ بگولا تھے کہ حضور کے قتل کی سازش کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد ابن سلمہ کو حکم دیا کہ بنی نضیر جاؤ (6 کلومیٹر کا فاصلہ) اور ان کو کہہ دو کہ تم نے معاہدہ توڑا ہے اور بہت دنوں سے سازشیں کر رہے ہو اور یہ آج کی تازہ سازش ہے۔ تمہیں جلاوطن کیا جاتا ہے اور دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جو آدمی یہاں نظر آئے گا اس کی خیر نہیں ہے۔ حیٔ بن اخطب یہ پیغام سن کر سناٹے میں آ گیا جب ذرا ہوش سنبھلے تو ابن سلمہ سے کہا کہ "تم تو اوس کے آدمی ہو مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی"۔

مسلمہ نے کہا ''اوس خزرج چھوڑو۔ میں مسلمان ہوں اور یہ رسول اللہ کا پیغام ہے'' پھر مزید اطلاع دی کہ رحمت اللعالمین نے تمہیں کافی موقع دیا۔ اگر ہم میں سے کسی اور کو اختیار ہوتا تو تم کو چھ مہینے پہلے نکال دیا جاتا۔ یہودیوں نے عیارانہ کوشش جاری رکھی۔ منافق اعظم عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا۔ وہاں سے مشورہ آیا کہ ''ڈٹے رہو قلعہ مت چھوڑو۔ میں اپنے دو ہزار پیروؤں کے ساتھ مدد کو آرہا ہوں بنی قریظہ اور بنی غطفان (دونوں دشمن قبیلے) بھی ساتھ دیں گے۔ یہ چھ کلومیٹر کا فاصلہ عبداللہ بن ابی۔ بنوقریظہ اور بنوغطفان طئے نہ کر سکے۔ ادھر حیّ بن اخطب نے اپنے شیطانی حلیفوں ساتھیوں کے بل بوتے پر اپنے بھائی جدی بن اخطب سے مدینہ پیغام بھجوادیا تھا کہ ہم کسی صورت میں اس مقام کو نہیں چھوڑیں گے۔ جو جی میں آئے کر گزرو۔ اس کے بعد وہ قلعہ بند ہو گئے۔ ان کے پاس خوراک کافی تھی۔ پانی وافر تھا۔ ہتھیار بھی وافر تھا۔ بس کمی صرف ایک چیز کی تھی وہ ہمت کی تھی جو بازار میں نہیں بکتی اور سود سے کمائی ہوئی دولت کے ساتھ تو اس کا گزارہ ہی نہیں۔ بنونضیر مدد کا انتظار کرتے رہے۔ مدد کو کوئی نہیں آیا۔

ہائے رے مایوسی ان کی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔

بنونضیر تو بڑے بودے نکلے صرف چھ دن کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ اور کہلوا بھیجا کہ ہم نکلنے کے لئے تیار ہیں۔ حضور نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔ اور منظور کیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ جتنا بھی ساز وسامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں لے کر چلے جائیں۔ بنونضیر نے اپنے ہاتھوں اپنے مکان اجاڑ دیئے۔ دروازے کھڑکیاں چھتوں کی کڑیاں بلکہ دیواروں کی کھونٹیاں بھی لادلیں اور چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ باہر جا کر انہوں نے اپنی سازشیں جاری رکھیں مگر اس وقت جانیں بچا گئے۔ اللہ نے ان کے حال پر ایک آیت میں تبصرہ کیا ہے۔

کمثل الشیطن اذ قال للانسان اکفر. فلما کفر قال انی بری منک (سورۃ الحشر ۔آیت ۱۶)

جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کہ کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔

سورۃ الحشر میں بنی نضیر کی حرکات اور ان کی سزا کا اتنا ذکر ہے کہ مشہور مفسر قران ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے سورۃ الحشر کو سورۃ بنی نضیر کہو۔ (صحیح بخاری اور ابن ہشام)

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول ۴ ھ میں پیش آیا تھا اور ابوسفیان نے رمضان ۳ ھ میں احد سے جاتے وقت مسلمانوں کو اگلے سال ایک اور مقابلہ کا چیلنج کیا تھا۔ ابھی رمضان میں چند مہینے باقی تھے۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ ان چند مہینوں میں راستہ کے بدو قبائل کی ہمت توڑ دی جائے۔ یہ سرکش بدو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام مخبری نے یہ خبر دی تھی کہ بعض گرم مزاج خود مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کو معلوم ہو کہ رمضان شوال میں بدر میں معرکہ طئے ہے اور وہ موقع حملہ کا اچھا ہوگا۔ حضور نے بغیر کسی خاص ہدف کے نجد میں یلغار کر دی۔ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ لڑائی کی تیاری کر رہے تھے۔ کچھ نفری وہاں جمع ہو بھی چکی۔ حضور نے جب ادھر کا رخ کیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ سیرت نگاروں نے کسی خاص غزوہ کی خبر نہیں دی ہے۔ مگر ادھر ادھر یلغار اور ڈرانے دھمکانے والے کئی حملہ ہوئے۔ کیا اس کو جنگی مشقیں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی فوج کو چست چالاک بنایا جا رہا تھا؟ یا کیا صرف اس بات کی پیش بندی کی جا رہی تھی کہ جب بدر میں ابوسفیان سے

''ملاقات'' ہوتو بالکل یکسوئی ہو؟ واضح رہے کہ بدر مدینہ سے 80 کلومیٹر دور ہے اور مدینہ میں مسلمان عورتیں، بچے، بوڑھے اور مریض وغیرہ غیر محفوظ ہوں گے۔

غزوہ بدر دوم:

شعبان ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں دیا اور بدر کی طرف ابوسفیان سے **ملاقات** کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضور کے ساتھ ڈیڑھ ہزار کی جمعیت تھی (پچھلے سال 700 تھے)۔ دس گھوڑے بھی تھے۔ بنی نضیر سے چھینے ہوئے ہتھیار کافی ملے تھے۔ ابوسفیان نے مکہ میں بیٹھے ہوئے افواہ اڑانے کا کاروبار شروع کر دیا تھا کہ اس دفعہ قریش نے ایسا لشکر جرار تیار کیا ہے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔ یہ آج کی زبان میں میڈیا کی جنگ تھی۔ مگر عرب قبائل اتنے بھی بے وقوف نہیں تھے کہ وہ یہ سوال (کم از کم اپنے ذہنوں میں) نہ اٹھاتے کہ اگر تم ایسے ہی رستم زمانی ہوتو پچھلے سال حمراء الاسد میں فیصلہ کیوں نہیں کرلیا۔ مسلمانوں کا انداز تھا کہ

''وہ آئیں تو سر مقتل تماشا ہم بھی دیکھیں گے۔''

مگر وہ آتے آتے رک گئے۔ ابوسفیان دو ہزار سپاہیوں کو اور پچاس سواروں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ مسلمانوں کو مدینہ سے نکلتے وقت حضور نے تجارتی سامان رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ (مدینہ میں مہاجر انصار مواخات نے تجارت یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دی تھی یا کم از کم یہ عمل شروع ہوگیا تھا)۔ تجارت کا سامان لے کر چلنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ اس دفعہ قریش سامنے ہی نہیں آئیں گے۔ یہ پیغام تھا یا پیش گوئی تھی۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ابوسفیان کے پاس نفری اور سواروں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی مگر خوف تو دلوں کے اندر بیٹھتا ہے اس کا حساب کس کے پاس تھا۔ابوسفیان کو مکہ سے نکلتے ہی پہلی منزل پر نئے انکشافات ہونے لگے۔ وہ پہلی ہی منزل وادی مرالظہران پر مجنہ کے چشمہ پرٹھہر گیا۔اپنے ساتھیوں سے فرماتا ہے۔

موسم خراب ہے......خشک سالی کی وجہ سے جانوروں اور انسانوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ بڑی زبردست منطق تھی۔کم ازکم ابوسفیان کے ساتھیوں کو پسند آئی۔مگر یہ طبقات سعد والا سیرت نگار بڑا ظالم ہے اس نے ابوسفیان کے الفاظ لکھ لئے۔ مجھ جیسے کم عقل کا بھی ایک سوال ہے قریش کے سپہ سالار اعظم سے۔کیا یہ موسم مکہ سے مراء الظہر ان تک آتے آتے خراب ہو گیا تھا جو صرف آدھے دن کا راستہ ہے۔جانوروں پر رحم کھانا بڑی اچھی بات ہے۔ یہ ابوسفیان ہمیشہ گھوڑوں پر بھروسہ کیوں کرتا ہے۔پچھلی جنگ میں خالد کے گھوڑوں نے ابوسفیان کی لاج رکھی تھی مگر اب اس کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں نے اس کا بھی کوئی توڑ نکال لیا ہوگا۔ ساتھیوں نے ابوسفیان سے مکمل اتفاق کیا۔شاید انہوں نے وہ پٹی پٹائی بات کہی ہوگی۔ جان بچی اور لاکھوں پائے۔خیر سے بدھو گھر کو آئے۔قریش نے ایک رات مرالظہران کے چشمے پر شراب سوئق کے ساتھ پی۔ سوئق ستو کو کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ ستو کھا کے چشمہ پر شراب پینے میں کچھ خاص لذت ہو۔ یہ پکنک اور لذت لشکر قریش کو مبارک ہو۔ صبح کو یہ لشکر واپس چلا گیا۔ نہ ان کے گھوڑوں کو تکلیف ہوئی اور نہ انسانوں کو مگر سارے عرب کو خبر لگ گئی کہ قریش عددی برتری کے باوجود لشکر اسلام سے منہ چھپاتے ہیں۔

زبردست تجارت:

طبقات ابن سعد والے باقاعدہ بھانڈا پھوڑتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے تجارت میں خوب کمائی کی۔ یعنی ایک درہم پر ایک درہم (۱۰۰فیصد منافع)

غزوہ دومتہ الجندل:

مسلمان بدر ثانیہ یعنی اس غزوہ سے جو کہ نہیں ہوا کیونکہ ابوسفیان جانوروں (گھوڑوں) کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا واپس آئے تو چھ مہینے تک امن قائم رہا کیونکہ سارے عرب پر ان کا رعب تھا۔ مگر ایک طرف قریش کی ساری آمدنی ماری گئی تھی کیونکہ ان کی تجارتی شاہراہ بند ہوگئی تھی اور دوسری طرف یہود کا سود کا کاروبار بند ہوگیا تھا۔ سرمایہ کا راستہ بند ہوتو جنگ ہمیشہ ہوتی ہے۔ ماہ ربیع الاول میں مخبروں نے خبر دی کہ بعض بدوی قبائل دومتہ الجندل کے مقام پر جمع ہورہے ہیں ان کا مقصد مدینہ پر حملہ کرنا ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے پندرہ راتوں کی مسافت پر ہے۔ حضور ان سے مقابلہ کے لئے 25 ربیع الاول کو روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ہزار مجاہد تھے جن میں سوار بھی شامل تھے۔ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپ کر سفر کیا اور اچانک ان کے سروں پر جا پہنچے۔ قبائل مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ لشکر 20 ربیع الثانی کو مدینہ پہنچا۔

غزوہ بنو مصطلق:

مدینہ سے نو منزل پر مکہ کے قریب قدیر کے کنویں مریسع پر قبیلہ مصطلق کا ٹھکانہ تھا۔ مخبروں نے خبر دی کہ وہاں لشکر جمع ہورہا ہے۔ اس کے سردار حارث بن ابی فرار کو کچھ یہودی سرمایہ ملا اور کچھ قریش سے بڑھاوا ملا کہ مدینہ پر حملہ کردہ۔ (یہود اور قریش اب صرف پردے کے پیچھے سے ہی لڑ سکتے تھے) حضور اپنی جنگی تدبیر سے فوراً حملہ آور ہوئے۔ کچھ بھاگ گئے 600 گرفتار ہوئے۔ معافیاں مانگیں جوان کو مل گئیں۔ سردار کی بیٹی

جویریہ بھی گرفتار ہوئی جس سے حضور نے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد اسلامی فوج نے سارے قیدی واپس کردیئے۔ اوراس کے نتیجہ میں بنومصطلق مستقل دوست بن گئے۔

جنگ خندق۔غزوہ احزاب

اگر اسلام ایک جسم ہوتا یعنی اس کی اگر کوئی جسمانی یا انسانی شکل ہوتی تو وہ جسم کھڑا ہو کر یہ فریاد کرتا یا نعرہ لگاتا۔

دنیا کے مقابل میں ہمیشہ رہا تنہا
آئی نہیں دنیا کبھی تنہا مرے آگے

اسلام پر جب بھی کوئی یلغار ہوئی ہے (دنیا میں کہیں بھی سوائے تاتاری حملوں کے) تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک گیدڑوں کے جتھے نے ایک تنہا حریف پر حملہ کر دیا ہے۔ دنیا میں جب کہیں کوئی فساد ہو تو اس کی جڑ میں کسی یہودی سازش کا سراغ ملے گا۔ ایک سال سے زیادہ کی مسلسل فوجی مہمات کے بعد عرب میں کچھ امن وامان کا موسم آ گیا تھا۔ مگر دو گروہوں کے مفاد پر ضرب پڑی تھی اور وہ مسلسل تھی وقتی نہیں۔ ان چوٹوں کا نام تھا (ا) سیادت اور تجارت۔ آج بھی جنگوں کی یہ ہی بنیادی وجوہ ہوتی ہیں۔ ان دونوں وجوہ نے قریش اور یہود کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ قریش سارے عرب کے ذہنی فکری بادشاہ تھے۔ وہ سرداری اور بادشاہت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اور ان کی تجارتی شاہراہیں ان پر بند کر دی گئیں تھیں یہاں تک کہ مکہ پر مفلسی اور بدحالی کے سائے پڑنے لگے تھے۔ مختلف قبیلوں کی مکہ آمد اور بتوں پر چڑھاوے سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ قابل ذکر نہیں رہ گئی تھی۔ اور یہود اپنے قلعوں سے نکالے گئے تھے اور ان کے نخلستان اور باغ چھن گئے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی سود کی آمدنی ختم ہوگئی تھی۔ اکیلے اکیلے قریش نے اور یہود دونوں نے اپنے حساب ریاست مدینہ سے چکانے کی کوشش کی تھی مگر دونوں کو ناکامیابی ہوئی۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر اسلام کو فوری مٹانے کی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کامیابی نہیں ہوئی تو پھر کوئی دوسرا موقع

نہیں آئے گا۔ظاہر بات ہے کہ ان زمینی حقائق نے یہوداور قریش کوایک دوسرے کافطری ساتھی بنادیا تھا۔

(خندق کالفظ فارسی لفظ کندہ کامعرب ہے۔کندہ فارسی میں کھدے ہوئے کو کہتے ہیں جس کوعرب نے معمولی لفظی تبدیلی سے خندق بنالیا۔اس بات سے معلوم ہوجائے گا کہ جنگ میں خندق کاتصور ایران سے لایا گیا تھااوراس کولانے والے تھے سلمان فارسی)

دو یہودی قبائل بنی نضیر اور بنی قینقاع مدینہ کے قرب سے نکال دیئے گئے تھے۔اس لئے یہود کے سرکردہ لوگ مدینہ کے اردگرد اپنے مستقبل سے سخت ہراساں تھے۔حیئ بن اخطب سلام بن ابی حقیق۔کنانہ بن ربیع سلام بن مشکم اور بنی وائل سے ہوذہ بن قیس اور ابوعمارہ نے ایک گروہ بنایا اور سب سے پہلے وہ مکہ گئے۔ قریش کو مدینہ پر بھرپور حملہ کرنے کے لئے تیار کیا۔قریش کی مالی حالت خستہ تھی کیونکہ بدر کے دن سے ان کے تجارتی قافلہ تقریباً بند ہوگئے تھے۔مکہ سے جنوب جاسکتے تھےمگرشمال میں مسلمانوں کے مخبران سے جان اور مال دونوں طلب کرسکتے تھے۔ یہود نے بھرپور مالی تعاون کا یقین دلایا کہ خرچہ سارا ہمارا صرف گردن کٹانے کے لئے تم آجانا۔قریش بے وقوف اس دھوکہ میں تو نہیں آئے مگران کواپنی شاہراہ تجارت کھلنے کا امکان نظرآیا۔تو معاہدہ ہوگیا۔تاریخ مقرر ہوگئی۔کعبہ میں بتوں کے سامنے ابوسفیان نے قسم کھائی۔تاریخ کس سے خفیہ رکھی گئی؟؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی تاخیر کے اطلاع مل گئی کہ قریش کے لئے استقبالیہ کمیٹی کس دن مدینہ کے دروازے پر ان کا انتظار کرے۔اب یہودیوں کا یہ وفد بنی غطفان کے جنگ جو قبیلہ میں گیا۔اس کے سردار عینیہ بن حصن بن حذیفہ کو خیبر کی سال بھر کی کھجور کی فصل کی پیش کش کی۔یہ قبیلہ بھی معاہدہ میں شامل ہوگیا۔اسی طرح اطراف کے دوسرے قبائل بنومرہ کے سردار حارث بن عوف اور بنو اشجع کے مسعر بن رخیلہ کو یہود کی تھیلیاں درہم و دینار سے بھری ہوئی پیش کی گئیں۔(ڈاکٹر حمید اللہ کے سیاسی وثیقہ جات میں تفصیل ہے)اس کے علاوہ قبائل بنی سلیم۔فزارہ اوراسد میں بھی معاہدہ گروپ کے لئے ہمدردیاں اوروفاداریاں اور مسلمانوں کے لئے نفرتیں پیدا کردی گئیں۔اب یہ معاہد قبیلے اس بڑی تعداد میں

جمع ہو گئے تھے کہ ہم ان کو احزاب کہہ سکیں۔ اگر یہ قبیلے لوٹ مار کے خواب دیکھ رہے تھے تو ان کو کوئی بتا دیتا کہ مدینہ میں اتنی دولت ہے ہی نہیں کہ سب کا پیٹ بھرے یا حرص پوری ہو۔ بنوخزاعہ کا قبیلہ جو مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا تھا اور بنی بکر دشمن قبیلہ سے حفاظت کے لئے مسلمانوں سے دوستی کا متمنی تھا اس نے بھی جس قدر معلومات ان کو ہوئیں وہ انہوں نے مسلمانوں کو پہنچا دیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے مشیروں کو ساتھ لے کر مدینہ کے اردگرد کا جائزہ لیا۔ مدینہ کے تین طرف قلعہ نما مکانات ایک دوسرے سے پیوست بنے تھے اور کھجوروں کے گھنے باغ تھے۔ دشمن کے کسی بڑے جتھے کا خصوصاً سواروں اور اونٹوں کا داخلہ ناممکن تھا۔ چھوٹے چھوٹے پیدل گروہوں کا چند مستعد تیر انداز مکمل طور پر صفایا کر سکتے تھے۔ شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر سنگین حفاظتی فصیل ہیں مشرقی اور مغربی حرہ (سنگستان) واقم اور حرہ وبرہ بھی سواروں کو روک دینے۔ زخمی کر دینے اور گرا دینے کے لئے کافی ہیں۔ اگر کوئی بچ کے نکل بھی آئیں تو چند تیر انداز ان کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔ جبل سلع ایک بڑی چھ سو فٹ اونچی چٹان اور پھر ایک ٹیلہ ہے جبل ذینب کہلاتا ہے۔ یہ سب رکاوٹیں بڑی سنگین قسم کی ہیں جن کو پار کرنا کرایہ کے سپاہیوں کے لئے ناممکن ہے۔

مگر مدینہ کی شمالی سمت کھلی ہوئی تھی۔ دشمن ادھر سے بہ آسانی آ سکتا تھا۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ دشمن کے لئے استقبالیہ کمیٹی وہیں قائم کر دی جاتی۔ ہر قدم آگے بڑھنے کی کوئی قیمت مقرر کر دی جاتی۔ یہ دشمن اتنا سرفروش نہیں ہے جلدی ہی بھاگ جاتا مگر ہمارے کتنے ہیرے خاک میں مل جاتے۔ ہم کتنے شہیدوں کی لاش اٹھاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرا طریقہ اپنایا۔

سلمان فارسی نے فارسی طریقہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک لفظ **خندق** کافی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذہانت کے لئے۔

خندق کھودنے کے لئے جبل سلع کے دامن میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ سرخ چمڑے کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لگایا گیا۔ یہ گویا کیمپ آفس تھا چیف انجینئر صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آرام گاہ بھی تھوڑے وقفوں کے لئے۔ کھدائی کا سامان میں پھاوڑے تسلے وغیرہ ہمسایہ یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے مانگ کر لیا گیا۔ ابھی معاہدے کا زہران تک نہیں پہنچا تھا۔ بعد میں جب بنی قریظہ احزاب میں شامل ہوئے اس وقت تک خندقیں کھد چکی تھیں یا کم از کم اوزار مسلمان فوج کے ہاتھ میں آ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو دس دس گز حصہ دیا۔ خندق کی تصریحات Specifications بتائیں پانچ ہزار گز لمبی۔ سات گز گہری اور نو گز چوڑی۔ گہرائی اتنی کہ تری (پانی) نکل آئی تھی۔ (آج کا پندرہ برس کا حساب پڑھنے والا لڑکا یہ حساب مشکل سے نکال سکتا ہے کہ ایسی خندق کو تیار کرنے میں کتنے دن لگیں گے۔) وقت کا انتظام ایسا کامل اکمل (Perfect) تھا کہ جب خندق مکمل ہوئی اس دن جان کی دشمن مہمان فوج احزاب سامنے آ گئی اور آ کے حیرانی سے خندق پر رک گئی۔ یہ مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نئی ترکیب تھی۔

ا۔ بدر میں صف بندی

۲۔ احد میں پہاڑ کی پشت پر حفاظت کا انتظام

۳۔ جنگ احزاب میں خندق

اور یہ ہی آخری حربہ نہیں تھا۔ خندق جتنی گہری تھی یعنی جتنی مٹی نکلی تھی اتنی ہی اونچی دیوار اسی مٹی سے خندق کے کنارے خود بخود بن گئی جس کے پیچھے سعد بن وقاص چیمپین تیر انداز اور ان کے ایک ہزار ساتھی اور شاگرد گدڑے کمبل تیر کمان سامنے رکھ کر دشمن کی آنکھ سے اوجھل جم کر بیٹھ گئے دن رات چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی

پر۔ دشمن کو ایک شدید تکلیف اس لاعلمی سے کہ کب کس طرف سے تیر آئے گا اور کیا اس کو موت کا فرشتہ عزرائیل ان کی حلق تک پہنچا دے گا۔ ان دیکھے دشمن کا خوف بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔

حریفوں کے لئے اس میں ایک پیغام تھا کہ قضا کا تیر بھی اسی طرح بغیر کسی اعلان کے آتا ہے۔ تیاری ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے۔

ادھر خندق تیار ہورہی تھی ادھر حیٔ بن اخطب سرغنہ یہودی اپنی کوشش میں لگا تھا۔ بنو قریظہ جو مدینہ کے قریبی پڑوسی یہودی تھے ان کو توڑنا بہت ضروری تھا۔ وہ رات کے وقت بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا۔ اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مخبر خبریں دے رہے تھے۔ زبیر بن عوام گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کے گرد عام نگرانی کر رہے تھے مگر بنی قریظہ پر خاص نظر تھی۔ جب حیٔ بن اخطب نے پیچھا نہیں چھوڑا تو بنی قریظہ کے کعب نے دروازہ کھولا۔ حیٔ بن اخطب نے اپنی زبان کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ کعب نے کہا کہ تو بڑا بد بخت ہے پہلے اپنے قبیلہ کی تباہی کا باعث بنا اب ہم کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم مسلمانوں کے ساتھ امن چین سے زندگی گزار رہے ہیں (ابھی کوئی دس دن پہلے اس نے مسلمانوں کو زمین کھودنے کے اوزار بھی دیئے تھے۔) کعب نے کہا کہ ہمارا مسلمانوں سے معاہدہ ہے جس کو توڑنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن خبیث حیٔ بن اخطب نے ایسے سبز باغ دکھائے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ ختم کر ڈالا۔ کیا تمام یہودی قبائل کی عقل ان کی ایڑی میں ہوتی ہے؟۔ اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ یہ دور دور سے آئے ہوئے احزاب اگر فتح یاب ہوئے بھی تو اس سب سے چھوٹے پارٹنر کو کیا ملے گا اور اگر شکست ہوئی تو قریش تو چار سو کلومیٹر دور بھاگ جائیں گے اور سارے کرایہ کے سپاہی قسم کے قبائل اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو جائیں گے مگر بنی قریظہ جو قریب ترین ہمسایہ ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ (مگر قصور ان کا نہیں ہے ان کا استیصال بارگاہ

الٰہی سے مقدر ہو چکا تھا یہ سب اسباب پیدا کر رہے تھے)۔کعب ابھی سوچ رہا تھا۔

ابوسفیان کو بھی اس کے مخبروں نے خندق کی خبر دے دی۔ابوسفیان کی مزید حماقت ملاحظہ فرمایئے۔ایک دھمکی آمیز خط حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ مارا۔دھمکی اس شخصیت عظیم کو جو ساری دنیا کو پیغام دے رہے تھے کہ الا اللہ سے پہلے لا الٰہ۔اللہ کا نام لینے سے پہلے ہر طاغوتی طاقت کا انکار ضروری ہے ورنہ ''الا اللہ'' نامکمل بات ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ آف پیرس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات (خطوط جمع کئے ہیں ان کا نام رکھا ہے سیاسی و ثیقہ جات اور اسے مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے اس میں یہ خط اور اس کا جواب شامل ہے۔

''من جانب ابوسفیان بن حرب بخدمت محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) با سمک اللھم اپنے بتوں لات، عزیٰ، منات، نائلہ اور ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہمراہ وہ بے کراں لشکر لے کر آ رہا ہوں جو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔

میں نے آپ کے حوصلے دیکھ لئے۔مقابلہ کی تاب نہ لا کر شہر کے اردگرد خندق کھدوالی۔آپ تو یہ طریقہ جانتے نہ تھے۔

اگر اس مرتبہ ہم مدینہ سے ناکام واپس لوٹے تو جس طرح احد میں ہم نے آپ کو پامال کیا تھا اور آپ کے لشکریوں کی گرفت سے ہم اپنی عورتوں کو بچا لائے کسی وقت احد کی مانند پھر آپ کو نرغہ میں لے کر پیس دیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خط پہنچا۔آپ نے ابی بن کعبؓ کو اپنے خیمے میں لے جا

کران سے سنا اور جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''من جانب محمد رسول اللہ بنام ابوسفیان بن حرب

واضح ہو تمہارا خط ملا۔ میں جانتا ہوں کہ تم سدا سے اللہ تعالیٰ کے خلاف غرور میں مبتلا ہو۔

یہ جو تم نے مدینہ پر ایسا حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے جس میں تمہارے ہمراہ لشکرِ جرار ہوگا اور کہتے ہو کہ تمہاری فوج مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گی تو یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم لوگوں سے لات وعزیٰ کا نام لینے کی طاقت سلب کر سکتا ہے۔

اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ مجھے خندق کھودنے کا طریقہ یاد نہ تھا تو یہ طریقہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس وقت القا فرمایا جب تمہارا اور تمہارے ہمراہیوں کا غیظ وغضب یہاں تک آ پہنچا کہ تم لوگ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تل گئے۔

سنو! تمہاری خام امیدوں کا پورا ہونا تو کجا وقت آ گیا ہے کہ لات وعزیٰ ومنات اور نائلہ ایک ایک کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔''

ضربِ رسول۔ آخری چٹان

خندق تقریباً کھودی جا چکی تھی۔ آمد ورفت رسل رسائل بند ہو چکے تھے۔ سارے قوی بازو خندق کھود رہے تھے۔ غلہ اور خوراک نایاب ہوتے جارہے تھے۔ پانی بھی کم تھا اور ایک ہزار انسانوں (مزدوروں) کو پانی پہنچانے کا انتظام مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی آزمائش کر رہا تھا۔ سردی ایسی سخت تھی کہ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں پڑی۔ ایک چٹان ایسی آپڑی کہ کسی مجاہد کی ضرب اسے توڑ نہیں سکی۔ خندق کے مکمل ہونے میں بس یہ ہی ایک ٹکڑا باقی تھا۔ اس ٹکڑے کے چیف مزدور عمرو بن عوف تھے اور ساتھی تھے سلمان فارسی حذیفہ بن یمان۔ نعمان بن مقرن۔ اور چھ اور انصاری۔ وہ چٹان اس قدر سخت تھی کہ کدالیں ٹوٹ گئیں۔ یہ مزدور اپنی ناکامیابی اور مایوسی کی کہانی لے کر حضورِ آیہ رحمت میں پہنچے۔ معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چٹان کی سختی کی (کہ وہ صحابہ کے ہاتھوں نہیں ٹوٹے گی) رمز معلوم تھی یا نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ کدال کی پہلی ضرب پر چٹان سے ایک شعلہ سا نکلا۔ حضور نے نعرہ لگایا ''اللہ اکبر'' چٹان کا ایک تہائی ٹکڑا ٹوٹ چکا تھا۔ موجود صحابہ کے گروہ نے آواز لگائی اللہ اکبر۔ یہ آواز خندق کے ہر سرے اور ہر ٹکڑے پر سنی گئی اور خالی پیٹ والے مزدوروں نے پوری طاقت لگا کر جواب دیا ''اللہ اکبر'' کون بدبخت ایسا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرہ اللہ اکبر کا جواب اللہ اکبر سے نہ دے (کسی کو خود اپنے ضمیر کی طرف سے کفر اور زندقہ کا فتویٰ تو نہیں لگوانا تھا) حضور نے دوسری ضرب کدال کی لگائی۔ پھر شعلہ نکلا۔ پھر روشنی ہوئی پھر چٹان کا ایک تہائی ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ پھر حضور نے نعرہ لگایا اللہ اکبر۔ پھر پوری وادی گونج اٹھی اللہ اکبر سے۔ حضور نے پھر تیسری ضرب لگائی پھر شعلہ نکلا روشنی ہوئی پھر اللہ اکبر کا نعرہ حضور نے لگایا۔ اور پھر سارے مزدور مجاہدوں نے نعرہ لگایا اللہ اکبر کا۔

اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی مشیت شاید پوری ہوگئی۔ رسول نے تین دفعہ اللہ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا۔ سارے لشکر نے ساتھ دیا۔ اور سارے لشکر نے بھوک اور سردی میں کچھ کمی اور سکون اور عافیت میں اضافہ محسوس کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی چمک میں مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں میں نے حیرہ کے سرخ محلات کو دیکھا۔ دوسری ضرب میں فارس کی چابیاں عطا ہوئیں۔ مدائن کے قصر ابیض کو میں نے دیکھا تیسری بار یمن کی کنجیاں ملیں اور میں صنعاء کے دروازوں کو یہاں سے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ حضور نے سلمان کو فارس کے قصر ابیض کی تفصیل بتائی تو سلمان نے کہا کہ خدا کی قسم قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ادھر خندق مکمل ہوئی ادھر کفار کے لشکر پہنچنے شروع ہوئے۔ وہ آتے تھے اور خندق کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتے تھے۔ ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی چونکہ بیچ میں خندق حائل تھی اس لئے صرف تیراندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔ کبھی کبھی کچھ قریشیوں نے خندق پار کرنے کی کوشش بھی کی مگر تیراندازوں نے ان کو دور رکھا۔ ایک دفعہ عمرو بن عبدودّ۔ عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن ازور گھس بھی آئے مگر حضرت علی فوراً ایک دستہ فوج لے کر ان کے سامنے آگئے۔ عمرو بن عبدودّ جو نامی گرامی پہلوان مانا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا باقی واپس خندق پر سے گھوڑا کدانے میں کامیاب ہوئے۔ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ دیا اور نوفل کا گھوڑا خندق پار نہ کر سکا وہ خندق میں گرا۔ حضرت علی نے اس کو خندق میں اتر کر کشمکش حیات سے نجات دلائی۔

دوسری طرف حیئ بن اخطب نے بنو قریظہ کو قابو میں کر لیا۔ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا۔ مدینہ کے اندر کمزور ایمان والوں اور منافقوں نے یہ دیکھا تو ان کے دل خوف سے دہل گئے۔ قرآن کا بیان پہلے مومنین کی

کیفیت کا اور پھر منافقوں کی کیفیت کا۔

مومنین کی کیفیت

ولما راالمومنون الاحزاب قالو هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ومازادهم الا ایمانا و تسلیما. (سورۃ الاحزاب 33۔آیت 22)

ترجمہ: اور جب مومنین نے (کافروں کا) لشکر دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہوا۔

منافقوں کی کیفیت

واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبهم مرض ماوعدنا الله ورسوله الا غرورا.

(سورۃ الاحزاب 33۔آیت 12)

ترجمہ: اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ خدا اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔

دوخوشگوار واقعات

خندق کے محاصرہ کے درمیان صحابہ پر بھوک کے شدید دن آئے ہوئے تھے۔ جابر بن عبداللہ نے حضور کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے تو اندر مدینہ میں اپنے گھر گئے۔ ایک بکری کا بچہ نظر آیا اس کو ذبح کیا پکایا۔ بی بی نے ایک صاع (تقریباً ڈیڑھ کلو) جو پیسا۔ روٹی پکائی۔ جابر رازداری سے حضور کے پاس آئے اور کہا کہ چند رفقاء کے ساتھ تشریف لے چلئے اور کچھ کھانا نوش فرمایئے۔ حضور نے اپنے طریقہ کے مطابق جتنے

رفیق خندق کے قریب قریب نظر آئے ان کو کہا کہ جابر نے دعوت کی ہے۔چلیں کھانا کھالیں۔لوگوں کی ٹولیاں آتی رہیں اور کھانا کھاتی رہیں (نہ ایک ہزار آدمی جابر کے گھر بیٹھ سکتے تھے اور نہ وہ اپنا مورچہ چھوڑ سکتے تھے) اس طرح خندق کے ایک ہزار محافظوں نے قسطوں میں جابر کے گھر کھانا کھایا۔ابھی گندھا ہوا آٹا ختم نہیں ہوا تھا اور ہانڈی جوش مار رہی تھی کہ یہ دعوت ختم ہوئی۔(صحیح بخاری)

دوسرا واقعہ ہے کہ نعمان بن بشیر کی بہن خندق کے پاس دو مٹھی کھجور لے کر آئیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھالیں گے۔ جب حضور کے پاس سے گزریں تو حضور نے کہا کہ کھجوریں مجھے دے دو۔حضور نے وہ کھجوریں ایک کپڑے میں بکھیر دیں۔ پھر خندق والوں کو دعوت دی۔سارے خندق والے کھجوریں کھا کر چلے گئے مگر کھجوریں ابھی دسترخوان سے باہر گری جارہی تھیں۔(ابن ہشام)

قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا۔

قریظہ نے موت کو خود آواز دی۔

حئی بن اخطب نے آخر کار کعب کو لالچ دے کر اپنے ساتھ کرلیا۔بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا۔پہلی خیر سگالی کے طور پر لشکر قریش کو بیس اونٹ غلّہ اور غذا کا دوسرا سامان روانہ کیا۔مسلمانوں کا ایک دستہ ہمیشہ بنو قریظہ کے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا کہ کہیں وہ مدینہ میں مسلمان عورتوں بچوں بوڑھوں اور مریضوں پر حملہ نہ کردیں۔ یہ دستہ حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں تھا۔اس دستہ نے اس سامان کو ضبط کرلیا اور خندق والوں کی بھوک کا کچھ علاج ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ سعد بن معاذ عبداللہ بن رواحہ اور خرات بن حیر پر مشتمل ایک وفد بنو

قریظہ بھیجا۔ کعب کے پاس بھیجا۔ وہاں دیکھا کہ کعب انتہائی خباثت پر آمادہ ہے۔ کہتا ہے "کون محمد؟؟" "کیسا معاہدہ؟؟"۔ "ہم خود مختار ہیں"۔ ہمارا جب جی چاہے گا اور جو جی چاہے گا وہ کریں گے۔" یہ پیغام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور حضور اس پر بہت افسردہ ہوئے۔ منہ پر ایک کپڑا ڈال کر لیٹ گئے۔ صحابہ بھی وحشت میں تھے جو وفادار تھے وہ حضور کے غم سے غمگین تھے اور منافق اور کمزور ایمان والے اپنے انجام پر۔ یکا یک حضور کپڑا ہٹا کر اٹھ بیٹھے اور خوش اور مطمئن نظر آئے۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ حبیب کے پاس سے محبوب کو پیغام آ گیا۔

حضور نے فرمایا کہ مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ بدر کا سین دوبارہ دہرایا جا رہا ہے۔ فتح کی ضمانت پہلے۔ پھر مجاہدوں کی جاں سپاری۔ جاں نثاری۔ مجاہدہ اور جنگ۔ ضمانت فتح۔ کے بعد بھی رسول کی دعائیں "دعا بعد از عطا" کی مد میں۔ اور مجھے کہنے دیجئے کہ بنو قریظہ جو حضور کی پانچ سالہ حکومت مدینہ میں آرام اور امن سے اپنی زندگی گزار رہے تھے انہوں نے ٹھیک پندرہ دن کے بعد اپنی موت کے پروانہ پر دستخط کر دیئے۔

صفیہ بنت عبدالمطلب

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ صفیہ بنت عبدالمطلب حضور کی پھوپھی۔ حضرت حمزہ کی بہن اور زبیر کی والدہ فارع نامی قلعہ کے اندر تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک یہودی بار بار چکر لگا رہا ہے۔ قلعہ میں کوئی مجاہد نہیں تھے صرف حسان بن ثابت تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے حسان اگر یہ یہودی واپس گیا تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا دفاع کمزور ہے۔ باہر نکلئے اور اس کو قتل کیجئے۔ حسان نے کہا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ خود خیمہ کی ایک لکڑی لے کر نکلیں چھپ کر اور گھات میں آ کر اس یہود کے سر پر ایسی چوٹ ماری کہ وہ چکرا کر گرا

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کو دن میں کتنے تارے نظر آئے اور پھر صفیہ نے لکڑی سے مار مار کر اسے جہنم پہنچا دیا۔ اندر آ کر انہوں نے حضرت حسان سے پھر کہا کہ وہ مرد کے جسم سے ہتھیار نہیں اتار سکتیں آپ جا کر ہتھیار اتار لیں۔ حسان نے پھر کہا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ اچھا ہی ہوا۔ وہ لاش وہاں پڑی پڑی اشتہار کا کام کر رہی تھی کہ ''ادھر مت آنا ادھر خطرہ ہے۔''

سمجھوتہ جو ہو نہ سکا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اتحادیوں'' کا اتحاد توڑنے کی کوشش کی۔ غطفان اور فزارہ کے قبیلوں کے سرداروں کو بلایا اور ان کو پیش کش کی کہ وہ ان کو مدینہ کی کھجوروں کا تہائی حصہ دیں گے وہ معاہدہ سے علیحدہ ہو جائیں۔ انہوں نے آدھے حصے کا مطالبہ کیا کیونکہ ایک تہائی حصہ تو ان کو یہود دینے پر راضی تھے۔ حضور نے بھی ایک تہائی کی پیش کش کی۔ بہر حال ایک تہائی پر سمجھوتہ ہو گیا۔ اور حضرت عثمان معاہدہ لکھ رہے تھے۔ حضرت اسید بن حضیر انصاری دیکھ رہے تھے کہ غطفان کا سردار عینیہ حضوری میں بڑی بے ادبی سے بیٹھا تھا۔ انہوں نے اسے ٹوکا کہ تمیز سے بیٹھو۔ اگر رسول کا ادب مجھے نہ روکتا تو میں یہ نیزہ تمہارے سینہ سے پار کر دیتا۔ پھر حضور سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ معاہدہ حکم الٰہی سے کر رہے ہیں تو مجال چون و چرا نہیں ہے لیکن اگر ہماری جانوں کی خاطر کر رہے ہیں تو عرض یہ ہے کہ ہم نے ان کو کبھی کھجور کی ایک گٹھلی بھی تاوان یا رشوت میں نہیں دی۔ جب ہم جاہلیت میں تھے۔ اب مسلمان ہونے کے بعد ان سے کیا ڈریں گے ان کو ہم سے ڈرنا چاہئے۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مجھے تمہاری عافیت کا خیال تھا۔ حضور نے اوس اور خزرج کے سرداروں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا۔ وہ اسید بن حضیر سے متفق تھے۔ معاہدہ پھاڑ دیا گیا۔ غطفان اور فزارہ کے سرداروں کو باہر کا راستہ دکھا دیا گیا۔ (گرم سعد بن ہمیشہ لڑائی پر تیار)

طوفان اب آنے والا ہے:

محاصرہ کے پچیس دن گزر چکے ہیں۔ اتحادیوں کی فوج جو باہر پڑی ہوئی ہے اس کی کم سے کم تعداد جو گنی گئی ہے وہ دس ہزار ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے جو حساب کیا ہے وہ بیس ہزار اور چوبیس ہزار تک پہنچتا ہے۔ پھر ان میں اضافہ کیجئے سینکڑوں گھوڑوں اور اونٹوں کا کیونکہ وہ بھی خوراک مانگتے ہیں۔ ان کو رسد پہنچانا یہود کے قلعوں کا کام تھا مگر یہود کچھ دینے میں ہمیشہ تکلف فرماتے ہیں۔ صرف لینے کے وقت مستعد ہوتے ہیں۔ ان بیس ہزار آدمیوں اور جانوروں کی رسد بوجھ بنتی جا رہی تھی یہود پر۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ توڑنے کے بعد بیس اونٹ کے بوجھ کے برابر غلّہ قریش اتحاد کو بھیجا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ سے معاہدہ ٹوٹنے کے فوراً بعد ان کے گرد محافظ دستوں میں اضافہ کر دیا تھا اس دستے نے غلّہ پر قبضہ کر لیا۔

مال موذی نصیب غازی

غلّہ فوراً مدینہ کے گھروں میں مسلمان خواتین کو بانٹ دیا گیا کہ چکیاں چلنی فوراً شروع ہو جائیں اور سارا غلّہ روٹی کی شکل میں تبدیل کر کے لشکر میں پہنچا دیا جائے۔ ایسا ہی ہوا مثالی پھرتی تیزی کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضیافت شروع کر دی تھی۔ آثار قربانی کی قبولیت کے نظر آ رہے ہیں۔

اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے غطفان کے ایک سردار نعیم بن مسعود اشجعی کا دل پھیر دیا۔ وہ در پردہ مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی کہ وہ ان اتحادیوں پر کوئی مکر کریں۔ اجازت لے کر نکلے۔

وہ پہلے بنی قریظ کے پاس گئے۔ کہا کہ تم قدیم زمانے سے میرے دوست ہو۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ قریش دور دراز سے آئے ہیں۔ ذرا سی سختی دیکھیں گے تو مکہ بھاگ جائیں گے۔ وہ پہلے بھی بھاگ چکے

ہیں۔سوچوتم کہاں جاؤ گے۔تمہارے مکان قلعے کھیتیاں باغ تو یہاں ہیں۔وہ بھاگ گئے تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔مسلمان تمہیں کھا جائیں گے۔یہ سن کر قریظہ والے پریشان ہو گئے۔سوال تھا کہ اب کیا کریں۔نعیم نے جواب دیا۔ان سے کہو کہ وہ اپنے آٹھ دس سردار تمہارے پاس مہمان رکھوا دیں وہ لڑائی کے دوران تمہارے پاس رہیں گے۔اس طرح وہ قریش پابند ہو جائیں گے۔اپنے سرداروں کو چھوڑ کر وہ نہیں بھاگیں گے۔قریظہ کی یہ بات سمجھ میں آ گئی۔انہوں نے یرغمال میں دس سردار طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔وہاں سے اٹھ کر وہ قریش کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے ایک بات کا علم ہوا ہے۔قریظہ مسلمانوں سے عہد توڑ کر پریشان ہیں۔وہ دوبارہ ان سے معاہدہ چاہتے ہیں اور اپنی نیک نیتی دکھانے کے لئے وہ قریش کے آٹھ دس سردار ان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔اب بنی قریظہ تم سے تمہارے دس سردار دوران جنگ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے طلب کریں گے جو وہ مسلمانوں کو دے کر اپنی ساکھ بڑھائیں گے۔قریش گرم مزاج لوگ اور گرم ہو گئے اور پچیس دن کی ناکامیابی اور غلّہ رسد کی کمی اس پر اضافہ تھا۔

یہ ہی بات نعیم نے اپنے قبیلہ غطفان کو سمجھائی کہ اس ''اتحاد'' کو برقرار رکھنے میں دشواری ہے۔قریظہ قریش سے یرغمال رکھنے کے لئے سردار طلب کریں گے جو ظاہر ہے وہ نہیں دیں گے۔تم قریش۔قریظہ۔کے جھگڑے میں اپنی عافیت کا راستہ دیکھ لو۔اگر ان میں جھگڑا ہو تو تم فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤ اور مسلمانوں کو یہود۔قریظہ۔قریش سے لڑنے دو تم غائب ہو جانا۔

اگلا دن سنیچر تھا۔قریش نے قریظہ کو پیغام بھیجا کہ تم ادھر سے بڑھو ہم ادھر سے بڑھتے ہیں۔آج فیصلہ کا دن ہے۔قریظہ نے جواب دیا کہ ہم سنیچر (سبت) کو کوئی نیا کام شروع نہیں کرتے۔ویسے یہ ضروری ہے کہ تم اپنے دس سردار ہمارے قلعے میں بھیج دو وہ ہم کو جنگ میں مشورہ دیں گے۔قریش نے دیکھ لیا سن لیا کہ قریظہ

قریش سردار بطور یرغمال طلب کر رہے ہیں۔قریش غطفان کو نعیم کی ساری باتیں یاد آ گئیں اور پوری تصدیق ہوگئی۔

اللہ کے رسول اور رسول کے جاں نثار رات دن اللہ سے مدد کی التجا کر رہے تھے۔(یہ دعائیں فتح کی بشارت کے بعد ہو رہی تھیں۔ وہی غزوہ بدر والی بات۔ عطا لینگے مگر فقیر کی طرح دعا کر کے۔) حضور دعا فرما رہے تھے اللہ ان لشکروں کو شکست دے دے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دے ہماری پردہ پوشی فرما۔ خطروں سے محفوظ رکھ۔ میں تو یہاں سے اور آج کے دن سن رہا ہوں کہ فرشتے آمین کہہ رہے تھے۔ یقینی آپ بھی سن رہے ہوں گے۔

جاڑے کی رات سخت تھی۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب آندھی شروع ہوئی۔ تیز ہوئی۔ اور تیز ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو حکم دیا کہ دشمن کے کیمپ میں جاؤ۔ دیکھ کر سن کر آؤ سردی سخت تھی۔ رات اندھیری تھی جھکڑ چل رہے تھے۔ حکم پھر حکم ہے۔ حذیفہ خاموشی سے اپنی ہی خندق پار کر کے قریش کے لشکر میں پہنچے۔ ابوسفیان کا خیمہ نظر آیا ہلکی روشنی تھی۔ ابوسفیان قریش کے سرداروں کو جنگ کے حال بتا رہا تھا کہ رسد ختم ہوگئی اب بھاگ جانے ہی میں مفر ہے۔ حذیفہ واپس آئے تو دیکھا کہ رسول سجدے میں ہیں۔ جب سجدے سے سر اٹھایا تو بتایا کہ ''قریش بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ حذیفہ کے اوپر۔ سردی سے کپکپاتے حذیفہ کے اوپر اپنی کملی ڈال دی۔ حذیفہ گٹھری بن کر اس کملی میں گھسے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیر اندر کر کے حذیفہ کے سینے پر رکھ دیئے۔ مزید گرمی کے لئے۔ حذیفہ کو پابوسی کا اچھا بہانہ ملا۔

یہ نصیب اللہ اکبر۔ یہ نصیب اللہ اکبر۔

یہاں سے جنگ اعصابی ہوگئی تھی۔ یا یہ کہئے کہ موسم کے تابع ہوگئی تھی شاید یہ دونوں سبب غیر اہم تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے استقلال اور برداشت کی آزمائش مکمل ہوگئی۔ اللہ کی مدد سے مومن اللہ کے حضور کامیاب وسرخرو ہوگئے۔ شاید یہ ہی موقعہ تھا جب رسول کو چند لمحوں بعد آنے والے مرحلہ کی پیشگی اطلاع ملی۔ وہ جن کی زبان جب بولتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کے حکم کے مطابق بولتی ہے۔ حضور نے ایک مٹھی مٹی کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا۔

شاھت الوجوہ۔ پھر گئے ان کے چہرے

اور پھر رسول نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے۔

سردی مزید بڑھنے لگی۔ تیز اہوا آندھی میں تبدیل ہوگئی۔ آندھی طوفان بن گئی۔ (کفار کے لئے سردی کی آندھی عذاب جب شراب بھی بند ہو۔) پھر حضور نے فرمایا کہ اب وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔ الان نفروھم ولانفرونا۔ اب ہمارالشکران کی طرف جائے گا۔ نحن سیرالیھم۔ اب ہمارالشکران کی طرف جائے گا۔ ہوا آندھی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ آندھی ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔ اس سے پہلے تاریخ انسانی میں ایک پوری قوم عاد کی آندھی کی زد میں آکر تباہ ہوچکی تھی۔ مگر یہاں ایک فرق تھا کہ رب العالمین کے بندہ رحمت اللعالمین کا مصلّی بچھا ہوا تھا۔ عام تباہی متوقع نہیں تھی۔ مگر معافی کے دروازے بھی بند ہوگئے تھے۔ چولھے الٹ گئے۔ کھانا روٹی اونٹ کا پکا ہوا گوشت ہوا اڑا کر کفار کے منہ پر مار رہی تھی۔ یہ ضیافت تھی۔ اس میدان میں جہاں بیس ہزار انسانوں اور لاتعداد اونٹوں، خچروں، گھوڑوں کا فضلہ 36 دن کا جمع ہورہا تھا اور جہاں انھیں جانوروں انسانوں کے پیشاب کا ایک ایسا محلول تیار ہوچکا تھا کہ وہ انھی کفار کے شایان شان تھا۔ آندھی اور تیز ہوئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ اڑنے لگیں۔ انگارے زمین پر

دوڑنے لگے۔ شاید جہنم کی طرف رہنمائی مقصود تھی۔ پتھر اڑ کر کفار کی سرکوبی کرنے لگے۔ آندھی اور بڑھی اور بڑھی۔ شور مہیب ہو گیا شاید شیاطین اور عفریت بھی چلاّ رہے تھے۔ چڑیلوں کے نوحے اس شور میں شامل تھے۔ وہ قریش جو صحرا کے ہر درخت جھاڑی چٹان پتھر میں ایک ''جن'' کا وجود مانتے تھے ان کے لئے جاڑے کی رات میں ہیبت ناک آوازیں کس قدر جان لیوا تھیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔

اور اب سائبان اور خیمہ ٹوٹ کر چولھے کی آگ میں جلنے لگے اور پھر یہ جلتی ہوئی چادریں لشکریوں کے سروں پر اتریں جیسے عذاب خداوندی اترے۔ اور جب یہ چادریں جہنم کی آگ میں جلتی ہوئی چادریں اونٹوں، خچروں، گھوڑوں کے سر پر نازل ہوئیں تو پھر انہوں نے چھتیس دن کے مشترکہ فضلہ میں وہ طوفان اٹھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔

ابوسفیان نے شیطان کی پکار سن لی۔

یہاں سے بھاگ ابوسفیاں۔

یہاں سے بھاگ ابوسفیاں۔

صبح کو مسلمانوں نے بکھرے ہوئے سامان اور غلیظ میدان کے علاوہ وہاں کچھ نہیں دیکھا۔ حضور نے بشارت دی۔

اب قریش ہم پر کبھی چڑھائی نہیں کریں گے۔

اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔

یہ جنگ جو برپا نہیں ہوئی نتائج دور رس چھوڑ گئی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ عرب میں اب قوت کا مرکز مدینہ

ہے۔ یہودیوں اور منافقوں کا پردہ چاک ہوگیا۔ اور مسلمانوں کو یہ جواز مل گیا کہ وہ یہود کو سزا دیں۔ حیٰ بن اخطب کو موت کی سزا دی گئی اسی جنگ کے ضمیمہ کے طور پر لڑی جانی والی غزوہ بنو قریظہ میں۔
مسجد نبوی کا جی ایچ کیو چھٹی منا رہا تھا عارضی طور پر کیونکہ اب کفار قریش کے فرار کے بعد کوئی بڑی جنگی کاروائی متوقع نہیں تھی۔ مگر اب محکمۂ خارجہ اوور ٹائم کر رہا تھا۔ انہیں تیاری کرنی تھی۔ سارے عرب سے چھوٹی موٹی بادشاہتوں سے ریاستوں سے قبیلوں سے پیغامات موصول ہو رہے تھے۔ انہیں مکتوبات روانہ کئے جا رہے تھے اور پھر سارے عرب سے وفد آنے والے تھے یہاں تک کے ہجرت کے آٹھویں اور نویں سال کو عام الوفود کا نام دیا گیا (عام عربی میں سال کو کہتے ہیں)۔ مگر ابھی ہجرت کے چھٹے اور ساتویں سال میں آستین کے سانپ یہود سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔

قریش راتوں رات فرار ہوگئے اور ان کے فرار کا یقین کر لینے کے بعد حضور مدینہ میں تشریف لائے اور ظہر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور ام المومنین ام سلمہ کے حجرہ میں غسل کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو اُمّ المومنین نے خبر دی کہ باہر مسجد میں جنازہ کی نماز کی جگہ پر ''دحیہ کلبی'' کھڑے ہوئے ہیں اور حضور سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے دحیہ کلبی تو ابھی کسی اور جگہ پر دیکھے گئے تھے۔ حضور باہر نکلے تو دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''آپ نے ہتھیار کھول دیئے حالانکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار بند ہیں۔''
''آپ فوراً بنی قریظہ کو سزا دینے کے لئے روانہ ہوں''۔ میں بھی ادھر جاتا ہوں۔ فرشتوں کے لشکر ادھر ہی جا چکے ہیں''۔ حضور نے اعلان فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوں۔ عصر کی نماز کا انتظار نہ کریں۔ عصر

کی نماز بنو قریظہ میں ادا کریں۔ وہ سارے لشکری جو 23 دن یا 30 دن یا 36 دن (مختلف روایات) کے بعد خندق سے لوٹے تھے فوراً روانہ ہو گئے۔ کچھ نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھی۔ پہلے گروہ نے حضور کے حکم کی معناً تعمیل کی تھی کہ فوراً روانہ ہوئے اور دوسرے نے حرفاً بھی اور معناً بھی۔ انہوں نے عصر کی نماز بنو قریظہ میں عشاء کے ساتھ پڑھی۔

جب لشکری اپنے قبیلہ بنو نجار کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ سارے جوان ہتھیار بند کھڑے ہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ ابھی دحیہ کلبی ادھر آئے تھے اور حضور کا حکم بتا کے گئے ہیں۔ (یعنی حضرت جبرئیل کافی مستعدی دکھا رہے ہیں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات گئے بنو قریظہ کے دیار میں ایک کنویں کے پاس اترے جس کا نام تھا ''بیرانی''۔ قریظہ فوراً قلعہ بند ہو گئے۔ ان میں لڑنے والے مردوں کی تعداد چھ سو اور آٹھ سو کے درمیان تھی جب کہ مجاہدوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ یہ پہلا موقعہ ہے سیرت رسول میں جب مجاہدین کی تعداد مخالفین سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قریظہ کے پاس سامان خوراک کافی تھا۔ پانی کا چشمہ قلعہ کے اندر تھا۔ ہتھیار اتنے تھے کہ جب مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کیا تو 1500 تلواریں۔ 300 زرہ بکتر۔ 2000 نیزے۔ 1500 ڈھالیں غنیمت میں ملیں۔ مگر وہ کبھی اس بات پر متفق نہ ہو سکے کہ باہر نکل کر لڑیں۔ وہ اسلام قبول کرنے پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ ان کو امید تھی کہ شاید وہ بھی جلاوطنی کی سزا پا کے چھوٹ جائیں۔ مگر ایک فرق تھا بنو نضیر قبیلہ نے دشمنی کی تھی غدّاری اور معاہدہ شکنی نہیں۔ یہاں غدّاری اور معاہدہ شکنی کا ارتکاب ہوا تھا۔ ایک موقع ایسا آ گیا تھا کہ مدینہ کی غیر فوجی آبادی یعنی عورتیں بچے بیمار اور بوڑھے اس خطرے سے دوچار تھے کہ یہ اپنے قلعہ سے نکل کر سب کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو پکڑ لے جاتے۔

بنوقریظہ نے اپنے آپ کو سعد بن معاذ ''اوسی'' کی ثالثی میں دے دیا۔قبیلہ اوس سے قریظہ کے بڑے پرانے حلیفانہ تعلقات تھے اور انکو خیال تھا کہ چھ سات سال کے مدینہ کی ریاست کے قیام سے ان کے حلیفانہ تعلقات مجروح نہیں ہوئے ہوں گے۔ حضرت سعد بن معاذ زخمی تھے (بعد میں اسی زخم کی وجہ سے وہ شہید ہوئے) مگر وہ مدینہ سے ایک گدھے پر بٹھا کر لائے گئے اور مجاہدین ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے آ کے قریظ سے پوچھا کہ وہ ان کی ثالثیت کو قبول کرتے ہیں۔ قریظ نے آنسوؤں کے ساتھ ثالثیت کو قبول کیا۔ پھر انہوں نے احترام رسول کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری طرف چہرہ کرکے پوچھا کہ کیا مسلمان ان کی ثالثیت کو قبول کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ پھر سعد نے فیصلہ کیا کہ قریظہ ہتھیار ڈال دیں۔ایسا ہی ہوا۔ پھر دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قید کردیا جائے۔ مردوں کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے گئے پھر تیسرا فیصلہ یہ تھا کہ قریظہ کے تمام جوان جنگی مردوں کو قتل کردیا جائے۔ یہ بھی کردیا گیا۔ یہ شریعت موسوی کے عین مطابق تھا۔ یہ عہد نامہ عتیق Old Testament کے باب استثناء20-10-14 میں لکھا ہے آج بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

''جب تم کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچو تو اسے صلح کا پیغام دو اور اگر وہ تم کو صلح کا جواب دے اور اپنا پھاٹک کھول دے تو وہاں کے تمام باشندے تمہارے باج گزار بن کر تمہاری خدمت کریں اور اگر وہ تم سے صلح نہ کریں بلکہ لڑنا چاہیں تو تم ان کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند خدا اسے تمہارے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کرڈالو لیکن عورتوں، بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے مال اور لوٹ کر اپنے لئے رکھ لینا''۔

حضرت سعد بنوقریظہ کے منتخب کردہ ثالث تھے اور انہوں نے فیصلہ بھی ان کی ہی کتاب سے دیا۔ سزا پر عمل

ہوگیا (ابن اثیر کے مطابق مقتولین کی تعداد ساڑھے سات سو تھی۔) قرآن کریم میں اس غزوہ کا بیان سورۃ الانفال میں ہے۔آیات 57-56)

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون(56) فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون(57)

ترجمہ: جن سے تم نے عہد کیا پھر وہ اپنے عہد کو ہر دفعہ توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔(56) تو اگر لڑائی میں تم ان پر قابو پاؤ تو ان کے ذریعہ سے جو ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دو، تا کہ ان کو عبرت ہو(57)

سلام بن ابی الحقیق کا قتل

سلام بن ابی الحقیق کا کنیت کا نام ابورافع تھا۔ یہ شخص بڑا بدبودار یہودی تھا۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کو بڑھا چڑھا کر لانے میں اس کا اور اسکی دولت کا بڑا ہاتھ تھا اور اس کے علاوہ یہ حضور کو اعلانیہ برا بھلا کہتا تھا۔ یہ رہتا خیبر میں تھا جو مدینہ سے چھیانوے کلومیٹر سے زیادہ کے فاصلہ پر ہے۔ مدینہ میں انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج تھے جو کم سے کم دو سو سال سے ایک دوسرے کے حریف تھے۔ کئی جنگیں لڑ چکے تھے۔ جنگ بعاث تو پچاس سال لڑی گئی تھی۔ اب اسلام کی برکت سے دونوں قبیلہ ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ بیعت عقبہ یعنی مدینہ میں اسلام کی آمد سے پہلے بھی یہ ایک دوسرے کو گوارہ کرنے لگے تھے اور آپ کو یاد ہوگا کہ مدینہ میں حضور کی آمد سے پہلے ہی قبا میں دونوں قبیلوں کے سردار ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مگر ایک مسابقت ایک چشمک Rivalry ان دونوں میں تھی۔ اوس کے قبیلہ کے چند مسلمانوں کے ایک گروہ نے کعب بن اشرف یہودی کو جو توہین رسالت کا مجرم تھا رات کو ایک دھوکہ میں ڈال

کر قتل کر دیا تھا۔ (توہین رسالت کی کم سے کم سزا موت ہے۔ سن لیں یہ معتدل اسلام کا پرچار کرنے والے حکومتی کارندے) اب خزرج والوں کو یہ فکر ہوئی کہ یہ دوسرا شکار ابورافع کا بھی کہیں اوس کا قبیلہ نہ لے اڑے۔ وہ گروہ مجاہدین حضور کے پاس پہنچا کہ اجازت لے ابورافع کو جہنم پہنچانے کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اس شرط پر کہ کوئی بے گناہ یا عورت یا بچہ قتل نہ ہو۔ پانچ افراد کا مختصر سا دستہ جو خزرج کے قبیلہ بنو سلمہ کا تھا عبداللہ بن عتیک کی سربراہی میں خیبر پہنچ گیا۔ جب وہ خیبر پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے کر واپس ہو چکے تھے۔ عبداللہ دروازہ کے قریب اپنے منہ اور سر پر کپڑا ڈال کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے وہ قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے دیر کی تو پہرہ دار نے ڈانٹا کہ جلدی کرو جلدی اندر آؤ میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ اندر آنا ہے تو آجاؤ۔ عبداللہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے کپڑا سر کا منہ پر لپیٹے قلعہ کے دروازے میں آ گئے۔ اور پہرہ دار نے دروازہ بند کر کے کنجی وہیں کھونٹی پر لٹکا دی۔ عبداللہ نے وہ چابی اپنے قبضہ میں کی اور سن گن لیتے ہوئے اس کمرے تک پہنچ گئے جہاں ابورافع تھا۔ عبداللہ جس دروازے سے گزرتے تھے اس کو اندر سے بند کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ابورافع کی قضا نے ان کو وہاں پہنچا دیا جہاں ابورافع تھا۔ عبداللہ نے اپنی تلوار کی نوک کا (اندھیرے میں آواز کے اندازے سے) ابورافع کی توند سے تعارف کرا دیا۔ اور باقی کام تلوار نے خود کیا اور مکمل کیا۔ واپسی کی راستہ میں بھگدڑ اور اندھیرے کی وجہ سے عبداللہ گر گئے اور ٹانگ (یا پنڈلی کی) ہڈی ٹوٹ گئی۔ جس وقت کہ قلعہ میں شور ہو رہا تھا کہ ابورافع قتل ہو گیا ہے یہ ٹوٹی ٹانگ اور اپنے چار ساتھیوں کی مدد سے مدینہ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ قلعہ والے حیران تھے کہ سارے دروازے قلعہ کے بند تھے مگر جنات یا بھوت ابورافع کو قتل کر چکے تھے۔ مدینہ میں عبداللہ نے سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضور خوش ہوئے۔ جب یہ کہا کہ حضور میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ حضور نے فرمایا کہاں

ٹوٹی ہے دکھاؤ۔ عبداللہ نے ٹانگ دکھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا اور پوچھا کہ "کہاں ٹوٹی ہے ٹانگ؟" عبداللہ شرمندہ ہو گئے۔ ٹانگ تو کہیں سے نہیں ٹوٹی تھی۔ (صحیح بخاری)

سریہ محمد بن مسلمہ نجد کی طرف

نجد اولین اسلام کے لیئے اور بعد میں اسلام کے لیئے ایک چبھتا کانٹا تھا۔ راستہ سے حضور نے محمد بن مسلمہ کی سرکردگی میں 10 محرّم 6 ھجری کو ایک دستہ فوج کا 30 سواروں کا نجد کی طرف روانہ کیا۔ وہاں قبیلہ بکر بن کلاب کی شاخ قرطاء آباد تھی یہ مجاہد دن کو چھپے رہتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ سات دن کے سفر کے بعد اچانک پہنچ کر قرطاء پر چھاپا مارا۔ دشمن کے دس افراد قتل ہوئے باقی بھاگ نکلے۔ مال غنیمت میں 150 اونٹ اور تین ہزار بکریاں ہاتھ لگیں مجاہد 19 دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔ اس مہم میں مجاہدوں نے لوٹتے ہوئے ایک شخص کو گرفتار کرلیا۔ مدینہ لائے۔ نبی کریم نے اسے شناخت کرلیا۔ کیا حضور اسکو پہلے سے جانتے تھے یا پہچانتے تھے؟ نہیں!! کیا حضور کو معلوم تھا کہ یہ شخص قرطاء میں کنویں کے پاس ملے گا؟ یہ بات اللہ جانے یا اس کا رسول۔ یہ شخص وہی تھا جو مسلیمہ کذّاب کے اشارے پر حضور کے قتل کے ارادے سے نکلا تھا بلکہ اعلان بھی کر رکھا تھا (رحیق المختوم۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری) اور پچھلے شب خون میں ایک یا دو مجاہدین کو قتل کر چکا تھا۔ (اسکے آگے اقتباس مولف ہی کی پرانی کتاب ہدیہ دل سے)۔

بے خوف چیتا

مسجد نبوی میں ستون کے ساتھ ایک بے خوف چیتا رسّی سے بندھا ہوا ایک اور ستون نظر آتا ہے۔ یہ ایک قیدی ہے۔ سزائے موت سنائی جا چکی ہے۔ مگر اس تنومند لمبے چوڑے انسان کا سر بلند ہے۔ آنکھ میں نہ موت کے ڈر کی پرچھائیں ہے۔ نہ آنسوؤں کی برسات ہے۔ ہونٹوں میں دبی ہوئی ایک استہزائی مسکراہٹ ہے کہ یہ بھوکے کمزور مسلمان جو سجدوں میں سسکیوں اور ہچکیوں سے روتے ہیں اور جن کو کئی کئی دن کے بعد پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے۔ اس قیدی کے رکھوالے ہیں۔ یہ ایک دفعہ اس کے ہاتھ کھول کر دیکھیں یہ سب کو چبا ڈالے گا۔ اس وقت تو بندھا ہوا ہے۔

اس چیتے کا نام ثمامہ بن اثال ہے۔ یہ یمامہ کا بادشاہ ہے۔

سن 4/ھ کا وقت ہے فتح مکّہ میں ابھی دو ڈھائی سال کی دیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں اور سرداروں کو تبلیغی خطوط روانہ کئے ہیں۔ ثمامہ نے اور کئی دوسرے بادشاہوں کی طرح خط سے توہین آمیز سلوک کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہو کر راتوں کو مدینہ کے گرد و نواح کے چکّر لگائے۔

وہ آفتاب نبوت تک تو نہ پہنچ سکا مگر دھوکے سے چند صحابہ کو گرفتار کر کے اذیت دے کر شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون حلال کر دیا کہ جہاں ملے جیسے ہی ملے قتل کر دیا جائے اس کی قسمت بری تھی کہ جب وہ مدینہ کے باہر (رات کے گھومنے والے چیتے کی طرح) اپنے شکار کی تلاش میں تھا مسلمان فوج کے ایک چھوٹے سے دستے سے اچانک ٹکراؤ ہوا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے مدینہ پہنچا دیا گیا کہ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا فیصلہ کریں گے۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ مسلمان گشتی دستہ میں اس کو کوئی

پہچانتا نہیں تھا ورنہ اس کا فیصلہ اسی رات ہو جاتا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ''بے خوف چیتے'' کو دیکھا تو گشتی دستے سے سوال کیا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ''یہ ثمامہ بن اثال ہے''۔

کچھ تلواریں میان سے باہر آ گئیں مگر حضور نے فرمان جاری نہیں کیا۔ ثمامہ سے پوچھا۔ ''ثمامہ کیا کہنا ہے''۔

ثمامہ بولا۔ ''اگر آپ مجھ کو قتل کرادیں گے تو یہ عین انصاف ہوگا''۔ ''اگر آپ مجھ کو آزاد کردیں گے تو یہ احسان ہوگا ایسے شخص پر جو احسان کی قدر پہچانتا ہے''۔ اگر آپ کو فدیہ چاہئے تو حکم فرمایئے۔ ''جو مال کہیں گے حاضر کر دیا جائے گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید کچھ گفتگو نہیں کی اور مسجد کے اندر چلے گئے۔ صحابہ نے شاید حفاظت میں مزید مستعدی دکھائی ثمامہ نے کہا تھا کہ اگر آپ مجھے قتل کردیں گے تو عین انصاف ہوگا۔ شاید اس کو انصاف سے اگلی منزل ''رحمت'' کا علم نہیں تھا کہ وہ نبیِ رحمت سے مخاطب ہے۔ حضور کا حکم ہوا کہ حضور کی خاص اونٹنی کا دودھ ثمامہ کو وافر مقدار میں دیا جائے۔ ثمامہ نے بھی وہ دودھ پی کر یہ دکھایا کہ موت کا خوف ایسا نہیں کہ اس کو بھوک لے اڑے۔

دوسرے دن حضور نے پھر وہی سوال کیا۔ جواب ملا۔

''اگر آپ مجھے قتل کرادیں گے تو عین انصاف ہوگا۔ اگر رہا کردیں گے تو آپ ایک احسان شناس آدمی کو رہا کریں گے اور اگر فدیہ چاہئے تو وہ حاضر کر دیا جائے گا۔ آپ حکم فرمائیں کیا فدیہ چاہئے۔

اس کے بعد روایت ہے کہ ثمامہ سے دو روز تک کوئی سوال جواب نہ ہوا۔ چیتا اونٹنی کا دودھ پیتا رہا۔ اس کے قلب کے اندر کیا ہو رہا تھا اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا (سوائے رسول کے)

تیسرے دن جب حضور نے پھر پوچھا تو ثمامہ کا وہی جواب تھا۔ حضور کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

شاید ثمامہ کا علاج مکمّل ہو چکا تھا۔ حضور نے فرمایا ''اس کی رسّی کھول دو''۔ جب رسّی کھلی تو چیتا ایک لمحہ بھی نہیں روکا۔ نہ شکریہ نہ سلام۔ یہ سب تکلّفات اس وقت ہوتے ہیں جب جذ معتبر نہ ہو۔ چیتا دوڑتا ہوا اپنے اونٹ کے پاس پہنچا اور ایک جست میں اس کی گردن پر پہنچا اور ذرا سی کسمساہٹ سے کجاوہ پر اور اونٹ پوری تیز رفتاری سے مدینہ سے بھاگ نکلا۔ مدینہ کے باہر ثمامہ بھاگ نہیں رہا تھا۔ ثمامہ لمحات کو گرفتار کر رہا تھا کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو جائے۔ ایک چشمہ پر رکا۔ اپنے کپڑے پاک صاف کئے۔ خود نہایا۔ وضو کیا۔ اور اب آنکھ نے اپنا وضو کا عمل تیز کر دیا۔ ثمامہ رو رہا تھا جیسا وہ کبھی نہیں رویا۔ اونٹ واپس مدینہ آ رہا تھا۔ ثمامہ اس اونٹ ''پر سر بلند'' نہیں ''سر بہ زانو'' بلکہ سر بسجدہ بیٹھا ہوا تھا۔ مسجد نبوی کے سامنے اونٹ سے اتر کر ایک تائب مجرم کی طرح (نہیں نہیں ایک مودّب پجاری کی طرح) مسجد کے اندر آیا۔ حضوری میں پیش ہوا اور اگر دوسرے (ہونے والے برادر) صحابہ نے سنبھال نہ لیا ہوتا تو شاید سجدے میں گر پڑتا۔ کسی ہونے والے برادر صحابی نے کہا کہ بھائی کلمہ پڑھو کہ یہ پہلا کام ہے اور ضروری ہے۔

اب ثمامہ کی ادا سمجھ میں آئی جو صرف فراست رسول کی گرفت میں تھی۔ اب شام کو ''حضوری'' سے فارغ ہو کر ثمامہ رضی اللہ عنہ اپنے ہم چشموں عمر۔ علی۔ سعد۔ سلمان فارسی۔ ابو دجانہ وغیرہ کے ساتھ بیٹھے تو سب کو معلوم تھا کہ ثمامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گڑگڑاتا ہوا روتا دھوتا خوف زدہ اسلام پیش نہیں کیا تھا کہ یہ رسول کی شان سے اور ثمامہ کی شان سے کمتر تھا۔

ثمامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آزاد بے خوف سر بلند انسان کا اسلام اور سلام پیش کیا تھا۔ اور اگر ثمامہ کی نظریں سجدہ گزار تھیں۔ آنکھیں آبشار تھیں تو بھائی یہ تو تمغے تھے اور تمغات سینہ پر سجانے کا ہر سپاہی کو حق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف کر دیئے اور ان کی بادشاہت پر انہیں حکماً روانہ کیا۔ مگر ثمامہ کا غصّہ کفّار پر پورے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے بھی ختم نہیں کیا۔

ثمامہ نے اجازت مانگی۔ ''حضور میں گھر سے عمرہ کرنے نکلا تھا کہ اس سے بھی بڑا منصب آپ کی غلامی کا مل گیا۔ اب کیا کروں۔ حضور نے فرمایا کہ عمرہ کرو مگر ''اسلامی طریقہ سے'' ثمامہ مکّہ کو چلے۔ آواز بلند سے تلبیہ ادا کرتے ہوئے۔ سیرت اور تاریخ بتاتی ہے کہ ثمامہ پہلے مسلمان تھے جو مکّہ میں تلبیہ (لبّیک اللھم لبّیک لا شریک لک لبّیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک) پڑھتے ہوئے داخل ہوئے کہ مکّہ کی فتح اور مسلمانوں کے کعبہ میں داخل ہونے میں دوسال کا عرصہ باقی تھا۔ اسلام کا یہ بلند آواز اعلان سنّت عمر اور سنّت حمزہ کہلاتا ہے۔ ایک اکیلے انسان کا اس طرح دندناتے ہوئے مکّہ میں داخل ہوکر اعلان حق قریش کو گوارا نہیں ہوا اور عادت کے مطابق وہ ثمامہ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ ثمامہ نے کہا کہ ''اگر یہ حرم نہ ہوتا اور میری تلوار نیام میں نہ ہوتی تو میں یہاں پچاس سر تمہارے لڑھکا دیتا۔ کسی نے قریشی کفّار کو بتایا کہ یہ ثمامہ ہے یمامہ کا بادشاہ اور یقین ہے کہ ابن عبداللہ کی طرح معاف کرنے والا نہیں ہے بلکہ تم کو چن چن کر مارنے والا ہے اور یہ نہ بھولو کہ مکّہ کا سارا غلّہ یمامہ سے آتا ہے۔

قریش کو پیٹ کا حساب فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔

ثمامہ اپنا عمرہ ختم کر کے اپنی بادشاہت میں لوٹ آئے مگر مکّہ کے لئے غلّہ کی ترسیل منقطع کر دی گئی۔ جب قریش بھوکے مرنے لگے تو اپنے دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کی (واضح رہے کہ

اسی مولّف نے قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن کہا ہے۔ ہمارے حضور تو کسی کے دشمن نہیں تھے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو حکم بھیج دیا کہ مکّہ والوں پر رحم کرو۔ ان کو بھوکا نہ مارو۔ واضح رہے کہ اس وقت سے سات آٹھ سال پہلے حضور کے خاندان کو شعب ابو طالب نے اِنہیں قریش نے بھوکا مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میرا آقا! اور اس کی سیرت !!۔

''بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا''

ثمامہ پھر نظر آتے ہیں جب وہ فتنہ ارتداد میں مسلیمہ کذّاب کی سرکوبی کر رہے ہیں۔ خالد بن ولید بھی مدینہ سے آگئے ہیں ثمامہ بہادر احسان مند انسان کی طرح اور ایک دلیر مسلمان کی طرح اس مشکل وقت میں اپنے قبیلہ کو فتنہ ارتدا سے باہر نکال لائے اور مرتدوں کی سرکوبی میں نمایاں حصہ لیا۔

☆☆☆☆☆☆

صلح حدیبیہ۔ اِنّا فتحنا لک فتحاً مبینا

انبیاء علیھم السلام کے خواب میں رمز پنہاں ہوتے ہیں۔ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک ملت ابراہیمی حج کرتی ہے قربانی کرتی ہے اور ایک گھر بنایا گیا۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ سورج، چاند اور ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ نتیجہ میں

اندھے کنویں کی قید۔مصر کی غلامی۔مصر کی بادشاہت۔بنی اسرائیل کی تاریخ کا زریں باب۔
ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ فرما رہے ہیں بیت اللہ شریف کا طواف۔خانۂ کعبہ کی چابی آپ کے دست مبارک میں ہے۔کیا تعبیر تھی اس خواب کی؟۔کیا رمز تھا اس میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا تھا تو انہوں نے ہم کو نہیں بتایا۔صحابہ کرام نے یہ خواب سنا تو ان کے دلوں میں خوشی کی بارات اتری۔مہاجر تو اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔اور انصار سات سال کے بعد مکہ دیکھنے کی خوشی میں تھے۔انہیں شاید کعبہ دیکھنے سے زیادہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ان کا پہلا (دنیاوی) وطن دیکھنے کی خوشی تھی جہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی کے دن گزارے تھے۔
ہر طرف سرخوشی کا عالم تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یکم ذی قعدہ ۶ھ مارچ ۶۲۸ء کو غسل کر کے لباس تبدیل فرمایا اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے۔یہ بیگم قصویٰ ایک لمبی چھٹی سے واپس آئی تھیں 6 سال پہلے ان کو یوم ہجرت پر اسد بن زرارہ اپنے گھر لے گئے تھے اور پیار سے مہمان رکھا تھا۔مہمان سے کوئی کام بار برداری یا آب پاشی کا نہیں لیا گیا تھا۔اس قافلہ میں ابن اسحاق کی گنتی کے مطابق سولہ سو حاجی تھے۔(عمرہ کرنے والے بھی حاجی ہی کہلاتے ہیں) قربانی کے ستر اونٹ تھے۔مدینہ سے نکل کر ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی گئی عمرہ کا احرام باندھا گیا۔اونٹ کے کوہان سے خون نکال کر اونٹ پر ملا گیا (اس عمل کو شعار کہتے ہیں)۔
حاجیوں کے پاس میان میں تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھے۔(میان میں تلوار سفر کے دوران کسی بھی اونٹ گھوڑے کے سوار کے لباس کا حصہ ہوتی ہے۔اسے ہتھیار نہیں گنتے۔) بنی خزاعہ کے بشر بن سفیان کو جاسوس کے طور پر آگے روانہ کیا گیا۔حاجی آگے بڑھ گئے اور اشطاط کے کنویں پر اترے جو عسقان میں ہے تو جاسوس واپس آئے اور بری خبریں لائے۔(تفصیل خصائص الکبریٰ جلال الدین سیوطی سے)

ا۔قریش کو آپ کی روانگی کا علم ہو گیا ہے۔
۲۔ان کا خیال ہے کہ آپ عمرہ کے بہانے مکہ پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔
۳۔دارالندوہ میں قسم کھائی گئی ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔
۴۔حلیفوں سے مدد مانگی گئی ہے۔
۵۔قریش اور حلیفوں کے فوجیوں کی تعداد 8 ہزار ہے۔
۶۔مکہ کے مغربی جانب بلدح کے مقام پر پڑاؤ ہے۔
۷۔2 سو سواروں کے ساتھ خالد بن ولید کراع التعیم کی گزرگاہ پر حملہ کے لئے تیار ہیں۔ چھپے ہوئے ہیں مگر حاجیوں کے قافلہ کو دیکھتے ہی حملہ کر دیں گے۔
۸۔حکم بن مناف کی سربراہی میں دس نوجوان جاسوسی کے لئے پہاڑوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ ہم خالد بن ولید کے سواروں کے دستے سے بچ کر ذات الحنل کے راستہ سے آگے بڑھیں گے۔کیا کوئی شخص اس راستے سے واقف ہے۔ بریدہ بن اسلمی نے ہامی بھری (یہ وہی بریدہ ہیں جو ہجرت کے سفر میں ساتھ ہو گئے تھے اور اپنا عمامہ اتار کر اس سے رسول کا جھنڈا بنالیا تھا) بریدہ راستہ بھول گئے۔حمزہ بن عمرو اسلمی نے یہ فرض سنبھالا۔ وہ بھی راستہ بھول گئے۔آخر میں عمرو بن عبدنہم کی سرکردگی میں ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ حدیبیہ کا میدان نظر آیا۔ جب مکہ کی طرف مڑنے لگے تو قصویٰ نے چلنے سے انکار کر دیا۔لوگوں نے کہا قصویٰ تھک گئی ہے۔یا قصویٰ باغی ہو گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ایسا نہیں ہے اس کو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکا تھا۔

حضور نے قصویٰ کو پھر کو نچا دیا تو قصویٰ ایک طرف اپنی مرضی سے اٹھلاتی ہوئی نکل گئیں اور حدیبیہ کے کنویں

پر پہنچ کر بیٹھ گئی۔ گویا قصوئیٰ نے مشورہ دیا کہ یہاں کنویں کے قریب پڑاؤ کرو۔

ابن ہشام کے مطابق خالد کو اندازہ ہو گیا کہ قافلہ نے راستہ بدل لیا ہے اور وہ اب ادھر نہیں آئیں گے۔ وہ مکہ پہنچ گئے اور قریش کو صورت حال بتا دی۔ حدیبیہ کہاں ہے یہ بتانا شاید مشکل ہوگا۔ کسی نے کنویں کا نام اور کسی نے گاؤں کا نام حدیبیہ لکھا ہے۔ (قسطلانی نے مواہب لدنیہ) نے کنویں کے علاوہ ایک درخت کا نام بھی حدیبیہ رکھ دیا ہے۔ عربوں سے یہ بعید نہیں ہے کہ ویرانے میں ایک درخت کا بھی نام رکھ دیں۔ طبری کے خیال میں آدھا میدان حدیبیہ کا حرم میں داخل ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب حدیبیہ کی حدود موجود نہیں ہیں۔ حدیبیہ کے میدان میں جو مکہ سے 9 میل کے فاصلہ پر ہے شاید کوئی گاؤں حدیبیہ تھا۔ حدیبیہ کے کنویں میں پانی بہت کم تھا اور 1600 حاجیوں کی ضرورت پوری کرنے میں چند لمحوں میں خشک ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹوں کے رکھوالے حضرت ناجیہ بن عمیر کو اپنے ترکش سے ایک تیر دیا کہ وہ اسے کنویں میں اتر کر گاڑ دیں۔ تیر چبھنے کے ساتھ ہی پانی کے سوتے نہیں جھرنے اُبل پڑے کچھ ایسا ہی معاملہ جو 4 ہزار سال پہلے زم زم میں پیش آیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس قافلہ کی آمد کا مقصد سمجھائیں۔ قریش ہمیشہ کے آگ بگولا لوگ خراش کو قتل کرنے پر آمادہ ہوئے۔ (یہ بات طبقات ابن سعد میں واضح لکھی گئی ہے) تین گناہ۔ (۱) حدود حرم میں قتل۔ (۲) حرام مہینوں میں جب سارے عرب میں جنگ بند ہوتی ہے اور۔ (۳) قتل ایک قاصد کا جو ہر معاشرہ میں ہمیشہ منع رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے قریش کے ہاتھ کو روکا ورنہ اسی وقت تاریخ عرب اور تاریخ اسلام بدل جاتی۔ جنگ ضرور ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود عرصہ تک کی جنگ بندی کی تجویز خزاعہ ہی کے سردار بدیل کے ذریعہ قریش تک بھجوائی۔ قریش نے جو گرمی ایک

خزاعی خراش پر دکھائی تھی وہ اس قبیلہ کے سردار بدیل پر نہیں دکھا سکے مگر یہ تجویز رد کردی کہ ''ہم مسلمانوں کو مکہ میں گھسنے نہیں دیں گے'' مگر اس موقع پر بنی ثقیف قبیلہ کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ قریش اس قدر گرمی نہ دکھائیں اس کا قبیلہ بھی مضبوط تھا اور قریش کا حلیف تھا۔ اس کے علاوہ وہ سردار قریش ابوسفیان کا داماد بھی تھا۔ قریش عروہ سے گرمی نہیں دکھا سکے۔ وہ عروہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔ عروہ نے آکر جائزہ لیا۔ دیکھا کہ مسلمان احرام میں ہیں۔ اونٹوں پر ہدی (قربانی کے جانوروں) کے نشان لگے ہوئے ہیں۔ ہتھیار نہیں ہیں۔ سواروں کا ہتھیار یعنی میان میں تلوار واحد ہتھیار ہے جس کی احرام میں (اس وقت) اجازت ہے۔ اس نے اندازہ کرلیا کہ لڑائی نہیں ہوگی۔ اب اس نے اپنے زبان کے حربے استعمال کئے۔ کہنے لگا کہ '' کیا دنیا میں کوئی اور شخص ہوگا جو اپنی قوم کو مٹانے پر تلا ہوا ہو'' یہ قومی عصبیت سے اپیل تھی جو عرب میں عام ہے۔ اسلام نے جس کو مٹا دیا تھا یا مٹانے کی کوشش کی تھی۔ حضور صرف ایک خاموش تبسم کے ساتھ اس کی بات سنتے رہے۔ حضور کے خاموش تبسم سے اس کو معلوم ہوا کہ یہ قومی عصبیت والا کارڈ بیکار گیا۔ دوسرا حملہ خاندانی وجاہت اور بزرگی کے حوالے سے تھا جو عرب میں بڑا امتیاز تھا۔ کہنے لگا کہ یہ جو بھانت بھانت کے سپاہی آپ لے کر آئے ہیں جب سخت موقعہ آئے گا تو سب بٹیروں کی طرح اڑ جائیں گے اور آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ اس کو اسلام کی نئی شیرازہ بندی کا اندازہ نہیں تھا۔ جہاں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی تھا اور صحابہ کرام کی وہ توہین کر رہا تھا۔ عام طور سے حضرت ابوبکر کو غصہ نہیں آتا مگر اس وقت وہ جلال میں آگئے۔ غصہ میں کہا '' او اپنے بت کی .... چاٹنے والے تو نے اگر کسی سے وفا کی ہوتی تو جانتا کہ وفا کیا ہوتی ہے۔ تو عقل سے عاری ہے اگر تو سمجھتا ہے کہ ہم اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ تو ہماری وفاداری پر شک کرتا ہے؟ (وفاداری کی بات اس قدر زور سے کون کرسکتا تھا۔ وہاں سب صحابہ وفادار آخری

حدتک وفادار تھے۔مگر وفاداری کے اولین اعلان کا حق یقینی ابوبکر ہی کو تھا۔)

عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں جنہوں نے اپنے سردار (حضور) سے پہلے جواب دیا۔لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر ہیں۔مزاج دان رسول ہیں۔عروہ چپ ہوگیا۔عروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں مصروف ہوگیا۔ اورعرب دستور کے مطابق خوش نودی۔بے تکلفی اور احساس مساوات کے اظہار کے طور پر حضور کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ہر دفعہ محافظ تلوار کی نیام سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتا تھا۔ایک دفعہ محافظ نے ڈانٹا کہ "او بے ادب اپنے گندے ہاتھ حضور سے دور رکھ"۔عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے جس نے بھری محفل میں میری بے عزتی کی۔حضور نے مسکرا کر جواب دیا "تمہارا بھتیجا مغیرہ ابن شیبہ۔عروہ کی سمجھ میں یہ نکتہ آ گیا کہ ایمان کی راہ میں خون کا رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔بہر حال یہ ملاقات ناکامیاب رہی۔حرف آخر حضور کا پیغام تھا کہ قریش سے کہو کہ راستہ سے ہٹ جائیں۔میں سارے عرب سے لڑائی لڑ رہا ہوں۔اگر عربوں نے مجھے گرالیا تو تمہارا مسئلہ حل ہوگیا۔اور اگر میں نے عربوں پر فتح پائی تو تم فاتحین کے گروہ میں شامل ہو جانا۔عروہ اس یقین کے ساتھ مکہ لوٹا کہ مسلمان خود تو لڑنا نہیں چاہتے۔عمرہ کا ارادہ کوئی چال نہیں ہے بلکہ واقعی عمرہ کا ارادہ ہے۔یہ بات بھی اس کے دماغ کے کسی کونے میں ہوگی کہ قریش حرم کے خادم ہیں۔حاکم نہیں ہیں۔ان کو حق نہیں ہے کہ کسی کو عمرہ سے روک سکیں۔عروہ نے قریش کے سامنے اپنی سفارت کی رپوٹ یوں پیش کی۔

"لوگو میں نے قیصر کی شان بھی دیکھی ہے نجاشی کا دربار دیکھا ہے اور کسریٰ کی شان بھی دیکھی ہے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کچھ اور ہی شان ہے۔جو احترام اور عقیدت ابن عبداللہ کو اس کے ساتھی دیتے ہیں اس کا یہ سارے بادشاہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔فرمان برداری کا یہ عالم کہ ہر شخص آنکھ کا اشارہ پہچانتا ہے۔محبت ایسی کہ ہر شخص جان نچھاور کرنے پر آمادہ تعظیم ایسی کہ نگاہیں جھکی

ہوئی آواز پست۔ عقیدت ایسی کہ وضو کا استعمال شدہ پانی لوٹ کر اپنے ہاتھ اور منہ پر مل لیتے ہیں۔ وارفتگی ایسی کہ لعاب دہن (تھوک) بھی زمین پر نہیں گرتا۔ کسی نہ کسی عقیدت مند کے ہاتھوں پر جسے وہ اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے۔ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہے انبیاء کی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو عمرہ میں حارج نہ ہو"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب خیال کیا کہ اب مسلمانوں کی طرف سے ایک سفیر جائے۔ پہلے حضرت عمر کا نام خیال میں آیا مگر پھر مکہ کی خاندانی عصبیت کا خیال آیا۔ حضرت عمر کے خاندان کا کوئی آدمی مکہ میں نہیں تھا اس لئے وہ غیر محفوظ تھے۔ مگر حضرت عثمان کے خاندان کے لوگ وہاں کافی تھے اور بااثر تھے اس لئے ان کو سفیر بنایا گیا۔ وہ جب وادی بلدح میں داخل ہوئے تو ان کے چچازاد بھائی آبان بن سعد نے انہیں اپنے گھوڑے پر بٹھالیا۔ حضرت عثمان اس طرح اپنی خاندانی شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ قریش نے حضرت عثمان سے کہا کہ وہ چاہیں تو گفتگو سے پہلے طواف کرلیں۔ عثمان نے کہا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیں عثمان ادھر دیکھے گا بھی نہیں۔ یہیں سے مسلمانوں کی اپنے موقف پر سختی نظر آئی۔ حضرت عثمان کو مکہ میں روک لیا گیا۔ اطلاع آئی کہ حضرت عثمان کو قید کرلیا گیا ہے۔ پھر اطلاع آئی کہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حاجیوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں ٹل سکتے جب تک کہ قریش سے بدلہ نہ لے لیں۔

ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ سے بیعت لینی شروع کی۔ جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ یہ بیعت موت کی تھی۔ (ابن ہشام۔ جلد دوئم) سب سے پہلے بنی اسد کے سفیان بن وہب نے بیعت کی (شاید قریب ترین تھے) صحیح مسلم کی روایت ہے کہ مشہور تیرانداز اکوع نے تین دفعہ بیعت کی۔ شروع میں۔ بیچ

میں اور آخر میں۔ حضرت عمر نے کہیں دور سے دیکھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اپنے بیٹے عبداللہ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ انہوں نے بیعت کے متعلق بتایا تو وہ ایک گھوڑے پر آئے۔ لشکر کے شاید دوسرے سرے پر تھے۔ جب حضرت عمر نے بیعت کی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ (حساب لگایا جاسکتا ہے کہ 1600 آدمیوں کی بیعت میں کتنا وقت لگا ہوگا حضور کو ہاتھ کو کھلا اوپر رکھنے میں)۔ کیا عمر نے بہانہ ڈھونڈا تھا کئی گھنٹے حضور کے ہاتھ کو پکڑے رکھنے کا؟ جب سب نے بیعت کر لی تو حضور نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور رسول کے کام سے گئے ہیں ان کو اس بیعت میں شامل کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور بائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان سے بیعت لی۔ بعض باریک بین صحابہ کو یقین ہوگیا کہ حضرت عثمان زندہ ہیں کیونکہ بیعت زندوں ہی سے لی جاتی ہے۔ اس بیعت کی اطلاع مکہ پہنچ گئی اور فائدہ یہ ہوا کہ ان کو اطلاع مل جائے کہ اگر وہ حضرت عثمان کے متعلق کوئی برا ارادہ رکھتے ہوں تو نتیجہ سے آگاہ ہو جائیں۔ اور صلح کا بھی کوئی راستہ نکالیں اب دھمکی اور چال بازیوں سے کام نکلتا نظر نہیں آتا ہے۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں جس کے بارے میں سورۃ فتح میں ارشاد ہوا ہے۔ آیت نمبر 18۔

"لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا۔"

ترجمہ: بالتحقیق اللہ ان اہل ایمان سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا، تو اس نے ان کو سکون بخشا، اور ان کو جلد فتح عطا کی۔

(آیت نمبر 10)

"ان الـذین یبایعو نک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عهد علیه الله فسیو تیه اجرا عظیما."

ترجمہ: جولوگ آپ سے بیعت کرر ہے ہیں تو (حقیقت میں) وہ اللہ ہی سے بیعت کرر ہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو اس عہد کو توڑے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا، اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا جو اس نے (اس بیعت میں) اللہ سے کیا ہے تو اللہ جلد اس کو بڑا اجر دے گا۔

چونکہ صحابہ کے بارے میں رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کے الفاظ استعمال ہوئے اس لئے اس دن کے بعد سے مومنین نے صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کا تعظیمی لاحقہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عمر کی تجویز پر کچھ لوگ فوراً مدینہ روانہ ہو گئے ہتھیار لانے کے لئے۔اس بیعت کے بعد اور مسلمانوں کے مرنے مارنے کے جذبہ کے پیش نظر قریش کا انداز نرم ہوا۔

قریش نے مان لیا کہ حج کے زمانے میں زیارت کعبہ پر پابندی لگانا غلط ہے ایسا آئندہ نہیں ہوگا۔اور قریش نے یہ تسلیم کیا کہ اس وقت مسلمان واقعی عمرہ کے لئے آئے ہیں اور جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔مگر قریش کی ساکھ بری طرح متاثر ہوگی اگر اس دفعہ مسلمان مکہ میں داخل ہوئے اس لئے قریش کی درخواست ہے کہ مسلمان اپنے مکہ کے داخلہ کے حق کو موخر کر دیں اور اس وقت قریش معاہدہ کے لئے کوئی آبرومندانہ راستہ نکالنا چاہتے ہیں۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس کے ساتھ حویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفظ نے بھی مذاکرات میں حصہ لیا مگر صاحب معاملہ خطیب قریش سہیل بن عمرو ہی تھا قریش نے اس وقت واپسی کی شرط رکھ کر سہیل کو صلح کا اختیار دیا تھا۔ شرطیں تھیں کہ آپ اسی مقام پر اپنے قربانی کے جانور ذبح کر لیں اور آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کریں۔ اور عمرہ کے دوران مکہ آپ کے لئے خالی کر دیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ سہیل نے کہا کہ جو کوئی شخص آپ کے اصحاب میں سے مکہ آئے گا ہم اسے واپس نہیں کریں گے لیکن اگر کوئی مکہ سے آپ کے پاس آئے گا تو آپ اس کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔

حضرت عمر بپھر گئے کہ یہ شرط منظور نہیں ہے مگر حضور نے اس کو منظور کر لیا۔ جب حضرت عمر نے دوبارہ اصرار کیا تو حضور نے فرمایا کہ جب کوئی مکہ سے بھاگ کر آئے گا تو اللہ اس کا کوئی نہ کوئی انتظام کر دے گا۔ اور اگر ہمارا کوئی آدمی مکہ چلا گیا تو وہ منافق ہوگا اور اس کا چلا جانا بہتر ہوگا۔ حضرت علی کو حکم ہوا کہ معاہدہ لکھیں۔ ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا گیا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم کسی رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے۔ جیسے عرب لکھتے ہیں ویسے لکھو۔ باسمک اللھم۔ حضور نے حضرت علی سے کہا کہ ویسے ہی لکھ دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ لکھو یہ نوشتہ ہے محمد رسول اللہ کے اور اہل مکہ کے درمیان۔ سہیل پھر چمک گیا۔ ''اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا ہے'' لکھو محمد ابن عبداللہ حضور نے حضرت علی سے کہا کہ ''رسول اللہ مٹا دو'' حضرت علی نے زندگی میں پہلی دفعہ اور آخری دفعہ حکم عدولی کی۔ قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔ ''میں رسول اللہ نہیں مٹا سکتا'' علی کی اس نافرمانی پر ہزاروں فرماں برداری قربان۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ الفاظ رسول اللہ مٹا دیئے یا کاٹ دیئے۔ (یہ واقعہ صحیح مسلم میں تفصیل سے ہے) اس معاہدہ کا اصل متن حاصل کرنے کا اور اس کو اردو انگریزی اور فرنچ زبان میں ترجمہ کا کام ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم فرنچ یونی ورسٹی کے ریسرچ سکالر نے کیا۔ اور مندرجہ ذیل

عبارت اور زیادہ تر نئے سیرت نگاروں کی عبارت ڈاکٹر حمید اللہ سے لی گئی ہے۔

معاہدہ

(۱) باسمک اللھم۔ تیرے نام سے اے اللہ۔

(۲) یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا۔

(۳) ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے۔ اس دوران میں لوگ امن سے رہیں۔

(۴) یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو حج عمرہ زیارت یا تجارت کے لئے مکہ آئیں تو ان کے جان و مال کو امان و تحفظ حاصل رہے گا۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر و شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کی امان حاصل ہوگی۔

(۵) یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو وہ مکہ واپس کیا جائے گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص بھی مکہ چلا جائے گا وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے جن سے باہر کوئی غداری نہیں ہوگی اور نہ تو کسی کو خفیہ مدد دی جائے گی نہ خود علانیہ خلافِ عہد دغا کریں گے۔

(۷) یہ کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ (اس پر قبائل خزاعہ نے فوری اٹھ کر اعلان کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہد اور ذمہ داری ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ وہ

صلی اللہ علیہ وسلم

قریش کی ذمہ داری ہیں۔

(۸) یہ کہ آپ اس سال مدینہ واپس جائیں اور اگلے سال آئیں اس وقت مکہ والے مکہ تین دن کے لئے خالی کر دیں گے۔ لیکن آپ کے ساتھ کوئی ہتھیار سوائے سوار کے ہتھیار کے نہیں ہوگا۔ یعنی میان میں پڑی تلوار۔

(۹) یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے پایا اور ان کو حلال کر دیا جائے گا مکہ نہیں لایا جائے گا۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ ایک شخص زخموں سے چور ہتھکڑی بیڑی میں جکڑا ہوا لڑھکتا گھسٹا ہوا مکہ کی طرف سے آ گیا۔ یہ نوجوان ابوجندل تھا۔ مسلمان ہو جانے کے جرم میں سہیل نے اس کو باندھ رکھا تھا۔ باپ نے اسے دیکھا تو اٹھ کر ایک طمانچہ مارا۔ بولا ''اے محمد تم اسے پناہ نہیں دے سکتے۔ میرے اور تمہارے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے۔ سہیل چیخنے لگا۔ ابھی اسی وقت اس کو واپس کرو۔ یہ پہلا آدمی ہے جسے تمہیں واپس کرنا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اسے ''میری خاطر چھوڑ دو''۔ سہیل چیخا ''تمہاری خاطر بھی نہیں''۔ صحابہ کی حالت کا اندازہ کیجئے۔ وہ تو ایسی گستاخی پر گستاخ کا سر کاٹ کر زمین پر لڑھکا دیتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان کے اشارہ کے بغیر ہل بھی نہیں سکتے تھے۔

''جو کچھ خدا دکھائے وہ ناچار دیکھنا''

معاہدہ مکمل ہوا۔ گواہوں کے دستخط ہوئے۔ سہیل خوشی خوشی اپنی فتح پر نازاں مکہ روانہ ہوا۔ ابوجندل کو حضور نے تسلی دی کہ اللہ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ مکرز بن حفص قریش کے نمائندے نے ذمہ لیا کہ ابوجندل پر تشدد نہیں ہوگا۔

تمام صحابہ غم اور غصہ کی ملی جلی کیفیت میں تھے۔ سب رو رہے تھے مگر ان کے آنسو آنکھ سے اندر اندر دل پر گر رہے تھے۔ عمر کی جوشیلی طبیعت برداشت نہیں کر سکی۔ حضور کے پاس پہنچ گئے۔ مکالمہ ہو گیا جہاں ایک بات سے دوسری بات نہیں ہوتی تھی۔

یارسول اللہ۔ کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں۔

فرمایا۔ بے شک میں نبی برحق ہوں۔

یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔

فرمایا۔ بے شک ہم حق پر ہیں۔

عرض کیا۔ پھر ہم دین کے معاملے میں ذلت آمیز شرائط کیوں قبول کریں۔

فرمایا۔ خطاب کے بیٹے میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں کام اللہ کے حکم سے کرتا ہوں۔ اللہ میرا عمل ضائع نہیں کرے گا۔

عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ہم مکہ پہنچیں گے اور طواف کریں گے۔

فرمایا۔ بے شک میں نے کہا تھا۔ مگر یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال عمر خطاب کو چین کہاں تھا۔ ابوبکر صدیق کے پاس پہنچے اور یہ ہی بات کی۔ وہاں سے بھی یہ ہی جواب ملا کہ حضور جو کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔

حضور نے حکم دیا کہ قربانی کے جانوروں کا ''نحر'' کرو احرام اتارو سر حلق کرواؤ۔ ایک صحابی بھی نہیں اٹھا۔ دوسری بار کہا۔ تیسری بار کہا۔ صحابہ اپنے غم میں کھوئے رہے۔ حضور خیمہ کے اندر گئے عورت کی بصیرت نے حل کر دیا۔ ام المومنین ام سلمہ نے فرمایا کہ حضور آپ خود اٹھئے۔ ''نحر'' کیجئے۔ احرام اتاریئے۔ حلق

کرائیے۔ (حلق سر منڈوانے کو کہتے ہیں) صحابہ پر اثر ہوگا۔ حضور نے ایسا ہی کیا اور پھر ایسا ہی ہوا کہ صحابہ کو معلوم ہوگیا کہ عمرہ ختم ہوگیا۔ افسردگی کے ساتھ سارا عمل کیا۔ حضور نے تین دن حدیبیہ میں قیام کیا۔ (یہ ایک رواج تھا کہ جیتنے والی فوج تین دن میدان جنگ میں قائم رہتی تھی جب کہ ہارنے والے تو فوراً بھاگ جاتے تھے یہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی مگر شاید سفر کی تکان اتارنے کے لئے تین دن کا قیام ضروری سمجھا گیا۔)

مسلمان جب سفر حدیبیہ میں دو ہفتہ خرچ کرنے کے بعد مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں کراع الغمیم کی منزل پر سورۃ الفتح نازل ہوئی۔

انا فتحنا لک فتحاً مبیناo لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیماo وینصرک اللہ نصرا عزیزاo

ترجمہ: (اے محمد) ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی۔ تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تم کو سیدھے راستہ پر چلائے۔ اور اللہ تمہاری زبردست مدد کرے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الفتح کی یہ آیات سب سے پہلے حضرت عمر کو بلوا کر سنائیں۔

اس آیت میں لفظ فتح کے بارے میں مفسّرین کو اختلاف ہے۔ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ تم مکہ کی فتح کو فتح خیال کرتے ہو ہم حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ اس آیت میں جس فتح کا ذکر ہے وہ بیعت رضوان ہے۔ فتح مکہ بھی ایک فتح ہے لیکن بیعت رضوان ایک فتح عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہوگیا جنھوں نے جان کی قربانی دینے میں لمحہ بھر تامل نہیں کیا۔ صاحب بیضاوی فتح سے مکہ کی فتح کا وعدہ

سمجھتے ہیں۔ یا پھر وہ فتوحات جو اس سال ہوئیں مثلاً خیبر اور فدک وغیرہ۔

امام سیوطی فتح سے فتح حدیبیہ مراد لیتے ہیں جو پیش خیمہ تھی دوسری فتوحات کا مثلاً فتح مکہ۔ فتح خیبر۔

آخر میں ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے ''یہ ہی صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہئے''۔

یہ مولّف عرض کرتا ہے کہ ''آپ سب بزرگ سچ کہتے ہیں'' ہر فتح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین ہے۔

ویسے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ حدیبیہ کے دن سے یہود اکیلے ہوگئے۔ بلکہ یتیم ہوگئے۔ قریش اور یہود اور منافقین ہمیشہ مل کر حملے کرتے تھے اگر یہود سامنے نہ بھی ہوں تو جنوب میں قریش سے جنگ ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو خطرہ شمال میں یہود سے ہے اور اندرون مدینہ غطفان۔ منافقوں اور بنو قریظہ (یہود) سے ہے۔ اب وہ بات ختم ہوئی کہ

دنیا کے مقابل میں ہمیشہ رہا تنہا
آئی نہیں دنیا کبھی تنہا مرے آگے

صلح حدیبیہ۔ باب الفتح مبین

صلح حدیبیہ کے جو سیاسی اثرات مرتب ہوئے ان کا بیان بہت مختصر کرنا ہوگا ورنہ اس کتاب کا حجم اتنا بڑھ جائے گا کہ مقصد فوت ہوجائے گا قاری پڑھے گا ہی نہیں۔

(۱) مکہ کے نواحی قبیلہ بنوخزاعہ نے اسلام اور مسلمانوں سے مفاہمت کرلی اور معاہدہ امن ودوستی قائم کرلیا۔ اور مکہ کے قریش معاہدہ حدیبیہ کی رو سے بنوخزاعہ کے اسلام سے معاہدہ کا احترام کرنے پر مجبور ہوئے۔

(۲) قریش اور یہود کا ایک دوسرے سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ اگر مسلمان قریش سے لڑیں تو یہود کی مدد قریش کو حاصل نہ ہوگی کیونکہ قریش یہود کی مدد نہ کرنے کے پابند تھے۔ اور یکطرفہ معاہدہ نہیں ممکن تھا۔

(۳) یہودی اس معاہدے کے بعد بنی غطفان سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو زک نہیں پہنچا سکتے تھے کیونکہ قریش کی غیر جانبداری کے بعد غطفان کی حیثیت کوئی تھی ہی نہیں۔ ایک دن کا محاصرہ ان کے لئے کافی تھا۔

(۴) امن وامان کا دس سالہ معاہدہ اسلام کی تبلیغ کے لئے مددگار تھا۔ اگر اسلام کا پیغام برتر اور بہتر ہے تو قریش کی چودھراہٹ چند دنوں میں ختم ہوسکتی ہے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ ایک خدا تین سو ساٹھ خداؤں پر غالب آ جائے اور سارے تین سو ساٹھ خداؤں کو کعبہ سے نکال دیں۔ تین سال بعد ہر ایک کو پتہ چل گیا کہ

صلح حدیبیہ فتح مکہ کا دیباچہ تھی۔

(۴) سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ اس دن سے اسلام بین الاقوامی دور میں داخل ہوا۔ غیر ملکی سربراہان مملکت کو خطوط لکھے گئے۔ اسلام کی دعوت دی گئی سفیر اور نمائندے بھیجے گئے۔ لکھ لیجئے۔ مان لیجئے کہ پوری تاریخ عالم میں پہلا نظریاتی دعوت نامہ اسلام کی طرف سے رائج کیا گیا۔ اس سے پہلے ساری تاریخ عالم میں شہری حکومتیں City States قومیتی حکومتیں Nations of Tribes رائج تھیں۔

(۷) جو لوگ اسلام کو دلوں میں چھپائے ہوئے مکہ میں بیٹھے تھے ان کو اعلان کی ہمت ہوئی آزادانہ

میل جول کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی تعداد میں حدیبیہ اور مکہ کے درمیانی تین سالوں میں جو اضافہ ہوا وہ اس سے پہلے کے سترہ سالوں کے اضافہ سے دس گنا زیادہ ہے۔ صرف چند مشہور نام جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے وہ یہ ہیں۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن عاص۔ عثمان بن ابی طلحہ۔ حاتم بن عدیؓ۔ ابو ہریرہ۔ ان لوگوں کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے نکال کر پھینک دیئے۔

اگر یہ کوئی کھلی ہوئی فتح ہے تو قرآن کریم میں فتحاً مبینا کے معنی حدیبیہ رکھنے پڑیں گے۔ اصل میں قرآن کریم کا حسن اس کی بلاغت بھی ہے (فصاحت کے علاوہ) اور اس طرح فتح مبین کا ایک معنی ''حدیبیہ'' ہے اور دوسرے معانی مثلاً فتح مکہ اور بیعت رضوان اور اخلاقی اور نظریاتی فتوحات بھی سچ ہیں۔

ابوبصیر۔ ابوجندل کمپنی ان لمیٹڈ

صلح حدیبیہ میں ایک شرط رکھی گئی تھی کہ وہ کمزور مسلمان جو خود مختار نہیں تھے۔ جن کے کوئی والی وارث تھے مکہ میں وہ اگر بھاگ کر مدینہ آ جائیں تو انہیں واپس کرنا پڑے گا۔ حضرت عمر کو اس پر اعتراض تھا کہ یہ مسلمانوں کی کمزوری کی نشانی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں دفعہ حضرت عمر کے اعتراض کو رد کر دیا۔ اس درمیان میں نوجوان ابوجندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا زخمی حالت میں کسی طرح گھسٹتا ہوا حدیبیہ میں حاجیوں کے لشکر میں پہنچ گیا۔ اس کے باپ سہیل نے جو قریش کا نمائندہ تھا کافی گستاخ طریقہ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی درخواست بھی کی سہیل سے مگر وہ نہیں مانا۔ ابوجندل کو مکہ واپس جانا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ ایک نو مسلم عتبہ بن اسعد جن کی کنیت ابوبصیر تھی اور قبیلہ ثقیف سے تعلق تھا (یہ

قبیلہ قریش کا حلیف تھا) کفار کے ظلم سے تنگ آ کر مدینہ آ گئے۔ ان کی پیچھے ہی قریش کے دو نمائندے ان کی واپسی کا مطالبہ لے کر آ گئے حضور نے معاہدہ کے رو سے ان کی واپسی کا حکم دے دیا۔ فرمایا کہ ابوبصیر ابھی جاؤ مگر یقین کرو کہ اللہ جلدی ہی کوئی راستہ نکالے گا۔ ابوبصیر ان دو قریشی گرفتار کرنے والوں کے ساتھ چلے۔ مگر راستہ میں (اللہ تعالیٰ کی مدد کے خیال سے کہ اسے ان کی آزادی کا راستہ نکالنا تھا) انہوں نے ایک محافظ کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگا تو ابوبصیر اس کو دوڑاتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ (یہ محافظ بڑا چالاک تھا۔ یہ قریش کی طرف نہیں بھاگا جو چار سو کلومیٹر دور تھے بلکہ مدینہ کی طرف اپنی جان کی امان کے لئے بھاگا جو قریب تھا)۔ ابوبصیر محافظ کو دوڑاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ حضور نے صرف اتنا کہا کہ ''تیرا برا ہو''۔ ''اگر تیرے ساتھ چند آدمی اور ہوتے تو جنگ چھڑ جاتی'' ابوبصیر نے دیکھا کہ حضور فساد نہیں چاہتے اور سارے صحابہ خاموش کھڑے ہیں۔ (اس مولّف کو یقین ہے کہ ابوبصیر نے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں ستائش اور تحسین کی چمک دیکھی ہوگی مگر کوئی لفظ بولنے کی جرأت ان میں بھی نہیں تھی)۔

ابوبصیر مدینہ کی حدود سے باہر نکل گئے اور چلتے چلتے اس قریشی محافظ سے کہتے گئے کہ مدینہ کی حدود کے باہر میں تم سے ملاقات کے لئے کھڑا ہوں۔ آ ملنا۔ (وہ محافظ ابوبصیر سے ملاقات کا تمنائی نہیں تھا اور نہ بے وقوف تھا۔ کسی دوسرے راستہ سے نکل بھاگا۔ اور اِس مولّف کا خیال ہے کہ وہ مکہ پہنچنے تک مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا کہ کہیں ابوبصیر نہ آ جائیں۔

ابوبصیر نے ساحل سمندر پر عیص کے مقام پر ڈیرہ ڈال دیا اور کچھ دنوں بعد دوسرے پارٹنر ابوجندل بھی وہاں پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد ستّر کے قریب ہوگئی۔ کوئی قافلہ یا مسافر قریش کا شام کی طرف جا نہیں

سکتا تھا جب تک کہ ابوبصیر ابوجندل کمپنی کے نمائندے اس کی باقاعدہ تفتیش نہ کرلیں۔ ''غلّہ جنس کھانے کا سامان ادھر رکھ دو۔ ہمیں اس کی ضرورت تم سے زیادہ ہے۔ تم ویسے بھی زیادہ کھا کے موٹے ہو رہے ہو۔ چلو فوراً سارا غلّہ تیل وغیرہ ادھر ڈھیر کرو''۔ ''اور یہ ہتھیار تم نہیں لے جا سکتے یہ تم ہمارے ہی خلاف استعمال کرو گے۔ سارے ہتھیار بھی ادھر ڈھیر کرو''۔ ''یہ سامان تجارت چمڑے کا سامان ریشمی لباس عطر خوشبو یہ سونا چاندی سب لے جاؤ۔ ان کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔''

''جلدی کرو ورنہ ہم تمہارے سر بھی ادھر ہی ڈھیر کر دیں گے۔ ہم تم کو اپنے سر کندھوں پر لے جانے کی اجازت اس لئے دیتے ہیں کہ اس میں بھیجے کے بجائے فضلہ بھرا ہوا ہے جس میں سے غلاظت آلود سوچ ہی نکل سکتی ہے''۔ ''چلو اب یہاں سے دوڑ جاؤ تیزی سے''۔

قریش اور یہود کو تجارت کی مار دینا بڑی سخت مار ہے۔ چند دن میں قریش بلبلا گئے۔ حضور نبی کریم کے پاس سفارت بھیجی کہ براہ مہربانی اس بلائے بے درماں ابوبصیر ابوجندل کمپنی کو جو روز مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے اپنے پاس بلالیں کہ راستہ تو محفوظ ہو۔ خط جو آیا وہ یہ تھا یہ حضرت ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب ''رسول اکبر کے سیاسی وثیقہ جات'' سے ماخوذ ہے۔

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے آپ کے اور اپنے رحم کا واسطہ دے کہ عرض گزار ہیں کہ عیص میں مقیم مسلمانوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ آپ انہیں شوق سے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیجئے۔ ''ہم قرارداد حدیبیہ سے درگزر رے''۔ (یہاں رحم کے معنی رحم مادر یعنی خون کا رشتہ)

اللہ اللہ۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ قریش رحم کا اور رحم وکرم کا واسطہ دے رہے ہیں اس شخص کو جسے سات

سال پہلے انہوں نے مکہ سے نکال دیا تھا۔اور جس کے رفقاء پرظلم توڑے تھے اور جس سے لڑنے کے لئے وہ بار بار مدینہ پر دھاوا بولتے تھے اور جس کے خلاف وہ مدینہ کے منافقین راستہ کے بدّوقبیلوں اور شمال کے یہود کو جمع کرتے تھے۔اور معاہدہ حدیبیہ کی اسی شرط سے عاجز آ گئے تھے جس کو وہ حدیبیہ میں اپنی سب سے بڑی فتح سمجھتے تھے۔حضور نے حسب عادت ان پر رحم کیا۔ابو بصیر کو خط لکھا کہ مدینہ واپس آ جاؤ۔جب یہ خط قاصد عیص پہنچا تو ابو بصیر مرض الموت میں مبتلا اپنی آخری سانسیں لے رہے تھے۔حضور کا نامۂ مبارک وصول کیا آنکھوں سے لگایا سینہ پر رکھا اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ان کے تمام ساتھی مدینہ چلے آئے۔صحیح بخاری کی روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس گروہ ابو بصیر ابو جندل کے بارے میں ہے۔

لیدخل المومنین والمومنت جنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها ویکفر عنهم سیاتهم وکان ذلک عند الله فوزا عظیما. (سورۃ الفتح۔آیت 5)

”تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے،اور ان سے ان کے سارے گناہ دور فرمادے گا،اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔“

معاہدہ کی مدت دس سال رکھی گئی تھی مگر تین سال کے بعد فتح مکہ کے دن اس معاہدہ کی ایک پرانی دستاویز سے زیادہ حیثیت نہیں رہ گئی۔

عالم گیر تحریک اسلامی۔

اِنّا فتحنا لک فتحا مبینا

صلح حدیبیہ ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے واپسی کے سفر کے دوران ایک پیغام بھیجا حبیب کی طرف سے محبوب کو پیغام ملا کہ اے محبوب ہم نے آپ کو ایک عظیم الشان روشن اور واضح فتح عطا کی ۔ یہ بات یقینی ہے کہ محبوب نے اپنے حبیب کی بات کی گہرائی کو فوراً پالیا۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حبیب جل جلالہ سے مطمئن تھے اور حبیب اپنے محبوب کے ساتھی مجاہدین سے مطمن تھے۔ رضی اللہ ورضوعنہ۔ لیکن کیا عام مومنین مطمئن تھے۔ شاید یہ پہلا (اور آخری)) موقعہ تھا جس میں مجاہدین حضور کے عمل سے وسوسہ میں مبتلا تھے۔ آتش بجاں عمر فاروق نے اپنے وسوسہ کا دبی زبان سے اظہار کیا تھا اور دوسرے مجاہدین نے احرام کھولنے اور عمرہ کو قضا کرنے کے عمل میں واضح تساہل کا، ہلی اور ناراضی کا مظاہرہ کیا اور پھر ایک خاتون (ام المومنین ام سلمہ) کی بصیرت نے ایک مناسب حل نکالا۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تحریک اسلامی جس راستے پر چل نکلی اس سے ان مجاہدین کی تشفی ہوگی جو وقتی طور پر غیر مطمئن تھے۔ اللہ کی مشیت اور رسول کا عمل (دونو ایک ہی چیز ہیں) ایسا تھا کہ اس نے مستقبل میں نئے امکانات کھول دیئے۔ معاہدہ کی جو شرط حضرت عمر کو سخت نا گوار تھی (کہ مسلمان ان مسلمانوں کو واپس کردیں گے جو مکہ سے پناہ لینے مدینہ آئیں گے۔) اسی شرط کو معاہدہ سے خارج کرنے کیلئے قریش نے وفد اور پیغام بھیجنے شروع کردیئے کہ ہم پر رحم کیجئے اور ابوبصیر۔ ابوجندل بریگیڈ کو مدینہ بلا لیجئے۔ ہم تو ان کے محاصرہ کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ درخواست ہی قریش کی واضح شکست تھی۔ اور پھر آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

اب وہ جتھہ بندی قریش ۔ یہود ۔ منافقین ۔ قبائل کی ناممکن ہوگئی تھی اور اکیلے اکیلے وہ کسی ایک غزوہ (جنگ) کے متحمل بھی نہیں ہو سکتے تھے ۔ سب کے لئے ایک ایک سریہ (پولیس ایکشن) کافی تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ یک وقت دو محاذوں پر کام شروع کیا۔ ایک یہودی فتنہ کا استیصال ۔ (اب یہودی اکیلے تھے سوائے اس کے کہ منافقین کی نجس ہمدردیوں اور قبائل کی کمزور مدد پر بھروسہ کریں) دوسرا محاذ تھا اسلام کو ایک عالم گیر تحریک بنانا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کام ایک ساتھ شروع کئے مگر یہ مولف علیحدہ علیحدہ بیان کرنا چاہتا ہے اور پہلے ......

بین الاقوامی تحریک اسلامی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان یہ اعلان کیا کہ وہ دنیا کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس خطوط کے ذریعہ اسلامی تبلیغ روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ دنیا کے سردار بادشاہ خط پر ''مہر'' کی توقع کرتے ہیں۔ مہر بنانے کا حکم دیا گیا جو پہلے سونے میں بنائی گئی مگر حضرت جبرئیل پیغام لائے کہ مردوں کے لئے سونا حرام ہے تو پھر چاندی میں مہر بنائی گئی۔ جو ایک انگوٹھی میں تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی انگلی میں پہنتے تھے۔

اس زمانے میں سورۃ النمل کی آیت نمبر 30 نازل ہوئی۔

انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم.

اس وقت یہ طے پایا کہ تمام مکاتیب رسول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوں گے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے پیرس (فرانس) میں بیٹھ کر اندازاً پچاس سال اسلامی تحقیق کی (اور فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا) ان کے بیان اور تحقیق کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ خطوط اصلی حالت میں موجود ہیں۔

(۱) بنام مقوقس۔ یہ نامۂ مبارک استامبول ترکی کے توپ کاپی عجائب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) بنام نجاشی بادشاہ حبشہ۔ مصری اخبار البلاغ نے ادیس ابابا کے اخبار برھان اسلام کے حوالے سے خبر شائع کی ہے کہ حبشی اطالوی جنگ سے پہلے نجاشی نے یہ خط مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا تھا۔ غریب سلطنت حبشہ سے یہ خط ایک عیسائی پادری کو پہنچا اور اس سے ایک دمشق کے شخص نے خرید لیا۔ اب یہ خط دمشق میں موجود ہے۔ اس خط کی فوٹو نقل ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب رسول اکرم کی سیاسی زندگی میں شامل ہے۔

(۳) بنام المنذر بن ساوی۔ والی بحرین کے نام لکھا ہوا یہ خط دمشق کے ایک قوتلی خاندان کے پاس محفوظ ہے۔ اسے اسلامک رلویو ووکنگ مسجد انگلستان کے خواجہ کمال الدین نے 1917 میں دیکھا تھا۔ (اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ ایجاد نہیں ہوا تھا۔)

(۴) ہرقل قیصر روم کے نام خط شاہ حسین والئی اردن کے قصر الہاشمی میں محفوظ تھا۔ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ خط اب موجودہ شاہ اردن کے پاس ہوگا۔ اس خط کے (الیکٹرانک طریقہ سے تحقیق کے بعد) اصلی ہونے کی تصدیق برٹش میوزیم لندن نے کی۔ اور یہ خبر 13 اپریل 1977 کو روزنامہ انڈین ایکسپریس نئی دہلی میں شائع ہوئی۔ یہ اطلاعات ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) نے نقوش کے رسول نمبر میں لاہور سے شائع کیں۔

(۵) خسرو پرویز کے نام مکتوب بیروت لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون نے ڈیڑھ سو اشرفیاں (شاید گنی) دے کر دمشق میں خریدا۔ یہ نامہ مبارک رق (جھلی) پر لکھا ہے۔ اس کا عکس روزنامہ الحیات بیروت کی 22 مئی 1963 کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ان اصل نامہ ہائے مبارک کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ نے 250 سے زیادہ مکتوبات اور وثیقہ جات (ڈاکومنٹس) مختلف ماخذوں اور مصادر (ذرائع Sources) سے حاصل کر کے عربی میں شائع کیا اور نام اس کتاب کا رکھا۔ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی وخلافت راشدہ۔ یہ کتاب مصر میں شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ سیاسی وثیقہ جات کے نام سے 1960 میں مجلس ترقی ادب نے لاہور سے شائع کیا۔

اسلم تسلم

(مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے)

وہ دن مشہور پرانے سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق غالباً یکم محرم 7ھ مطابق 11 جولائی 628 کا دن تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ قاصدوں کے ذریعہ چھ خطوط چھ حکمرانوں کو روانہ کئے۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ چھ قاصدان ملکوں کی زبان سے واقف تھے جہاں وہ روانہ کئے گئے تھے یا کم از کم اس ملک کی زبان کی تھوڑی بہت فہم رکھتے تھے جہاں وہ بھیجے گئے تھے۔ (ابن ہشام اور طبری)

یہ فہرست قاصدوں اور حکمرانوں یا سرداروں کی ہے۔

	حکمران	قاصد
(۱)	قیصر روم	حضرت وحیہ بن خلیفۃ الکلبی رضی اللہ عنہ
(۲)	خسرو پرویز شہنشاہ ایران	حضرت عبداللہ بن حذافی سہمی رضی اللہ عنہ
(۳)	نجاشی بادشاہ حبشہ	حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ
(۴)	عزیز مصر	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
(۵)	سرداران یمامہ	حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ
(۶)	حارث غسانی رئیس حدود شام۔ ہرقل روم کا نمائندہ	حضرت شجاع بن وھب الاسدی رضی اللہ عنہ

ہرقل۔قیصر روم کے نام نامۂ مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔محمد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے بنام ہرقل ''عظیم روم'' سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ بعد ازیں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا۔اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔اے اہل کتاب (اختلاف کی ساری باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلّم ہے۔یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے۔تو پھر اگر اس (اصول) سے منہ پھیر و تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار بندے ہیں۔

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حضرت دحیہ کلبی نے امیر بصریٰ (علاقہ حوران) کی وساطت سے ہرقل کو پیش کیا اس وقت وہ کسریٰ شاہ ایران پر فتح پانے کی خوشی میں بیت المقدس سجدہ شکر ادا کرنے گیا ہوا تھا۔ہرقل نے خط کو سن کر اہل دربار سے کہا کہ مدّعی نبوّت کے شہر کا کوئی فرد اس شہر میں موجود ہو تو پیش کیا جائے۔قریش کی ایک پوری جماعت کو جو تجارت کی غرض سے وہاں گئی تھی پیش کیا گیا۔سردار اس جماعت کا ابوسفیان تھا۔اس سے سوال جواب ہوا۔ابوسفیان اتنی بڑی جماعت اور ساتھیوں کی موجودگی میں زیادہ بڑا جھوٹ نہیں بول سکا۔قیصر نے ابوسفیان کے ساتھیوں کو بھی پابند کیا کہ اگر ابوسفیان کچھ جھوٹ بولے تو ٹوک

دیں۔سوال وجواب یہ تھے۔

ہرقل:۔اس مدّعی نبوت کا نام ونسب کیسا ہے؟

ابوسفیان:۔اعلیٰ واشرف۔

ہرقل:۔کسی نے اس کے خاندان میں پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان:۔جی نہیں۔

ہرقل:۔اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان:۔نہیں۔

ہرقل:۔اس کے پیرو مالدار اور صاحب اثر لوگ ہیں یا غریب ومسکین؟

ابوسفیان:۔غریب ومسکین۔

ہرقل:۔ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان:۔بڑھتی جارہی ہے۔

ہرقل:۔کسی نے اس کے دین میں داخل ہوکر اسے چھوڑا ہے؟

ابوسفیان:۔نہیں۔

ہرقل:۔کیا کبھی اس نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے؟

ابوسفیان:۔ابھی تک تو نہیں مگر اس سال ایک معاہدہ ہوا دیکھتے ہیں انجام۔

ہرقل:۔اس کا پیغام کیا ہے؟

ابوسفیان:۔خدا کو ایک مانو اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔اس کی عبادت کرو آباؤاجداد کا طریقہ چھوڑ دو۔

ہرقل:۔اس کے علاوہ اور کیا کہتا ہے؟

ابوسفیان:۔نماز۔روزہ۔صلہ رحمی۔اور پاک دامنی کی تعلیم دیتا ہے۔قیصر نے اپنے خیال کا اظہار کیا کہ "نبی ہمیشہ اعلیٰ نسب ہوتا ہے۔اگر اس شخص کے خاندان میں کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ایک مثال کی پیروی کر رہا ہے۔اور عہد کی پابندی اس کی سچائی کی ضمانت ہے جو عام انسانوں سے جھوٹ نہ بولے وہ خدا کے بارے میں کیسے جھوٹ بولے گا۔اور ہر نبی کے اولین ساتھی غریب مسکین ہی ہوتے ہیں۔ اور سچے نبی کے ماننے والے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔اے تاجر اگر تو نے سچ جواب دیئے ہیں تو وہ ایک روز یہاں بیٹھا ہوگا۔جہاں آج میں ہوں اور بیت المقدس کا مالک ہوگا۔کاش میں اس کے پاس جا سکتا اور اس کے پاؤں دھوتا۔

(مولف کا اضافہ:۔ ہرقل کی پیشین گوئی ذرا تبدیلی کے ساتھ پوری ہوئی۔خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بیت المقدس (سفر معراج کے علاوہ) کبھی نہیں گئے مگر اس واقعہ کے نو یا دس سال بعد حضرت عمر نے بیت المقدس میں (فاتح کی حیثیت سے) نماز پڑھی۔اور یہ کہ حضور کا کوئی صحابی کبھی مرتد نہیں ہوا سچ ہے مگر کچھ اس سے زیادہ بھی ہے۔متعدد جنگوں میں کسی مجاہد نے ہتھیار نہیں ڈالے۔قید نہیں ہوا کوئی فدیہ نہیں دیا جب کہ مشرکین اور یہود لاتعداد قید ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔)

ہرقل قیصر نے پوری کوشش کی کہ اس کے درباری اسلام قبول کریں یا ہرقل کو اسلام قبول کرنے کی اجازت دیں۔مگر یہ نہیں ہوسکا ہرقل نے اسلام کی طرف رغبت کے باوجود اپنے تخت و تاج کو بچالیا اور دعوت اسلام کو رد کر دیا۔مگر ہرقل نے ایک جوابی خط ضرور لکھا۔اور خاص بات یہ ہے کہ اس خط میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک احمد لکھا کیونکہ یہ نام انجیل میں آیا ہے۔(معتبر روایات ہیں کہ محمد نام دادا عبدالمطلب نے تجویز کیا تھا اور احمد نام بی بی آمنہ والدہ محترمہ کا تجویز کردہ ہے مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے محمد کا نام استعمال کیا ہے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد و بارک وسلم

قیصر روم کا جوابی خط

بہ حضور احمد رسول اللہ جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰ نے بھی دی ہے من جانب قیصر روم۔ حضور کا فرمان آپ کے سفیر کے توسل سے موصول ہوا۔ میں آپ کے رسول ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ کے ظہور کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے بھی انجیل میں دی ہے۔ میں نے اپنی ساری رعیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ آپ پر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ حضور کاش میں آپ کی خدمت میں باریاب ہوسکوں۔ اور آپ کے پاؤں دھوؤں۔

یہ جواب ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی تحقیق ہے اور کتاب سیاسی وثیقہ جات سے نقل ہے۔

خط بنام شاہ فارس۔ کسریٰ پرویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا حکمران ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں جملہ نوع انسانی کے لئے اللہ کا رسول ہوں تا کہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں بداعمالیوں سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حجّت قائم ہو۔ اسلام قبول کرلو۔ سلامت رہو گے اگر انکار کرو گے تو سارے مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ آسہمی نے یہ نامۂ مبارک والئی بحرین کے توسط سے کسریٰ تک بھجوایا۔ کسریٰ پہلے ہی جملہ پر آگ بگولا ہوگیا۔ کسی بھی شخص نے اپنا نام کسریٰ کے نام سے پہلے کیوں لکھوایا۔ (یہ ایک خاص مرض ہے خود پرستی کا شداد۔ نمرود۔ فرعون جیسے چھوٹے دماغ کے اونچے تخت پر بیٹھنے والوں کا)

اس مرض کے جراثیم فوج اور افسر شاہی میں کم پیمانے پر سہی مگر یقینی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ جس کے کندھے پر تین چار پیتل کے پھول لگ جاتے ہیں وہ ہر شخص کو اپنے سے کم تر درجہ کی مخلوق سمجھتا ہے۔)

کسریٰ نے حضور کا نامۂ مبارک پھاڑ دیا اور حذافہ فوراً وہاں سے روانہ ہوگئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یا دوسرے دن کسریٰ نے اس خط کو جڑوایا اور وہ پڑھا گیا۔ حذافہ تو ملے نہیں کہ جواب ان کو دیتا۔ ادھر حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رپورٹ دی۔ حضور نے صرف یہ فرمایا کہ کسریٰ کی حکومت پارہ پارہ ہوگئی۔ اب کسریٰ کی مزید حماقت ملاحظہ فرمائیں۔ فوراً والی یمن بازان کو حکم بھجوایا گیا کہ دو مضبوط توانا ایلچی بھیجو اور اس ''مدّعی نبوت'' کو گرفتار کر کے حضوری میں پیش کرو یہ تخت پر بیٹھنے والے زمانے کی ہوا سے کس قدر ناواقف ہوتے ہیں۔ جو عرب میں انقلاب آرہا تھا اور جو مدینہ میں ریاست اسلامی قائم ہو چکی تھی۔ وہاں تک اس پاگل تخت نشین کی نظر ہی نہیں پہنچی تھی۔ باذان نے حکم پورا کرنے کے لئے بابویہ اور خرخسرہ دو اہلکاروں کو حضور کے پاس بھیجا جو ڈرتے کپکپاتے مدینہ حضوری میں پہنچے اور پیغام دیا کہ حضور کسریٰ کے دربار تک زحمت فرمائیں ورنہ کسریٰ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ حضور نے فرمایا کہ آج تم واپس جاؤ کل جواب لے جانا۔ وہ دوسرے دن پہنچے تو حضور نے فرمایا کہ تم آرام سے واپس جاؤ۔ کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے۔ تم سے کوئی جواب طلب نہیں ہوگا۔ ان بے چاروں کو بہر حال واپس جانا تھا اور ان کو یمن میں جا کر خبر ملی کہ ٹھیک اس وقت جب حضور نے فرمایا تھا خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے ہلاک کر دیا۔ بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ اس قتل کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ تھا (عام طور سے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے)

مسلمہ نے کہا ''اوس خزرج چھوڑو۔ میں مسلمان ہوں اور یہ رسول اللہ کا پیغام ہے'' پھر مزید اطلاع دی کہ رحمت اللعالمین نے تمہیں کافی موقع دیا۔ اگر ہم میں سے کسی اور کو اختیار ہوتا تو تم کو چھ مہینے پہلے نکال دیا جاتا۔ یہودیوں نے عیارانہ کوشش جاری رکھی۔ منافق اعظم عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا۔ وہاں سے مشورہ آیا کہ ''ڈٹے رہو قلعہ مت چھوڑو۔ میں اپنے دو ہزار پیروؤں کے ساتھ مدد کو آ رہا ہوں بنی قریظہ اور بنی غطفان (دونوں دشمن قبیلے) بھی ساتھ دیں گے۔ یہ چھ کلومیٹر کا فاصلہ عبداللہ بن ابی۔ بنو قریظہ اور بنو غطفان طے نہ کر سکے۔ ادھر حیَ بن اخطب نے اپنے شیطانی حلیفوں ساتھیوں کے بل بوتے پر اپنے بھائی جدی بن اخطب سے مدینہ پیغام بھجوادیا تھا کہ ہم کسی صورت میں اس مقام کو نہیں چھوڑیں گے۔ جو جی میں آئے کر گزرو۔ اس کے بعد وہ قلعہ بند ہو گئے۔ ان کے پاس خوراک کافی تھی۔ پانی وافر تھا۔ ہتھیار بھی وافر تھا۔ بس کمی صرف ایک چیز کی تھی وہ ہمت کی تھی جو بازار میں نہیں بکتی اور سود سے کمائی ہوئی دولت کے ساتھ تو اس کا گزارہ ہی نہیں۔ بنو نضیر مدد کا انتظار کرتے رہے۔ مدد کو کوئی نہیں آیا۔

ہائے رے مایوسی ان کی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔

بنو نضیر تو بڑے بودے نکلے صرف چھ دن کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ اور کہلوا بھیجا کہ ہم نکلنے کے لئے تیار ہیں۔ حضور نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔ اور منظور کیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ جتنا بھی ساز و سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں لے کر چلے جائیں۔ بنو نضیر نے اپنے ہاتھوں اپنے مکان اجاڑ دیئے۔ دروازے کھڑکیاں چھتوں کی کڑیاں بلکہ دیواروں کی کھونٹیاں بھی لاد لیں اور چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ باہر جا کر انہوں نے اپنی سازشیں جاری رکھیں مگر اس وقت جانیں بچا گئے۔ اللہ نے ان کے حال پر ایک آیت میں تبصرہ کیا ہے۔

کمثل الشیطن اذ قال للانسان اکفر. فلما کفر قال انی بری منک (سورۃ الحشر
۔آیت ۱۶)

جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کہ کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ میری ذمہ داری
نہیں ہے۔

سورۃ الحشر میں بنی نضیر کی حرکات اور ان کی سزا کا اتنا ذکر ہے کہ مشہور مفسر قران ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے
تھے سورۃ الحشر کو سورۃ بنی نضیر کہو۔ (صحیح بخاری اور ابن ہشام)

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا تھا اور ابوسفیان نے رمضان ۳ھ میں احد سے جاتے وقت مسلمانوں کو اگلے سال ایک اور مقابلہ کا چیلنج کیا تھا۔ ابھی رمضان میں چند مہینے باقی تھے۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ ان چند مہینوں میں راستہ کے بدو قبائل کی ہمت توڑ دی جائے۔ یہ سرکش بدو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام مخبری نے یہ خبر دی تھی کہ بعض گرم مزاج خود مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کو معلوم ہو کہ رمضان شوال میں بدر میں معرکہ طے ہے اور وہ موقع حملہ کا اچھا ہوگا۔ حضور نے بغیر کسی خاص ہدف کے نجد میں یلغار کر دی۔ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ لڑائی کی تیاری کر رہے تھے۔ کچھ نفری وہاں جمع ہو بھی چکی۔ حضور نے جب ادھر کا رخ کیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ سیرت نگاروں نے کسی خاص غزوہ کی خبر نہیں دی ہے۔ مگر ادھر ادھر یلغار اور ڈرانے دھمکانے والے کئی حملہ ہوئے۔ کیا اس کو جنگی مشقیں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی فوج کو چست چالاک بنایا جا رہا تھا؟ یا کیا صرف اس بات کی پیش بندی کی جا رہی تھی کہ جب بدر میں ابوسفیان سے

''ملاقات'' ہوتو بالکل یکسوئی ہو؟ واضح رہے کہ بدر مدینہ سے 80 کلومیٹر دور ہے اور مدینہ میں مسلمان عورتیں، بچے، بوڑھے اور مریض وغیرہ غیر محفوظ ہوں گے۔

غزوہ بدر دوئم:

شعبان ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں دیا اور بدر کی طرف ابوسفیان سے **ملاقات** کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضور کے ساتھ ڈیڑھ ہزار کی جمیعت تھی (پچھلے سال 700 تھے)۔ دس گھوڑے بھی تھے۔ بنی نضیر سے چھینے ہوئے ہتھیار کافی ملے تھے۔ ابوسفیان نے مکہ میں بیٹھے ہوئے افواہ اڑانے کا کاروبار شروع کردیا تھا کہ اس دفعہ قریش نے ایسا لشکر جرار تیار کیا ہے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیں گے۔ یہ آج کی زبان میں میڈیا کی جنگ تھی۔ مگر عرب قبائل اتنے بھی بے وقوف نہیں تھے کہ وہ یہ سوال (کم ازکم اپنے ذہنوں میں) نہ اٹھاتے کہ اگر تم ایسے ہی رستم زمانی ہوتو پچھلے سال حمراء الاسد میں فیصلہ کیوں نہیں کرلیا۔ مسلمانوں کا انداز تھا کہ

''وہ آئیں تو سر مقتل تماشا ہم بھی دیکھیں گے۔''

مگر وہ آتے آتے رک گئے۔ ابوسفیان دو ہزار سپاہیوں کو اور پچاس سواروں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ مسلمانوں کو مدینہ سے نکلتے وقت حضور نے تجارتی سامان رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ (مدینہ میں مہاجر انصار مواخات نے تجارت یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دی تھی یا کم ازکم یہ عمل شروع ہوگیا تھا)۔ تجارت کا سامان لے کر چلنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ اس دفعہ قریش سامنے ہی نہیں آئیں گے۔ یہ پیغام تھا یا پیش گوئی تھی۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ابوسفیان کے پاس نفری اور سواروں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی مگر خوف تو دلوں کے اندر بیٹھتا ہے اس کا حساب کس کے پاس تھا۔ابوسفیان کو مکہ سے نکلتے ہی پہلی منزل پر نئے انکشافات ہونے لگے۔وہ پہلی ہی منزل وادی مرالظہران پر مجنہ کے چشمہ پر ٹھہر گیا۔اپنے ساتھیوں سے فرماتا ہے۔

موسم خراب ہے......خشک سالی کی وجہ سے جانوروں اور انسانوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ بڑی زبردست منطق تھی۔کم ازکم ابوسفیان کے ساتھیوں کو پسند آئی۔مگر یہ طبقات سعد والا سیرت نگار بڑا ظالم ہے اس نے ابوسفیان کے الفاظ لکھ لئے۔مجھ جیسے کم عقل کا بھی ایک سوال ہے قریش کے سپہ سالار اعظم سے۔کیا یہ موسم مکہ سے مراء الظہر ان تک آتے آتے خراب ہوگیا تھا جو صرف آدھے دن کا راستہ ہے۔جانوروں پر رحم کھانا بڑی اچھی بات ہے۔یہ ابوسفیان ہمیشہ گھوڑوں پر بھروسہ کیوں کرتا ہے۔پچھلی جنگ میں خالد کے گھوڑوں نے ابوسفیان کی لاج رکھی تھی مگر اب اس کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں نے اس کا بھی کوئی توڑ نکال لیا ہوگا۔ساتھیوں نے ابوسفیان سے مکمل اتفاق کیا۔شاید انہوں نے وہ پٹی پٹائی بات کہی ہوگی۔جان بچی اور لاکھوں پائے۔خیر سے بدھو گھر کو آئے۔قریش نے ایک رات مرالظہران کے چشمے پر شراب سوئق کے ساتھ پی۔سوئق ستو کو کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ ستو کھا کے چشمہ پر شراب پینے میں کچھ خاص لذت ہو۔یہ پکنک اور لذت لشکر قریش کو مبارک ہو۔صبح کو یہ لشکر واپس چلا گیا۔نہ ان کے گھوڑوں کو تکلیف ہوئی اور نہ انسانوں کو مگر سارے عرب کو خبر لگ گئی کہ قریش عددی برتری کے باوجود لشکر اسلام سے منہ چھپاتے ہیں۔

زبردست تجارت:

طبقات ابن سعد والے باقاعدہ بھانڈا پھوڑتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے تجارت میں خوب کمائی کی۔یعنی ایک درہم پر ایک درہم (۱۰۰ فیصد منافع)

غزوہ دومتہ الجندل:

مسلمان بدر ثانیہ یعنی اس غزوہ سے جو کہ نہیں ہوا کیونکہ ابوسفیان جانوروں (گھوڑوں) کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا واپس آئے تو چھ مہینے تک امن قائم رہا کیونکہ سارے عرب پر ان کا رعب تھا۔ مگر ایک طرف قریش کی ساری آمدنی ماری گئی تھی کیونکہ ان کی تجارتی شاہراہ بند ہوگئی تھی اور دوسری طرف یہود کا سود کا کاروبار بند ہوگیا تھا۔ سرمایہ کا راستہ بند ہوتو جنگ ہمیشہ ہوتی ہے۔ ماہ ربیع الاول میں مخبروں نے خبر دی کہ بعض بدوی قبائل دومتہ الجندل کے مقام پر جمع ہورہے ہیں ان کا مقصد مدینہ پر حملہ کرنا ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے پندرہ راتوں کی مسافت پر ہے۔ حضور ان سے مقابلہ کے لئے 25 ربیع الاول کو روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ہزار مجاہد تھے جن میں سوار بھی شامل تھے۔ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپ کر سفر کیا اور اچانک ان کے سروں پر جا پہنچے۔ قبائل مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ لشکر 20 ربیع الثانی کو مدینہ پہنچا۔

غزوہ بنو مصطلق:

مدینہ سے نو منزل پر مکہ کے قریب قدیر کے کنویں مریسع پر قبیلہ مصطلق کا ٹھکانہ تھا۔ مخبروں نے خبر دی کہ وہاں لشکر جمع ہورہا ہے۔ اس کے سردار حارث بن ابی فرار کو کچھ یہودی سرمایہ ملا اور کچھ قریش سے بڑھاوا ملا کہ مدینہ پر حملہ کردہ۔ (یہود اور قریش اب صرف پردے کے پیچھے سے ہی لڑ سکتے تھے) حضور اپنی جنگی تدبیر سے فوراً حملہ آور ہوئے۔ کچھ بھاگ گئے 600 گرفتار ہوئے۔ معافیاں مانگیں جو ان کو مل گئیں۔ سردار کی بیٹی

جویریہ بھی گرفتار ہوئی جس سے حضور نے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد اسلامی فوج نے سارے قیدی واپس کردیئے۔ اوراس کے نتیجہ میں بنو مصطلق مستقل دوست بن گئے۔

جنگ خندق ۔غزوہ احزاب

اگر اسلام ایک جسم ہوتا یعنی اس کی اگر کوئی جسمانی یا انسانی شکل ہوتی تو وہ جسم کھڑا ہو کر یہ فریاد کرتا یا نعرہ لگاتا۔

دنیا کے مقابل میں ہمیشہ رہا تنہا
آئی نہیں دنیا کبھی تنہا مرے آگے

اسلام پر جب بھی کوئی یلغار ہوئی ہے (دنیا میں کہیں بھی سوائے تاتاری حملوں کے) تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک گیدڑوں کے جتھے نے ایک تنہا حریف پر حملہ کر دیا ہے۔ دنیا میں جب کہیں کوئی فساد ہو تو اس کی جڑ میں کسی یہودی سازش کا سراغ ملے گا۔ایک سال سے زیادہ کی مسلسل فوجی مہمات کے بعد عرب میں کچھ امن وامان کا موسم آ گیا تھا۔ مگر دو گروہوں کے مفاد پر ضرب پڑی تھی اور وہ مسلسل تھی وقتی نہیں۔ ان چوٹوں کا نام تھا (ا) سیادت اور تجارت۔ آج بھی جنگوں کی یہ ہی بنیادی وجوہ ہوتی ہیں۔ ان دونوں وجوہ نے قریش اور یہود کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ قریش سارے عرب کے ذہنی فکری بادشاہ تھے۔ وہ سرداری اور بادشاہت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اور ان کی تجارتی شاہراہیں ان پر بند کر دی گئیں تھیں یہاں تک کہ مکہ پر مفلسی اور بدحالی کے سائے پڑنے لگے تھے۔ مختلف قبیلوں کی مکہ آمد اور بتوں پر چڑھاوے سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ قابل ذکر نہیں رہ گئی تھی۔ اور یہود اپنے قلعوں سے نکالے گئے تھے اور ان کے نخلستان اور باغ چھن گئے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی سود کی آمدنی ختم ہوگئی تھی۔ اکیلے اکیلے قریش نے اور یہود دونوں نے اپنے حساب ریاست مدینہ سے چکانے کی کوشش کی تھی مگر دونوں کو ناکامیابی ہوئی۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر اسلام کو فوری مٹانے کی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کامیابی نہیں ہوئی تو پھر کوئی دوسرا موقع

نہیں آئے گا۔ظاہر بات ہے کہ ان زمینی حقائق نے یہود اور قریش کو ایک دوسرے کا فطری ساتھی بنا دیا تھا۔

(خندق کا لفظ فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے۔کندہ فارسی میں کھدے ہوئے کو کہتے ہیں جس کو عرب نے معمولی لفظی تبدیلی سے خندق بنالیا۔اس بات سے معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں خندق کا تصور ایران سے لایا گیا تھا اور اس کو لانے والے تھے سلمان فارسی)

دو یہودی قبائل بنی نضیر اور بنی قینقاع مدینہ کے قرب سے نکال دیئے گئے تھے۔اس لئے یہود کے سر کردہ لوگ مدینہ کے اردگرد اپنے مستقبل سے سخت ہراساں تھے۔حیٔ بن اخطب سلام بن ابی حقیق۔کنانہ بن ربیع سلام بن مشکم اور بنی وائل سے ہوذہ بن قیس اور ابوعمارہ نے ایک گروہ بنایا اور سب سے پہلے وہ مکہ گئے۔ قریش کو مدینہ پر بھرپور حملہ کرنے کے لئے تیار کیا۔قریش کی مالی حالت خستہ تھی کیونکہ بدر کے دن سے ان کے تجارتی قافلہ تقریباً بند ہو گئے تھے۔مکہ سے جنوب جاسکتے تھے مگر شمال میں مسلمانوں کے مخبران سے جان اور مال دونوں طلب کر سکتے تھے۔یہود نے بھرپور مالی تعاون کا یقین دلایا کہ خرچہ سارا ہمارا صرف گردن کٹانے کے لئے تم آجانا۔قریش بے وقوف اس دھوکہ میں تو نہیں آئے مگر ان کو اپنی شاہراہ تجارت کھلنے کا امکان نظر آیا۔تو معاہدہ ہو گیا۔تاریخ مقرر ہوگئی۔کعبہ میں بتوں کے سامنے ابوسفیان نے قسم کھائی۔تاریخ کس سے خفیہ رکھی گئی؟؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی تاخیر کے اطلاع مل گئی کہ قریش کے لئے استقبالیہ کمیٹی کس دن مدینہ کے دروازے پر ان کا انتظار کرے۔اب یہودیوں کا یہ وفد بنی غطفان کے جنگ جو قبیلہ میں گیا۔اس کے سردار عینیہ بن حصن بن حذیفہ کو خیبر کی سال بھر کی کھجور کی فصل کی پیش کش کی۔یہ قبیلہ بھی معاہدہ میں شامل ہو گیا۔اسی طرح اطراف کے دوسرے قبائل بنو مرہ کے سردار حارث بن عوف اور بنو اشجع کے مسعر بن رخیلہ کو یہود کی تھیلیاں درہم و دینار سے بھری ہوئی پیش کی گئیں۔(ڈاکٹر حمید اللہ کے سیاسی وثیقہ جات میں تفصیل ہے) اس کے علاوہ قبائل بنی سلیم۔فزارہ اور اسد میں بھی معاہدہ گروپ کے لئے ہمدردیاں اور وفاداریاں اور مسلمانوں کے لئے نفرتیں پیدا کر دی گئیں۔اب یہ معاہد قبیلے اس بڑی تعداد میں

جمع ہو گئے تھے کہ ہم ان کو احزاب کہہ سکیں۔ اگر یہ قبیلے لوٹ مار کے خواب دیکھ رہے تھے تو ان کو کوئی بتا دیتا کہ مدینہ میں اتنی دولت ہے ہی نہیں کہ سب کا پیٹ بھرے یا حرص پوری ہو۔ بنوخزاعہ کا قبیلہ جو مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا تھا اور بنی بکر دشمن قبیلہ سے حفاظت کے لئے مسلمانوں سے دوستی کا متمنی تھا اس نے بھی جس قدر معلومات ان کو ہوئیں وہ انہوں نے مسلمانوں کو پہنچا دیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے مشیروں کو ساتھ لے کر مدینہ کے اردگرد کا جائزہ لیا۔ مدینہ کے تین طرف قلعہ نما مکانات ایک دوسرے سے پیوست بنے تھے اور کھجوروں کے گھنے باغ تھے۔ دشمن کے کسی بڑے جتھے کا خصوصاً سواروں اور اونٹوں کا داخلہ ناممکن تھا۔ چھوٹے چھوٹے پیدل گروہوں کا چند مستعد تیر انداز مکمل طور پر صفایا کر سکتے تھے۔ شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر سنگین حفاظتی فصیل ہیں مشرقی اور مغربی حرہ (سنگستان) واقم اور حرہ وبرہ بھی سواروں کو روک دینے۔ زخمی کر دینے اور گرا دینے کے لئے کافی ہیں۔ اگر کوئی بچ کے نکل بھی آئیں تو چند تیر انداز ان کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔ جبل سلع ایک بڑی چھ سو فٹ اونچی چٹان اور پھر ایک ٹیلہ ہے جبل ذینب کہلاتا ہے۔ یہ سب رکاوٹیں بڑی سنگین قسم کی ہیں جن کو پار کرنا کرایہ کے سپاہیوں کے لئے ناممکن ہے۔

مگر مدینہ کی شمالی سمت کھلی ہوئی تھی۔ دشمن ادھر سے بہ آسانی آ سکتا تھا۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ دشمن کے لئے استقبالیہ کمیٹی وہیں قائم کر دی جاتی۔ ہر قدم آگے بڑھنے کی کوئی قیمت مقرر کر دی جاتی۔ یہ دشمن اتنا سرفروش نہیں ہے جلدی ہی بھاگ جاتا مگر ہمارے کتنے ہیرے خاک میں مل جاتے۔ ہم کتنے شہیدوں کی لاش اٹھاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرا طریقہ اپنایا۔

سلمان فارسی نے فارسی طریقہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک لفظ **خندق** کافی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذہانت کے لئے۔

خندق کھودنے کے لئے جبل سلع کے دامن میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ سرخ چمڑے کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لگایا گیا۔ یہ گویا کیمپ آفس تھا چیف انجینئر صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آرام گاہ بھی تھوڑے وقفوں کے لئے۔ کھدائی کا سامان میں پھاوڑے تسلے وغیرہ ہمسایہ یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے مانگ کر لیا گیا۔ ابھی معاہدے کا زہران تک نہیں پہنچا تھا۔ بعد میں جب بنی قریظہ احزاب میں شامل ہوئے اس وقت تک خندقیں کھد چکی تھیں یا کم از کم اوزار مسلمان فوج کے ہاتھ میں آ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو دس دس گز حصہ دیا۔ خندق کی تصریحات Specifications بتائیں پانچ ہزار گز لمبی۔ سات گز گہری اور نو گز چوڑی۔ گہرائی اتنی کہ تری (پانی) نکل آئی تھی۔ (آج کا پندرہ برس کا حساب پڑھنے والا لڑکا یہ حساب مشکل سے نکال سکتا ہے کہ ایسی خندق کو تیار کرنے میں کتنے دن لگیں گے۔) وقت کا انتظام ایسا کامل اکمل (Perfect) تھا کہ جب خندق مکمل ہوئی اس دن جان کی دشمن مہمان فوج احزاب سامنے آ گئی اور آ کے حیرانی سے خندق پر رک گئی۔ یہ مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نئی ترکیب تھی۔

۱۔ بدر میں صف بندی

۲۔ احد میں پہاڑ کی پشت پر حفاظت کا انتظام

۳۔ جنگ احزاب میں خندق

اور یہ ہی آخری حربہ نہیں تھا۔ خندق جتنی گہری تھی یعنی جتنی مٹی نکلی تھی اتنی ہی اونچی دیوار اسی مٹی سے خندق کے کنارے خود بخود بن گئی جس کے پیچھے سعد بن وقاص چیمپین تیرانداز اور ان کے ایک ہزار ساتھی اور شاگرد گدے کمبل تیر کمان سامنے رکھ کر دشمن کی آنکھ سے اوجھل جم کر بیٹھ گئے دن رات چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی

پر۔ دشمن کو ایک شدید تکلیف اس لاعلمی سے کہ کب کس طرف سے تیر آئے گا اور کیا اس کو موت کا فرشتہ عزرائیل ان کی حلق تک پہنچادے گا۔ ان دیکھے دشمن کا خوف بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔

حریفوں کے لئے اس میں ایک پیغام تھا کہ قضا کا تیر بھی اسی طرح بغیر کسی اعلان کے آتا ہے۔ تیاری ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے۔

ادھر خندق تیار ہو رہی تھی ادھر حیّ بن اخطب سرغنہ یہودی اپنی کوشش میں لگا تھا۔ بنو قریظہ جو مدینہ کے قریبی پڑوسی یہودی تھے ان کو توڑنا بہت ضروری تھا۔ وہ رات کے وقت بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا۔ اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مخبر خبریں دے رہے تھے۔ زبیر بن عوام گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کے گرد عام نگرانی کر رہے تھے مگر بنی قریظہ پر خاص نظر تھی۔ جب حیّ بن اخطب نے پیچھا نہیں چھوڑا تو بنی قریظہ کے کعب نے دروازہ کھولا۔ حیّ بن اخطب نے اپنی زبان کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ کعب نے کہا کہ تو بڑا بدبخت ہے پہلے اپنے قبیلہ کی تباہی کا باعث بنا اب ہم کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم مسلمانوں کے ساتھ امن چین سے زندگی گزار رہے ہیں (ابھی کوئی دس دن پہلے اس نے مسلمانوں کو زمین کھودنے کے اوزار بھی دیئے تھے۔) کعب نے کہا کہ ہمارا مسلمانوں سے معاہدہ ہے جس کو توڑنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن خبیث حیّ بن اخطب نے ایسے سبز باغ دکھائے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ ختم کر ڈالا۔ کیا تمام یہودی قبائل کی عقل ان کی ایڑی میں ہوتی ہے؟۔ اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ یہ دور دور سے آئے ہوئے احزاب اگر فتح یاب ہوئے بھی تو اس سب سے چھوٹے پارٹنر کو کیا ملے گا اور اگر شکست ہوئی تو قریش تو چار سو کلو میٹر دور بھاگ جائیں گے اور سارے کرایہ کے سپاہی قسم کے قبائل اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو جائیں گے مگر بنی قریظہ جو قریب ترین ہمسایہ ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ (مگر قصور ان کا نہیں ہے ان کا استیصال بارگاہ

الٰہی سے مقدر ہو چکا تھا یہ سب اسباب پیدا کر رہے تھے)۔کعب ابھی سوچ رہا تھا۔

ابوسفیان کو بھی اس کے مخبروں نے خندق کی خبر دے دی۔ابوسفیان کی مزید حماقت ملاحظہ فرمائیے۔ایک دھمکی آمیز خط حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کولکھ مارا۔دھمکی اس شخصیت عظیم کو جو ساری دنیا کو پیغام دے رہے تھے کہ الا اللہ سے پہلے لا الٰہ۔ اللہ کا نام لینے سے پہلے ہر طاغوتی طاقت کا انکار ضروری ہے ورنہ "الا اللہ" نامکمل بات ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ آف پیرس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات (خطوط جمع کئے ہیں ان کا نام رکھا ہے سیاسی و ثیقہ جات اور اسے مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے اس میں یہ خط اور اس کا جواب شامل ہے۔

"من جانب ابوسفیان بن حرب بخدمت محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) با سمک اللھم اپنے بتوں لات، عزیٰ، منات، نائلہ اور ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہمراہ وہ بے کراں لشکر لے کر آ رہا ہوں جو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔

میں نے آپ کے حوصلے دیکھ لئے۔مقابلہ کی تاب نہ لا کر شہر کے اردگرد خندق کھدوالی۔آپ تو یہ طریقہ جانتے نہ تھے۔

اگر اس مرتبہ ہم مدینہ سے ناکام واپس لوٹے تو جس طرح احد میں ہم نے آپ کو پامال کیا تھا اور آپ کے لشکریوں کی گرفت سے ہم اپنی عورتوں کو بچالائے کسی وقت احد کی مانند پھر آپ کو نرغہ میں لے کر پیس دیں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خط پہنچا۔آپ نے ابی بن کعبؓ کو اپنے خیمے میں لے جا

کران سے سنا اور جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''من جانب محمد رسول اللہ بنام ابوسفیان بن حرب

واضح ہو تمہارا خط ملا۔ میں جانتا ہوں کہ تم سدا سے اللہ تعالیٰ کے خلاف غرور میں مبتلا ہو۔

یہ جو تم نے مدینہ پر ایسا حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے جس میں تمہارے ہمراہ لشکرِ جرار ہوگا اور کہتے ہو کہ تمہاری فوج مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گی تو یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم لوگوں سے لات وعزیٰ کا نام لینے کی طاقت سلب کرسکتا ہے۔

اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ مجھے خندق کھودنے کا طریقہ یاد نہ تھا تو یہ طریقہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس وقت القا فرمایا جب تمہارا اور تمہارے ہمراہیوں کا غیظ وغضب یہاں تک آ پہنچا کہ تم لوگ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تل گئے۔

سنو! تمہاری خام امیدوں کا پورا ہونا تو کجا وقت آ گیا ہے کہ لات وعزیٰ ومنات اور نائلہ ایک ایک کے ٹکڑے کردیئے جائیں۔''

ضرب رسول۔آخری چٹان

خندق تقریباً کھودی جا چکی تھی۔آمد ورفت رسل رسائل بند ہو چکے تھے۔سارے قوی بازو خندق کھودر ہے تھے۔غلہ اورخوراک نایاب ہوتے جارہے تھے۔پانی بھی کم تھااورایک ہزارانسانوں (مزدوروں) کو پانی پہنچانے کا انتظام مشکل تھا۔اللہ تعالیٰ بھی آزمائش کررہا تھا۔سردی ایسی سخت تھی کہ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں پڑی۔ایک چٹان ایسی آپڑی کہ کسی مجاہد کی ضرب اسے توڑنہیں سکی۔خندق کے مکمل ہونے میں بس یہ ہی ایک ٹکڑا باقی تھا۔اس ٹکڑے کے چیف مزدور عمرو بن عوف تھے اور ساتھی تھے سلمان فارسی حذیفہ بن یمان۔ نعمان بن مقرن۔ اور چھ اور انصاری۔وہ چٹان اس قدر سخت تھی کہ کدالیں ٹوٹ گئیں۔یہ مزدور اپنی ناکامیابی اور مایوسی کی کہانی لے کرحضورِ آیہ رحمت میں پہنچے۔معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کواس چٹان کی سختی کی (کہ وہ صحابہ کے ہاتھوں نہیں ٹوٹے گی) رمز معلوم تھی یا نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔کدال کی پہلی ضرب پر چٹان سے ایک شعلہ سا نکلا۔حضور نے نعرہ لگایا''اللہ اکبر''چٹان کا ایک تہائی ٹکڑا ٹوٹ چکا تھا۔موجود صحابہ کے گروہ نے آواز لگائی اللہ اکبر۔یہ آواز خندق کے ہر سرے اور ہر ٹکڑے پر سنی گئی اور خالی پیٹ والے مزدوروں نے پوری طاقت لگا کر جواب دیا''اللہ اکبر''کون بد بخت ایسا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرہ اللہ اکبر کا جواب اللہ اکبر سے نہ دے (کسی کو خود اپنے ضمیر کی طرف سے کفر اور زندقہ کا فتویٰ تو نہیں لگوانا تھا) حضور نے دوسری ضرب کدال کی لگائی۔پھر شعلہ نکلا۔پھر روشنی ہوئی پھر چٹان کا ایک تہائی ٹکڑا ٹوٹ گیا۔پھر حضور نے نعرہ لگایا اللہ اکبر۔پھر پوری وادی گونج اٹھی اللہ اکبر سے۔حضور نے پھر تیسری ضرب لگائی پھر شعلہ نکلا روشنی ہوئی پھر اللہ اکبر کا نعرہ حضور نے لگایا۔اور پھر سارے مزدور مجاہدوں نے نعرہ لگایا اللہ اکبر کا۔

اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی مشیت شاید پوری ہوگئی۔ رسول نے تین دفعہ اللہ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا۔ سارے لشکر نے ساتھ دیا۔ اور سارے لشکر نے بھوک اور سردی میں کچھ کمی اور سکون اور عافیت میں اضافہ محسوس کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی چمک میں مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں میں نے حیرہ کے سرخ محلات کو دیکھا۔ دوسری ضرب میں فارس کی چابیاں عطا ہوئیں۔ مدائن کے قصر ابیض کو میں نے دیکھا تیسری بار یمن کی کنجیاں ملیں اور میں صنعاء کے دروازوں کو یہاں سے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ حضور نے سلمان کو فارس کے قصر ابیض کی تفصیل بتائی تو سلمان نے کہا کہ خدا کی قسم قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ادھر خندق مکمل ہوئی ادھر کفار کے لشکر پہنچنے شروع ہوئے۔ وہ آتے تھے اور خندق کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتے تھے۔ ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی چونکہ بیچ میں خندق حائل تھی اس لئے صرف تیراندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔ کبھی کبھی کچھ قریشیوں نے خندق پار کرنے کی کوشش بھی کی مگر تیراندازوں نے ان کو دور رکھا۔ ایک دفعہ عمرو بن عبدودّ۔ عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن ازور گھس بھی آئے مگر حضرت علی فوراً ایک دستہ فوج لے کر ان کے سامنے آگئے۔ عمرو بن عبدودّ جو نامی گرامی پہلوان مانا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا باقی واپس خندق پر سے گھوڑا کدانے میں کامیاب ہوئے۔ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ دیا اور نوفل کا گھوڑا خندق پار نہ کرسکا وہ خندق میں گرا۔ حضرت علی نے اس کو خندق میں اتر کر کشمکش حیات سے نجات دلائی۔

دوسری طرف حیّ بن اخطب نے بنوقریظہ کو قابو میں کرلیا۔ بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا۔ مدینہ کے اندر کمزور ایمان والوں اور منافقوں نے یہ دیکھا تو ان کے دل خوف سے دہل گئے۔ قرآن کا بیان پہلے مومنین کی

کیفیت کا اور پھر منافقوں کی کیفیت کا۔

مومنین کی کیفیت

ولما راالمومنون الاحزاب قالو ھذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ومازادھم الا ایمانا و تسلیما. (سورۃ الاحزاب 33۔ آیت 22)

ترجمہ: اور جب مومنین نے (کافروں کا) لشکر دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہوا۔

منافقوں کی کیفیت

واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ماوعدنا الله ورسوله الا غرورا. (سورۃ الاحزاب 33۔ آیت 12)

ترجمہ: اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ خدا اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔

دو خوشگوار واقعات

خندق کے محاصرہ کے درمیان صحابہ پر بھوک کے شدید دن آئے ہوئے تھے۔ جابر بن عبداللہ نے حضور کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے تو اندر مدینہ میں اپنے گھر گئے۔ ایک بکری کا بچہ نظر آیا اس کو ذبح کیا پکایا۔ بی بی نے ایک صاع (تقریباً ڈیڑھ کلو) جو پیسا۔ روٹی پکائی۔ جابر رازداری سے حضور کے پاس آئے اور کہا کہ چند رفقاء کے ساتھ تشریف لے چلئے اور کچھ کھانا نوش فرمائیے۔ حضور نے اپنے طریقہ کے مطابق جتنے

مکہ سے آٹھ میل دور بطن کے مقام پر رکھ دیئے گئے اور دوسوافراد کا دستہ ان ہتھیاروں کی حفاظت پر مامور ہوا۔ مسلمانوں سے نفرت کی بناء پر مکہ والوں نے شہر خالی کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ قصویٰ کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ ابن کثیر کی روایت ہے کہ مکہ کے کچھ شریر نوجوانوں نے ہجوم کر کے سواری کا راستہ روکنا شروع کیا۔ قصویٰ مگر بڑھتی رہی اور عبداللہ بن رواحہ نے رجز پڑھنا شروع کر دیا۔ (البدایہ والنہایۃ ابن کثیر)

اے کفار کی اولاد حضور کا راستہ چھوڑ دو۔
کار خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ساتھ ہے۔
اے پروردگار میں ان کے تمام اقوال پر ایمان رکھتا ہوں۔
اور مان کر ہی اللہ کا حق پہچانتا ہوں۔
اس حکم کے نفاذ کے لئے ہماری تلوار کی مار سر کو کندھوں سے جدا کر دیتی ہے۔
اچھی طرح سن لو کہ حق کے راستے میں دوستی رکاوٹ نہیں۔

حضرت عمر نے حضرت ابن رواحہ کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حرم میں شعر پڑھ رہے ہو۔ حضور نے فرمایا پڑھنے دو۔ عبداللہ کے اشعار کافروں کے سینہ میں تیر کی طرح لگ رہے ہیں۔
حضور نے ہجوم کرنے والوں کی وجہ سے قصویٰ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔
جب طواف سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کی کہ کاش آپ مقام ابراہیم پر نماز پڑھتے۔ جبرئیل وحی کے ساتھ آئے اور تائید کی۔ (طبقات ابن سعد)

"واتخذو من مقام ابراهيم مصلى"

(جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو)

حکم الٰہی کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دوؒرکعت نماز ادا کی۔ حضور نے کسی مکان میں قیام نہیں کیا۔ آپ کے لئے ریتلی زمین پر چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا۔ تین شب و روز ختم ہوئے تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آئے اور تقاضا کیا کہ تین دن ختم ہوگئے اور آپ نے مکہ نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر سعد بن عبادہ سے ضبط نہیں ہوسکا تڑپ کر اٹھے اور کہا کہ ''یہ زمین نہ تمہاری ماں کی وراثت ہے اور نہ تمہارے باپ کی لہٰذا...... وہ یہیں تک بولے تھے کہ حضور نے ان کو خاموش کر دیا۔ آپ نے اسی وقت کوچ کی منادی کا حکم دیا۔ اعلان ہوا کہ کوئی مسلمان وہاں شام نہ کرے (ابن ہشام)۔ اہل مکہ نے پہاڑوں سے اتر کر جب اپنے گھروں کا جائزہ لیا تو ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہیں پایا۔ ذرہ برابر کسی چیز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ ہی اقدار کی بلندی اور کردار کے ثبوت تھے۔ جو اسلام نے ان کے قلوب اور اعمال کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ کون یقین کرے گا کہ سینکڑوں کفار قریش کے دلوں پر اس کا اثر نہ ہوا ہوگا۔ یہ ایک فتح تھی کردار محمدی کی۔

(آپ نے پہچانا ان سعد کو یہ بیعت عقبہ کے وقت بھی گرم ہو گئے تھے اور آج تک گرم تھے)

خالد کا ایمان

جب حضور عمرہ پر مکہ پہونچے تو خالد نے اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے حضور کے سامنے نہ آئے۔ مکہ کے باہر رہے۔ ان کے بھائی ولید بن ولید مسلمان ہو چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ آئے تھے انہوں نے ان کو بہت تلاش کیا۔ مگر خالد نے روپوشی قائم کر رکھی۔ ولید ابن ولید رضی اللہ عنہ نے خالد کے نام ایک خط مکہ میں چھوڑا کہ تم کہاں غائب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو پوچھ رہے تھے۔ کہا تھا کہ ''خالد جیسا عاقل اسلام سے بیگانہ رہے تعجب ہے''۔ خالد کی ضد ٹوٹ گئی۔ وہ پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھنچ رہا

تھا۔مگر اب اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔اس نے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل کو بھی اپنے ساتھ مدینہ چلنے کی ترغیب دی مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ چلتے چلتے خیال آیا کہ اپنے دوست عثمان بن طلحہ سے بات کروں۔عثمان ساتھ چلنے پر راضی ہو گئے ۔ادھر عمرو بن العاص نے بھی یہ ہی فیصلہ کیا۔عثمان بن طلحہ سے مقام یاجج پر ملنے کا طئے کیا تھا وہ خالد کو وہاں مل گئے اور قسمت سے عمرو بن العاص بھی وہیں آ گئے۔عمرو بن العاص نے بھی بتایا کہ ان کا ارادہ مدینہ کا ہے تینوں چل نکلے مدینہ کے راستہ پر یا **صراط مستقیم** پر۔مدینہ کے راستہ کو صراط مستقیم کیوں نہ کہوں؟

جب حضور کے سامنے پہنچے تو دلوں کو جیت لینے والے نبی نے ان کو دوبارہ جیت لیا۔اور صحابہ سے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے مدینہ بھیج دیئے۔(یہ خوش قسمتی مدینہ سے زیادہ جگر کے ٹکڑوں کی تھی)۔

جنگ موتہ

شام میں عیسائی طاقتور تھے۔ رومی حکومت کا دماغ آسمان پر تھا۔ شام کی سرحدی مقام موتہ پر شرجیل حکمراں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط سے دستور کے مطابق شرجیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ شرجیل نے شرارت سے قاصد کو قتل کر دیا۔ یہ ایک گھٹیا حرکت تھی۔ قاصد نہ اس وقت قتل کیا جاتا تھا نہ اب تک۔ اسلامی حکومت کی توہین اگر برداشت کر لی جاتی تو حکومت کی ہوا اکھڑ جاتی۔ ایک فوج تین ہزار افراد کی تیار کی گئی۔ اس کے مقابلے میں عیسائی ایک لاکھ کی تعداد میں آ گئے۔ اس فوج کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام زید بن حارثہؓ تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اندازہ تھا۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حضور کو علم تھا۔ فرمایا اگر زید شہید ہو جائیں۔ تو جعفر طیارؓ قیادت سنبھال لیں اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ سردار ہوں۔ مدینہ میں کچھ آوازیں سنی گئیں کہ جعفر بن ابی طالب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور عبداللہ بن رواحہؓ معزز انصاری کی موجودگی میں آزاد کردہ غلام زیدؓ کو قیادت سپرد کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نسلی فوقیت کے اظہار پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

جنگ ہوئی شدید جنگ ہوئی

حضرت زیدؓ۔ حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے۔ مسلمان فوج پر آنے والی ابتلا کو پیدائشی جنرل خالد بن ولیدؓ نے دیکھ لیا۔ جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ سخت جنگ کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن خالدؓ کے ہاتھ میں نو (۹) تلواریں ٹوٹیں اور اسی کے ساتھ رومی فوج کی ہمّت میں شکست وریخت بھی ہوئی۔ وہ اپنے محفوظ مقاموں کی طرف رجوع ہوئے اور حضرت خالدؓ ان تین ہزار قدسی نفوس کو واپس مدینہ میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے دامن رحمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسرّت دیکھنے والی تھی اور خالدؓ کو لقب عطا ہوا ''سیف اللہ''۔ اللہ کی تلوار۔ پھر یہ اللہ کی تلوار کبھی زیر نہ ہو سکی۔ قریش اپنے دانتوں میں انگلیاں دبائے ہوئے تھے کہ یہ آٹھ سال پہلے قائم ہونے والی ظاہری اسباب سے محروم ریاست سات سو کلومیٹر کا دھاوا مار کے اس وقت کی دنیا کی سب سے زبردست سپر پاور سے لڑنے ان کے میدان میں پہنچ گئی۔

جب ہدف مکّہ کی فتح کو بغیر خوں ریزی کے مستحکم کرنا ہو تو آسان طریقہ یہ ہی تھا کہ ان کو اتنا دھمکا دو کہ وہ ذہنی طور پر شکست کھا جائیں۔ میرے آقا سپریم کمانڈر اعلیٰ ترین فوجی سپہ سالار کی فراست کا یہ کرشمہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ شکست پہلے قلب کے اندر ہوتی ہے پھر میدان میں۔ مکّہ کے قریش مرنے سے پہلے مر چکے تھے۔ شکست کھانے سے پہلے شکست خوردہ تھے۔ رومیوں نے سفیر اسلام۔ سفیر رسول کو قتل کر دیا۔ یہ عیسائی طرز عمل تھا۔ جب اور جہاں مضبوط ہوں وہاں سارے سفارتی اور بین الاقوامی آداب ان کے پابند ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ وہی کر رہے ہیں جس کی ان سے توقّع تھی۔ اسلامی ریاست نے تین ہزار کی فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی اور ان کے ایک لاکھ ان تین ہزار سے جان چھڑا کر اپنی حدود میں اندر کی طرف گھس گئے اور جنرل خالدؓ اپنی فوج کو واپس مدینہ لے کر آئے۔ اور پورٹ دی۔

گلوئے عشق کو دار و رسن پہنچ نہ سکے
تو لوٹ آئے ترے سربلند کیا کرتے

اصل مقصد جو قریش کو پیغام پہنچانا تھا وہ پورا ہو گیا۔ کہ فتح مکّہ حتمی ہے اور کسی سازش سے اس فتح میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔

فتح مبین

فتح مبین کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا حدیبیہ سے واپسی کے راستہ میں۔ حبیب نے کہا حبوب نے یقین کرلیا۔ حبیب کی شان تھی لایخلف المیعاد کی وہ ذات گرامی اللہ تعالیٰ کی جو وعدہ کے خلاف نہیں کرتی۔ معاہدہ حدیبیہ راستہ میں حائل تھا۔ دس سال کا معاہدہ امن تھا۔ مسلمان خلاف ورزی کیسے کرتے۔ مگر وجہ نکالی گئی۔

بنوبکر کے کسی دریدہ دہن (منہ پھٹے) آدمی نے حضور نبی کریم کی شان میں گستاخی کی۔ بنوخزاعہ کے کسی شخص نے جو مسلمان تو نہیں ہوا تھا مگر عظمت رسول کا پجاری تھا اس کو سزائے موت دی۔ ایک جان کی عرب میں اس وقت کیا قیمت تھی۔ دیت یعنی ''خوں بہا'' پر معاملہ ختم ہوسکتا تھا۔ مگر الٹی کھوپڑی پر جب اللہ تعالیٰ کی مہر لگی ہو کہ اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اس کا حشر ظاہر ہے۔ بنوبکر قبیلہ بنوخزاعہ سے بدرجہا بڑا تھا اس نے بنو خزاعہ کا قتل عام کیا اور موقعہ دیکھ کر قریش کے ''سورما'' بھی چڑھ دوڑے یہ لوگ کمزور کو مارنے میں بڑے مشاق تھے۔ بنوخزاعہ کا بری طرح قتل عام ہوا۔ حضور کے پاس بنوخزاعہ فریادی بن کر پہنچے۔ معاہدہ کا واسطہ دیا۔ حضور نے اتمام صحبت کے لئے قریش کو نوٹس روانہ کیا کہ یا تو بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیں اور معافی مانگیں اور دوسرے جنہوں نے یہ جنگ شروع کی ہے ان سے قطع تعلق کریں۔ ورنہ۔ ورنہ۔ ورنہ معاہدہ حدیبیہ ختم۔ قریش کو ابھی اس آخری موقعہ پر بھی عقل نہیں آئی۔ ان کے بعض سرداروں نے پیغام بھیجا کہ فیصلہ میدان میں ہوگا۔ معہادہ ختم۔ اس رعونت کے جواب کے روانہ کرنے کے فورا بعد ڈرنے ڈیرا ڈالا۔ دل انجام سے ہول گئے۔ فوراً ابوسفیان کو معاہدہ کی تجدید کے لئے بھیجا گیا۔ (ابوسفیان کی بیٹی ام المومنین اُمّ

حبیبہ نے اپنے باپ ابوسفیان کوتو رسول کے بستر پر بیٹھنے بھی نہیں دیا۔ کہ تم نجس ہو۔ یہ رسول کا بستر ہے۔ ابوسفیان رسول اللہ کے پاس گیا۔ حضور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دوڑتا رہا ابوبکر عمر اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کو صاف جواب دیا کہ تم کچھ عقل کی بات کرو۔ ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مسئلہ میں بحث کر سکتا ہے۔ ابوسفیان جہاں دیدہ نے عمر کے آنکھوں میں تو موت کے سائے دیکھے۔ کہ اگر یہ حرم مدینہ نہ ہوتا اور رسول کی طرف سے یقینی پابندی نہ ہوتی تو ابوسفیان کا سر اس لائق نہیں تھا کہ اس کے کندھے پر قائم ہے۔ گمان غالب ہے کہ عمر نے ابوسفیان کی جان تو بخش دی مگر ''عزت وافزای'' کافی کی ہوگی ابوسفیان بھاگا بھاگا فاطمہ سیدۃ النساء بنت رسول کے پاس پہنچا کہ بھتیجی تم اپنے اس بیٹے (حسن اس وقت پانچ سال کے تھے) سے کہلوادو کہ معاہدہ کی تجدید ہوگئی تو میرے لئے کافی ہوگا۔ فاطمہ نے کہا کہ میرا بیٹا کبھی بھی رسول کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی نے ابوسفیان کو ایک راہ دکھائی۔

''تم خود یکطرفہ معاہدہ کی تجدید کا اعلان کردو اور مکہ بھاگ جاؤ۔ اور دیکھنا کہیں عمر سامنے نظر نہ آئیں۔ ابوسفیان نے یہی کیا۔ زور کی آواز سے اعلان کیا کہ میں نے معاہدہ کی تجدید کر دی۔ اور بھاگا مکہ کی طرف۔ مگر قریش نے بھی اچھی پذیرائی کی ''ارے او...... تجھ کو علی نے بے وقوف بنادیا اور تو بے وقوف بن گیا۔'' ایسے یکطرفہ اعلان کی کیا قیمت ہے۔ ابوسفیان کو اپنی سرداری جو جنگ خندق کے دن سے ڈانواں ڈول نظر آرہی تھی اس وقت بالکل ڈوبتی نظر آئی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنا دیا۔ ''ہم اپنے معاہدہ کی پاسداری کریں گے اور قریش اور بنو بکر دونوں کو سزا دیں گے۔'' تمام مسلمانوں کے سرخ چہرے اس وقت زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

اب روکو ہمیں کہ ہم مکہ کی طرف آ رہے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہمیں نہ روکو کہ ہم مکہ کی طرف ضرور آئیں گے۔

ابوسفیان اور قریش کو پہلی دفعہ ان کی سہمی ہوئی عقل نے صحیح راستہ دکھایا اور مکہ فتح ہوا بغیر جنگ کے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کے ارادہ کا اظہار کر دیا مگر اس بات کو حتی الامکان پوشیدہ رکھا گیا۔

دعاؤں کے ساتھ اس تاریخی نیک سفر کا آغاز ہوا۔ لشکر کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ عرب کی تاریخ میں عرب کسی ایک معاملہ میں یا ایک جنگ میں ایک ساتھ جمع نہیں ہوئے تھے۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر شاید ایسے ہی لشکر کو کہہ سکتے ہیں کم از کم عرب جیسے کم آبادی والے ملک میں۔ اور پھر راستہ سے کئی قبیلے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ مکہ کے قریب ''مرالظہران'' پر پڑاؤ کیا۔ یہ بھی شاید ایک جنگی حکمت عملی تھی کہ دشمن کو اپنی تعداد سے پہلے ہی خوف زدہ کر دیا جائے۔ حکم ہوا کہ رات کو ہر لشکری اپنے مقام پر دو دو مشعلیں جلائے تاکہ رات کو کسی جاسوس کو فوج کی تعداد دوگنی نظر آئے۔

ابوسفیان چھپتا چھپاتا جاسوسی کے لئے قریبی پہاڑی پر پہنچا۔ راستے میں حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا سے ملاقات ہوگئی۔ ابوسفیان نے پوچھا ''یہ روشنیاں کیسی ہیں؟'' عباس نے

جواب دیا۔ ''اپنی فکر کر ابوسفیان یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے اور اگر مکہ میں داخل ہو گیا تو پھر جو ہوگا وہ تو جانتا ہے''۔ ابوسفیان گڑگڑانے لگا۔

''اے! ابوالفضل آپؓ ہی بتا دیں میں کیا کروں؟''

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے تھے۔ وہ ابوسفیان کے سر اور گردن کے رشتہ کو قطع کرنے کے درپے تھے مگر حضرت عباسؓ جیسے جید مومن کی پناہ نے ابوسفیان کو بچالیا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ مستقل تعاقب میں رہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا سا بھی ابوسفیان سے کم التفاتی کریں تو وہ ابوسفیان کو زندگی کے تمام غموں سے تلوار کے ایک وار سے نجات دلا دیں۔ ابوسفیان کو رات کے لئے حضرت عباسؓ کی تحویل میں دیا گیا۔ صبح فجر کے وقت لشکر میں ہل چل ہوئی تو ابوسفیان کے دل نے اسے بتلایا کہ ابوسفیان یہ تیرے قتل کی تیاری ہے اور جس طرح تو نے خبیبؓ اور زیدؓ شہداء کو ایک بھیڑ جمع کر کے اذیتیں دے کے مارا تھا وہی کچھ اب تیرے ساتھ ہونے والا ہے۔ حضرت عباسؓ نے تسلی دی کہ مسلمان دستور کیمطابق فجر کی تیاری کر رہے ہیں اور اس ہل چل کا تیری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے پوچھا کہ ''اے ابوسفیان کیا تجھ کو یقین آیا کہ اللہ واحد لاشریک ہے اور کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے''۔ ابوسفیان نے کہا کہ ''اللہ تو اکیلا ہے اگر میرے بت خداؤں میں کوئی سچا ہوتا تو میری مدد کو آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قبول کرنے میں کچھ تامل ہے''۔ عباسؓ نے کہا کہ ''اس تامل میں یہ بھی غور کرتا رہ کہ عمرؓ تیری تاک میں منڈلا رہے ہیں۔ ادھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نظروں سے ہٹا ادھر تیرا سر زمین پر لڑھکا''۔ پھر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی تفسیات کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر ابوسفیان کو کوئی امتیاز دیا جائے تو یہ کام کا آدمی بن جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے''۔

''جو کعبہ میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے''۔

''جو حکیم بن حزامؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے''۔

(حکیم بن حزامؓ ام المومنین حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے اور شعب ابوطالب کے دور میں غلہ سے لدے ہوئے اونٹ وادی میں ہنکا دیتے تھے)

''جو اپنے گھر کے دروازے بند کرے اس کو امان ہے''۔

''عورت کو بچے کو بوڑھے کو بیمار کو امان ہے''۔

امان کے بہت سے دروازے کھلے تھے

اور انتقام کا کوئی دروازہ نہیں کھولا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی مزاحمت کے اور قتل و غارت کئے بغیر مکہ میں داخل ہو گئے۔

فاتح جب مفتوح شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اونچے گھوڑے پر زرق برق لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ تلوار لہراتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پرانی وفادار اونٹنی قصویٰ پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ لے گئی تھی سوار تھے۔ وہی پرانی کملی بدن پر تھی۔ سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک اونٹ کے کجاوے کو چھو رہی تھی۔ کچھ لوگوں کو گمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے۔ اس میں گمان کی کیا بات ہے۔ اس پر یقین کر لیں۔

عبدہٗ کا اعلیٰ ترین مقام قرب سجدہ ہے۔

سند کے لئے سورالعلق کی آخری آیت ملاحظہ کریں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ انصار میں اتنے ہی گرم مزاج اور سخت اور کھرے مومن سمجھے جاتے تھے جتنے مہاجرین میں حضرت عمرؓ۔

جب ان کا دستہ فوج ابوسفیان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ ''آج قتال کا دن ہے۔ آج مکہ کی زمین خون سے سرخ کر دی جائے گی۔ آج قتال حلال کر دیا گیا ہے۔'' ابوسفیان کا دل دہل گیا۔ دوڑا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچا پوچھا کہ ''کیا آج قتال ہوگا؟'' (قریش کا یہ سورما فوجی سردار مسلمان ہو جانے کے بعد بھی ایک دھمکی میں گر گیا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً سعدؓ کو علم برداری سے برطرف کر دیا اور علم ان کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہؓ کو مل گیا۔ سعدؓ گھوڑے سے اتر کر علم بیٹے کے حوالے کر کے قصویٰ کی مہار پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔ اگر سعدؓ سے پوچھتے تو وہ اس کو اپنی تنزّلی کے بجائے عزت افزائی بتاتے۔ کم از کم دلیر گرم مزاج سعدؓ کے آنسو جو

رواں تھے وہ یہ ہی کہہ رہے تھے کہ بڑا کرم فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

کعبہ کے سارے بت توڑ دیئے گئے۔ تصویریں مٹا دی گئیں۔

جاء الحق وزهق الباطل. ان الباطل كان زهوقا.

قریش سامنے جمع ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا قریش تم کو معلوم ہے کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے گا۔

قریش نے جواب دیا۔

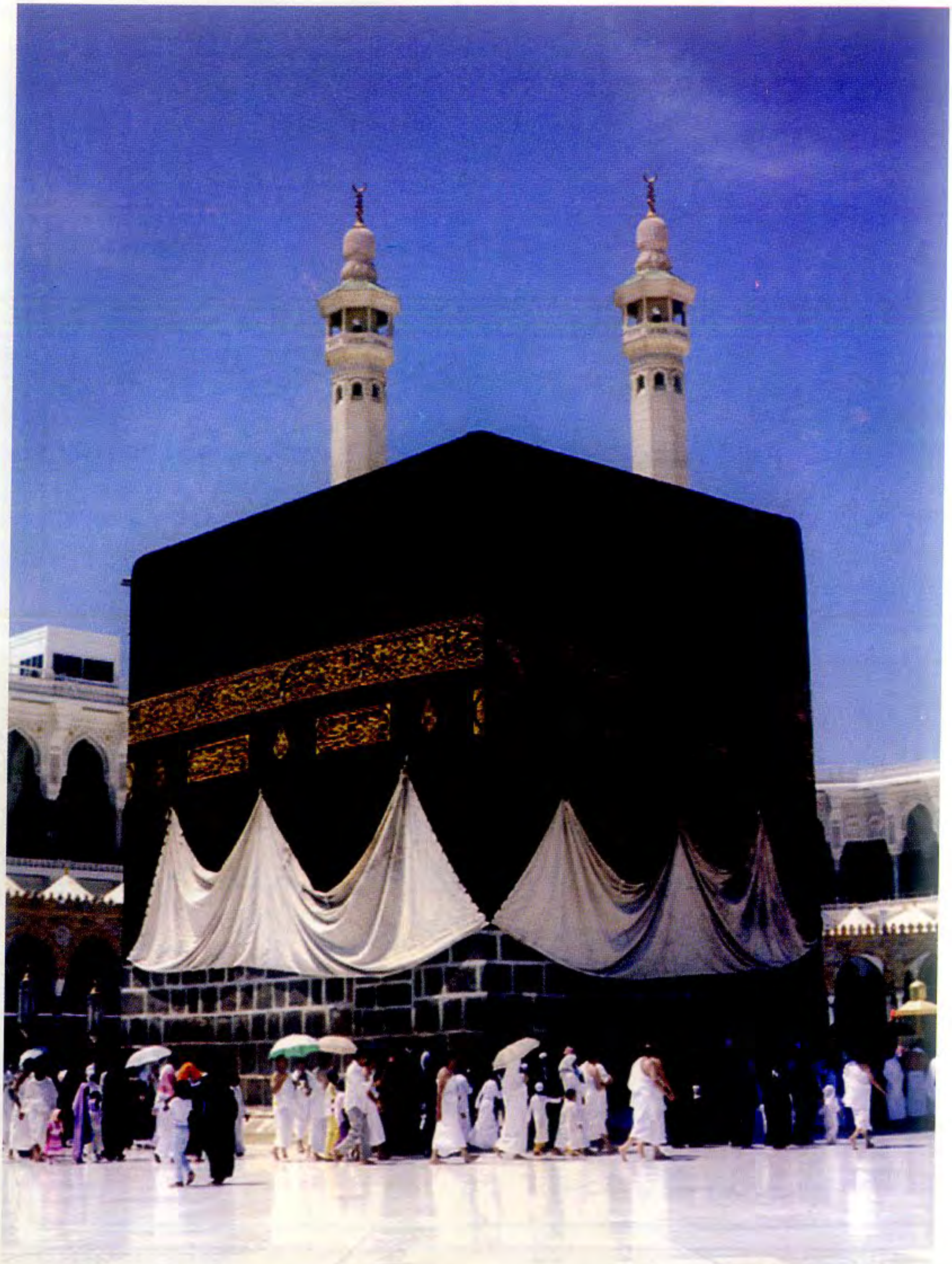
''ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریف بھائی ہیں۔ اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین لفظ فرمائے۔

لاتثریب علیکم الیوم

''آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے''۔

تیرہ سال کی ایذا رسانی تین لفظوں میں معاف۔ یہ صرف ایک خیر البشر افضل البشر فوق البشر ہی کر سکتا ہے۔



فتح مکّہ

"سوئے کعبہ سفیران نبی آتے ہیں"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کسی شاندار گھوڑے پر ننگی تلوار لئے ہوئے مکّہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہ سطحی دنیاوی فاتحین کا انداز ہوتا ہے۔ وہی وفادار اونٹنی قصویٰ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مدینہ میں داخل ہوئی تھی۔ وہ مکّہ واپس لائیں کہ یہ ان کا حق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آنسوؤں سے تر تھا یا نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹنی کے کجاوے سے داڑھی چھو رہی تھی۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ۔۔۔۔۔

مومن کی اعلیٰ ترین سرفرازی "مقام سجدہ" ہے۔

(پڑھیں سورۃ العلق کی آخری آیت)

حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک طرف سے اور حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کو دوسری جانب سے مکّہ میں داخل ہونے کا حکم ہوا سالاروں کو واضح احکام تھے کہ جب تک کوئی سر پھرا ان پر حملہ نہ کرے تلوار نیام میں رہے۔ یہ حرم ہے۔

امن کے کئی دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے تھے۔

"جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے"۔

"جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اس کو امان ہے"۔

''جوابوسفیان یاحکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے اس کوامان ہے''۔

''جوہتھیار پھینک دے اس کوامان ہے''۔''بھاگنے والے کوبھاگ جانے دوامان ہے''۔

''بوڑھے کوامان ہے''۔''عورت کوامان ہے''۔''بیمار کوامان ہے''۔

انتقام کا کوئی دروازہ کھلانہیں تھا۔امان کے بہت سے دروازے کھلے تھے۔

انصار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اوران کے دل میں وسوسے تھے۔(کہ شایداس عام معافی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ ہی میں قیام فرمالیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مکّہ کے باہرایک خیمہ میں قیام فرمایا۔

اپنے پرانے مکان کی تلاش و بازیافت نہیں کی اوراس طرح مہاجرین بھی جو کچھ املاک قریش اور کفار کے پاس چھوڑ گئے تھے اس کو واپس لینے نہیں پہنچے۔کوئی SETTLEMENT کا دفتر یا ALLOTMENT کا چھاپہ خانہ نہیں کھلا۔

اور پھر

''وہ سارے خطا کار بھی دربار میں آئے''۔

وہ جنہوں نے ایذادی تھی۔گالیاں دی تھیں۔جنہوں نے شعب ابوطالب میں قید ومحصور کیا تھااور فاقہ میں مبتلا کیا تھا۔جس حصاراورقید کے نتیجہ میں ابوبکرؓ کی تجارت تباہ ہوگئی تھی۔جنہوں نے سجدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر جانوروں کی اوجھڑیاں رکھی تھیں۔وہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوپتّھر مارے تھے۔

جنہوں نے کمزور مسلمانوں کو، غلاموں کو، کھولتے ہوئے پانی اور تیل سے اور پتھر کی سلوں پر لٹا کر ایذا پہنچائی تھی۔ اماں خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب نے وفات سے پہلے کتنے ہی دن اور سال شعب ابی طالب میں فاقہ زدگی کی حالت میں گزارے تھے۔ ان کا انتقام لینے والا کوئی نہیں تھا۔

اپنی اور سارے مہاجرین کی ساری تکالیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد تھیں عرب ویسے بھی اس زمانے میں لکھتے کم تھے مگر یاد ہر بات رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

خطبہ فتح مکّہ

سید المرسلین سید کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر تسبیح وتحمید میں مصروف تھے کہ مکّہ کے خوف زدہ باسی ادھر ادھر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پھر حضور جب کعبہ سے باہر نکلے تو مسجد کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ ہر ایک کو فکر تھی کہ اِس کے خصوصی جرم کا کیا خصوصی فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمومی چھوٹا سا خطبہ ارشاد فرمایا۔

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

۴۔ اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کے سارے جتھے کو اکیلے شکست دی۔

۵۔ سنو اور آگاہ ہو جاؤ کہ کعبہ کی کلید رکھنے کا حق اور حجاج کے پانی پلانے کی خدمت کے علاوہ ہر دعویٰ باطل ہے۔

۶۔ ہر خون اور ہر مال کا دعویٰ آج میرے دونوں قدموں تلے ہے۔

۷۔ یاد رکھو کہ جو قتل خطا سے ہوا وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کئے جانے کے برابر ہے۔

۸۔ اس قتل کی دیت ہے۔ یعنی سو اونٹ جس میں چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں۔

۹۔ اے قریش کے لوگو! آج اللہ تعالیٰ نے تمہارے جاہلانہ غرور اور نسب کے تفاخر کو خاک میں ملا دیا۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحجرات کی آیات تلاوت فرمائیں۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْ ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ .

ترجمہ: ''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبائل میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے''۔

یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا ایک منفرد انداز ایک ایک ٹکڑا بالکل واضح اور دوسرے سے علیحدہ، نہ کوئی توجیہ، نہ کوئی تکرار نہ کوئی معذرت نہ کوئی تفہیم، نہ کوئی تلقین اس کو ایک شخص بجا طور پر الٰہی انداز کہتا ہے۔ اس خطبے کی آیات (٦) اور (٧) میں واضح ہے کہ جاہلیت کے زمانے کے خون کا بدلہ خون نہیں ہوگا لین دین تک بدلہ محدود رہے گا اور آیت نمبر (۹) کو سن کر اگر ابوجہل زندہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا۔

اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع ہونے والے گروہ سے جن کے چہروں پر جرم اور ندامت اور خوف کے رنگ آرہے تھے اور جارہے تھے پوچھا کہ اے گروہ قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ ایک ہیبت ناک خاموشی چھا گئی۔ خطبہ کا یہ انداز یہ ایک جملہ کافی تھا یادوں اور ندامتوں کو لوٹانے کے لئے۔

ان میں کیسے کیسے ظالم جابر سفاک اور قاتل تھے جو آج بحیثیت مجرم کے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ انصاف فرماتا ہے اور انصاف کی رو سے سزا بڑی مہیب تھی۔

ان میں وہ تھے جنہوں نے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ ان میں گلے میں رسہ ڈال کر دم گھونٹنے والے بھی تھے بیت اللہ میں بے بس مسلمانوں کو روکنے والے شعب ابی طالب میں دانے دانے کو محتاج کرنے والے بھی تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ ملکۃ التجار کو پورا کفن بھی نہیں ملا۔ ابوطالب نے کئی سال پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ بچوں کو چمڑا ابال کر چاٹنے اور چوسنے کے لئے دیا جاتا تھا کہ بھوک سے کچھ تو افاقہ ہو اور پھر مدینہ میں پناہ لینے والوں کو قتل کرنے کے لئے بار بار حملہ کرنے والے بھی تھے یہودیوں کو بھڑکا کر جنگ کرانے والے بھی تھے۔ منافقین مدینہ سے ساز باز کرنے والے بھی، یہ آتے جاتے اکیلے دکیلے مسلمانوں کو اغوا کر کے اذیتیں دے کر خوش ہوتے تھے ناچتے تھے۔ خبابؓ اور زیدؓ جن کا ایک ایک عضو وقفہ سے کاٹ کر خوشی سے ناچنے والے آج خبابؓ اور زیدؓ کی شکل آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔

دونوں طرف خاموشی تھی، یہ افصح الفصحا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کا کمال تھا کہ۔۔۔۔۔

خاموشی بول رہی تھی۔ دماغ میں خاموشی کی چیخیں گونج رہیں تھیں سناٹا خود آواز دے رہا تھا کہ بڑا ظلم ہوا۔ بڑا ظلم ہوا۔

اور پھر کسی گلوگیر آواز نے جواب دیا۔

''اخ کریم۔ وابن اخ کریم'' (آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں)

کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہ خاموشی کی گہری آواز ہر ایک دل میں آ رہی تھی۔ یہ خاموشی دل دہلا رہی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک (۹ الفاظ کی) آیت پڑھی جس نے خطبہ ختم کر دیا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ.

ترجمہ: ''آج تم پر کوئی دارو گیر (باز پرس) نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی تم کو معاف فرمائے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے''۔

یہ خداوندی انصاف سے مختلف بات تھی۔

یہ رحمت اللعالمینی معافی تھی۔

انصاف نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔معافی مل گئی۔

اور پھر احترام باری تعالیٰ میں خود باری تعالیٰ کی زبان میں معافی دی گئی۔ (یہ سورۃ یوسف) کی آیت ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کو یکسر معاف کر دیا تھا۔ (کیا مکّہ کے مجرمین کو دوبارہ بھائی بنانے کی بشارت تھی اگر وہ مسلمان ہو جائیں؟ اللہ ہی جانے اللہ کا رسول ہی جانے)

یہ لطف و کرم، یہ رحم و عطا، یہ عفو و درگزر، نہ کوئی شرط، نہ کوئی لعن طعن، نہ ماضی کی یاد دہانی۔

(ماضی کی یاددہانی خاموشی میں گونجی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں)

ظالم جابروں کے جسم کو آزادی ملی اور جان کو امان تو دل اس لطف وعنایت کی گرمی سے پگھل گئے۔ ان جابروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کو بیچ میں لاکر واسطہ دیا تھا۔ اب بات پلٹ گئی تھی۔ اب ان کو خود اپنی شرافت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اب انہیں خود اپنے ضمیر کو جواب دینا تھا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ضمیر کو جواب دینا۔

سجدہ اگر روا ہوتا تو نہ جانے کتنے سر سجدے میں گر جاتے مگر کبر ونخوت کے پتلے اپنا پرغرور سر آستانۂ رسالت پر جھکانے کے لئے جوق در جوق آگے بڑھے۔ ہر ایک دوسرے سے سبقت کر رہا تھا۔

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

ایسا عظیم فاتح جو ایسا عظیم خطبہ اور ایسا عظیم عمل سرانجام دینے کے بعد اپنا سر جھکائے ہوئے ہو۔۔۔۔۔ دوسرا ہو تو مجھے دکھاؤ۔

کوئی مثل مصطفیٰ کا۔ نہ تھا۔ نہ ہے۔ نہ ہوگا

کوئی مثل مصطفیٰ کا۔ نہ تھا۔ نہ ہے۔ نہ ہوگا۔

(صبیح رحمانی کیا تم اس وقت وہاں موجود تھے کہ یہ شعر کہا؟)

☆☆☆☆☆☆

بلال کی اذان

میں بلال ہوں۔ بلال بن رباح۔ غلام ابن غلام۔ حبشی زادہ۔ بے نوا فقیر۔ پھر میرا مقدر جاگا۔

مجھے خرید لیا گیا۔ دوسری دفعہ پھر غلام بنا۔ امیّہ بن خلف سے ابوبکر صدّیق نے خریدا اور اس کے بعد میری غلامی کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ نہ آزادی کا۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں لگ گیا اور جب حضور نے مجھے قبول کر لیا تو پھر کسی نے مجھے ''او حبشی غلام'' ''اے کالے انسان'' کہہ کر نہیں بلایا۔ مجھے تو شرم اس وقت آتی تھی جب جیّد صحابہ مثلاً عمر بن الخطاب مجھے ''سیّدی'' کہہ کر بلاتے تھے۔ مگر اب سب خطابات۔ اچھے ہوں یا برے۔ میرے لئے بے معنی تھے۔ میں ایک مستقل سرور کے عالم میں تھا کیونکہ میں ہر وقت اپنے آقا کی حضوری میں تھا۔ صبح کو جس وقت میں حضور کے حجرہ کے سامنے آہستہ سے آواز دیتا تھا کہ وقتِ نماز یا رسول اللہ۔ اس وقت تک جب حضور رات کو اپنے حجرہ میں سونے چلے جاتے تھے۔ پھر میں بھی کسی دیوار سے ٹیک لگا کر آدھی نیند سو جاتا تھا کہ شاید حضور کو رات کے کسی لمحے میں میری ضرورت ہو۔

ابھی ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک آیت کا خطبہ فتح مکّہ (لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الرحمین) ختم کیا ہے۔ میری طلبی ہوتی۔ ''حاضر یا رسول اللہ''۔

حضور فرماتے ہیں ''بلال خانۂ کعبہ پر چڑھ جاؤ اور اذان دو'' میں اب کسی اور کے تاثرات تو بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود اپنے تاثرات کی آندھی کی زد میں تھا۔

خانۂ کعبہ ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر

اور اس کی چھت پر ایک حبشی غلام کے قدم

معاذ اللہ۔ یہ خیال بھی ایک گناہ محسوس ہوتا تھا۔ مگر میرے آقا کا حکم سب سے پہلے واجب التّعظیم تھا۔ واجب التعمیل تھا۔ بغیر کسی سوال اور ہچکچاہٹ میں اس مرکز توحید کی بلندی سے اللہ وحدہ لاشریک کی کبریائی اور سیّدالکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینے جا رہا تھا۔

یہ نصیب اللہ اکبر۔

جیئوں یا مر جاؤں

کیا ہر مؤمن کی ایک معراج نہیں ہوتی؟

کیا یہ میری معراج نہیں ہے؟ میں باب ملتزم کے ساتھ لٹکے ہوئے رسّوں کے سہارے اپنی طاقت سے نہیں جذبہ حکم برداری کی طاقت سے کعبہ کی چھت پر پہنچ گیا۔

نیچے کیا منظر تھا۔ سرور کونین سر جھکائے اپنے مالک سے لو لگائے بیٹھے تھے۔ دوسری طرف گروہ کفار جنہوں نے میری اور دوسرے غلاموں کی سزائیں اور ایذا رسانی یہاں بیٹھ کر تجویز کی تھیں موجود تھے۔ وہ ڈرے ہوئے لوگ جن کو خود اپنی سزا کا ڈر تھا۔ باہر ایک الاؤ جل رہا تھا جہاں تین سو ساٹھ بتوں کا ملبہ جل رہا تھا۔ دھواں اُٹھ رہا تھا۔ مجھ پر گھبراہٹ اور دہشت طاری تھی کہ میں اس مقام پر ہوں۔ اپنے ہوش میں آنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اردگرد کعبہ کے باہر کھڑے ہجوم کا شور بھی نظر انداز کر دوں اور زور سے نعرہ لگاؤں۔

اللہ اکبر۔ جیسے ہی میں نے نعرہ لگایا تکبیر اوّل کا سارا زمینی شور ختم ہو گیا۔ مجمع نے سانس روک لی۔ مگر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں سے بازگشت سنائی دی۔ اللہ اکبر کی۔ یہ میری آواز کے احترام میں میری آواز سے بھی زیادہ بلند تھیں۔ معلوم ہوتا تھا تمام کائنات میری ہم نوا تھی کیونکہ میں سرور کائنات کا حکم بجالا رہا تھا۔ اسلام کے معمار اوّل نے شاید یہ کعبہ اس لئے تعمیر کیا تھا کہ پیغام آخریں یہاں سے نشر ہو۔ میں نے شہادت دیتے وقت جب رسول اکرم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تو کعبہ کے صحن میں تشریف فرما گروہ مؤمنین کے آنسو رواں ہو گئے بڑی معتبر تھی ان آنسوؤں کی گواہی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب یہ اذان ہمیشہ جاری رہے گا"۔

اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ کعبہ میں اولین ترانہ جلال و جمال گونج رہا تھا۔ مشرکین نے حضرت بلالؓ کو وہاں چڑھے دیکھا تو بولے اس حبشی غلام کو تو دیکھو کہاں پہنچا ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سورما حرم میں موجود تھے مگر کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی۔ ابوسفیان بن حرب۔ عتّاب بن اسیّد اور حارث بن ہشام تبصرہ کر رہے تھے۔ عتّاب نے کہا کہ میرے باپ اسیّد کی عزت بچ گئی۔ وہ حبشی غلام کی آواز سننے کو اس دنیا میں باقی نہیں ہے۔ حارث بولا اگر حق یہ ہی ہے تو اسے ماننا ہی پڑے گا۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں کچھ نہ بولوں گا۔ اگر کچھ کہا تو یہ کنکریاں ابن عبداللہ کو سب کچھ بتا دیں گی۔

کنکریاں تو خاموش رہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف آئے اور پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ سب کچھ کہہ رہے تھے؟ تینوں حیران تھے اسی وقت عتّاب اور حارث نے کلمہ پڑھا۔ یہ بلالؓ کی اذان کا کرشمہ تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکراتے چہرے اور سوال کا۔ اس بات کا جواب حاصل کرنا ضروری نہیں۔ بلالؓ کی

اذان میں اوراس روے اقدس کی ضیا میں فاصلہ کوئی ہے ہی نہیں۔صرف دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔

در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں

وہ صلوٰۃ صبح وہ بانگ اذاں

اذان کے درمیان ایک ٹولہ نوجوانوں کا بیٹھا تھا اس میں سے ایک نوجوان نے شرارت سے اذان کی نقل کی۔ جب اذان ختم ہوئی تو حضور اکرم نے اعلان فرمایا کہ وہ جس نے پہلے بلال کی اذان کی نقل کی وہ سامنے آئے۔ ایک پندرہ سولہ برس کا نوجوان چاہ زمزم کی طرف سے ملتزم کی طرف راستہ بناتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ پاس آیا تو حضرت عمر نے ہاتھ پکڑ کر حضور کے سامنے پیش کیا۔ سب فکر مند تھے کہ اس نوجوان کو کیا سزا ملے گی۔ بہت سے لوگوں کو اس کی نوعمری پر ترس بھی آیا۔ حضور نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ ''ہاں اے نوجوان بلال کی دوبارہ نقل کرو'' اس نوجوان نے بلند آواز اور خوش الحانی سے نقل شروع کی مگر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے آنسو رواں ہوگئے۔ مجمع میں بہت سے مؤمنین کے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ اور جزاک اللہ نکل گیا۔ حضور نے اس کو ایک تھیلی درہموں کی عنایت کی اور اس کے سر اور ہاتھوں پر دست مبارک پھیرا۔ نوجوان نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اب وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ سولہ سالہ نوجوان کو بیت عتیق یعنی کعبہ کا موذّن مقرر کیا گیا۔ اس کے نام کا اعلان ہوا۔ ابومحذورہ جمحی۔ ابومحذورہ اپنی صف میں جانے لگے تو ایک طرف سے آواز آئی۔

''اشهد ان لا اله الاّ اللہ. واشهد انّ محمد رّسول اللہ''

اے اللہ کے رسول میں ہوں عتاب بن اسید آپ کا مشہور دشمن۔ حضور نے فرمایا ''مگر میں تو تمہیں مکّہ کا امیر مقرر کرتا ہوں''۔

بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے آقا آج سارے دل جیت کے جائیں گے۔

فاتح تو جانیں لیا کرتے ہیں۔

یہ عجیب فاتح ہے جو دل لوٹ کے لے جا رہا ہے۔

عزم سفر۔ جنگ حنین

عزم سفر ہی رخت سفر ہے۔اب حضور مکّہ سے مدینہ کی طرف رجوع ہیں۔ مکّہ سے دوسری دفعہ روانگی ہے جانب مدینہ چھ سال پہلے دو مہاجر بغیر کسی زادراہ کے روانہ ہوئے تھے (انّ اللہ معنا) خیر البشر نے اپنے رفیق صدّیق کو یقین دلایا تھا اور صدّیق کے لئے اپنے آقا کا ایک حرف سب سے بڑی سند تھا اور اب پیغمبر اعظم و آخر دس ہزار کے لشکر کے ساتھ فتح عظیم کے بعد گھر جا رہا تھا مگر کوئی مال غنیمت نہیں تھا۔کوئی لوٹ نہیں ہوئی کوئی قیدی نہیں بنائے گئے۔کوئی قتل عام نہیں ہوا۔

فتح کا کوئی دنیاوی نشان نہیں تھا سوائے اس کے کہ دنیا نے مان لیا کہ یہ فتح عظیم تھی۔

مومن کی آنکھ نے جو فتح کا نشان دیکھا وہ یہ تھا کہ کعبہ سے تین سو ساٹھ بت نکال کر ضائع کر دیئے گئے اور ایک حبشی زادہ غلام نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور اذان جاری ہوگئی اور جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گی۔

از جمالِ تو کعبہ شد قبلہ
قبل ازیں بود ورنہ بت خانہ
(آپ کے جمال سے کعبہ قبلہ بن گیا
اس سے پہلے وہ بت خانہ تھا)

گِدھ اور گیدڑ قسم کے کچھ جانور گھات میں رہتے ہیں کہ کوئی جان جائے تو لاش پر دعوت اڑائیں۔ ہوازن اور

ثقیف کے قبلہ اس جنگ کے نتیجے کے منتظر تھے کہ اگر مکّہ والوں کو شکست ہو تو وہ مکّہ والوں کی طائف اور نواح کے باغوں اور زمینوں پر قبضہ کر لیں اور یا دوسری طرف ذرا دور کی بات یہ تھی کہ مدینہ والے مار کھا جائیں تو ان سے کچھ لوٹ مار مل جائے۔ مگر جنگ ایسی ہوئی کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور انتقام لیا گیا کہ کوئی انتقام نہیں لیا گیا۔ ''لاتثریب علیکم'' اور پھر حضور نے وہاں دو یا تین ہفتے قیام کر کے لٹیروں کے لئے کوئی موقع نہ چھوڑا۔ اب جب حضور مکّہ سے واپسی ہو رہے تھے تو صرف ایک بڑا گروہ دشمنان اسلام کا باقی رہ گیا تھا۔ قبیلہ ہوازن۔ ان کو عام طور پر جو صلح اور اسلام کا پیغام بھیجا جاتا تھا وہ بھیج دیا گیا۔ مگر ان کی شرارت صرف ان کے دلوں کو معلوم تھی یا فراست نبوی پر منکشف تھی واپسی کے سفر میں ہوازن نے مسلمانوں کے لشکر کو چند لمحوں کے لئے شکست دی۔ ہوازن کے دستوں نے جنگی چالوں سے مسلمانوں کے ہراول دستہ کو ایک گھاٹی کی طرف رجوع ہونے پر مائل کر دیا اور اس کی دونوں اطراف میں پہاڑیوں پر ان کے تیرانداز چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضور عام طور پر صبح کو حملہ کرتے تھے صبح کے دھندلکے میں ہوازن کے تیراندازوں نے بلندی سے مسلمانوں کے ہراول دستہ پر تیراندازی شروع کر دی اور پھر ان کے پیچھے نیزہ برداروں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اگلے دستے طلقاء کے تھے یعنی نومسلموں کے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور جو صرف مال غنیمت کی لالچ میں شریک لشکر ہو گئے تھے۔ وہ دستے تو بھاگ نکلے اور ایک افراتفری مچ گئی۔ اس موقع پر بعض افراد کے بیان ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بغض اور عناد کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب نے بھاگتے دستوں کو دیکھ کر کہا کہ اب یہ سمندر سے ادھر نہیں رکیں گے۔

شیبہ بن عثمان جو قریش کا موروثی علم بردار تھا اور اس کا باپ احد میں قتل ہوا تھا آگے بڑھا کہ حضور نبی کریم کو قتل کر دے۔ ایک مرتبہ تلوار سونت کر آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ جیسے کوئی آتشیں تلوار اس کا راستہ روک رہی

ہے۔ دوسری دفعہ حضور خود اس کی طرف متوجہ ہوئے قریب بلایا۔ سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ ''اے اللہ اس کے سینہ سے شر کو دور کر دے''۔

خود شیبہ کا بیان ہے اس کے بعد میرا دل ایسا پھرا کہ مقابلہ میں میرا باپ بھی آتا تو اس کو قتل کر دیتا۔

اس افراتفری اور پریشانی کے عالم میں جنگ کے انتہائی نازک لمحات میں بھی خدا کا رسول اپنی جگہ قائم تھا۔ ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ نہ عزم استقلال میں کوئی فرق آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کفار کی طرف تھا اور نچر (جس کا نام دُلدُل یا شہبا تھا) کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ حضرت عباس کی گرفت میں تھا کہ تیز نہ بھاگے۔ چند گنے چنے نفوس حضور کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث چچازاد بھائی (ابوسفیان بن حرب اموی سے مختلف) سواری کی کبھی رکاب تھامتے تھے اور کبھی لگام۔ حضور نے رجز یہ نعرہ لگایا۔

انا النبی لا کذب. انا ابن عبدالمطلب

میں نبی صادق ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس وقت حضور کے گرد حضرات تھے علی ابن ابی طالب۔ عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عبداللہ بن مسعود حضرت عباس کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم اور اسامہ بن زید۔ جعفر ابوسفیان بن حارث عقیل بن ابی طالب۔ عبداللہ بن زبیر۔ ایمن بن عبیداللہ (ام ایمن کے فرزند ارد گرد تھے)۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مقام کا اپنی آواز سے اعلان کر دیا تو حضرت عباس نے جو بلند آواز تھے۔ آواز لگائی۔ یا معشر الانصار (اے انصار گروہ) جواب آیا لبیک لبیک۔ پھر آواز لگائی یا معشر المہاجرین اے مہاجرین کے گروہ۔ جواب آیا حاضر حاضر۔ پھر آواز لگائی اصحاب سمرہ اے ببول کے درخت والو (جنہوں نے ببول کے درخت کے نیچے بیعت رضواں کی تھی)۔ جواب آیا ''ابھی آتے ہیں''۔ ''بلکہ

آ گئے''۔ پھر آ واز دی اے اصحاب سورۃ البقرہ۔اب عباس کی بلند آ واز دب گئی تھی کہ ہر طرف سے لبّیک لبّیک کی آ واز آ رہی تھی۔مجاہد ایک کے پیچھے ایک جمع ہوتے چلے گئے بلکہ ہر مجاہد دوسرے پر سبقت کر کے آ گے بڑھ کر تلوار مارنا چاہتا تھا۔لوگ اس طرح پلٹ کر حضرت عباسؓ کی آ واز کی سیدھ میں جمع ہورہے تھے جیسے شہد کی مکّھیاں اپنے چھتے کی طرف پلٹ کر آ تی ہیں۔کسی نے اونٹ موڑنا چاہا۔بھیڑ کی وجہ سے وہ پلٹ نہ سکا تو سوار نے اونٹ کے پیٹھ سے جست لگائی کہ اب اونٹ کی ضرورت نہیں۔اگر کسی کے زرہ کا بوجھ زیادہ ہوا تو زرہ کو دفع کیا کہ اب معاملہ جان وتن کی آ زمائش وقربانی کا تھا۔زرہ صرف ایک تکلّف تھی۔پروانے شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔صبح کے دھند لکے اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے شمع نبوت کو آ نکھوں سے اوجھل کر دیا تھا۔عبّاس کی آ واز نے رخ دے دیا۔

لڑائی میں شدت پیدا ہوگئی۔مسلمان سروں کی بازی لگا رہے تھے۔

ابوطلحہ انصاری اوران کی دلیر بیوی ام سلیم شمع کا پروانہ بنے تھے۔ابوطلحہ کے سامنے بیس کفّار کے لاشے پڑے تھے اور وہ شیر دل ابھی بھی غضب ناک تھا۔ام سلیم اس شیر دل امام کی مقتدی تھیں۔ہاتھ میں خنجر اور پیٹھ پر ایک شیر خوار بچہ بندھا ہوا تھا۔وہ اللہ کے رسول کی طرف بڑھنے والے کافروں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

جس کافر کو ابوطلحہ کی ایک ضرب جہنم کا راستہ نہ دکھا سکے اور وہ زخمی ہو کے گر پڑے اس کا انتظام شیر دل ام سلیم اپنے خنجر سے کر دیتی تھیں کہ اس کے سفر جہنم میں دیر نہ لگے۔

اور پھر جب مجاہد اپنا جذبہ ثابت کر چکے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک کفّار کے منہ پر ماری اور فرمایا شاہت الوجوہ۔بگڑ گئے ان کے چہرے

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

اور پھر اللہ تعالیٰ نے قبولیت اور تقویت کا اعلان فرما دیا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

''وہ مٹھی خاک جب آپ نے پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی''۔

کچھ ذیلی جھڑپیں اور محاصرہ طائف ہوا اس دوران ایک بوڑھی خاتون شیما بنت الحارث گرفتار ہوئیں۔ انہوں نے نوجوان انصاری مجاہدوں کی سرزنش کی کہ ''مجھے تیز نہ چلاؤ میں تمہارے صاحب کی بہن ہوں''۔

جب وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہا کہ ''ابن عبداللہ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ تم ایک بہت بڑے انسان ہو۔ میں تم پر ایمان لاتی ہوں ابن عبداللہ تم نے پہچانا۔ میں تمہاری بہن شیما ہوں۔ میں نے تم کو ایک دفعہ بہت تنگ کیا تھا تو تم نے مجھے دانت سے کاٹ لیا تھا''۔ شیما نے اپنا کندھا کھول کر دکھایا۔ پھر اپنی وہ لوری سنائی جو انہوں نے حضور کے لئے نظم کی تھی۔

روش روش پہ تھے روشن چراغ یادوں کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بہن کے لئے بچھا دی۔ وہ انصاری نوجوان جو انہیں گرفتار کر کے لائے تھے وہ ضرور گھبرائے گئے ہوں گے کہ یہ دادی اماں تو واقعی حضور کی بہن نکلیں۔ ''اگر انہوں نے اشارہ کر دیا کہ یہ ہی مجھے گرفتار کر کے لایا ہے اور اس کے ساتھ وہ لمبا والا لڑکا بھی تھا جو اُدھر چھپ رہا ہے اور اس کے ساتھ

چھوٹا والا بھی تو کیا ہوگا؟'' ہم تو پھنس گئے۔

مگر دادی شیما نے یہ سب کچھ نہ کیا وہ تو صرف اپنے بھائی ابن عبداللہ کو تکتی رہیں جس کو انہوں نے چار پانچ سال اپنے ساتھ رکھا تھا۔ حضور نے شیما کو پیش کش کی وہ حضور کے ساتھ قیام کر سکتی ہیں مگر شیما نے اپنے قبیلے میں جانا پسند کیا اور وہ اس طرح تحائف کے ساتھ رخصت کی گئیں جس طرح بہنیں رخصت کی جاتی ہیں۔ اس زمانے کے تحائف کیا تھے۔ اونٹ بکریاں بھیڑیں۔ غلہ۔ کھجور۔ خیمہ اور پانی کی مَشک۔

جنگ حنین کے بعد اتنا زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا کہ سنبھالنا مشکل تھا۔ سب کو اس قدر ملا کہ وہ اس کو سنبھال نہ سکے۔ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں نے بہت پایا۔ بہت پایا۔ قریش نے بہت پایا۔ نومسلموں نے بہت پایا۔

☆☆☆☆☆☆

عطا پر عطا

مال غنیمت سے یہ بخشش و عطا بعض لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ خصوصاً قریش سے یہ فیاضانہ سلوک بعض نوجوان انصار کو گراں گزرا۔ ناخوشی میں کسی نے کہہ دیا کہ ''عطا کا موقع آیا تو ہمیں پوچھا تک نہیں۔ نازک وقت پڑا تھا تو سب سے پہلی پکار ہماری تھی۔ ابھی تو ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ مصیبت کے وقت ہم اور غنیمت کے وقت اپنی قوم''۔ انصار میں جب یہ چرچا بڑھنے لگا تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے ان کے احساسات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ تمہارا اپنا خیال کیا ہے؟ عرض کیا۔ میں بھی ان ہی کا ایک فرد ہوں۔ ارشاد ہوا۔ اچھا تمام انصار اور صرف انصار کو ایک جگہ جمع کرو۔ ایک بڑے چمڑے کے خیمے میں سب جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ کیا تم میں کوئی غیر ہے۔ عرض کیا۔ نہیں مگر ایک ہماری بہن کا لڑکا۔ فرمایا۔ بہن کا لڑکا قوم میں داخل ہے۔

وہ داستاں سنائی کے دامن بھگو دیئے

اے گروہ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے پہنچی ہے؟ ان کے بزرگ اور ذی عقل افراد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تو کچھ نہیں کہا البتہ چند نوجوانوں کے یہ احساسات ہیں۔

ارشاد ہوا۔ اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں راہ ہدایت دکھائی؟ جواب آیا۔ ''بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے''۔

فرمایا۔ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ تھے؟ اور اللہ نے میرے سبب الفت تمہارے دلوں میں پیدا نہیں کر دی؟

عرض کیا۔ ''یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے''۔

کیا تم مفلس اور نادار نہ تھے؟ اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنی اور مالدار نہیں بنایا؟

ایک ساتھ گویا ہوئے ''بے شک یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احسان ہے''۔

فرمایا۔ تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

عرض کیا۔ ہم اس کا کیا جواب دیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہی اس کا جواب ہے۔

اے انصار کے لوگو!

''تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ تو ہمارے پاس ایسی حالت میں آیا کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا تھا۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیرا ہاتھ پکڑا، مدد دی، تم کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ ہم نے تجھ گھر دیا، پناہ دی، تم کہہ سکتے ہو کہ تو مفلس تھا، ہم نے تجھے مال دیا، آسودگی دی، اگر تم یہ کہو تو تمہاری بات سچ ہے اور تمہارے سچ کو مانا جائے گا، اس کی تصدیق کی جائے گی''۔

ایمان کا حصار

''اے انصار کے لوگو! کیا تم متاعِ دنیا کے لئے رنجیدہ و ناخوش ہو؟'' ''میں نے نومسلموں کو اسلام پر جمانے کے لئے ان کی دلداری کی''۔ ''تمہارا اسلام تو ایمان کے حصار میں ہے''۔ ''قریش نے ابھی ابھی جاہلیت کو چھوڑا ہے''۔ ''ایک بڑی مصیبت سے نجات پائی ہے''۔ ''میں نے چاہا کہ ان کی دل جوئی اور فریادرسی کروں''۔ ''کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں اور چوپائے سمیٹ کر لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے جاؤ؟''

خدا کی قسم! تم جو لے کے اپنے گھر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر گھر جائیں گے۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر ہجرت کا رتبہ بڑا نہ ہوتا تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک میداں کی راہ لیں اور انصار ایک گھاٹی کو اختیار کریں تو میں انصار کے ساتھ چلنا پسند کروں گا۔ اے انصار! تم میرا شعار (استر، کپڑے کی بدن سے ملی ہوئی تہہ) ہو اور دوسرے دثار (ابری، لباس کا بیرونی حصّہ) ہیں۔ تم میرے بعد اپنے مقابلہ میں دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے تو صبر کرنا یہاں تک حوضِ کوثر پر مجھ سے ملاقات ہو''۔

''مدارج النبوت'' میں یہ بھی اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک وثیقہ تحریر کردوں کہ میرے بعد بحرین تمہاری مِلک ہوگا جو بہترین مملکت ہے اور جس کی فتح اللہ نے میرے لئے مخصوص و محفوظ رکھی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ دعا بلند کر کے فرمایا۔ ''اے

اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں پر رحم فرما، ان کے بچوں کے بچوں پر رحم فرما''۔

''ڈھل رہے ہیں مرے اشکوں کے گہر اُن کے لئے''

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو بھر نہ آئی ہو۔ کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ ہوئی ہو، کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشک ندامت سے بھیگا نہ ہو، گریہ بڑھا تو گریہ پیہم بن گیا۔ اشک رواں ہوئے تو ابر گہر بار بن گئے۔ ہچکیاں بڑھیں تو گلے رُندھ گئے۔ ہر زبان پر یہی تھا ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ ہمیں کچھ نہیں چاہئے ہم اس تقسیم میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہیں چاہتے نہ مال و دولت دنیا، نہ رشتہ و پیوند۔۔۔۔۔

ہمارا حصّہ رسدی۔ سید مکی مدنی العربی

صلی اللہ علیہ وسلّم

تبوک

گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی۔ ایک موسم قحط کا گزر چکا تھا۔ کھجوریں گرمی میں پک جاتی ہیں۔ درختوں پر خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ مدینہ کے باسیوں کو قحط سے نجات ملنے والی تھی امید تھی فصل اچھی ہوگی جلدی ہوگی اور پورے سال کی غذا یعنی کھجوریں مل جائیں گی۔ یکا یک بازار میں ہل چل مچ گئی۔ ''حضور نے سفر کا یعنی جہاد کا ارادہ فرمالیا''۔ عام طور پر حضور اپنی منزل کا اعلان نہیں کرتے تھے مگر اس دفعہ دیرینہ عادت کے خلاف اعلان ہوگیا کہ ہم غسّانیوں۔ نصرانیوں کی سرکوبی کرنے جارہے ہیں۔ یہ علاقہ کم از کم 700 کلومیٹر دور ہے۔

منافقوں کی تو سانس رک گئی کہ اس گرمی میں ریگستان میں 700 کلومیٹر کا سفر اور پھر جنگ۔ ان کی نظر میں یہ سودا موت کا تھا۔ چند ایک کی کھوپڑیوں میں شیطانی وحی اتری۔ ''یہ اب وہاں سے واپس نہیں آتے۔ ہرقل مار ڈالے گا۔ ہماری جان چھوٹے گی''۔ ایک طمانیت کی لہر دوڑ گئی منافقوں کے گروہ میں۔ ''کسی طرح آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹ جاؤ (احد کی طرح) اور پھر آگے خیریت ہی خیریت ہے''۔

نبی کا خزانہ مادّی اشیاء سے بالکل خالی تھا۔ ہوازن کی فتح میں جو بے شمار مال غنیمت آیا تھا وہ بٹ بٹا کے ختم ہو چکا تھا۔ خود ابوسفیان کے خانوادہ کو 300 سے زیادہ اونٹ ملے تھے اور پھر چاندی بھی اور سونا بھی۔ نبی کے خزانہ میں صدق، ایمان، ایقان، توکّل، ہمت، جرأت، جذبہ محنت اطاعت کی بے شمار دولت تھی مگر زادِ راہ کھجوریں تک کم تھیں۔ سواریاں میسّر نہ تھیں۔ اونٹ کم تھے۔ ہتھیار کم تھے مگر ان کی کمی چنداں اہم نہ تھی۔ ہتھیار تو ہمیشہ دشمن چھوڑ کے بھاگتا آیا ہے۔ اس سے ہتھیار مل جاتے ہیں۔

اس غزوہ کی وجہ سیرت نگاروں نے اور تاریخ دانوں نے بیان کی ہیں۔

۱۔ عرب نے عیسائیوں کو لکھا کہ عرب کا دعوے دار نبوت انتقال کر چکا ہے اور وہاں افراتفری ہے اور موقع اچھا ہے۔

۲۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ شاہ روم ایک عظیم الشان لشکر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے جمع کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ لخم۔ غسان۔ جذام۔ عاملہ کے عیسائی عرب قبیلہ مل گئے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ اگر ابن عبداللہ سچے نبی ہیں تو ان کو شام کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے کہ وہ مرجع انبیاء ہے۔ یروشلم اور مسجد اقصیٰ کے بغیر اسلام کیا؟ یہودی ذہن کے پیچھے مسلمانوں کی ہزیمت اور خاتمہ کی خواہش رہی

ہوگی۔

۳۔ موتہ میں ایک مختصر سے اسلامی لشکر نے عیسائیوں کو قلعہ بند ہوکر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔اس ہزیمت کا بدلہ عیسائیوں پر قرض تھا۔

۴۔ خود عیسائیوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خطرہ تھا اور وہ اس کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

مسلمان وجہ جاننے کے لئے بے چین نہیں تھے۔ وہ حکم برداری کے لئے بے چین تھے۔ (ویسے آج کے مورّخ کو ایک مثال نظر آتی ہے کہ یہودی مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ عیسائیوں کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔ خیبر سے لے کر اسرائیلی حکومت تک ہوسکتا ہے کہ آج اسرائیلی ہندوستانیوں سے کام لینا چاہیں)۔

حضور نے چندے کی اپیل کر دی۔

ارشاد ہوا" دینوی زندگی کا سرمایہ آخرت میں بہت ہی کم ہے"۔

ان دنوں حضرت عمر کی تجارت زوروں پر تھی۔خیال گزرا کہ آج وہ ابوبکر سے بازی لے جائیں گے۔

اک دن رسول پاکؐ نے اصحابؓ سے کہا دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرط طرب سے عمرؓ اٹھے اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسول امین کے پاس ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرور عالم نے اے عمرؓ! اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تونے کیا مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار ورخت وجنس اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہئے فکر عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس!
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس!

اس میں آخری شعر دوبارہ سوچنے اور پڑھنے کا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے چالیس اوقیہ سونا اور دوسو اوقیہ چاندی نذر کی۔ اس کے علاوہ ان کے پاس آٹھ ہزار درہم تھے حاضر ہو کر عرض کیا اس میں آدھا اپنے اللہ کو قرض دیتا ہوں (اللہ تعالیٰ نے یہ قرض ان کی زندگی ہی میں اس طرح واپس کیا کہ برکت کی انتہا کردی۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے انتقال کیا تو ان کا ورثہ

لاکھوں میں تھا)

حضرت عثمان بڑے تاجر تھے۔ان کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر شام کی طرف جا رہا تھا۔وہ قافلہ روک لیا گیا اور ختم کر دیا گیا ذخیرۂ لشکر میں دوسو اونٹ اور دوسو اوقیہ چاندی کا اضافہ ہو گیا۔بڑے تاجروں کے پاس ہر وقت حاضر مال نہیں ہوتا مگر آتا جاتا رہتا ہے۔حضرت عثمان نے لشکر روانہ ہونے سے پہلے مزید سو اونٹ معہ ساز و سامان پیش کئے۔حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے منبر سے قدم نیچے اتارا اور دو دفعہ فرمایا"اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل آخرت میں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمان تیسری دفعہ حاضر ہوئے اور اپنی آستینوں میں ایک ہزار دینار بھر کر لائے اور حضور ﷺ کے آگے ڈھیر کر دیا۔خوشی سے چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا۔فرطِ مسرّت سے ان دیناروں کو بار بار اٹھاتے اور اچھالتے رہے۔ارشاد ہوا۔

"اے عثمان اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

تم نے کس قدر خوش اور غنی کر دیا"۔

عثمان اب عثمان غنی کہے جانے لگے۔

(اس کے انداز اً سترہ سال کے بعد عثمان کو اسی مسجد نبوی میں باغیوں نے ذبح کر دیا۔عثمان اس وقت خلیفہ وقت تھے اور سلطنت سندھ سے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی مگران کا کوئی باڈی گارڈ دستہ تک نہیں تھا۔۔۔۔۔اور انہوں نے مدینہ میں خوں ریزی کی اجازت نہیں دی سوائے اپنی شہادت کے)۔

صحن مسجد میں درہم و دینار مال منال غلّہ اجناس کھجور کا ڈھیر لگ گیا۔اتنے میں ایک صحابی ابو عقیل انصاری ڈرتے ڈرتے عاجزی انکساری سے داخل ہوئے۔عطیات کا ڈھیر دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے۔حضور نے فرمایا"آؤ عقیل۔

کیوں رک گئے''۔ابوعقیل نے ایک میلی پوٹلی نکالی اوراس میں ڈرتے ڈرتے کچھ کھجوریں پیش کیں۔

''رات بھرڈول کھینچ کرایک یہودی کا باغ سیراب کیا۔ کچھ کھجوریں مزدوری میں ملیں۔ کچھ اس میں بھو کے بیوی بچوں کودیں باقی یہ لایا ہوں''۔ پھرنظریں جھکالیں۔

حضور نے وہ کھجوریں مسکرا کر قبول کیں اور سارے عطیات پران کو بکھیر دیا۔ارشاد ہے ''محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے''۔اللہ کے دوست کا نذرانہ سب نذرانوں کے اوپر بکھیر دیا گیا۔

''اللہ رے حضور کی دل نوازی''

اُدھر امّ المومنین عائشہ کے حجرے میں عورتیں چوڑیاں، بالیاں ایک کپڑے پر جمع کررہی تھیں۔ حضور کا ارشاد یاد تھا۔

جس نے جہاد کیا نہ کسی مجاہد کے لئے سامانِ جہاد فراہم کیا نہ مجاہد کے میدان جنگ میں چلے جانے کے بعد اس کے بال بچوں کی بھلائی سے خبر گیری کی تو وہ دنیا میں بھی مصیبت دیکھے گا اور قیامت میں بھی عذاب جھیلے گا''۔

تمام اموال مجاہدین میں تقسیم ہوئے کہ جہاد کا سامان خریدیں۔ حضور نے ارشاد کیا کہ جوتے زیادہ فراہم کرو۔ ظاہر ہے کہ گرمی میں ریت اور پتھر پر سات سوکلومیٹر کا سفر تھا۔ کچھ مجاہدوں کے حصّہ میں اٹھارہ مجاہدوں کے درمیان میں ایک اونٹ آیا۔ حساب کرلیں کہ اگر ایک وقت میں اونٹ پر چار مجاہد بھی معہ اپنے زادِ راہ کھانے پانی کھجور جنس کے باری باری بیٹھیں تو سات سوکلومیٹر کے فاصلہ میں سے ہر مجاہد کو اندازاً تین سوکلو میٹر پیدل چلنا پڑے گا اور پھر واپسی کا راستہ بھی اور پھر بلا کی گرمی اور پانی کی قلّت۔

منافقین

بہت سے لوگوں نے آ کر اپنی مجبوری بیان کی اور ساتھ چلنے سے معذرت کی ان کی معذرت فوراً قبول کی گئی۔ وہ ساتھ نہیں گئے۔ لوگوں نے منافقین کو پہچان لیا۔

خیر اچھا ہی ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

سب یہود کو نظر آ رہا تھا کہ تیس ہزار کی نفری کے لئے خوراک ناکافی ہوگی۔ (کافی ناکافی کا حساب یہود کو اس وقت بھی آتا تھا اور اب بھی)۔

ریگستان میں مسلمانوں کے فاقے سے مر جانے کے منتظر بہت سے یہود تھے۔ مسلمانوں کے حضرت عثمان کو بھی غلّہ ناکافی نظر آ رہا تھا۔ فوراً ایک سفیر گھوڑے پر روانہ ہوا۔ عثمان کا ایک قافلہ غلّہ سے لدا ہوا آ رہا تھا اس کو حکم گیا کہ راستہ موڑ کر فلاں مقام پر مجاہدین سے مل جائے اور اونٹ اور خوراک ان کے حوالے کر دے۔

مدینہ میں سات رونے والوں کا بھی قصہ سامنے آیا۔

ان کے پاس سواری اور زادِ راہ نہیں تھا اور حضور ﷺ نے کہہ دیا کہ اب وہ کسی کو کچھ بھی فراہم نہیں کر سکتے۔ سامان ختم ہو گیا تھا۔ یہ سات مفلس مدینہ کی گلیوں میں روتے دیکھے گئے اور ''بکاین'' کے نام سے سیرت کی کتابوں میں جگہ پائی۔ یعنی ''رونے والے''۔

حضرت سعد نے دیکھا۔ کچھ دوڑ بھاگ کی۔ ادھر ادھر سے بھی مانگا۔ جو کچھ اپنے پاس تھا وہ سامنے لائے اور ان کو چھ اونٹ دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کو میں نے سواری نہیں دی تو اللہ نے دی''۔

قافلہ چلا۔ راستہ میں ابوذر غفاری غائب ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ وہ ساتھ چھوڑ گئے۔ حضور خاموش رہے۔ اگلی منزل پر قافلہ رک کر آرام کر رہا تھا تو دیکھا کہ افق پر ایک نقطہ ابھر رہا ہے۔

عرض کیا کہ یارسول اللہ شاید کوئی آرہا ہے۔ حضور نے فرمایا ''ابوذر ہوں گے''۔ ابوذر ہی تھے۔ پیدل آرہے تھے۔ کندھے پر ساز وسامان لدا تھا۔ راستہ میں اونٹ نے چلنے سے انکار کردیا تو اسے چھوڑ دیا۔ اونٹ نے ساتھ چھوڑا تھا ہمت اور جذبے نے نہیں۔ پیدل ہی بغیر دم لئے چلتے رہے اور آخرکار قافلہ سے مل ہی گئے۔ حضور نے فرمایا۔

''اللہ ابوذر پر رحم کرے تنہا چلے گا۔ تنہا مرے گا۔ اور قیامت کے دن تنہا اٹھایا جائے گا''۔

ابوخثیمہ ایک انصاری صحابی تھے لشکر کی روانگی کے وقت پیچھے رہ گئے۔ سخت گرمی میں باغ میں پہنچے۔ سورج آگ برسا رہا تھا ان کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں سائبانوں میں ان کا بستر تھا۔ مٹی کے کورے کوزے میں ٹھنڈا پانی اور دسترخوان حاضر تھا۔ دیکھا تو دل میں ایک تیر ترازو ہوگیا کہ اس وقت حضور ریگستان کی گرمی برداشت کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے اونٹ موڑ کر تبوک کی طرف روانہ ہوگئے۔ کسی نے مدینہ سے آنے والے راستہ پر ایک نقطہ ابھرتے دیکھا۔ عرض کیا تو حضور نے جواب دیا کہ ''ابوخثیمہ ہوں گے''۔ قریب پہنچے تو ارشاد ہوا ''ابوخثیمہ مبارک ہو تم ہلاکت کی گود سے نکل آئے۔

خوراک ختم ہوگئی۔ لوگوں نے اجازت مانگی کہ اونٹوں کو ذبح کریں۔ حضرت عمر نے سخت مخالفت کی کہ سواریاں اور کم ہوجائیں گی اور واپسی کا راستہ اتنا ہی طویل ہے۔ حضور نے سارا توشہ جمع کر کے برکت کی دعا کی۔ توشہ تو اتنا ہی رہا مگر چند دن تک نہ برکت کی دعا ختم ہوئی اور نہ توشہ۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک قافلہ آرہا

ہے اونٹوں کا۔غلّہ جنس سے لدا ہوا۔ یہ عثمان کا قافلہ تھا جس کو مدینہ جانا تھا اور حضرت عثمان کی ہدایت پر ان کے سفیر نے بروقت آدھے راستہ سے اس کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔حضور کی برکت کی دعا کا اب یہ اثر دیکھا گیا کہ مجاہدین کو کھجور کے بجائے میدہ گھی چینی میسّر آئی۔اور حلوہ کھاتے ہوئے دیکھے گئے۔حضور نے دعا کی یا اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔

عیسائی لڑنے نہیں آئے۔

تبوک میں لڑائی نہیں ہوئی۔

ساری دنیا نے مجاہدین کا جذبہ اور جرأت دیکھ لی۔

شاید حضور کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی جائے اور دشمن مدینہ کے قریب نہ آئیں اور اس لئے مجاہدین نے سات سو کلومیٹر کا سفر کیا۔ یا پھر منافقین کا پردہ چاک کرنا مقصد ہوگا مصلحت اللہ جانے اور اس کا رسول جانے۔

تبوک پہنچ کر نبی ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا۔اہل شام پر اس حرکت کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال اس وقت چھوڑ دیا اور اس حملہ آوری کا بہترین موقع آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا۔

تبوک میں ایک نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔مولّف نے اس میں صرف اس قدر تصرف کیا ہے کہ ہر فقرہ پر نمبر شمار لگا دیئے ہیں حمد وثنا کے بعد فرمایا!

صلّى الله عليه وسلم

فان اصدق الحديث كتاب الله

۱۔ ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے۔

و اوثق العرى كلمة التقوىٰ.

۲۔ سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات تقوی کا کلمہ ہے۔

وخير الملل ملة ابراهيم.

۳۔ سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

وخير السنن سنة محمد.

۴۔ سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔

و اشرف الحديث ذكر الله.

۵۔ سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے۔

واحسن القصص هذا القرآن.

۶۔ سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔

وخير الامور عوازمها.

۷۔ بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔

وشر الامور محدثا تها.

۸۔ امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو۔

واحسن الهدى، هدى الانبياء.

۹۔ انبیاء کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے۔

واشرف الموت قتل الشهداء.

۱۰۔ شہیدوں کی موت موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے۔

واعمى العمى الضلالة بعد الهدى.

۱۱۔ سب سے بڑھ کر اندھا پن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جائے۔

خير الاعمل مانفع.

۱۲۔ اعمال میں وہ عمل اچھا ہے۔ جو نفع بخش ہو۔

خير الهدى ما اتبع.

۱۳۔ بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں۔

وشر الجمى عمى القلب

۱۴۔ بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلی.

۱۵۔ بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

وما قل و کفی خیر ما کثر و الھی.

۱۶۔ تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے۔

شر المعذراۃ حین یحضر الموت.

۱۷۔ بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو جان کنی کے وقت کی جائے۔

وشر الندامۃ یوم القیمۃ.

۱۸۔ بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہوگی۔

ومن الناس لا یاتی الجمعۃ الا دبرا.

۱۹۔ بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔

ومن لا یذکر اللہ الا ھجرا.

۲۰۔ ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔

ومن اعظم الخطاء اللسان الکذوب.

۲۱۔ سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔

وخير الغنى غنى النفس.

۲۲۔ سب سے بڑی توانگری دل کی توانگری ہے۔

وخير الزاد التقوى.

۲۳۔ سب سے عمدہ توشہ تقوی ہے۔

وراس الحكمة مخافة الله عزوجل.

۲۴۔ دانائی کا سرمایہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو۔

وخير ما وقر فى القلوب اليقين.

۲۵۔ دل نشین ہونے کے لئے بہترین چیز یقین ہے۔

و الارتياب من الكفر.

۲۶۔ شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے۔

والنياحة من عمل الجاهلية.

۲۷۔ بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔

والغلول من حر جهنم.

۲۸۔ چوری کرنا عذاب جہنم کا سامان ہے۔

والسکر کی من النار.

۲۹۔ بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے۔

والشعر من ابلیس.

۳۰۔ شعر ابلیس کا (حصہ) ہے۔

والخمر جماع الاثم.

۳۱۔ شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔

وشر الماکل مال الیتیم.

۳۲۔ بدترین روزی یتیم کا مال کھا جانا ہے۔

وسعید من وعظ بغیرہ.

۳۳۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے۔

الشقی من شقی فی بطن امہ.

۳۴۔ اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو۔

وملاک العمل حواتمہ.

۳۵۔ عمل کا سرمایہ اس کا بہترین انجام ہے۔

وشر الرویا رویا الکذب.

۳۶۔ بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو۔

وکل ماھوات قریب.

۳۷۔ جو بات ہونے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔

وسباب المومن فسوق.

۳۸۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

وقتاله کفرا.

۳۹۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔

واکل الحمة من معصیة اللہ.

۴۰۔ مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔

وحرمة ماله کحرمة دمه.

۴۱۔ مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون۔

ومن یتعالی علی اللہ یکذبه.

۴۲۔ جو خدا سے استغناء کرتا ہے، خدا اسے جھٹلاتا ہے۔

ومن یغفر یغفر الله له.

۴۳۔ جوکسی کا عیب چھپاتا ہے، خدا اس کے عیب چھپاتا ہے۔

ومن یعف یعف عنه.

۴۴۔ جومعافی دیتا ہے، اسے معافی دی جاتی ہے۔

ومن یکظم الغیط یا جره الله.

۴۵۔ جوغصّہ کو پی جاتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔

ومن یصبر علی الرزیة یعوضه الله.

۴۶۔ جونقصان پر صبر کرتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔

ومن یتبع السمعة یسمعه الله.

۴۷۔ جوچغلی کو پھیلاتا ہے، خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔

ومن یصبر یضعف الله له.

۴۸۔ جوصبر کرتا ہے، خدا اسے بڑھاتا ہے۔

ومن یعصی الله یعذبه الله.

۴۹۔ جوخدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اسے عذاب دیتا ہے۔

ثم استغفر ثلثا.

۵۰۔ پھر تین دفعہ استغفار پڑھ کر حضور ﷺ نے اس خطبہ کو ختم فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆

لیکن اب تو سرگرانی اور ہے

حضور کو تمام لوگوں نے صحابہ اور کفار اور دوست اور دشمن ہر ایک نے ہمیشہ ''سراپا تلطّف بے حساب مہربان'' ہی پایا مگر اب تبوک سے واپسی پر لوگوں نے دیکھا کہ روئے منور پر کبھی ناراضگی کا غبار اور جبین انور پر کبھی شکنیں نظر آتی تھیں۔ تبوک کے سفر میں کچھ لوگوں نے رات کے اندھیرے میں حضور پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی۔ یہ منافق تھے۔ اللہ کی روشن کی ہوئی آخری شمع کو رات کی تاریکی میں بجھا دینا چاہتے تھے۔ حضور کو فراست نبوی سے علم ہوگیا۔ حضرت حذیفہؓ کو ارشاد کیا اور انہوں نے اپنے ترکش سے ہی ان پر حملہ کیا۔ یہ نقاب پوش بھاگ نکلے۔ حضور نے پوچھا کہ ''حذیفہ ان کو پہچانتے ہو؟'' حذیفہ نے جواب دیا میں ان کی سواریاں ان کے رہوار کے ذریعہ ان کو پہچانتا ہوں۔ حضور نے ان پر کوئی سزا عائد نہ کی۔ حذیفہ نے جو بعد میں اکثر ''حضور کے راز دان'' کے لقب سے جانے جاتے تھے ان منافقوں کو پہچانا اور بعد میں حضور نے راز داری کے ساتھ ان کو دوسرے منافقوں کے نام بھی بتا دیئے۔ آئندہ سالوں میں حضرت عمر خلیفہ دوئم لوگوں کے جنازے پر حضرت حذیفہ کا عمل دیکھتے تھے۔ اگر وہ جنازے میں شریک نہ ہوتے تھے تو حضرت عمر

اس میّت کومنافق گردان کر جنازے میں شریک نہ ہوتے تھے۔

منافقوں کو۔ یہودیوں کو۔ دشمن قبائل کو بڑی امید یں تھیں کہ ہرقل کی فوجیں تبوک میں مسلمانوں کو کھا جائیں گی۔ بڑی ناامیدی ہوئی ان کو جب رومی فوجیں پیچھے ہٹتی گئیں اور گرمی اور بھوک اور پیاس اور آمد و رفت کا پندرہ سوکلومیٹر کا سفر بھی مسلمانوں کو نہ توڑ سکا نہ موڑ سکا۔ اور مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر کودتا پھاندتا نہیں بھنگڑا ڈالتا نہیں۔ بڑکیں مارتا نہیں۔ شور مچاتا نہیں۔ نبی کی قیادت میں وزن۔ وقار۔ ذوق عبودیت سے سرشار۔ اللہ اور رسول کی رضا کے حصول پر نازاں۔ اور شکرگزار۔ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے۔ اور راتوں کی سجدہ گزاریوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوا۔

”جو بڑھے تو سیل رواں تھے ہم

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم“

مدینہ میں ایک صبح نو کا طلوع سب نے دیکھ لیا۔ اور عرب نے شیطانی سیاہ رات کو عرب کے افق سے دور کہیں زیادہ گہری ظلمات میں ڈوبتے دیکھا۔ اس کے بعد تو عربوں کے وفود کی انتہا نہ رہی۔ مختلف مؤرخین نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ طبقات ابن سعد نے ستّر بڑے وفود گنوائے ہیں۔ اور اس کے بعد طالب ہاشمی نے اسی سیرت کی کتاب سے 109 چھوٹے بڑے وفد گنوا دیئے۔ فہرست آگے ہے۔

☆☆☆☆☆☆

جھوٹی عرضیاں سچّا بیان

جب حضور تبوک سے مدینہ واپس آئے تو وہ منافقین یا کمزور ایمان مسلمان یا وہ لوگ جو تبوک کو مسلمانوں کی قتل گاہ سمجھتے تھے دوڑے ہوئے آئے اور اپنی عرضیاں پیش کیں کہ وہ جنگ میں کس لئے شریک نہ ہو سکے۔ ان کی تعداد ۸۰ اسّی بتائی جاتی ہے۔ حضور نے سب کی معذرت قبول کر لی اور سب کو معافی مل گئی۔

تین سچّے ایسے تھے کہ انہوں نے حضور کے سامنے بیان دیا کہ ان کو کوئی مجبوری نہیں تھی اور وہ صرف کاہلی۔ لاپرواہی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان کو حکم ہوا کہ جائیں اور اپنی سزا کا انتظار کریں۔ یہاں سے آپ ان تین میں سے ایک کعب بن مالک کا بیان ان کی زبان سے سنئے۔

حضرت کعب کہتے ہیں ''میرے خاندان کے لوگوں نے مجھ کو گھیر لیا اور کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو ہم نے تمہیں کوئی گناہ کرتے نہیں دیکھا۔ تم بھی کوئی بات بنا دیتے۔ حضور کی دعائے مغفرت تمہارا دھبّہ دھونے کو کافی ہوگی۔ مجھے خیال آیا کہ پلٹ جاؤں اور اپنا بیان بدل دوں۔ میں نے پوچھا کہ میرے علاوہ کوئی اور بھی ایسا ہے جو سزا کا منتظر ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہلال بن امیہؓ واقفی اور مرارہ بن ربیع عمروی ہیں۔

یہ دونوں اصحاب بدر میں سے تھے۔ میں رک گیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی ان تینوں سے بات چیت نہ کرے۔ میں جس مسلمان سے گفتگو کرنا چاہتا وہ اپنا رخ پھیر لیتا۔ اپنوں کی اس بے رخی کو دیکھ کر میرے دو ساتھیوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ میں نماز کے وقت مسجد نبوی جاتا۔ حضور کے قریب جا کر سلام کرتا اور دیکھتا رہتا کہ حضور کے ہونٹ ہلتے ہیں یا نہیں۔ لوگوں کی بے رخی سے گھبرا کر ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی

ابوقتادہ کے باغ گیا۔ہم دونوں میں بڑی محبت تھی ۔ میں نے سلام کیا۔اس نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ ابوقتادہ تم تو میرا خون ہوتم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں ۔ یہ سن کر بھی اس کے منہ سے کچھ نہ نکلا میں نے تیسری بار اس کو اللہ کی قسم دی کہ جواب دوتو۔اس کا جواب تھا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں ۔ یہ سن کر آنسوؤں اور آہوں نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا۔

''رولے اب دل کھول کے اے دیدۂ خوں نابہ بار''

اب تو میرے ایمان کی گواہی دینے والا بھی کوئی نہیں ہے۔دل کہتا تھا کہ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں ۔زمین مجھ پر تنگ تھی اور آسمان دور تھا۔

باغ سے نکل کر بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک نصرانی کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ وہ ایک خط لایا تھا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا(تبوک میں قبیلہ غسان کے خلاف فوج کشی ہوئی تھی)۔

خط تھا''اے کعب بن مالک میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں۔تم کو اب وہاں نہیں رہنا چاہئے جہاں تمہاری کوئی عزت نہیں ہے۔ جیسے ہی تم کو یہ خط ملے میرے پاس آجاؤ۔ یہاں تمہارے لئے عزت آبرو اور سرافرازی موجود ہے''۔

میں نے خط پڑھتے ہی''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہا۔اب وہ دن آ گئے تھے کہ دشمن میری وفاداری کی قیمت لگا رہے تھے مجھے خریدنا چاہتے تھے۔ قاصد نے خط کا جواب مانگا۔ میں نے خط قریب کے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا کہ یہ ہی جواب تھا۔درِرسول کی غلامی خریدی جارہی تھی بادشاہی اعزاز کی قیمت پر۔

میرے سر پران کی جوتیاں تیرے تاج سے بہتر ہیں۔

پچاس دن اسی طرح گزر گئے۔

ہر شب وہ سیہ بوجھ کے دل بیٹھ گیا تھا
ہر صبح کو لو تیر سی سینے میں لگی تھی

مسجد نبوی جاتا تو بطور خاص وہاں نماز ادا کرتا جہاں حضور تشریف فرما ہوتے۔ دوران نماز کن انکھیوں سے حضور کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ حضور شفقت سے نظر فرما رہے ہیں مگر آنکھ ملتے ہی حضور کی آنکھیں اور بعض وقت چہرہ دوسری طرف پھر جاتا۔ یعنی ابھی سزا ختم نہیں ہوئی۔

پچاسویں دن گھر پر ہی فجر کی نماز پڑھ کر منہ چادر سے ڈھک کر لیٹ گیا۔ کوہ سلع سے پکارنے والے نے پکارا۔ ''اے کعب بشارت ہو۔۔۔۔۔''۔

آگے کیا سنتا۔ بے اختیار سجدے میں گر پڑا۔ باہر آواز ہوئی زبیر بن عوّام گھوڑے کو بھگاتے آئے۔ ''مبارک ہو مبارک ہو''۔ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگا کہ معافی تو ان کے ہونٹوں سے سنی تھی۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ فرمایا ''کعب تیری زندگی میں ماں کے پیٹ سے جنم لینے سے آج تک آج سے کوئی بہتر دن نہ آیا ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی تھی۔ سورۃ التوبہ میں ان تین بندوں کا ذکر ہے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْ حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْ اَنْ لَّا مَلْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ

عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ .

ترجمہ: ان تین آدمیوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جو چھوڑ دیئے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین بھی ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بہتر کوئی پناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسی کی طرف رجوع ہوں اور پھر اللہ نے توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کرتے رہا کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

(سورۃ التوبہ وہ واحد سورۃ ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر شروع ہوتی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک قرآنی آیت ہے۔ قرآنی آیت میں تحریف ایسا جرم ہے کہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے ''بسم اللہ الحی القیوم'' لکھنا بولنا پڑھنا صرف اپنی انشاء پردازی کا زور دکھانا ہے۔ اللہ معاف کرے۔ قرآن کریم میں صرف بسم اللہ تو آیا ہے اور اس طرح اس کی اجازت ہے مگر حی القیوم لگایا تو پھر کچھ اور لوگ ''سمیع البصیر'' اور ''علیم الخبیر'' بھی لکھیں گے اور کئی سو فرقہ بنائے جائیں گے)۔

حضور ﷺ کے تین سو کے قریب مکتوبات (خطوط) پرانے سیرت نگاروں نے جمع کئے ہیں۔ میں انہیں اگلی کتاب کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ ہر خط کا سرنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ کسی مکتوب میں کسی کاتب نے بھی کوئی انشاء پردازی کر کے اس آیت میں تحریف نہیں کی ہے۔ حضور ﷺ کا ہر خطبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے کہیں کسی لفظ کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس مؤلف نے کچھ خطبات اردو انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپے ہیں۔ مزید بشرط زندگی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیّبہ میں اور خلفائے راشدین نے سارے معاہدات کا سرنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی رکھا اور آج تک ہمارے سلف صالحین نے اس کو برقرار رکھا۔ سمجھ

میں نہیں آتا کہ لفاظی اور انشاء پردازی کی ضرورت کیا ہے۔ میرا یہ بیان صرف ایک خاص شخص اور حادثہ سے متعلق ہے۔ عام قاری اس کو نظر انداز کر دے۔

☆☆☆☆☆☆

صلی اللہ علیہ وسلم

وفود کی فہرست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں 109 وفود آئے۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔ اوران میں سے ایک وفد کے ساتھ مذاکرات کا پورا حال۔

نمبرشمار	نام وفد (وفود)	نمبرشمار	نام وفد (وفود)
1	وفد عمرؓ بن عبسہ	2	وفد بنی جزام
3	وفد دوس	4	وفد بلہجیم
5	وفد از دشنواہ	6	وفد بنی قیس
7	وفد غفار	8	وفد قریش
9	وفود انصار (اوس وخزرج) پہلا وفد	10	وفد جہنیہ
11	وفود الانصار (اوس وخزرج) دوسرا وفد	12	وفد بنی خزاعہ
13	وفد اشعریین	14	وفد ابی سفیانؓ
15	وفد بنی ارحب	16	وفد یمن
17	وفد بنی مزینہ	18	وفد بنی ہوازن
19	وفد غطفان	20	وفد بنی ثمالہ
21	وفد نعیمؓ بن مسعود اشجعی	22	وفد بنی حدان
23	وفد اشجع	24	وفد بنی ثعلبہ

صلّی اللہ علیہ وسلم

25	وفود بنی باہلہ	26	وفد بنی مہرہ
27	وفد بنی سلیم	28	وفد صداء
29	وفد بنی خشین	30	وفد بنی ربیعہ
31	وفد بنی اسلم	32	وفد داریین
33	وفد بنی ہلال	34	وفد بنی سعد ہذیم
35	وفد بکر بن وائل	36	وفد بنی عریض
37	وفد بنی عبد بن عدی	38	وفد بنی صدف
39	وفد بنی جرم	40	وفد بنی جعدہ
41	وفد سعد العشیر ہ	42	وفد بنی مرہ
43	وفد ازد	44	وفد بنی شیبان
45	وفد جرش	46	وفد بنی البکاء
47	وفد ازد عمان	48	وفد حضر موت
49	وفد بنی عقیل	50	وفد نجران
51	وفد بنی رواس	52	وفد بنی بارق
53	وفد بنی جیشان	54	وفد جعفی
55	وفد ہمدان	56	وفد بنی غافق

صلی اللہ علیہ وسلم

57	وفد بنی تغلب	58	وفد بنی اسد
59	وفد قشیر بن کعب	60	وفد بنی تجیب
61	وفد کعبؓ بن زہیر مزنی	62	وفد بنی تمیم
63	وفد بنی کلاب	64	وفد بلی
65	وفد بنی فزارہ	66	وفد بنی عذرہ
67	وفد حمیر	68	وفد بنی ثقیف
69	وفد بنی طے	70	وفد بنی سعد بن بکر
71	وفد عدیؓ بن حاتم طائی	72	وفد بنی کلب
73	وفد واثلہؓ بن اسقع (وفد کنانہ)	74	وفد بہراء
75	وفد عبدالقیس	76	وفد بنی حنیفہ
77	وفد بنی لیث	78	وفد بنی عبس
79	وفد کندہ	80	وفد بنی حارث بن کعب
81	وفد بنی عامر بن صعصعہ	82	وفد بنی غسان
83	وفد بنی رباب	84	وفد بنی غامد
85	وفد بنی زبید	86	وفد سلاماں
87	وفد بنی مراد	88	وفد بنی خولان

89	وفد بنی رھاء (رہاویتین)	90	وفد بنی بجیلہ
91	وفد بنی محارب	92	وفد احمس
93	وفد بنی خثعم	94	وفد بنی نخع
95	وفد بریدہؓ بن الحصیب	96	وفد اعرابی
97	وفد طارقؓ بن عبداللہ محاربی	98	وفد جعالؓ بن سراقہ
99	وفد عبداللہؓ وعبدالرحمٰن	100	وفد اعرابی
101	وفد ابورزین عقیلیؓ	102	وفد اعرابی
103	وفد ابن المنفقؓ	104	وفد اعرابی
105	وفد معیقیبؓ بن ابی فاطمہ	106	پہلا وفد حبشہ
107	وفد معاویہؓ بن حیدہ قشیری	108	دوسرا وفد حبشہ
109	وفد بنی عنس		

وفد بنی ثقیف

رمضان المبارک ۹ھ میں باختلاف روایت چھ یا انیس آدمیوں پر مشتمل بنی ثقیف کا ایک وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وفد کا آستانہ اسلام پر حاضری کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ثقیف طائف کا بڑا نامور اور جنگجو قبیلہ تھا۔ ۱۰ نبوت میں قبیلہ کے سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب نے نہ صرف دعوت حق کو رد کر دیا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سلوک بھی کیا تھا کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔ تاہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ ''خدایا بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو میرے پاس بھیج۔'' صلح حدیبیہ کے موقع پر اسی قبیلے کے ایک رئیس عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے سفیر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ جب واپس گئے تو قریش کو بتایا۔

''میں دنیا کے بہت سے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے ساتھیوں کو جو عقیدت ہے وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ محمد وضو کرتے ہیں تو لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ اس کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے پاتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے ہیں تو لوگ فرط عقیدت سے اسے ہاتھوں اور چہرے پر مل لیتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہیں تو لوگ ساکت وصامت ہو جاتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لئے دیوانہ وار لپکتا ہے۔''

عروہؓ اسلام سے متاثر تو اسی وقت ہو گئے تھے لیکن قبول اسلام کا شرف انہیں اس وقت حاصل ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اسلام لا کر واپس گئے اور اپنے قبیلے کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ جواب تیروں کی بوچھاڑ کی صورت میں ملا اور وہ شہید ہو گئے۔

۸ھ میں غزوۂ حنین پیش آیا تو بنو ثقیف نے ہوازن کا ساتھ دیا۔ ہوازن کی شکست کے بعد حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کرلیا۔ ان لوگوں نے اپنے قلعے کی برجیوں سے مسلمانوں پر آگ اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا۔ ''خدا کے لئے ہمیں ہماری روزی سے محروم نہ کریں۔''

حضور نے ان خوفناک دشمنوں کی استدعا قبول فرمالی اور محاصرہ اٹھا کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اہل طائف کو اب اپنی قدر عافیت معلوم ہوگئی تھی۔ قریب قریب سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب مسلمانوں سے مقابلہ ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسی بے بسی کے احساس نے انہیں وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے پر مجبور کیا۔ عبد یالیل کی قیادت میں جب یہ وفد مدینہ کے قریب مقام ذی حرض میں پہنچا تو ان کی ملاقات حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے ہوئی جو وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ انہیں وفد کے آنے کی غرض و غایت معلوم ہوئی تو اس قدر خوش ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لئے مدینہ کی طرف دوڑ پڑے راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا، ''خیر تو ہے اس طرح بے تحاشا کیوں بھاگ رہے ہو؟'' حضرت مغیرہؓ نے واقعہ بیان کیا تو صدیق اکبرؓ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔ چنانچہ انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ثقیف کے آنے کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے حد مسرور ہوئے اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو مسجد نبوی میں خیمے نصب کر کے ٹھہرایا جائے تا کہ قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی رہے اور مسلمانوں کی نماز میں محویت دیکھ کر ان پر اثر پڑے۔ یہ لوگ فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تدبیر سے اسلام سے بڑے متاثر ہوئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عشاء کی نماز کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور بڑی دیر تک ان سے گفتگو فرماتے رہتے۔ ایک دن انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ ہم سے تو اپنی رسالت

کا اقرار کرانا چاہتے ہیں لیکن خود آپ خطبے میں اپنا نام نہیں لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''میں سب سے پہلے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ نے مجھے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس کی طرف سے میں خلقت کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔''

آہستہ آہستہ یہ لوگ چند شرطوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور رئیس وفد عبد یالیل کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ اس طرح تھی:

عبد یالیل: ''ہمارے ہاں مرد عام طور پر مجرد رہتے ہیں اس لئے وہ زنا کاری پر مجبور ہیں۔ کیا اس کی اجازت ہوگی؟''

حضور ﷺ: ''زنا تو قطعاً حرام ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيل. (سورۃ بنی اسرائیل۔ ۱۷،۳۲)

''زنا کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکو۔ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت برا چلن ہے۔

عبد یالیل: ''اور سود کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ یہ تو ہمارا اپنا ہی مال ہے۔''

حضور ﷺ: ''تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو لیکن سود تو بالکل حرام ہے۔ اللہ کا حکم ہے:

يا ايها الذين امنو التقو الله وذروا ما بقى من الربوا ان كنتم مومنين. (سورۃ البقرہ۔ رکوع ۳۸)

اے لوگو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔

عبد یالیل: ''اور شراب کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہم لوگ تو پشت ہا پشت سے شراب کے عادی ہیں کہ یہ ہمارے ملک کے انگوروں کا عرق ہے اس کی اجازت تو مرحمت فرمائیں۔''

حضور ﷺ: اللہ تعالیٰ نے شرک اور جوئے وغیرہ کے ساتھ شراب بھی حرام کردی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

یاایھا الذین امنو انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجنتبوہ لعلکم تفلحون. (سورہ مائدہ ۵۔۹۔رکوع ۱۲)

''اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب وازلام ناپاک شیطانی کام ہیں ان سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

عبد یالیل: ''یارسول اللہ! ہمیں نماز سے تو معاف فرمادیں۔''

حضور ﷺ: ''جس دین میں خدا کی عبادت نہ کی جائے وہ دین فطرت نہیں۔''

یہ درخواستیں نامنظور ہوگئیں تو اہل وفد نے زکوٰۃ وار جہاد سے استثناء کی درخواست کی جو آپ نے منظور فرمالی۔ (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب یہ لوگ صدق دل سے اسلام قبول کرلیں گے تو جہاد بھی کریں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔)

اس کے بعد اہل وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے بت ''لات'' کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اسے توڑ دیا جائے گا۔''

یہ لوگ اپنے بت سے اتنے خوفزدہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے ''اس بت کو توڑنا تو بربادی کو دعوت دینا ہے۔'' حضرت عمر فاروقؓ بھی موقع پر موجود تھے ان سے ضبط نہ ہوسکا اور ان لوگوں کو ملامت کرنے لگے کہ تم ایک بے جان پتھر سے اتنا ڈرتے ہو۔

اہل وفد نے برہم ہوکر کہا:

''عمرتم نہ بولو ہم تمہارے پاس نہیں آئے۔''

حضرت عمرؓ خاموش ہوئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''لات کو گرانے کا کام ہم سے تو نہیں ہو سکے گا۔ آپ خود جو چاہیں کریں۔''

حضور نے متبسم ہو کر فرمایا: اچھا تو یہ بت شکنی ہمارے ذمے ہی رہی تم لوگ یہ کام نہ کرنا۔''

اس کے بعد سب اہل وفد سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شرطیں وفد ثقیف نے پیش کیں وہ ان سب کو ایک معاہدے کی صورت میں لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے اور چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنی مہر ثبت فرمادیں، لیکن دانائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسی حکمت اور محبت سے سمجھایا کہ وہ اپنے تمام لغو مطالبوں سے دست بردار ہو گئے، اور اس تحریری معاہدے پر دستخط کرنے پر تیار ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا۔ ابوعبیدہ نے یہ معاہدہ ''کتاب الاموال'' میں پورے کا پورا نقل کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ تھا:

یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول اور نبی محمد کی، ثقیف کے لئے ان کو اس اللہ کا ذمہ دیا جاتا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا جاتا ہے بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لئے حرام کی گئی ہے وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں کا ظلم کرنا، چوری کرنا یا کوئی اور برائی کرنا (سب حرام ہیں)۔

اور اس وادئ وج پر ثقیف ہی کا سب سے زیادہ حق ہے، ان کے طائف کو مفتوح نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں سے نکال سکے گا۔ وہ اپنے شہر طائف میں یا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں گے بنا سکیں گے۔ ان کو نہ فوجی خدمت کیلئے مجبور کیا جائے گا اور نہ ان سے (بزور) عشر لیا جائے گا نہ زکوٰۃ۔

یہ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں آنا جانا چاہیں آ جاسکیں گے۔ وہ کسی کو قیدی بنائیں گے تو اس بارے میں خود ہی فیصلہ کرسکیں گے۔ ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول کرنا ہو اس پر سود نہیں لیا جائے گا۔ اگر اس کے ادا کرنے کی مدت آ جائے اور ادا نہ کیا جائے تو قرض کی رقم کا بڑھانا سود ہے اور اللہ سے برأت اور جو قرض رہن کی ضمانت پر آنے والے موسم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ میں ادا کر دیا جائے اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے قبول اسلام کے دن لوگوں سے جو وصول طلب دیون ہیں وہ ان کو ملیں گے۔

اور ثقیف کو لوگوں سے جو امانت یا مال یا آدمی (لونڈی غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مال غنیمت میں پایا تھا یا کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کیا جائے گا۔

اور ثقیف کے جو آدمی یا سامان (اب) موجود نہ ہوں تو ان کو بھی وہی تحفظ حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال لیہ (وادیٔ وج کا ایک مقام) میں ہو تو اس کو بھی وہی تحفظ حاصل ہوگا جو وج کے مال کو ہے۔

اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو، اس کو بھی ثقیف ہی کے حقوق حاصل ہوں گے۔

اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی خواہ مال کے متعلق ہو یا جان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان ثقیف کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے جو ان پر ظلم کرے۔

اور ثقیف کو جس شخص کا اپنے ہاں آنا پسند نہ ہوگا وہ ان کے ہاں نہ جاسکے گا۔ اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔

ان کا امیر انہیں میں سے ہوا کرے گا۔ کوئی دوسرا نہیں۔ بنو مالک پر ان کا اپنا امیر اور احلاف پر ان کا اپنا ہوگا۔

اور ثقیف والے قریش کے جن تا کستانوں کو پانی فراہم کریں گے تو پانی فراہم کرنے والے کو پیداوار کا آدھا حصہ ملے گا۔

اوران کے پاس جو اسیر ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس کی بیع کا حق ہوگا اور جو بیچا نہ گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین سالہ اونٹنیاں اور دودھ پلائی عمدہ موٹی۔ اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیع کا اسی کو حق ہے۔''

حافظ ابن عبدالبرؒ اور بعض دوسرے علماء نے اس معاہدے کی کچھ شقوں کا متن مختلف صورت میں دیا ہے۔ بدکاری اور شراب خوری سے بچنے اور نماز کی پابندی جیسے احکام کو معاہدہ میں اندراج کا محتاج نہیں سمجھا گیا کیونکہ ان میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہی نہیں تھی۔ البتہ فوجی خدمت کے بارے میں (وقتی طور پر) ان کو رعایت اس لئے دی گئی کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں اور جب واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اسی طرح زکوۃ کے بارے میں شق اس لئے شامل کی گئی کہ یہ سال کے بعد واجب ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ جب ان لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے گا تو خود بخود ہی زکوۃ بھی ادا کریں گے اور جہاد کے لئے بھی نکلیں گے اور فی الواقع بعد میں یہی ہوا۔

وفد ثقیف نے مدینہ منورہ میں چند روز قیام کے بعد وطن کو مراجعت کا عزم کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی امام مقرر فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ایک نوجوان رکن عثمانؓ بن ابی العاص کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''یہ دانا آدمی ہے اور یہی تمہارا امیر اور امام ہوگا۔''

تمام اہل وفود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے سر جھکا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ

بن ابی العاص سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''نماز پڑھاتے وقت لوگوں کی حالت کا خیال رکھنا ان میں بوڑھے، بچے، بیمار، کمزور اور کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔''

حضرت عثمانؓ وفد ثقیف کے سب سے کم عمر رکن تھے لیکن فہم وفراست، شوق تعلیم اور جوش ایمان کی بنا پر وہ سب اہل وفد پر فائق تھے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر وفد سے الگ ہوکر سب سے پہلے بارگاہ رسالت میں حاضری دی تھی اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔ وفد کے دوسرے اکابر تو مختلف مسائل کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے اور وہ ان سے چھپ کر پہلے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ابی بن کعب سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق نے ان کا علمی شوق دیکھا تو فرمایا، ''یہ لڑکا تفقہ فی الدین اور تعلیم قرآن کا بہت مشتاق ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگیا تھا کہ یہ جوہر قابل ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنوثقیف کا امارت وامامت کے لئے منتخب فرمایا۔

وفد ثقیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوکر طائف پہنچا تو بیشتر بنوثقیف اور ان کے احلاف حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کرلیا ہو۔

وفد کی روانگی کے چند دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیانؓ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی) طائف بھیجا کہ لات اور اس کے معبد کو برباد کردیں۔ اہل طائف میں سے اکثر مسلمان ہوچکے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل سے ''لات'' کی ہیبت نہیں گئی تھی۔ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ثقفی عورتوں کے دلوں سے کفر وشرک کا زنگ دور ہونے میں کافی وقت لگا۔

حضرت مغیرہؓ نے بتکدہ کو گرانے کا آغاز کیا تو عورتیں روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھ کر اپنے مردوں کو ملامت کرنے لگیں۔

الا ابکین دفاع	لوگوں پر رو کہ بزدلوں نے
اسلمها الرضاع	اپنے بتوں کو دشمنوں کے
ولم یحسنوا المصاع	حوالے کر دیا اور ان سے معرکہ آرا نہ ہوئے

حضرت مغیرہؓ نے پہلے لات کے بت کو توڑا پھر بتکدہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا۔ ان کے ساتھیوں نے بھی ان کی امداد کی اور سب نے مل کر نہ صرف عمارت کا ایک ایک پتھر گرا دیا بلکہ اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ بتکدہ کی بربادی کے بعد اہل طائف کے دلوں میں توحید کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور وہ اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ طبری۔ زاد المعاد۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی)

صلّی اللہ علیہ وسلم

غزوات وسرایہ

(سریہ جمع سرایات۔ وہ جنگیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں ہوئے)

سریہ سیف البحر۔ رمضان ۱ھ

سریہ رابغ۔ شوال ۱ھ

سریہ ضرار۔ ذی قعدہ ۱ھ

غزوہ ودّان۔ صفر ۲ھ

غزوہ بواط۔ ربیع الاول ۲ھ

غزوہ سفوان۔ ربیع الاول ۲ھ

غزوہ ذوالعشیر ہ جمادی الاول ۲ھ

غزوہ بدر کبریٰ۔ رمضان ۲ھ

غزوہ بنی سلیم۔ شوال ۲ھ

غزوہ بنی قیقاع۔ ذیقعدہ ۲ھ

غزوہ سویق۔ ذی الحجہ ۲ھ

غزوہ بحران۔ ربیع الاخر ۳ھ

سریہ زید بن حارثہ۔ جمادی الاخر ۳ھ

غزوہ احد۔ شوال ۳ھ

غزوہ بنی نضیر۔ ربیع الاول ۴ھ

غزوہ بنو قریظہ۔ شوال ۵ھ

سریہ محمد بن مسلمہ۔ محرم ۶ھ

غزوہ بنو لحیان۔ جمادی الاول ۶ھ

سریہ غمر۔ ربیع الاول ۶ھ

سریہ ذوالقصہ (۱) ربیع الاخر ۶ھ

سریہ ذوالقصّہ۔ (۲) ربیع الاخر ۶ھ

سریہ عیص۔ ربیع الاخر ۶ھ

سریہ وادی القریٰ۔ رجب ۶ھ

سریہ خبط۔ شعبان ۶ھ

غزوہ بنی المصطلق۔ شعبان ۶ھ

سریہ دیار بنی کلب۔ شعبان ۶ھ

سریہ دیار بنی سعد۔ شعبان ۶ھ

سریہ عرنین۔ شوال ۶ھ

سریہ حدیبیہ۔ ذی الحجہ ۶ھ

خیبر کے آٹھ قلعے رمضان ۷ھ سے ربیع الاول ۷ھ تک

قلعہ ناعم۔ قلعہ صعب بن ماذ۔ قلعہ زبیر۔

قلعہ ابی۔ قلعہ نزار۔ فدک۔ وادی القریٰ۔

تیما۔

غزوہ نجد۔ ربیع الاخر ۴ھ

غزوہ بدر دوئم۔ شعبان ۴ھ

غزوہ دومتہ الجندل ذی الحجہ ۴ھ

غزوہ احزاب (جنگ خندق۔ شوال ۵ھ

سریہ ابان بن سعید۔ صرف ۷ھ

غزوہ ذات الرقاع ۷ھ

سریہ قدیہ۔ صفر یا ربیع الاول ۷ھ

سریہ حسمی۔ جمادی الاخر ۷ھ

سریہ تربہ۔ شعبان ۷ھ

سریہ اطراف۔ فدک۔ شعبان ۷ھ

سریہ میطعہ۔ رمضان ۷ھ

سریہ خیبر۔ بغاوت۔ شوال ۷ھ

سریہ......وجبار۔ شوال ۷ھ

سریہ غابہ۔ شوال ۷ھ

عمرہ قضا۔ شوال ۷ھ

سریہ ابولعوجاء۔ ذی الحجۃ ۷ھ

سریہ غالب بن عبداللہ۔ صفر ۸ھ

سریہ ذات الحلم۔ ربیع الاول ۸ھ

سریہ ذات عراق۔ ربیع الاول ۸ھ

معرکۂ موتہ۔ جمادی الاول ۸ھ

سریہ ذات السلاسل۔ جمادی الاخر ۸ھ

سریہ حضرت ابوعبیدہ ن الجراح۔ رجب ۸ھ

فتح مکہ۔ شروع سفر 10 رمضان

خطبۂ فتح مکہ۔ 20 رمضان ۸ھ

غزوہ حنین۔ ۶ شوال ۸ھ

غزوہ طائف محاصرہ۔ ذیقدہ ۸ھ

غزوہ تبوک۔ ۹ھ

حجۃ الوداع کا سفر اور خطبہ۔ ذیقدہ ۱۰ھ

اس کے 91 دن کے بعد حضور نے سفر آخرت فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدنی زندگی میں 63 جنگیں لڑیں یا ان کا مدینہ سے بیٹھے ہوئے انتظام کیا۔ 109 وفود DELAGATIONS سے مدینہ میں ملاقات کی۔ دس سال میں

500 جمعہ پڑھے ہوں گے اور بیس عید رمضان اور عید الاضحیٰ۔ اس طرح کم از کم 520 خطبات دیئے۔ ہر روز پانچ وقت کی مسجد میں امامت فرمائی۔ ریاست مدینہ کے تمام مقدمات کا فیصلہ کیا۔ جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو تمام عمال زکوٰۃ کا تقرر۔ زکوٰۃ کی وصولیابی کا انتظام اور اس کی تقسیم مستحقین میں اپنی نگرانی میں۔ اور پھر رات کو اپنی ذاتی عبادات اور پھر غذا۔ ''غذا نان جو وہ بھی کم ترمیسر'' قرآن کریم کی چھ ہزار سے زیادہ آیات کی حضرت جبرئیل سے وصولیابی اور حلقہ درس میں اس کی تفسیر کا بیان۔ احادیث کا ایک وسیع ذخیرہ چھوڑا۔ یہ کسی انسان کے بس کا نہیں ہے۔ جو چاہے حساب لگالے کہ اس ساری مصروفیت کیلئے کتنے دن درکار ہیں۔ حساب ہر صورت یہ بتائے گا کہ اتنا کام کسی بشر کے بس کا نہیں ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عقل اور اپنے حساب سے بشر ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ مگر مجبوری ہے کہ حضور نے اپنی زبان سے خود بار بار اعلان کیا کہ وہ ہمارے جیسے بشر ہیں۔ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا کہ حضور بشر ہیں بلکہ فوق البشر۔ خیر البشر۔ ایسا بشر کہ اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔

''یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک معجزہ ہیں۔''

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

خطبہ حجۃ الوداع

حج کے دن حضور ﷺ عرفہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے قصویٰ (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی تو آپ ﷺ (اس پر سوار ہو کر) بطنِ وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آپ ﷺ نے خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت وکرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے''۔

چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجم پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں

گی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا، زمانۂ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔

ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے ہوئے بیٹے کا خون، جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرامکاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔ قرض قابلِ ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے، خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔ عورت کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں، عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہیں باتوں کے سبب

ہلاک کردیے گئے۔ شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اسی لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمّے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلہ بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔ اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ ﷺ نے حقِ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اُٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

خدایا! گواہ رہنا

خدایا! گواہ رہنا

خدایا! گواہ رہنا

حدیث قدسی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ہمارا رب ہر رات جبکہ تہائی شب باقی ہوتی ہے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور آواز دیتا ہے:
''ہے کوئی جو مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کا جواب دوں، ہے کوئی جو دعا مانگتا ہے کہ میں اس کو قبول کروں، ہے کوئی جو مغفرت کا طلب گار ہو کہ میں اس کی مغفرت کروں''۔

اللھم الرفیق الاعلی

گیارھویں سن ہجری میں ۱۲ر ربیع الاوّل کو دوشنبہ کے دن حضور ﷺ نے اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے مواجہہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ

نعتیہ اشعار

يَـا خَيْـرَ مَـنْ دُفِـنَـتْ فِـى التُّـرْبِ اَعْـظُـمُـهٗ

فَـطَـابَ مِـنْ طِيْبِهِـنَّ الْـقَـاعُ وَالْاَكَـمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

اے بہتر ان سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہوئے ہیں
اور ان کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں
میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں
اس قبر شریف میں پرہیز گاری ہے اور اسی میں جود اور کرم ہے

☆☆☆☆☆☆

رفیق اعلیٰ کی طرف سفر

صفر کا مہینہ تھا۔ آخری ایام صفر۔ دن دوشنبہ کا تھا۔ حضور جنت البقیع سے رات کے وقت تشریف لائے۔ ام المومنین عائشہ سے فرمایا کہ اف میرے سر میں کس قدر درد ہے۔ یہ اتفاق تھا کہ اس وقت ام امومنین بھی دردِ سر سے نڈھال تھیں۔ علالت بڑھتی گئی۔ حضور ام المومنین میمونہ کے گھر میں مقیم تھے کہ انہوں نے دوسری ازواج سے اجازت لی کہ وہ ام المومنین عائشہ کے گھر منتقل ہو جائیں۔ یہ اجازت فوراً مل گئی اور حضور نے سات دن علالت کے حجرۂ عائشہ میں گزارے۔ حضور نے مسلمانوں کے لئے دعا بھی فرمائی اور ذاتی سر بلندی کے شوق

اور تکبر سے دور رہنے کی وصیت کی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور تمہارے ہی لئے فرمایا ہے۔

تلک الدار الاخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا. والعاقبة للمتقین. (سورۃ القصص 83)

وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور (اچھا) تو صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الیس فی جهنم مثوی المتکبرین. (سورۃ الزمر 60)

کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے؟

پھر حضور نے وہ چند سکے جو سونے کے گھر میں تھے فوراً خیرات کرنے کا حکم دیا۔ آخرت ایام کی گفتگو میں فرمایا کہ ''اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اللہ کے قرب کو اس بندے نے اللہ کا قرب اختیار کیا۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر کو اس جملہ میں اشارہ مل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ زندگی کے آخری لمحوں میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور فرماتے تھے۔ ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' یعنی ''نماز اور تمہارے ماتحت یا غلام''۔ اور پھر حضور نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا۔

فی الرفیق الاعلیٰ. فی الرفیق الاعلیٰ

سب سے اعلیٰ فریق کے پاس۔ سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کی مجلس میں فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ آدم علیہ السّلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی (ہائے میری جان! ہائے میری جان!!) لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے وہ کہیں گے۔ ہمارا یہ رتبہ نہیں۔ آج کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ کو ایک مستجابِ دعا کا موقع عنایت ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا۔ نفسی نفسی! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائیگی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی۔ کہ اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے۔ میرا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائینگے اور ان سے کہیں گے اے موسیٰؑ آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے۔ حضرت موسیٰؑ ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا میں اپنے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے وہ بھی کہیں گے۔ یہ میرا رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے۔ جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ نفسی نفسی!

تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئیگی اور کہے گی اے محمد ﷺ آپ اللہ کے

رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اِذن طلب کریں گے۔ اذن ہوگا تو سجدے میں گر پڑیں گے۔ آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائیگا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے۔ آپ ﷺ دیر تک سربسجود رہیں گے۔ پھر آواز آئے گی۔ اے محمدؐ سر اُٹھاؤ کہو سنا جائے گا۔ مانگو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائیگی۔ عرض کریں گے۔ الٰہی امتی امتی خداوند! میری امت میری امت حُکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد وثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمدؐ سر اٹھاؤ کہو سنا جائیگا۔ مانگو دیا جائیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے الٰہی امتی امتی حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئینگے اور حمد ثناء کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر ندا آئے گی۔ اے محمدؐ! سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن **مجھے اپنی عزّت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا من قالَ لا الہ الا اللہ۔** (یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیا تذکرہ نوح و صحیح مسلم باب الشفاعۃ میں مختلف صحابیوں سے

تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے)۔

شافع محشر۔خاص پیمبر

صل اللہ علیہ وسلّم۔

☆☆☆☆☆☆

حشر میں شفاعتِ رسولؐ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: ایک روز رسولِؐ خدا نے نمازِ فجر پڑھائی اور وہیں بیٹھے رہے جب خوب دن چڑھ آیا تو آپؐ ہنسے، لیکن وہیں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں مگر کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ گھر جانے لگے تو صحابہؓ نے مجھ سے کہا: آپ حضورؐ سے پُوچھیں آج کیا بات ہے؟ اس طرح تو کبھی نہیں ہوا۔۔۔۔۔ حضورؐ نے یہ سُنا، تو قبل اس کے کہ صدیق اکبرؓ کچھ سوال کرتے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عُرِضَ عَلَیَّ مَا هُوَ کَائِنٌ مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ . فَجُمِعَ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ فِیْ صَعِیْدًا وَّاحِدٍ. حَتّٰی انْطَلَقُوْآ اِلٰی اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ. وَالْعَرْقُ یَکَادُ یُلْجِمُهُمْ فَقَالُوْا یَآ اٰدَمُ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ. اِصْطَفَاکَ اللّٰهُ اِشْفَعْ لَنَآ اِلٰی رَبِّکَ. فَقَالَ قَدْ لَقِیْتُ مِثْلَ الَّذِیْ لَقِیْتُمْ. اِذْهَبُوْآ اِلٰی اَبِیْکُمْ بَعْدَ اَبِیْکُمْ اِلٰی نُوْحٍ. اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ o فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی نُوْحٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ. فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ لَنَآ اِلٰی رَبِّکَ فَاَنْتَ

اصْطَفَاکَ اللّٰہُ وَاسْتَجَابَ لَکَ فِیْ دُعَآئِکَ فَلَمْ یَدَعْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا. فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ فَانْطَلِقُوْا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَہٗ خَلِیْلاً فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ. فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ مُوْسٰی فَاِنَّ اللّٰہَ کَلَّمَہٗ تَکْلِیْمًا. فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ. فَیَقُوْلُ لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ وَلٰکِنِ انْطَلِقُوْا اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فَاِنَّہٗ کَانَ یُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَ یُحْیِ الْمَوْتٰی. فَیَقُوْلُ عِیْسٰی لَیْسَ ذَاکُمْ عِنْدِیْ وَلٰکِنِ انْطَلِقُوْآ اِلٰی سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ فَاِنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. اِنْطَلِقُوْآ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَلْیَشْفَعْ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ قَالَ فَیَنْطَلِقُوْنَ اِلَیَّ. وَاٰتِیْ جِبْرِیْلَ فَیَاْتِیْ جِبْرِیْلُ رَبَّہٗ. فَیَقُوْلُ ائْذَنْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ قَالَ فَیَنْطَلِقُ بِہٖ جِبْرِیْلُ. فَیَخِرُّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَۃٍ. ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَیَرْفَعُ رَأْسَہٗ. فَاِذَا نَظَرَ اِلٰی رَبِّہٖ خَرَّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَۃٍ اُخْرٰی. فَیَقُوْلُ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ. وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَیَذْھَبُ لِیَقَعَ سَاجِدًا فَیَاْخُذُ جِبْرِیْلُ بِضَبْعَیْہِ وَ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مِنَ الدُّعَآءِ مَالَمْ یَفْتَحْ عَلٰی بِشَرٍقَطُّ. فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ جَعَلْتَنِیْ سَیِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَ اَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ. حَتّٰی اِنَّہٗ لَیَرِدُ عَلَی الْحَوْضِ اَکْثَرَ مَا بَیْنَ صَنْعَآءَ وَ اَیْلَۃَ. ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الصِّدِّیْقِیْنَ فَیَشْفَعُوْنَ ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الْاَنْبِیَآءَ. فَیَجِیْءُ النَّبِیُّ مَعَہُ الْعِصَابَۃُ وَالنَّبِیُّ مَعَہُ الْخَمْسَۃُ وَالسِّتَّۃُ وَالنَّبِیُّ لَیْسَ مَعَہٗ اَحَدٌ. ثُمَّ یُقَالُ ادْعُوا الشُّھَدَآءَ فَیَشْفَعُوْنَ فِیْ مَنْ اَرَادُوْ فَاِذَا فَعَلَتِ الشُّھَدَآءُ ذَالِکَ. یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ وَ عَلَا. اَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اَدْخِلُوْا جَنَّتِیْ مَنْ کَانَ لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا. فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اُنْظُرُوْا فِی النَّارِ ھَلْ فِیْھَا مِنْ

اَحَدٍ عَمِلَ خَیْرًا قَطُّ. فَیَجِدُوْنَ فِی النَّارِ رَجُلاً. فَیُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ خَیْرًا قَطُّ فَیَقُوْلُ لاَ غَیْرَ اِنِّیْ کُنْتُ اُسَامِحُ النَّاسَ فِی الْبَیْعِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اَسْمِحُوْا لِعَبْدِیْ کَاِسْمَاحِهٖ اِلٰی عَبِیْدِیْ. ثُمَّ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اٰخَرُ. فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ خَیْرًا قَطُّ. فَیَقُوْلُ لاَ غَیْرَ اَنِّیْ کُنْتُ اَمَرْتُ وَلَدِیْ اِذَا مِتُّ فَاَحْرِقُوْنِیْ بِالنَّارِ. ثُمَّ اطْحَنُوْنِیْ حَتّٰی اِذَا کُنْتُ مِثْلَ الْکُحْلِ اِذْهَبُوْا بِیْ اِلَی الْبَحْرِ فَذَرُوْنِیْ فِی الرِّیْحِ. فَقَالَ اللّٰهُ لِمَ فَعَلْتَ ذَالِکَ؟ قَالَ مِنْ مُّخَافَتِکَ فَیَقُوْلُ انْظُرُوْا اِلٰی مُلْکِ اَعْظَمِ مُلْکٍ. فَاِنَّ لَکَ مِثْلَهٗ وَ عَشْرَةَ اَمْثَالِهٖ. فَیَقُوْلُ لِمَ تَسْخَرُبِیْ؟ وَ اَنْتَ الْمَلِکُ. فَذَالِکَ الَّذِیْ ضَحِکْتُ مِنْهُ مِنَ الْفَجْرِ. (مُسند احمد)

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ اور آخرت آج میرے سامنے پیش کی گئی سارے اگلے پچھلے انسان ایک چٹیل میدان میں جمع کیئے گئے۔ پسینے اُن کے مُنہ تک پہنچنے کو تھے کہ وہ حضرت آدم علیہ السّلام کے پاس گئے اور کہا کہ اے آدمؑ! آپ انسانوں کے باپ ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا ہے۔آپ خدا کے پاس ہماری سفارش کے لیے تشریف لے جایئے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے فرمادیا کہ آج میں بھی تمہاری طرح مبتلا ہوں تم اس بات کے بعد کے باپ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو، نوحؑ کو اور آلِ ابرہیمؑ کو اور آلِ عمران کو برگزیدہ بنایا ہے اور سارے جہان پر انھیں عزّت دی ہے۔ اب یہ سب حضرت نوحؑ کی طرف جائیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ خدا سے ہماری سفارش کیجئے کیونکہ آپ خدا کے پیارے ہیں آپ کی دعا قبول فرما کر جنابِ باری نے روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑا۔ لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت خلیل اللہ علیہ السّلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی یہی جواب

دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے (بے واسطہ) بات چیت کی تھی۔ سب اہلِ محشر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں تم حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام کے پاس جاؤ وہ مادر زاد گونگے کو اور کوڑھیوں کو (بحکمِ خدا) اچھا بھلا کر دیتے تھے اور مُردوں کو (بحکمِ خدا) زندہ کر دیتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی یہی جواب دیں گے اور فرمائیں گے: تم اولادِ آدم کے سردار کے پاس جاؤ وہی ہیں جو سب سے پہلے اپنی قبر سے نکلے ہیں جاؤ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ وہ تمہارے رب کے ہاں تمہاری سفارش کریں۔ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں جبریلؑ کے پاس جاؤں گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ انھیں شفاعت کی اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی سنا دو۔ حضرت جبریلؑ سے یہ خوشخبری سُن کر میں سجدے میں گر پڑوں گا۔ تقریباً ایک ہفتے تک سجدے میں پڑا رہوں گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سُنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ آپ اپنا سر اُٹھائیں گے اور جناب باری کی طرف نظر کر کے پھر سجدے میں چلے جائیں گے بقدر جمعہ سے جمعہ تک پھر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (ﷺ)! سر اٹھایئے...... کہیے آپ کی بات سُنی جائے گی...... شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔...... میں اس نعمت پر پھر سجدے میں جانا چاہوں گا لیکن حضرت جبریل علیہ السلام میرے بازو تھام لیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھے وہ دعائیں سکھائے گا جو کسی انسان کو نہیں سکھائیں۔ پس آپ کہیں گے اے اللہ! تُو نے مجھے تمام اولادِ آدم کا سردار بنایا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں...... مجھے تُو نے سب سے پہلے قبر سے اٹھانے والا بنایا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں (چنانچہ اب میں شفاعت کروں گا) اس کے بعد

میرے حوض پر لوگ آنے شروع ہوں گے جو صنعاً سے لے کر ایلہ سے بھی زیادہ وسعت والا ہوگا۔ پھر کہا جائے گا کہ صدیق لوگوں کو بلاؤ وہ بھی شفاعت کریں۔ پھر کہا جائے گا نبیوں کو بلاؤ۔ انبیاء آنے شروع ہوں گے۔ کسی کے ساتھ تیس چالیس آدمی ہوں گے، کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ چھ کسی نبی کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا۔ پھر کہا جائے گا، شہیدوں کو بلاؤ کہ جس کی چاہیں شفاعت کریں۔ جب شہید یہ کرلیں گے تو جناب باری جل وعلا فرمائے گا: میں ارحم الراحمین ہوں (حکم دیتا ہوں) جن لوگوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ان سب کو جنّت میں پہنچادو۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے...... پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو جہنّم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے کبھی بھی کوئی بھلا کام کیا ہو؟ دیکھیں گے تو ایک شخص کو پائیں گے اس سے سوال ہوگا کہ تُو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا ہاں صرف یہ کہ میں بیوپار میں بہت نرمی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے اس بندے سے بھی نرمی کرو جیسے یہ میرے بندوں سے نرمی کیا کرتا تھا۔ اتنے میں ایک اور آدمی دوزخ سے نکلے گا اس سے پُوچھا جائے گا: تونے بھی کبھی کوئی نیک عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا نہیں سوائے اس کے کہ میں نے اپنی اولاد سے کہا تھا کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلادینا پھر میری خاک کو پیس ڈالنا حتّٰی کہ جب میں سُرمے کی طرح ہوجاؤں تو سمندر کے کنارے جاکر تیز ہوا میں مجھے اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تُو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا: فقط تیرے ڈر سے۔ جنابِ باری فرمائے گا: دیکھو سب سے بڑا ملک دیکھ لو تیرے لیے وہ ہے اور ویسے ہی دس ملک اور۔ تو وہ کہے گا کہ الٰہی! تُو مجھ سے مذاق کیوں کر رہا ہے؟ تُو تو مالک ہے۔ اسی چیز نے صبح مجھ کو ہنسادیا تھا۔

شفاعتِ رسولؐ

قریش کے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آنحضورؐ کے رشتہ دار ہیں اور اس سبب سے آخرت میں وہ شفاعتِ رسولؐ کے مستحق ہوں گے۔ اس تصوّر کے پیشِ نظر ایک دن رسولؐ اللہ نے اپنے قریبی رشتہ داروں، اہلِ خاندان اور بعض قریبی قبائل کو جمع کیا اور ان کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یا معشر عبد منافٍ انقذو انفسکم من النّار فانی لا املک لکم من اللہِ ضرّاً ولا نفعًا. یا معشر بنی قصی انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ ضراً ولا نفعًا. یا معشر بنی عبدالمطلب انقذو ا انفسکم من النار فانی لا املک لکم ضرّاً ولا نفعًا. یا صفیه عمة محمّدا نقذی نفسک من النار فانی لا املک من اللہ ضرّاً ولا نفعًا. یا فاطمة بنت محمد انقذی نفسک من النار فانّی لا املک لک ضرّاً ولا نفعًا ان لک رحمًا وسا بلها یرٰها. (ترمذی)

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنے کو خدا کی آگ سے نکالنے کا انتظام کرو میں تم کو خدا کے سامنے کچھ بھی نفع اور نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ اے قصی کی اولاد، اے عبدالمطلب کی اولاد، تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ میں خدا کے سامنے تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ اور اے صفیہ رسولِؐ خدا کی پھوپھی، اور اے فاطمہ رسولِ خدا محمدؐ کی بیٹی! تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ کہ میں خدا کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ ہاں دنیا میں تو میری رشتہ دار ہے اور میں اس کا حق ادا کرتا ہوں۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

حوضِ کوثر پر

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں لوگوں سے حوضِ کوثر کے متعلق سُنا کرتی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس بارے میں سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک دن مشاطہ میرے بال گوندھ رہی تھی کہ مجھے آپؐ کی آواز سنائی دی:

اَیُّھَا النَّاس (اے لوگو!)

میں نے مشاطہ سے کہا چھوڑ دو کہ آپؐ کا وعظ سن سکوں۔ میں نے کان لگا کر سُنا تو آپؐ فرما رہے تھے:

اِنِّیْ لَکُمْ فَرَطٌ عَلَی الْحَوْضِ فَاِیَّایَ لَایَاْتِیَنَّ اَحَدُکُمْ فَیُذَبُّ عَنِّیْ کَمَا یُذَبُّ الْبَعِیْرُ الضَّالُّ فَاَقُوْلُ فِیْمَ ھٰذَا فَیُقَالُ : اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا ٥ (مسلم شریف)

میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیشرو ہوں۔ خبردار! تم ایسے نہ بنو کہ میرے پاس آنا چاہو تو اس طرح دُور ہٹا دیے جاؤ جیسے پرایا اُونٹ، اور جب میں دریافت کروں کہ ان سے یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے، تو مجھے جواب دیا جائے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو وطیرہ اختیار کیا تھا آپ کو معلوم نہیں۔ اور میں بھی کہوں کہ ہلاک ہو جائیں۔

(قرآن کے بیان اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شرک کے علاوہ سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں)

شفاعتِ رسولؐ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ایک بار منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مَا بَالُ رِجَالٍ يَّقُوْلُوْنَ اِنَّ رَحِمَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْفَعُ قَوْمَهٗ بَلٰى وَ اللهِ اِنَّ رَحِمِیْ مَوْصُوْلَةٌ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اِنِّیْ اَيُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَّكُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَاِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَقَالَ اَخُوْهُ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَالَ لَهُمْ اَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُهٗ وَلٰكِنَّكُمْ اَحْدَثْتُمْ بَعْدِیْ وَارْتَدَدْتُمُ الْقَهْقَرٰى. (مُسند احمد)

لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی رشتے داری آپؐ کی قوم کو کچھ نفع نہ دے گی؟ ہاں سُنو، میری رشتے داری دنیا آخرت میں ملی ہُوئی ہے۔ لوگو! میں حوضِ کوثر پر تم سب کا میر سامان ہوں۔ جب تم آؤ گے تو لوگ مجھ سے کہیں گے کہ یا رسولؐ اللہ! میں فلاں کا بیٹا ہوں، یا رسولؐ اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں جواب دُوں گا کہ ہاں نسب تو پہچان لیا لیکن تم نے میرے بعد بدعتیں نکال لی تھیں اور پچھلے پیروں لَوٹتے گئے تھے۔

ان احادیث کی روشنی میں حتمی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی شفاعت ہوگی اور کس حد تک۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایمان خشیّت (خوف) اور امید کے درمیان ہے۔ کتنا خوف رکھنا چاہئے اور کس قدر امّید یہ اپنی اپنی توفیق پر منحصر ہے اور اعمال صالحہ کی استعداد پر

(۱) قرآنی آیت ہے کہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ۔یعنی اللہ تعالیٰ حضور کو اس قدر دینگے کہ حضور خود راضی ہو جائیں ۔آیئے امید رکھیں ۔کہ جب تک آپ کی اور میری اور ساری امت کی مغفرت نہ ہو جائے حضور راضی نہیں ہوں گے۔

شافع محشر خاص پیمبر

صل اللہ علیہ وسلّم

بارگاہ نبوی میں

کتنے سال ہو گئے اس لمحہ جاوداں کو۔ یہ بات حساب میں لانا غیر ضروری ہے جاوداں لمحہ کو گنتی اور حساب کی گرفت میں نہیں لاتے۔ وقت نماز عصر کا ہے۔ مقام ''قدوم رحمت عالم'' کے پاس ہے۔ایک بزرگ وہاں بیٹھ کر تفسیر قرآن لکھتے ہیں ۔ایک شخص نے رمضان کے مہینے میں اپنا ٹھکانا وہیں بنالیا ہے۔روز ان صاحب کو دیکھتا ہے۔شکل سے پہچانتا ہے۔ نام سے واقف ہے۔ ملاقات کبھی نہیں کی۔ایک درّانی سے سنا تھا کہ ایک بلگرامی اسوقت دربار رحمت میں قرآن کے فیوض بٹور رہا ہے۔اس ادھیڑ عمر کے گنہ گار پجاری نے سوچا کہ ''بابا ان مقرّب غلامان بارگاہِ رسول کے معاملات اور تعلّقات میں میرا کیا کام ہے۔اور آقا کی بارگاہ میں بیٹھ کر کسی ''غلامِ رسول'' سے تعارف حاصل کرنا بے ادبی ہے''۔

اقامت ہوئی۔صف بندی ہونے لگی تو بغیر کسی ارادہ اور کوشش کے یہ معاملہ ہوا کہ بلگرام کا مرشد درّانی کے

غلام کے کندھے سے کندھا ملا کے کھڑا ہوا۔ نمازِ عصر ختم ہوئی تو تھوڑی سی فرصت دعا کی یا خاموشی کی ہوتی ہے۔ وہ بات جو پچھلے دس دن سے کبھی دل میں یا زبان پر نہیں آئی تھی۔ غلامِ درّانی کی زبان پر نامکمّل بے ربط جملے کی شکل میں آئی۔

''حضرت!۔۔۔۔۔۔ میں کراچی سے۔۔۔۔۔۔ عبیداللہ درّانی کا غلام۔۔۔۔۔۔'' اس کٹے پھٹے جملے میں شاید کوئی بات نہیں کہی گئی کہ کسی کی سمجھ میں آئے یا پھر ہر بات کہہ دی گئی اور وہ ساری بات شاہِ بلگرام تک پہنچ گئی۔

فرمایا ''آیئے میرے ساتھ حضور صل اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سلام پیش کیجئے'' یہ حکم آیا تھا بلگرام سے؟ یا عطا تھی شہنشاہ کونین شاہ مدینہ کی اس کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں۔ یاد یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پہلے اٹھے تھے یا حرف صلواۃ وسلام پہلے ادا ہوا تھا یا تربیلہ بند پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔

ادیب رائے پوری گھر آئے تھے نعت بلکہ نعتیں سنانے وہ سنا گئے تھا۔

''لب کون کھولتا ہے دربار مصطفٰی میں''؟۔

شاید وہ کہہ گئے تھے کہ وہ سارے الفاظ اور بیان درود وسلام کے جو اس سے پہلے اور بعد میں ادا کیئے وہ شاید ادا نہیں ہوئے۔

اور وہ اعتراف غلامی اور حرف وفا جو سیلاب اشک میں بہہ گیا وہی لفظ ادا ہوا۔

صلّی اللہ علیہ وسلم

اور قبولیت کی صرف امّید ہی ہوتی ہے۔

اور پھر آنکھ بند ہوئی اور ہوش وخرد نے جواب دیا۔ اور دماغ جو سب سے بڑی آماجگاہ شیطان ہے کچھ خوابیدہ ہوا تو دل نے کہا کہ آنکھ کو بند رکھو۔ اب تصوّر کام کرے گا۔

فضا میں تلاوت اور سلام کی آوازیں گنگنا رہی ہیں۔ جیسے شہد کی مکّھیاں ایک دوسرے کو میٹھی شہد بھری مبارکباد اور خوش خبریاں دے رہی ہوں۔ وہ دیکھئے ایک وفد باب جبرئیل سے داخل ہو رہا ہے کتنا لمبا ہے یہ جلوس۔ کس قدر خاموش محتاط اور با ادب ہیں یہ قدم۔ باب جبرئیل سے باہر تک کا فاصلہ میلوں تک بڑھ گیا ہے۔ تاحدّ نظر بڑھ گیا ہے۔ کچھ حصّہ۔ سربراہ حصّہ ہے شاید یہ اندر آ گیا ہے۔ یہ لوگ کسقدر محتاط آہستہ قدم ہیں۔ ادب ان کی آنکھوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ پہلے دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرتے ہیں پھر مواجہ میں صف بند ہیں۔ درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کے معترف ہیں۔ ان کی پیشانی پر علم کا نور ہے۔ آنکھوں میں ایمان کی روشنی کوندتی نظر آ رہی ہے۔ کتنی بڑی تعداد ہے ان کی۔ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ کوئی ان سب کے نام جانتا ہے؟۔ کوئی ان کے نام بتا سکتا ہے؟۔ مسافر پچاری جس کو دیکھتا ہے اسکا نام۔ تعارف کوئی دل میں چھپا ہوا راز دان بتاتا ہے۔ یہ اس امّت کے امام ہیں۔ پورے پورے کتب خانے اور مکتب فکر کے بانی ہیں۔ یہ علمی اداروں کے بانی ہیں اور علم کی شاہراہوں کے راہ دان ہیں۔ یہ سامنے مالک بن انس ہیں۔ ادھر امام ابوحنیفہ ہیں۔ وہ سر جھکائے ہوئے امام شافعی ہیں ان کے قریب جھکی ہوئی کمر کے ساتھ امام احمد بن حنبل ہیں شاید ان کی کمر پر کوڑوں کے نشان ہیں مگر یہ فاتح تو ہیں انھوں نے قرآن کو مخلوق نہیں مانا تھا۔ ذرا پیچھے لیث بن سعد مصری ہیں امام اوزاعی ہیں۔ یہ ذرا تھکے ہوئے سے حضرت امام بخاری ہیں جنھوں نے لاکھوں حدیثوں کے سراغ میں ہزاروں میل کا سفر کیا تھا۔ امام مسلم امام بخاری

سے دور کیسے رہتے۔ وہیں ہیں۔ ذرا پیچھے تقی الدین بن تیمیہ ہیں ابن قدامہ ہیں ابواسحاق الشاطبی ہیں کمال ابن الہمام ہیں یہ صاحب تو لباس سے ہندوستانی دلّی وال مغل لگتے ہیں۔نہیں یہ مغل نہیں ہیں یہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔اسلام کو خود مسلمان ہی سے بچانے والے۔مسلمانوں کو قرآن کے قریب لانے والے فارسی میں قرآن کا ترجمہ کرنے والے اور پھر اسلامی تحریک کے جدّ امجد۔ان کے دائیں بائیں ان کے خانوادہ کے لوگ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز ہیں جو قرآن کریم کو اردو میں عام لوگوں کے قریب لائے ان میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جماعت کی طرف سے خطاب کیا یہ اندازہ نہ ہوسکا۔کہ وہ امام بخاری تھے یا شاہ ولی اللہ۔اندازتو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔خطاب فرمایا۔

یارسول اللہ آپ کی لائی ہوئی شریعت لازوال تھی اور ہے۔یہ وسیع ہے یہ جامع ہے یہ عادلانہ ہے اس شریعت نے مدد کی کہ انسانی ذہن اور انسان کی صلاحیت نئے افق نئی جہات کو تلاش کر سکے۔اس شریعت کی مدد سے آپکی امّت کے ذہین انسانوں نے انسانیت کا دامن بیش قیمت موتیوں سے بھر دیا۔خوش بودار پھولوں سے بھر دیا۔

حضور آپ کی شریعت اور سنّت اور احادیث نے انسان کو وہ حکیمانہ۔معجزانہ نظام دیا جو اور کوئی تحریک مذہب عمل اور بیان نہ دے سکا۔آپ نے انسان کو تفکّر اور تدبّر کا پیغام دیا۔حضور آپ سے پہلے عیسٰی کے راہبوں نے فساد پھیلا دیا کہ انسان گناہ گار پیدا ہوتا ہے اور پیغمبر نے اس کا کفارہ صلیب پر لٹک کر دیا اور ہندوستان سے برہمن نے آواز دی کہ انسان پئے درپئے نئے جسم میں آتا ہے کہ زندگی کی ساری کلفتیں برداشت کرے۔آپ نے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی بشارت دی اور کائنات کی تسخیر کا

کام سپرد کیا۔ آپ کی شریعت نے ایک عظیم فقہ کو وجود دیا۔ عظیم اسلامی قانون دیا۔ آپ کی شریعت سے اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ وجود میں آیا جسکے سامنے سارا مذہبی لٹریچر ساری دنیا کا ہیچ ہے۔ بچوں کا کھیل نظر آتا ہے۔ عقل انسانی اساطیری کھیل ہے۔ کہانیاں سنتی سناتی رہی۔ اے ہمارے مدینۃ العلم آقا ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ نے نہ صرف وہ علم دیا جو ہم اسوقت تک ہضم کر سکتے تھے بلکہ وہ جستجوئے علم دی کہ جو ابد تک ہمارے کام آئے گی ہم احسان مند ہیں۔ ہم احسان مند ہیں ہم احسان مند ہیں اے آقا............درود آپ پر سلام آپ پر

ابھی شاہ ولی اللہ کا تشکر ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور جماعت کو دیکھا جو باب الرحمت سے اندر کی طرف بڑھ رہی تھا۔ ان کے آگے آگے خوشبو کا جھونکا آ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر آثار تھے زہد و تقویٰ کے۔ پاکیزگی ان کے وجود سے نظر آ رہی تھی۔ محبت آنکھوں سے ٹپک رہی ہے۔ یہ سر جھکائے ہوئے پہلے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کر کے آہستہ روی سے عاجزی سے مسکینی سے مواجہ شریف میں آئے۔ دل کے ہم نشیں نے دل میں یہ بات اتاری کہ یہ جماعت ان صوفیا کی ہے جو تقویٰ میں اعلیٰ مقام ہیں۔ وہ دیکھو ان میں وہ سفید پوش حسن بصری ہیں گرد آلود پھٹے پرانے کپڑوں میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز ہیں۔ داہنی طرف سفیان ثوری ہیں اور ان کو تو تم جانتے ہی ہو یہ فضیل بن عیاض ہیں۔ داود الطائی ابن اسحاق بھی ہیں۔ بغداد سے شیخ عبد القادر جیلانی ہیں دلّی سے نظام الدّین اولیا ہیں اور عبد الوہاب متقی ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جن کے نام بھی گم نام رہے۔ کتنے ہی جسموں میں چھپے ہوئے آئے تھے وہ۔ یہ اپنے پیش رؤوں کی یاد تازہ کر رہے ہیں جنھوں نے صفہ کے چبوترے پر عمر گذار دی اور علوم دینی انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے۔ نماز تحیۃ المسجد کے بعد یہ بھی حضوری میں کھڑے ہوئے۔ درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے۔ پھر آواز آئی

انھیں میں سے کسی کی۔

اے ہمارے آقا اے رسول اللہ صلواۃ وسلام آپ پر آپ کی آل پر۔ اگر آپ کی سنّت کا روشن منارہ ہمارے سامنے نہ ہوتا تو ہم بھٹک جاتے۔ آپ کا قول ہم نے یاد رکھا کہ ''زندگی تو آخرت کی زندگی ہے'' آپ کی وصیّت ہم نے یاد رکھی کہ دنیا میں اسطرح زندگی گذارو جیسے مسافر ہو۔ امّ المومنین عائشہ کا بیان ہمارے سامنے رہا کہ ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور پھر تیسرا چاند بھی آ جاتا تھا اور ان تین مہینوں میں ہمارے گھر چولھا بھی نہیں جلتا تھا نہ کوئی دیگچی چڑھائی جاتی تھی۔ ام المومنین ام سلمہ نے فرمایا کہ آپ کے بستر کی چادر زمین پر چار تہہ کر کے بچھادی تو آپ نے اس کو مسترد کیا کہ زیادہ اچھی نیند آ جاتی ہے تہجد کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ ہم میں سے بیشتر آپ کی سنّت پر عمل نہ کر سکے مگر ہم میں سے ہر ایک کی نظر میں آپ کی سنّت کی بنیاد قائم رہی ہم نے حتّی الامکان ساری عمر غریبانہ زندگی گذاری اور عزائم بلند رکھے۔ ہم نے آپ سے زندگی بسر کرنے کا حسن پایا قناعت فقر مسکینی کے ساتھ بلند عزائم ہم نے آپ سے سیکھے۔ اے ہمارے آقا ہم آپ کے احسان مند ہیں۔ آپ نے ہر گروہ پر احسان کیا ہے۔ ہمارے گروہ پر وہ احسان کیا ہے جیسے کہ آپ ہمارے گروہ پر ہی زیادہ احسان کرتے ہیں۔ آپ نے فقر کو اپنا فخر بنالیا۔ ہمارا سلام ہمارا درود قبول فرمایئے۔

ابھی ان کی التجائیں ختم نہیں ہوئیں تھیں کہ باب النساء کی طرف سے کچھ سائے بڑھ کر آنے لگے۔ یہاں پھیلنے والی خوشبو نہیں تھی کیونکہ حضور نے منع کیا ہے۔ یہاں کا گروہ مستور تھا کہ یہ مستورات تھیں۔ یہ سب سے زیادہ

نرمی سے آہستگی سے بغیر کسی آہٹ کے داخل ہوئیں کہ کچھ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ان کا گروہ بھی ان چند خواتین کے علاوہ جو آگے آگے تھیں ایک پورا قافلہ حدّ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔دل کے ہم نشین نے آہستہ سے دل میں کہا کہ ان کے کچھ نام نہیں ہیں۔ یہاں نام تک کا پردہ ہے۔ یہ دیکھو یہ سب حجرۂ فاطمہ کی طرف سمٹ رہی ہیں۔ یہ تو شاید مواجہ تک نہ آئیں۔ان کا سلام و درود تو شاید ام المومنین عائشہ یا سیدۃ النساء فاطمہ پہنچائیں گی۔باہر کے کان سے کچھ نہ سن سکو گے۔اسکو بند کر کے اندر رجوع کرو تو شاید کچھ مل جائے۔

ہم نشین دل نے کہا کہ دیکھ تو میں بھی نہیں سکتا۔ پہچانتا تو میں بھی نہیں مگر ان باوقار خواتین میں شاید عفرا بھی ہوں جن کے دو بیٹے جنگ میں ابو جہل کے لیئے ملک الموت بنے تھے۔ان میں شاید وہ دیناری خاتون بھی ہیں جن کے بھائی باپ اور شوہر نے احد میں شہادت حاصل کی تھی۔شاید ان میں ام عمّارہ ہوں۔سمیّہ تو یقینی ہونگی۔امّ سلیم پیچھے رہنے والی نہیں ہیں۔اور آگے آگے کیا رابعہ بصری نہیں ہیں؟ عاشق پجاری نے سوچا کہ ان کو فرداً فرداً پہچاننے کے لیئے بڑی پاکباز باوضو آنکھ چاہیئے مگر ان سب کو سر جھکا کر سلام پیش کرتا ہوں۔

یہ خواتین بہت دبی زبان اور پورے ادب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اے آقا ہمارے سلام آپ پر درود آپ پر آپ کا احسان ہمارے طبقۂ نسواں پر خصوصی ہے۔آپ سے پہلے ہم میں سے اکثر پیدا ہونے کے بعد زندہ زمین میں گاڑ دی جاتیں تھیں۔ہمیں خریدا اور بیچا جاتا تھا۔آپ نے ہم کو مردوں کے ظلم و ستم سے آزاد کرایا۔ ہمارے حقوق متعیّن کیئے۔ہم کو وراثت میں حصّہ دلایا۔ہم کو ہمارے بیٹوں کے لیئے معزّز بنایا۔ ہمارے بیٹوں کو یہ بتایا کہ جنّت ماؤں کے پیر کے نیچے ہے اور مائیں تین گنا نیک

صلّی اللہ علیہ وسلم

سلوک کی مستحق ہیں۔ آپ نے مردوں کو یہ بتایا کہ ان میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیئے بہتر ہیں۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں ہم کو یاد رکھا۔ حضور ہم کو معلوم ہے کہ آپ محسن انسانیت ہیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا احسان ہمارے طبقہ پر زیادہ ہے۔ آپ ہمارے درود وسلام آج اور ہمیشہ ہمیشہ قبول کر کے ہم پر مزید احسان کریں۔

یہ نرم آوازیں جو سرگوشیوں کی طرح خاموش تھیں روح پر ہلکی ٹھنڈی پھوار کی طرح گر رہی تھیں کہ توجّہ باب السّلام کی طرف ہوگئی۔ ایک جماعت نظر آئی۔ ان میں کئی طرح کے افراد تھے یہ کئی ملکوں سے آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ فقیری گدڑیوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سے کچھ خاص عرب کے تھے اور کچھ یورپ اندلس مصر اور ترکیہ کے تھے۔ یہ وسطی ایشیا کے بھی تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں ابھی تک کتابیں تھیں۔ کیمیا الجبر والمقابلہ ہندسہ لغات عرب وعجم کچھ جامعہ الازہر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ کچھ دار العلوم قرطبہ سے آئے ہیں۔ کچھ کتب خانۂ بغداد و مصر سے تھے وہاں کی جامعات کے استاد و شاگرد تھے کچھ ندوۃ العلما لکھنؤ اور کچھ دار العلوم دیوبند سے متعلق تھے۔ ان میں نحو و بلاغت ولغت کے اماموں کی جماعت تھی۔ ان میں سرجن ابوسینا بھی تھے اور آنکھ کے سرجن الہیثم بھی تھے۔ ان میں سمندر میں راہ گزر تلاش کرنے والے امیر البحر باربروسا بھی تھے۔ پھر ایک جماعت زبان والوں کی تھی جنھوں نے عربی زبان کو ایسی وسعت دی کہ اس نے ساری دنیا کے دنیوی علوم کو سمیٹ لیا اور اسلام کے دینی علوم کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ ان میں ابوالاسود الدولی خلیل بن احمد سیبویہ کسائی ابوعلی الفارسی عبدالقاہر الجرجانی السکاکی مجدالدّین فیروز آبادی سید مرتضٰے الزبیدی تھے ان میں فرید الدّین عطّار بھی تھے۔ رازی تھے۔ غزالی تھے۔ ابوریحان البیرونی تھے۔ خورازمی ریاضی دان تھے جنکا علم

اندلس کے راستہ یوروپ پہنچا اور یوروپ کا راہ بر ہوا۔ یہ سب اپنی شہرت اور علمی مرتبہ کا خراج ادا کرنے کے لئے حضور کے در پر حاضر ہوئے تھے۔ وہ بڑے بلیغ انداز میں ادبی طریقہ سے حضور کی خدمت ہدیہ تبریک پیش کر رہے تھے۔

اے آقا۔ سلام۔ صلواۃ درود آپ پر اور آپ کی آل پر ہم احسان مند ہیں۔ ہم ساری دنیا۔ ساری انسانیت کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے۔ یہ مقدّس کتاب نہ ہوتی۔ جو آپ پر نازل ہوئی آپ کی احادیث نہ ہوتیں نہ شریعت ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سر جھکا دیا۔ تو پھر بہت کچھ نہ ہوتا۔ پھر کچھ بھی بامعنی نہیں ہوتا۔ لوگ اس کتاب کی وجہ سے عربی سیکھنے پر مجبور ہوئے اور مہارت حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور اسکی وجہ سے ہم کو دنیاوی علم ملا اور ہم نے دنیا کی رہ نمائی کی۔ ہماری راہ نمائی کو یوروپ آج بھی مانتا ہے۔

اے ہمارے آقا آپ کی ذات آپ کی کتاب۔ آپ کی کتاب کی زبان آپ کی کتاب کے اشارات ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان میں رابطہ اور واسطہ تھے جو آپ کے عہد رسالت و امامت میں پیدا ہوئے۔ درحقیقت آپ ہی عرب وعجم اور دنیا اور دین کے درمیان میں رابطہ ہیں۔ آپ کا احسان ہے ہماری ذہانت اور طبّاعی پر اور علم کی گہرائی اور گیرائی پر۔ آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس ثروت پر اور امّت کے عالمانہ مزاج پر کہ ہم کو یتفکّرون اور یتدبّرون پر آمادہ کیا راستہ دکھایا۔

اے رسول اللہ ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زبان عربی جس نے ہمیں راہ دکھائی دوسری زبانوں کی طرح دنیا سے مٹ جاتی۔ اگر قرآن مجید کا معجزہ نہ ہوتا تو اس پر تحریف کا ایسا عمل جراحی ہوتا کہ اس کی صورت مسخ ہوجاتی۔ اے رسول اللہ ہم آپ کے احسان مند ہیں احسان شناس ہیں اور شرمندہ ہیں کہ ہم معیار سے گر گئے۔ آپ ہم پر کرم فرمائیں۔

پھر یہ گروہ عالمان رخصت ہوا۔ جب صفّہ کے چبوترہ سے گذرا تو ہر عالم نے ہر سائنسدان نے اور ہر ماہر علم نے اپنی گردن صفّہ کے سامنے ایسے خم کی کہ شاید وہ سجدہ کرنے والے ہیں۔ عالم تھے جانتے تھے کہ مخلوق کے سامنے سجدہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ بھی معلوم تھا کہ دل اگر عاجزی کا سجدہ کرنا چاہے تو یہ میلان۔ یہ خواہش۔ قابل گرفت نہیں ہے۔ ان عالموں نے محسوس کیا اور اپنے انداز سے اعتراف کیا کہ اگر چہ وہ مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمان خاص میں سے گروہ خادمان ہیں مگر بہر حال یہ صفّہ والے تقویٰ۔ عاجزی۔ سیر چشمی۔ علوم دینی پر دسترس رکھنے کے معاملے میں گروہ عالمان سے بہت آگے ہیں۔ یہ صفہ کی جماعت صوفیا وہ ہے جو کئی کئی سال تک دن رات بار بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں رہی ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم ایک دفعہ پڑ گئی اور جن لوگوں نے حضور کی نظروں میں زندگی گذارنے کو ساری دنیاوی کاوشوں سے برتر جانا انکے مقام کا تعیّن کون کرسکتا ہے۔

(علم کی سرداری اسلامیوں کے پاس سے چلی گئی مگر صفائے قلب کی سرداری قائم ہے)

مسافر صفّہ کے صوفیانِ باصفا کے مرتبہ پر غور کر رہا تھا کہ ایک دم نظر باب عبدالعزیز پر پڑی۔ ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا کہ جنکے چہروں پر نشان تھے جاہ وجلال کے۔ سطوت وثروت کے۔ حکم رانی کے

انداز جو صرف ظاہری طور پر چھپا دیئے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے خادمان کو اپنے سے علیحدہ کر لیا تھا۔ انھوں نے اپنے جوتے خود اتارے تھے۔ کفش بردار آگے بڑھے تھے مگر اشارہ پا کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ عاجزی اور انکسار کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر آئے تھے۔ شاہی طمطراق اور جاہ وجلال دروازے کے باہر رہ گیا تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کا جلال و جاہ رسول اللہ کی نعلین مبارک کے احترام کی وجہ سے تھا۔ مسافر دیکھ رہا تھا کہ ان پر مختلف قوموں اور ملکوں کی چھاپ تھی۔ مگر آج اس دروازے کے اندر سب برابر کے غلام تھے۔ ادھر پورے جسم سے مستعد مگر جھکے ہوئے سر کے ساتھ صلاح الدّین ایوبی بھی تھے۔ محمود غزنوی۔ شہاب الدّین غوری۔ طارق بن زیاد۔ محمد بن قاسم۔ طاہر بیبرس۔ سلیمان القانونی۔ عبدالرحمٰن اندلسی۔ اورنگ زیب عالم گیر کو تو ہم نشینِ دل نے پہچان لیا تھا۔ لیکن یہ قافلہ بڑا لمبا تھا۔ مسافر کی آنکھوں میں اس طویل وعریض دنیا کے جغرافیہ کا نقشہ پھر گیا۔ ان سب کا جلال جاہ اور دولت احسان مند تھے کملی والے آقا کی جوتی کی نوک کے برابر۔

مسافر کو ایک شعر یاد آ گیا۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

اس گروہ میں وہ بادشاہ خلیفہ بھی تھا جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر کہا تھا کہ "تیرا جہاں جی چاہے جا کے برس۔ تیرا اخراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئیگا"۔ (یہ ہارون رشید بغدادی تھا)۔ وہ شخص بھی تھا کہ جسکی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار اونٹ ملک کے ایک سرے سے دوسرے

سرے تک جانا چاہے تو اسکو دن رات سفر کر کے بھی پندرہ مہینے لگیں گے (ولید بن عبدالملک) ان میں وہ فرماں روا بھی شامل تھے جو نصف کرّہ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرتے تھے۔ (سلیمان قانونی) ان میں وہ فرماں روا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا (مشرق سے آسٹریا ویانا (Vienna) تک دسترس اور مغرب میں فرانس کو اندلسیہ سے بچاؤ صرف ایک درمیانی پہاڑ۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کو عزّت کا وہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ وسطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے۔ (سلیمان بن سلیم العثمانی)

یہ سب مسجد نبوی میں حضور کو ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کے لیئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ انکا سب سے بڑا شرف اور اعزاز تھا۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ جلال اور حکومت سے سرخ چہرے حضور کے مزارِ مقدس کی ہیبت سے زرد تھے۔ یکا یک صفّہ کے چبوترے کے پاس ٹھٹھک گئے۔ ان کا جلال صوفیا کے جمال کے آگے زمین بوس ہوا۔ وہاں انھوں نے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کی۔ دوسرا سجدہ کیوں کیا؟ کلاہ شاہی۔ گلیم فقر سے خیرات مانگ رہی تھی اور پھر ڈرتے ڈرتے عاجزی سے مزار مقدس کے سامنے آئے۔

''اے رسول اللہ اگر آپ نہ ہوتے تو آپ کا یہ جہاد اور دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ بڑے بڑے لک فتح کیئے۔ آپ کے دین پر ایمان لانے پر ہمارے اباواجداد گم نامی سے نکلے اور دینوی عزّت سے ہم کنار ہوئے۔ ہم نے ان قوموں سے خراج لیا جو ہم کو لاٹھی سے ہانکتے تھے۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گم نامی سے تسخیر عالم کی طرف ہمارا یہ سفر نہ ہوتا تو ہم اسی محدود قبائلی زندگی میں گھرے ہوتے اور کہیں ہمارا تذکرہ نہ ہوتا۔ ہم اپنے گاؤں اور قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ۔ سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے

اے رسول اللہ ہمیں دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم سارے عالم کی آنکھیں کھولنے کے لائق ہوئے۔ اے رسول اللہ یہ سب روشنی آپ کی لائی ہوئی روشنی ہے جو قائم رہے گی۔ ہم نے اپنی تمام خوابیدہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ظلم اور جہالت کا ساری دنیا میں مقابلہ کیا۔ حضور صرف آپ کی نظر عنایت سے۔ ہم آج آپکی خدمت میں اپنے جذبۂ محبت سے مجبور ہو کر آئے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ آپ کے دین کے نافذ کرنے میں ہم سے سخت کوتاہیاں ہوئیں ہیں۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ وہ بے شک رحیم اور معاف کرنے والا ہے اور اے ہمارے آقا ہم آپ سے شرمندہ ہیں۔ آپ ہم کو معاف کر دیجئے۔ **ہم آپ کے نہ بن سکے۔ آپ ہمیں اپنا بنا لیجئے۔**

مسافران بادشاہوں اور حکمرانوں کے عاجزانہ بیان اور اعتراف خطا کی طرف متوجہ تھا کہ دیکھا کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی۔ انھوں نے ایک نظر بھر کر اس گروہ سربراہان حکومت اور صاحبان اقتدار کو نہیں دیکھا۔ ان کو مکمّل نظر انداز کیا۔ ان بادشاہوں کے رعب اور دبدبہ کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔ یا یہ لوگ ان سے علیحدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ شاعر لگتے تھے۔ یا نثر نگار تھے یا انقلابی تھے۔ یہ حکومت وقت کے باغی تھے۔ یہ کٹّر موحّد تھے یہ جو کچھ سوچتے تھے شدّت سے سوچتے تھے۔ خیال آیا کہ ان کو کہیں دیکھا ہے۔ ہم نشینِ دل نے دل میں اتارا کہ یہ واقعی انقلابی شاعر خطیب۔ نثر نگاروں کا گروہ ہے جو وقت کے دھارے کو موڑنے کی جدوجہد میں رہا۔ ان میں سے چند تو پہچان میں آ رہے تھے۔ نمایاں تھے سیّد جمال الدّین افغانی (وہی افغانی پین اسلام ازم کی تحریک والے) امیر سعید حلیم۔ محمّد علی جوہر۔ اسطرف حسن البنّا کے ساتھ کھڑے تھے سید قطب شہید اور ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف ادھر ذوق عبودیت میں غرق سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے سراپا عاجزی۔ محمد اقبال لاہور پنجاب سے۔ اور بھی تھے اور بہت سے تھے۔ درود و سلام یک زبان پیش کیا گیا۔ پھر جماعت نے

محمد اقبال کی طرف دیکھا کہ وہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر جذبات اور بیان کے معاملے میں انکو فوقیت دی گئی۔ مگر پہلے ہی جملے پر لوگ چونکتے ہو گئے کہ اقبال کی آواز کہیں بلند نہ ہو جائے۔ شکوہ کہیں تلخ نہ ہو جائے کیونکہ وہ اس جراءت کے لیئے مشہور ہیں۔ مگر بارگاہ رسالت میں تلخی اور تندی کی اجازت نہیں ہے۔

درود وسلام کے بعد اقبال بولے:

یا رسول اللہ میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوان نعمت سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ آپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔ آپکے سایہ رحمت میں زندگی گذار رہی ہے۔ لیکن یہ قوم یا رسول اللہ آج اُسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امّت کے وجود کا دارومدار ہے۔ اس کے رہ نما اور لیڈر آج یہ کوشش کر رہے کہ اس قوم کو ۔ اس امّت واحدہ کو قومیتوں میں بانٹ دیں۔ اس قوم نے تازہ خدا ایجاد کر لئے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے "وطن" ہے
جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ قوم اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتی ہے جسے آپ نے ختم فرمایا تھا۔ یہ اس چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا۔

وہ اس امّت کو جاہلیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ یوروپ کی امریکہ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں جوان کو جوتے کی نوک پر رکھ کر روٹی کا ٹکڑا دیتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر رہے ہیں۔ یہ اپنی قوم کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چراغ مصطفوی اور شرار ابولہبی میں آج پھر جدال ہے۔ مدد۔ مدد۔ مدد یارسول اللہ مدد۔

''نگاہے یارسول اللہ نگاہے''

آپ نے بتوں سے کعبہ کو پاک کر کے بُت جلوادیئے تھے۔ آج نئے بت تعمیر۔ تجویز۔ تالیف اور تصنیف کیے جا رہے ہیں۔ یارسول اللہ! ہمارے لیڈر شیطان کے کہنے پر ہم کو بنیاد پرست کہتے ہیں اور ہماری بنیاد اکھاڑ رہے ہیں۔ یہ ہم کو نیا اسلام سکھا رہے ہیں۔ معتدل۔ ترقی پسند مہذب قسم کا اسلام۔ یہ ہم کو یہ سکھا رہے ہیں کہ آپ کا لایا ہوا اسلام معتدل ترقی پسند مہذب نہیں تھا۔ کس قدر تاریک ہے ان کی خیالوں کی دنیا۔ انھوں نے نہ صرف ہماری دنیا بلکہ دین پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔ شیخ حرم بن گئے ہیں۔

یہ ہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

اقبال سے خطرہ تھا کہ وہ شکوہ میں گرم جوش ہو جائیں گے۔ مگر امید یہ تھی کہ لاترفعو اصواتکم (حضور کے

صلّی اللہ علیہ وسلم

سامنے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو) کا خیال رکھیں گے۔

گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

اب ان کو نرم کرنا ضروری تھا۔ پیچھے سے ایک بوڑھا بڑھا اور اقبال کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔ اقبال نے اس ہاتھ کو پہچان لیا اور اپنے آنسو دونوں آستینوں میں جذب کر کے پیچھے ہو گئے اور پھر ایک کمزور دل آویز پرسوز آواز سنائی دی۔

"اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے"

آندھی چلتے چلتے رک گئی۔ طوفان تھم گیا۔ تمام انقلابیوں باغیوں نے دوسرا مصرعہ اٹھایا۔ سب نے الطاف حسین حالی کی آواز سے آواز ملائی۔

(الطاف حسین حالی کی آواز)
اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آ کے ملائے

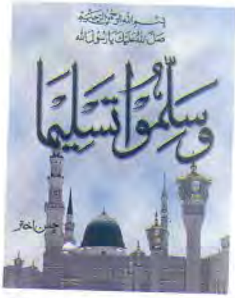
(ساری جماعت کی آواز)
امّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
اب اس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

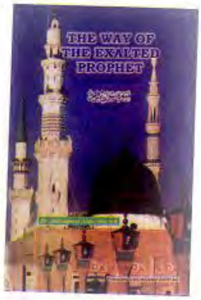
جو دین کہ ہمدردِ بنی نوع بشر تھا اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے
دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
کر حق سے دعا امتِ مرحوم کے حق میں خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

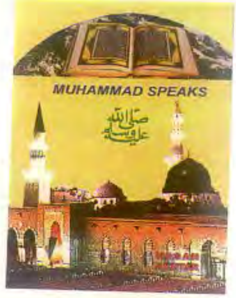
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

حسن اختر
یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

اللّٰھم صل علی محمدِ نبی الامی وعلیٰ آلہٖ و بارک وسلّم







ہمارے بابا حسن اختر صاحب نے 73 سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا۔اندازاً پانچ سال میں 4000 صفحات اردو اور انگریزی میں طبع زاد اور تراجم کی شکل میں سامنے آئے۔ بارہ کتابیں شائع ہوچکیں اور کچھ مسوّدہ کاغذ پر اور کچھ اشاریہ (نوٹس) موجود ہیں۔ یہ کام مالی منفعت کیلئے نہیں کیا گیا۔ صرف اور صرف اپنا خرچ کیا اور دنیاوی منافع صفر۔ ان تمام کتابوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی طرح ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں یعنی سیرت کا کوئی پہلو یا احادیث کا مجموعہ یا خطبات کا مجموعہ۔ کسی کتاب کے حقوق محفوظ نہیں رکھے گئے۔ جو فرد یا ادارہ چاہے بغیر اجازت کے چھاپ سکتا ہے۔ اطلاع دینے پر شکر گزاری کا خط جائے گا۔ جو تقسیم کار چاہے اس کو یہ ادارہ اپنی لاگت پر کتابیں فراہم کرے گا۔ حسن اختر کے بیٹوں کی دعا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بوڑھے کی محنت کو قبولیت بخشیں اور ہمارے بابا کو مزید محنت کی اجازت اور سعادت ملے۔

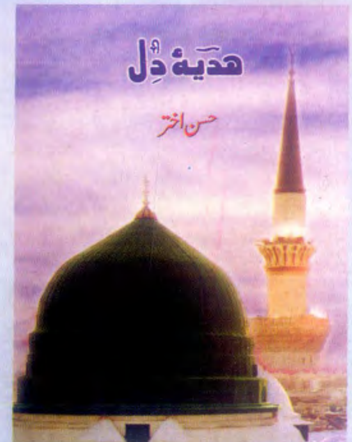
عبید حسن اختر

حسن مصطفیٰ

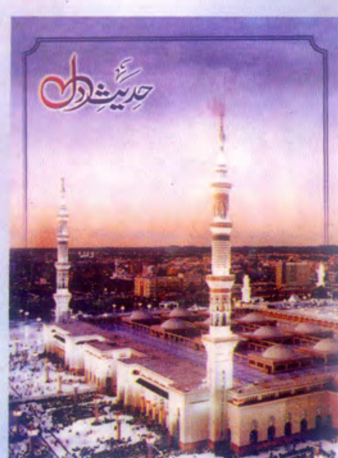
المصطفیٰ پبلی کیشنز

61-C، توحید کمرشل ایریا، 24 کمرشل اسٹریٹ،
ڈیفنس سوسائٹی، فیز 5، کراچی

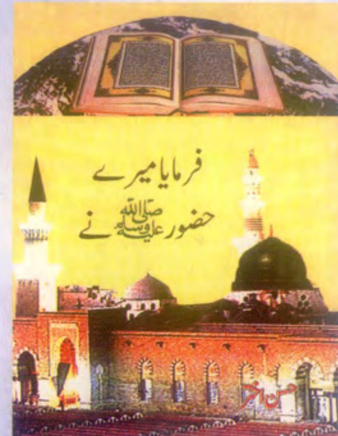
Tel:539-0308 Fax:587-6343
E-mail:bilal1011@hotmail.com



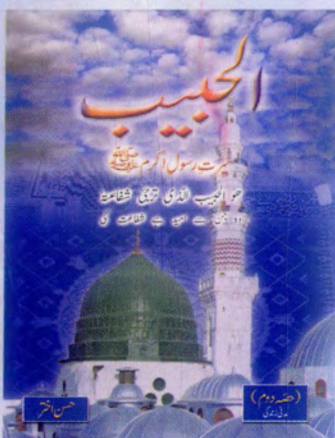
هدیۂ دِل
حسن اختر



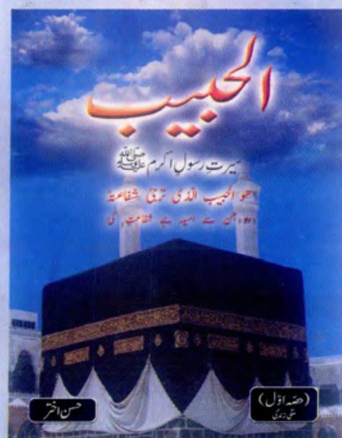
حدیثِ دل



فرمایا میرے
حضور ﷺ نے



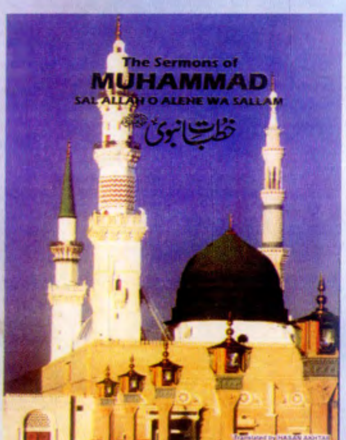
الحبیب
سیرت رسول اکرم ﷺ
حسن اختر
(حصہ دوم)



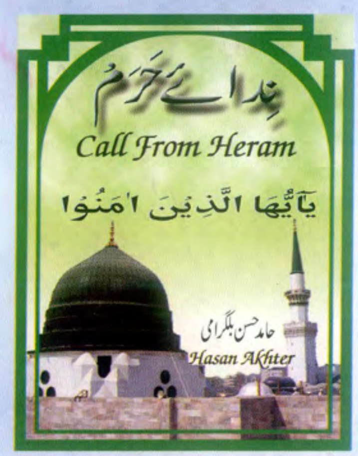
الحبیب
سیرت رسول اکرم ﷺ
حسن اختر
(حصہ اوّل)



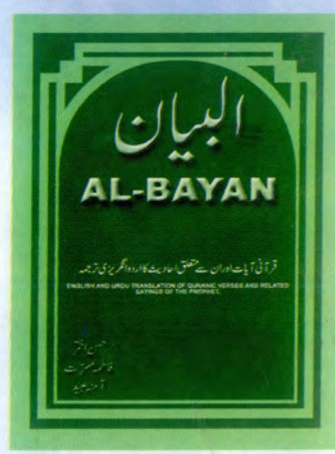
حرفِ راز
حسن اختر



The Sermons of
MUHAMMAD
SAL ALLAH O ALEHE WA SALLAM
خطباتِ نبوی ﷺ



ندائے حرم
Call From Heram
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
حامد حسن بلگرامی
Hasan Akhter



البیان
AL-BAYAN